بسم اللہ الرحمن الرحیم

بفیضِ روحانی: حضور مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ

من یرد اللہ بہ خیرًا یفقہہ فی الدین (حدیث)

علوم و معارف اور تحقیقات نادرہ کا گنج گراں مایہ

المکرمۃ النبویۃ فی الفتاوی المصطفویۃ

مسمی بہ

فتاویٰ مفتیِ اعظم

جلد دوم

تصنیف منیف

امام الفقہاء والمشائخ تاجدار اہل سنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت

حضور مفتی اعظم ابوالبرکات محی الدین حضرت علامہ شاہ

محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ

(متوفی: ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء)

امام احمد رضا اکیڈمی

صالح نگر، بریلی شریف (یوپی)۔ ۲۴۳۵۰۲

سلسلہ اشاعت ←—— (۷۷)

نام کتاب: المكرمة النبوية في الفتاوى المصطفوية

عرفی نام: فتاویٰ مفتی اعظم

مصنف: تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری قدس سرہٗ

تقدیم وترتیب جدید: محمد حنیف خاں رضوی بریلوی صدر المدرسین جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

تخریج وترجمہ: محمد حنیف خاں رضوی، مولانا محمد جابر خاں، مولانا محمد عرفان، مولانا اویس قرنی، مولانا محمد ندیم

تصحیح کتابت وفہرست: مولانا عبدالسلام صاحب رضوی، محمد حنیف خاں رضوی

کمپوزنگ وسیٹنگ: محمد منیف رضا خاں برکاتی، مولوی محمد زاہد علی شاہدی مولوی محمد نعیم نوری، محمد عفیف رضا برکاتی

تعداد اشاعت: گیارہ سو (۱۱۰۰)

سنہ اشاعت: (۱۴۳۶ھ/۲۰۱۴ء)

باہتمام: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

ہدیہ عام Rs: 3500/-

E-mail: mohdhanif92@gmail.com
Web: www.imamahmadrazaacademy.com

(ملنے کے پتے)

☆ امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر رام پور روڈ بریلی شریف، پن 243502

☆ رضا اکیڈمی، ۵۲ رڈونٹاڈ اسٹریٹ کھڑک، ممبئی پن 400009

☆ کتب خانہ امجدیہ ۴۲۵/۷ مٹیا محل جامع مسجد، دہلی ٦

☆ رضا دار الاشاعت، آنند وہار بریلی شریف (یو۔پی)

☆ قادری بک ڈپو، نواب چوک چھوٹی جامع مسجد اسٹیشن روڈ اسلام پور اتر دیناجپور (بنگال)

فہرستِ عنوانات

جلد دوم

کتاب العقائد والکلام

کتاب الطہارۃ

کتاب الصلاۃ

مسئلہ اذان میں تصدیق اعظم

فہرست مسائل

کتاب العقائد والکلام

حیض

اذان کا بیان

اس جلد کا اجمالی تعارف

اس جلد کے عنوانات وابواب حسب ذیل ہیں۔

(۱) کتاب العقائد والکلام (۲) کتاب الطہارۃ (۳) کتاب الصلاۃ

(۱) کتاب العقائد کے تحت مندرج ذیل سات ابواب ہیں:

توحید۔ رسالت۔ قرآن۔ علم غیب۔

ختم نبوت۔ کفریات۔ اعتقادیات ومعمولات۔

ختم نبوت پر ایک مستقل رسالہ "تصحیح یقین بر ختم نبیین" (ص۷۹) پر ہے۔

کل فتاویٰ کی تعداد باون (۵۲) ہے۔

(۲) کتاب الطہارۃ کے تحت مندرجہ ذیل چار ابواب ہیں:

پانی کا بیان۔ وضو۔ غسل۔ حیض۔

کل فتاویٰ کی تعداد تیرہ (۱۳) ہے۔

(۳) کتاب الصلاۃ کے تحت اس جلد میں باب الاذان ہے، نماز کے تعلق سے باقی فتاویٰ تیسری جلد میں ہیں۔

باب الاذان میں چند فتاویٰ ہیں اور اس کا بڑا حصہ اذان کے سلسلہ میں علمائے اہل سنت کے درمیان اختلافی مباحث پر مشتمل ہے۔

دستیاب شدہ رسائل میں اذان خطبہ کے تعلق سے اس جلد میں تین رسائل شامل

کیے گئے ہیں:

(۱) مقتل کذب وکید (۱۳۳۲ھ) ص (۲۴۸)

(۲) نفی العار من معایب المولوی عبد الغفار (۱۳۳۲ھ) ص (۳۳۶)

(۳) مقتل اکذب واجہل (۱۳۳۲ھ) ص (۳۶۶)

یہ تینوں رسائل مولوی عبد الغفار خاں صاحب رام پوری کی کتاب " آثار المبتدعین لاعدام حبل اللہ المتین " کے رد میں ہیں۔ دلائل کی قوت وکثرت کا اندازہ ہر قاری کرسکتا ہے۔ اس موضوع پر "مباحث کا خلاصہ" کے عنوان سے شروع میں ایک مضمون شامل اشاعت ہے۔ (ص ۲۳۱) پر

اذان ہی کے ضمن میں تثویب کے موضوع پر ایک رسالہ "القول العجیب فی جواز التثویب " کے نام سے ہے، اس میں اذان کے بعد دوبارہ اعلان (صلاۃ) پکارنے کے موضوع پر ہے جس میں اس کا جواز پیش کیا گیا۔ یہ (ص ۳۹۵) سے شروع ہوا ہے اور اس کا خلاصہ (ص ۳۸۳) پر ہے۔

کتاب العقائد والکلام

ابواب

(۱) توحید

نظم کائنات ازلی وابدی ہے

(۱) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

''اصول کو اہل منطق اور اہل فلسفہ وحدت فطری اور عوام الناس نظم کائنات کہتے ہیں۔ اسی قانون کی برکت اور اسی اصول کا صدقہ ہے کہ کائنات، کائنات کی صورت میں ہے۔ آفتاب کی تیز شعاعیں، مہتاب کے تسکین دہ لمعات، باد سموم کے تیز جھونکے، ریگستان کے رتیلے ذرات کی مہلک لپٹ، بارشوں کا نزول، اور ابخرات کا عروج، غرض کہ کائنات کی ہر حرکت وسکون خاص قوانین اور اصول کے ماتحت ہے۔ جن کو دنیا کی کوئی قوت نہ توڑ سکتی ہے، نہ پھوڑ سکتی ہے، نہ مٹا سکتی ہے، نہ ہلا سکتی ہے، وہ اصول پختہ ودائمی مستحکم اور ابدی ہیں''۔ کیا اس عبارت کے قائل نے نظم کائنات اور کائنات کو دائمی اور ابدی نہیں کہا، اور کائنات کو لافانی اور باقی نہیں مانا؟ حکم شرع بیان ہو۔ بینوا توجروا۔

از شہر بنارس محلہ بٹیہ مرسلہ اثیر الدین جلال الدین صاحبان۔ ۸ر شعبان المعظم ۴۹ھ

الجواب

قائل نظم کائنات کو ابدی کہتا ہے نہ کائنات کو۔ کائنات کو نہ اس نے ابدی ودائمی بتایا نہ اس کے کسی لفظ سے یہ مترشح۔ نظم کائنات سے اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ نظام دنیا ابدی ہے، یوں یہ ابد الآباد تک رہے گا، بلکہ نظم کائنات اس نے انہیں اصول کا نام رکھا جن پر نظام کائنات برقرار ہے، جن پر نظام کائنات کا مدار ہے۔ رہا یہ کہ کن اصول کو وہ دائمی ومستحکم وابدی کہتا ہے، یہ اس عبارت میں نہیں، وہ بھی منقول ہوتے تو ان کا حکم بتایا جاتا، مگر ایسے اصول ہیں جنہیں ابدی کہہ سکتے ہیں بلکہ وہ بھی جو ازلی بھی ہے، اور ابدی بھی، ہمیشہ سے ہے اور ابد الآباد تک رہے گا، وہ اصل کیا ہے: لا الٰہ الا اللہ جس پر نظام کائنات کا مدار ہے کہ ﴿لَوْ کَانَ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾(۱)

---

(۱) [سورۃ الانبیاء: ۲۲]

اگر زمین وآسمان میں اللہ کے علاوہ چند معبود ہوتے تو زمین وآسمان برباد ہو جاتے۔

اور یوں بھی کہ جب عالم میں کوئی: لاالہ إلا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والا باقی نہ رہے گا جب ہی قیامت قائم ہوگی، اور یہ نظام عالم درہم برہم اور عالم تہہ وبالا اور نیست ونابود ہو جائے گا۔ فنا کی گھاٹ اتر جائے گا۔ تو اسے ابدی ودائمی کہنے میں کیا حرج کہ قطعاً ابدی دائمی ہے۔ اصول کے دائمی وابدی ہونے سے عالم ونظام عالم وابدی ودائمی نہ ہو جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ أعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم۔

اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا جائز اور اہل اسلام کا معمول ہے

(۲) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

اللہ عزوجل پر ہی خدا کا اطلاق ہوسکتا ہے، اور سلف سے لے کر خلف تک ہر قرن میں تمام مسلمانوں میں بلانکیر اطلاق ہوتا رہا ہے۔ اور وہ اصل میں "خودآ" ہے جس کے معنی ہیں وہ جو خود موجود ہو، کسی اور کے موجود کیے موجود نہ ہوا ہو۔ اور وہ نہیں مگر اللہ عزوجل ہمارا سچا خدا۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

اللہ تعالیٰ کو "میاں" نہیں کہنا چاہیے

(۳) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

اللہ تعالیٰ کو اللہ میاں کہنا درست ہے یا نہیں؟ جو اللہ میاں کہتے ہیں ان پر کس قدر گناہ ہے؟۔

الجواب

اللہ تعالیٰ، اللہ عزوجل، اللہ عز جلالہ، اللہ سبحانہ، اللہ عز شانہ، یا جل شانہ، وغیرہ کہنا چاہیے۔ میاں نہ کہنا چاہیے۔ عوام میں یہ لفظ بولا جاتا ہے، اس سے انہیں احتراز کرنا چاہیے۔ تفصیل کے لیے احکام شریعت دیکھیں۔ اس میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے مفصل تحریر فرمایا، گناہ نہیں مگر یہ لفظ اس کی جناب میں بولنا برا ہے۔ اس کی شان وعزت کے لائق نہیں۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

اللہ تعالیٰ تک کسی عیب کی رسائی ماننا اسے عیبی بتانا ہے

(۴) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ

(۱) زید باوجود مولوی ہوتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال لانا بیل وگدھے سے بُرا ہے۔

(۲) زید کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے مگر بولے گا نہیں۔ زید کے ان قولوں پر بکر وعمر وغیرہم کہتے ہیں کہ زید نے اللہ ورسول کی توہین کی، اور عوام میں گڑ بڑی ہوگئی۔ ایسی صورت میں تین مولویوں نے یہ فیصلہ کیا کہ بیل گدھے کا اطلاق خیال لانے والے پر ہوتا ہے، نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر۔ اور خدا جھوٹ بول سکتا ہے مگر اس کی شان کے خلاف ہے۔ ان کلمات کے اندر ہرگز توہین اللہ ورسول کی نہیں لازم آتی ہے۔ انہیں مولویوں کے کہنے سے زید نے کہا کہ میرے قول میں ہرگز توہین نہیں ہوئی۔ اگر عوام سمجھتے ہوں تو میں توبہ کرتا ہوں۔ اب ایسی صورت میں زید امام ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

بے شک ان اقوال بدتر از ابوال میں اللہ ورسول۔ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کی توہین ہے۔ اور ضرور کذب پر قدرت ماننا، اللہ عزوجل کو عیب لگانا ہے۔ کذب عیب ہے۔ یہاں عیبی وہی نہیں جو عیب میں ملوث ہو۔ مولیٰ عزوجل کے سراپردۂ عزت تک عیب کی رسائی ہوسکتی ماننا بھی اسے عیبی بتانا ہے۔ اور جو عیبی ہوسکے ہرگز خدا نہیں۔

علمائے اسلام کتب عقائد وکلام میں تصریح فرماتے ہیں:

"الکذب علی اللّٰہ تعالیٰ محال."(۱)

کذب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب کرنا محال ہے۔ (مترجم)

صدق، اللہ عزوجل کی صفت ہے۔

قال تعالیٰ: ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا﴾ (۲)

اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔

---

(۱) [موسوعة الفرق المنتسبة للإسلام: المطلب الرابع، ۱/۴۹۱]

(۲) [سورة النساء: ۱۲۲]

وقال عزوجل:

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيثاً﴾(۱)

اوراللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔

اوراس کی صفات واجب۔کذب ممکن ماننا صدق کوغیرواجب ماننا ہے۔ولاحول ولا قوة إلا باللہ العلی العظیم۔

اس مسئلہ کو تفصیلات سے ''سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح'' میں ملاحظہ کیجیے۔زید کو ہر گز امام نہ بنایا جائے۔اس کے پیچھے نماز حرام ہے۔وہ مولوی بھی ملوں سے پرلی طرف ہیں جنھوں نے کہا کہ ''بیل گدھے کا اطلاق خیال لانے والے پر ہے''۔ان کا یہ قول نہیق حمار سے بدتر ہے،اور صوت حمیر سے انکر ہے۔قائل صاف بک رہا ہے کہ ''خیال لانا بیل گدھے سے برا ہے''۔نہ خیال لانے والا۔پھر یہ بولی بول کر بھی کیا بنالیا؟اب یہ ہوا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا خیال نماز میں لانے والا ایسا ہے کہ بیل گدھے اس سے اچھے ہیں''۔حضور کا خیال معاذ اللہ اس درجہ شنیع ہے کہ خیال کرنے والا ان بے تمیزوں کے نزدیک بیل اور گدھے سے بدتر ہے۔والعیاذ باللہ تعالیٰ . ولاحول ولا قوة إلا باللہ .واللہ هو الموفق للسداد وهو تعالیٰ أعلم۔

(۲)رسالت

غیررسول کورسول اللہ بمعنی قاصد کہنا بھی کفر ہے

(۵) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید نے چندلوگوں کے سامنے کہا(بلکہ اس کی تحریر دستخط بھی بندہ کے پاس موجود ہے)کہ مجھے رسول بالمعنی القاصد کہہ سکتے ہیں۔اب شریعت ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم دیتی ہے،حالاں کہ یہ شخص کوئی جاہل بے علم نہیں بلکہ شرح وقایہ،شرح جامی،قطبی وغیرہ پڑھتا ہے۔کیا ایسا شخص اس کہنے سے ایمان سے خارج نہ ہوگیا اور کافر نہ ہوا؟گوکہ اس نے اپنے کو رسول بالمعنی المذکور ہی کہا ہے۔کیا کسی کو رسول بمعنی

---

(۱)[سورۃ النساء:۸۷]

مذکور کہہ سکتے ہیں، اگر کہہ سکتے ہیں تو پھر لاکھوں کروروں رسالت کا دعویٰ بمعنی مذکور کر سکتے ہیں، تو پھر لاتعد ولا تحصی رسول دنیا کے اندر موجود ہو سکتے ہیں، اور کیا زید کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہوگئی اور اس کو دوبارہ عقد و تجدید اسلام کی ضرورت ہے؟ صاف جواب عنایت فرمائیں اور بادشاہ حقیقی سے اجر عظیم کے مستحق بنیں۔ بینوا بالکتاب مفصلاً توجروا یوم الحساب کثیراً۔

از موضع اوری محلہ ملاہا ضلع اعظم گڑھ مرسلہ مولوی حکیم عبدالسلام سلمہ، ۳۰؍ جمادی الاخرہ ۵۲ھ۔

الجواب

اگر کوئی رسول کو اللہ عزوجل کی طرف مضاف کر کے اپنے کو یا کسی غیر رسول کو رسول اللہ کہے اور کہے، میں نے اس سے قاصد و پیامی ہونے کا ارادہ کیا تھا اس کی یہ تاویل مردود ہوگی ہرگز نہ سنی جائے گی، کہ صریح لفظ میں تاویل کا دعویٰ زنہار مسموع نہیں، ورنہ کوئی کفر کفر نہ رہے، اپنے آپ کو خدا کہے اور ارادہ بتائے کہ میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں خود آیا ہوں۔

خلاصہ وفصول عمادی وجامع الفصولین وفتاویٰ عالمگیریہ وغیرہ کتب معتمدہ میں ہے:

"واللفظ للعمادية قال: أنا رسول الله أو قال بالفارسية من پیغمبرم يريد به من پیغام می برم يكفر"(۱)

اور لفظ عمادیہ کے ہیں کہ کسی نے کہا کہ..... میں اللہ کا رسول ہوں۔ یا فارسی میں کہ.... من پیغمبرم، اور اس سے مراد لیا کہ میں پیغام لے جاتا ہوں تو کافر ہو جائے گا۔ (مترجم)

علما ایسی تاویل کی نسبت فرماتے ہیں: "لا يقبل۔ (شفا شریف)

نیز فرماتے ہیں:

"هو مردود عند القواعد الشريعة"(۲)

قواعد شریعت کی رو سے یہ تاویل مردود ہے۔

اور فرماتے ہیں: "لايلتفت لمثله ويعد هذيانا."(۳)

ایسی تاویل کی طرف دھیان نہ دیا جائے گا اور اس کو پاگل پن خیال کیا جائے گا۔ (مترجم)

---

(۱) [فتاوی عالم گیری، کتاب السیر، باب التاسع في أحكام المرتدين: ۲/۲۳۴]

(۲) (شرح الشفا للملا علی القاری الباب الأول فی بيان ماهو في حقه، ۲/۳۹۶)

(۳) [نسيم الرياض شرح الشفا للقاضي عياض. ۲/۳۳۴]

یوں ہی ہماری زبان میں بے اضافت اگر مثلاً یوں کہیں کہ میں رسول ہوں، یا وہ رسول ہے،
عمادیہ وغیرہا کی عبارت پھر دیکھیے:

"أو قال بالفارسية من پيغمبرم الخ"(۱)

یا فارسی میں کہا من پیغمبرم (میں پیغمبر ہوں) (مترجم)

ہاں غیر مولیٰ تعالیٰ کی طرف اس لفظ کی جب اضافت ہوتی ہے تو وہاں اس لفظ کے لغوی معنی ہی مراد ہوتے ہیں، اور یوں بھی اس کا استعمال شائع ہے، خود احادیث میں بھی موجود ہے۔ اردو میں بھی اگر کوئی یوں کہے کہ میں فلاں شخص کا رسول ہوں، اور قاصد کا ارادہ کرے تو اس میں کوئی محذور نہ ہوگا۔ اگر شخص مذکور نے اس سے کہ "مجھے رسول بالمعنی القاصد کہہ سکتے ہیں" یہی ارادہ کیا تھا کہ غیر مولیٰ تعالیٰ کی جانب مضاف کر کے، جب تو ٹھیک ہے۔ اسے بھی رسول۔ زید یا عمرو یا بکر وغیرہ اگر کوئی کہے تو مواخذہ نہ ہوگا۔ اور اگر اس کی یہ مراد نہ تھی تو اسے توبہ چاہیے اور تجدید ایمان وتجدید نکاح بھی۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

(۳) قرآن

قرآن کی بے مثل فصاحت وبلاغت آسمانی کتاب ہونے کی دلیل ہے

مسئلہ: (۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ زید کہتا ہے کہ قرآن شریف آسمانی کتاب ہے اور خدا کا فرمان ہے، لیکن بکر کہتا ہے کہ نہیں، لہذا زید کو کیا کیا دلیلیں پیش کرنی چاہیے کہ جس سے اس کی تسکین ہو۔ بینوا توجروا۔

از بریلی سنہری مسجد۔

الجواب

آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ قرآن خود اپنی دلیل آپ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی کتاب ہے۔ اس زمانہ میں جب فصاحت وبلاغت کا بازار گرم تھا، زبان عربی کی ترقی کا عہد شباب تھا، فصحا وبلغا کا دور دورہ تھا، بچہ، فصیح وبلیغ ماں باپ کی گود میں پلتا، زبان کھلتے ہی فصیح وبلیغ ہوتا، لڑکیاں قصائد برجستہ کہا کرتی تھیں

---

(۱)[نسیم الریاض شرح الشفا للقاضي عیاض. ۲/۳۳٤]

شعرا اپنے قصیدے لکھ کر کعبہ معظمہ کے دروازے پر لٹکایا کرتے اور پھر ان کے جواب ہوا کرتے۔ قرآن عظیم حضرت سیدتنا آمنہ صلی اللہ تعالیٰ علی ابنہا ثم علیہا وسلم کے یتیم فرزند ارجمند پر (جن کے سر مبارک پر برائے تربیت وتعلیم باپ دادا نہ تھے جن کی عمر شریف اوائل ایام، حلیمہ سعدیہ بدویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں بادیہ میں بسر ہوئی۔ جنہوں نے کسی انسان سے کسی کتاب کا کوئی حرف نہ پڑھا) نازل ہوا، جس نے تحدی فرمائی کہ:

﴿وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ﴾(۱)

یعنی اے مئے فصاحت کے متوالو! اے شراب بلاغت سے سرشارو! اے زبان کے ایسے مدعیو کہ دوسروں کو گونگا بتانے والو! اگر تم دربارۂ قرآن کسی ادنیٰ سے ادنیٰ شک میں پڑے ہو تو اس کی سی ایک چھوٹی سی سورت کہہ لاؤ۔ اور نہ تم ہی بلکہ:

﴿وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ. فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾(۲)

اور اللہ عزوجل کے سوا جنہیں تم نے معبود بنالیا ہے انہیں بھی مدد کے لیے پکار لو اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تم ایسا نہ کرسکو اور ہرگز ایسا نہ کرسکو گے تو آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

کہیں فرمایا:

﴿فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَ﴾(۳)

سب کے سب جمع ہو جاؤ اپنے شرکا کو بھی جمع کرلو۔

کہیں فرمایا:

﴿لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾(۴)

ہرگز اس کی مثال نہ لا سکیں گے، اگرچہ بعض بعض کے مددگار ہوں۔

قرآن تو کلام اللہ صفۃ من صفات اللہ ہے۔ کوئی اس کا مثل کیوں کرلا سکے۔ جو شی بھی اللہ عزوجل کے یہاں سے ہو محال ہے کہ تمام عوالم مل کر بھی اس کا مثل بنا سکیں، پانی کا قطرہ قطرہ، مٹی کا ذرہ ذرہ، ہوا کا

---

(۱) [سورۃ البقرۃ:۲۳]
(۲) [سورۃ البقرہ:۲۳، ۲۴]
(۳) [سورۃ یونس:۷۱]
(۴) [سورۃ الاسرا:۸۸]

ہر ہر حصہ، آگ کی ہر ہر چنگاری، نور کا ہر ہر لمعہ، غرض کے عوالم کی ہر ہر شی کا ہر ہر ریزہ اس پر گواہ ہے، نہ اصل کی مثل کوئی لاسکتا ہے، نہ فرع کی مثل کوئی بنا سکتا ہے، اصل وفرع، روح وجسم کا مثل کیا معنی، کوئی محض صورت کا مثل بھی نہیں بنا سکتا، وہ رنگ وروپ نہیں لاسکتا۔ ایسی جو چیز عالم میں نظر آتی ہے، یا محسوس ہوتی ہے جس کا مثل عوالم میں کسی سے ممکن نہ ہو عقل وشعور رکھنے والا بلکہ پاگل بھی اسے اللہ عزوجل کی محض قدرت سے جانتا اور سچے دل سے اسے اللہ عزوجل کی مخلوق مانتا ہے۔ تو قرآن عظیم جو اس خالق جل مجدہ کی صفت ہے، جس کی کسی مخلوق کا مثل تمام عالموں میں کسی شی سے ممکن نہیں تو اس کی صفت کا کوئی کیوں کر کس طرح لاسکے۔ قرآن کا مثل ناممکن ہونا باعلی ندا منادی کہ قرآن منجانب اللہ ہے۔ علما وبلغائے عرب جس کے مقابلہ سے عاجز ہوئے ان میں بہت وہ جن کے نصیب میں ہدایت تھی اسے سن کر ہی ہدایت یاب ہوئے اور پکار اٹھے کہ یہ کلام کلام بشر نہیں، اور سچے دل سے اسے کلام اللہ اعتقاد کرکے ایمان لائے، اور بدنصیب جن کے قلوب پر عناد وجہالت کے غطاء تھے اگرچہ دل سے وہ بھی: "ما ھذا کلام البشر" مجبوراً مانا کیے مگر عناداً یہی کہتے رہے کہ:

﴿لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا﴾(۱)

مگر عقلا بے شک می دانند کہ اگر انہیں کچھ مخفی قدرت ہوتی تو کس دن کے لیے اٹھا رکھتے، قرآن کلام بشر ہوتا تو کیا وہ زبان داں جو اپنے آگے تمام دنیا کو گونگا جانتے، وہ فصحا وبلغا جن کے آگے فصاحت وبلاغت ہاتھ باندھے کھڑی رہتی، جن کی لونڈیاں برجستہ قصائد پڑھا کرتیں، قرآن کے آگے کیوں گونگے ہو جاتے، قرآن اگر کلام بشر ہوتا تو اس میں ایسی گرفتگی، ایسا جذبہ، ایسی خوبی، ایسی خوش اسلوبی، یہ حسن، یہ ملاحت، یہ سلاست، یہ لطافت کہاں ہوتی، یہ اثر کب ہوتا کہ معاندوں کو جب کچھ نہ بن پڑتا تو کہتے:

﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾(۲).

اس قرآن کو نہ سنو نہ کسی کو سننے دو کہ جو سنے گا اسی کا کلمہ پڑھے گا، ہم سے ٹوٹ کر اسی کا ہو رہے گا، جب قرآن پڑھا جائے تو غل شور مچاؤ، غل بل غل بل کرو کہ تم غالب آؤ، کہ نہ لوگ قرآن سنیں گے نہ ایمان لائیں گے۔

ظاہر ہے کہ اگر وہ کلام بشر ہوتا تو وہ فصحا وبلغا اس کے مقابلہ سے کیوں عاجز ودرماندہ رہتے، خود ہی ہر شخص علاحدہ علاحدہ مستقل قرآن اس کے مقابل بنا کر پیش کرتا۔ پھر جب کہ قرآن کی وہ تحدی دیکھتا

---

(۱) [سورۃ الانفال: ۳۱] (۲) [سورۃ فصلت: ۲۶]

جب تو جان توڑ کوشش سے مقابلہ کرتا۔ جب کافر اس تحدی پر بھی اس کی سی ایک سورت نہ بنا کر لا سکے، جب معانداس کے سننے سے رکے، اوراوروں کو روکا، اوراس کی آواز کان میں نہ پڑ جائے، غل شور مچانے غل بل غل بل کرانے لگے، تو روز روشن سے زیادہ روشن وآشکار ہوا کہ قرآن ایسی بے مثل کتاب ہے جس کا مثل کسی سے ممکن نہیں، جوایسی چیز ہو جس کا مثل ممکن نہ ہووہ خدا ہی کی ہوتی ہے، تو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن وتاباں کہ قرآن کلام اللہ ہے، ہرگز کلام بشر نہیں۔

پھر قرآن کے اٹل احکام لم یزل، اوراوامر ونواہی، محکم قواعد وقوانین اپنے مخالفوں کو بھی مجبور کر کے کہلوا لیتے ہیں کہ بے شک یہ احکام خداوندی ہیں ہرگز یہ بشری نہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ عقلا جمع ہو کر جو قوانین وضع کرتے ہیں کبھی فوراً کبھی کچھ دن بعد زمانہ انہیں مجبور کرتا ہے کہ وہ ان میں ترمیم کریں، یامنسوخ کر کے نئے قوانین بنائیں۔ مگر قرآنی قوانین ایسے قوانین نہیں جن میں کوئی تبدیل، کوئی تغییر، ذرا بھی ترمیم، یا کسی تھوڑی سی تنسیخ کی حاجت ہو۔ وہ آج سے تیرہ سو برس پہلے جیسے ضروری تھے ڈیڑھ ہزار برس کے قریب زمانہ گزرتا ہے آج بھی ویسے ہی ضروری ہیں، اور تاقیامت ان کی اسی طرح حاجت وضرورت رہے گی۔ دنیا بھر میں قرآنی قوانین کا شہرہ ہے، قرآنی قوانین عالمگیر وہمہ گیر قوانین ہیں، دنیا بھر کے سلاطین انہیں قوانین کی سرکار کے بھکاری ہیں، یہ اور بات ہے کہ عناد سے تسلیم نہ کریں، یا کسی قرآنی قانون کی من مانتی صورت بنالیں۔ قرآن خدا کا کلام ہونے کے ثبوت میں کسی کے کہنے کامحتاج نہیں کہ دنیا کے معتبر لوگ کہیں کہ یہ کلام خدا ہے تو اس کا کلام کلام خدا ہونا ثابت ہو، وہ خود آپ اپنی دلیل ہے، مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ واللہ تعالیٰ ھو الموفق للصواب . واللہ تعالیٰ أعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم.

قرآن کو ناقص کہنے اوراس میں تغیر وتبدیل ماننے والے پر توبہ فرض ہے

مسئلہ: (۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ایک پیر جی اپنے مریدوں کواس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ قرآن کا چالیس پارہ تھا، دس پارہ فقیروں نے چاٹ لیا ہے۔ آیا اس پیر جی کے متعلق شریعت ومعرفت میں کیا حکم ہے؟۔ بینوا بالدلیل توجروا۔

از: تودہ جوریاں ڈاک خانہ ایزٹ نگر ضلع بریلی مرسلہ مسلمانان قصبہ مذکورہ، ۱۱ جمادی الآخرہ ۱۳۵۲ھ۔

الجواب

وہ جاہل پیر روافض کا ہمنوا وہمسر ہے، اس پر اپنے اس گندے عقیدے سے توبہ فرض ہے۔ بعد توبہ تجدید ایمان، تجدید نکاح بھی اگر بیوی رکھتا ہو کرے۔ قرآن اللہ عزوجل کی وہ مبارک کتاب ہے جس میں کمی وبیشی، تغیر وتبدیل سے حفاظت وصیانت کا خود اسی نے اسی قرآن میں وعدہ فرمایا ہے:

﴿وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ﴾(۱)

اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

اور فرمایا:

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾(۲)

باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے۔

اس جاہل نے روافض کی طرح وہ بک کر کہ چالیس پارے تھے، دس پارے کم ہوگئے، قرآن کے محفوظ ہونے کا انکار کیا۔ ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلي العظیم۔ واللہ تعالیٰ الھادي والموفق۔

کسی جاہل نے اپنے آپ کو قرآن کہا تو یہ قول برا ہے

مسئلہ: (۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

پیر ومرید کے درمیان گفتگو ہورہی تھی۔ اس میں ایک شخص نے کہا قرآن عظیم کی قسم کھاؤ کہ یہ بات ٹھیک ہے، پیر نے کہا کہ قرآن کی قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر یہ سمجھے تو اس کا قرآن میں خود ہوں۔ پیر کا یہ کہنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

از رانی کھیت ضلع الموڑہ مسئولہ طالب حسین صاحب ۲۰/ ذی قعدہ ۵۳ھ۔

الجواب

پیر نے جو وہ کلمہ کہا برا کیا اگر وہ جاہل ہے۔ عالم ہو جب بھی ایسا کہنا نہ چاہیے۔ قرآن اللہ عزوجل کا کلام اس کی صفت غیر مخلوق ہے۔ پیر اگر صاحب مرتبہ بھی ہو، تو کتنا ہی بلند پایہ رکھتا ہو اللہ کا بندہ

---

(۱) [سورۃ الحجر:۹] (۲) [سورۃ حم سجدہ:۴۲]

اس کی مخلوق ہے۔قرآن کی جگہ کیوں کر ہوسکتا ہے؟اگر پیر عالم ہے اور اس نے وہ کلمہ بایں معنی کہا کہ اگر یہ سمجھے تو میں اس کا ہادی، اور قرآنی تعلیم کرنے والا خدا تک رسائی کا واسطہ ہوں، تو مطلب ٹھیک ہے، مگر لفظ برے ہیں۔اور اگر جاہل ہے تو ہرگز اس مطلب کا وہم بھی اسے نہیں ہوسکتا، اور اگر ہوتو نرا ادعا محض جھوٹ۔حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنی نے قرآن اپنے آپ کو نہ کہا قرآن کی جگہ اپنے آپ کو نہ رکھا، مصحف فرمایا کہ فرمایا:''**هذا مصحف صامت و انا مصحف ناطق.أو كما قال رضي الله تعالىٰ عنه.** ''اُس میں اِس میں بڑا فرق ہے۔**والله تعالىٰ أعلم۔**

''كتبت هذا تفقهاً، ثم بعد زمان راجعت ''الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية'' لسيدي المولىٰ عبد الغني النابلسي قدس سره القدسي في مسئلة فوجدت فيها بحمدالله مايؤيد هذا الفتوىٰ ولله الحمد.وهذا نصه: نعم الخلوة وهمة الشيخ الصادق العارف الكامل في مرتبتي العلم والعمل الجامع بين علمي الظاهر والباطن كافية للمريدين ومغنية لهم عن قراء ة الكتاب والمطالعة والاشتغال في العلوم، اذهمته وحدها وغيرته الإلهية لا تتركهم علىٰ جهل في حكم من الأحكام مطلقاً، وحيث دخلوا تحت تربيته فهو كتاب لهم وزيادة ؛ لأن عنده جميع مايحتاجون إليه مما في الكتاب، وربما كانت قرأتهم ومطالعتهم ودراستهم على أستاذ غيره مانعة لهم من الدخول تحت أمره ونهيه فيما يعلمه من صلاح أحوالهم علىٰ مقتضى الشريعة المحمدية، فهو ينهاهم عن طلب العلم لئلا تألف قلوبهم الإكثار من العلم مع ترك العمل به، فيكون علمهم حجة عليهم، ويعلّمهم ماينفعهم شيئاً فشيئاً ؛ لأنه أعرف بمصالحهم منهم۔ وأماإذاكان شيخهم قاصراً جاهلاً لا يعلم حكم الله تعالىٰ عليه ولا عليهم وقد أمرهم بذلك فهو ضال مضل اه.والله تعالىٰ أعلم۔''

میں نے یہ اپنی فقہی بصیرت کی روشنی میں لکھا تھا، پھر کچھ دنوں کے بعد میں نے علامہ عبدالغنی نابلسی کی کتاب ''حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ'' میں کسی مسئلہ کے لیے رجوع کیا تو میں نے اس میں اپنے اس فتویٰ کی تائید پائی، والحمد للہ علی ذلک، جس کی عبارت یہ ہے کہ ہاں خلوت اور شیخ صادق عارف کامل کی صحبت علم وعمل کے درجہ میں ہے جو ظاہری اور باطنی علوم کو جامع ہے، جو مریدین کے لیے کافی ہے اور انہیں کتاب اللہ کی تلاوت اور علوم فنون کے مطالعہ کی مصروفیت سے بے نیاز کرنے والی ہے۔کیوں کہ صرف اس کی صحبت اور شیخ کی غیرت ربانی مطلقاً کسی حکم میں مریدین کو جاہل نہ رہنے دے گی، اور جب وہ اس کی

تربیت میں آ گئے۔ تو وہ شیخ ان کے لیے کتاب بل کہ اس سے بھی بڑھ کر ہو گیا، اس لیے شیخ کے پاس وہ سب کچھ ہے جس کی انہیں کتاب میں ضرورت ہے اور بسا اوقات ان کا مطالعہ، تلاوت اور شیخ کے علاوہ دوسرے استاذ سے پڑھنا انہیں شیخ کے امر و نہی میں داخل ہونے سے ان امور میں مانع ہو گا جن میں وہ شریعت محمدیہ کے مطابق ان کے حالات کی اصلاح کا علم رکھتا ہے۔ پس وہ انہیں حصول علم سے روکتا ہے تاکہ ان کے دل ایسے کثیر علم کے نہ عادی ہو جائیں جس پر وہ عمل نہ کر سکیں، تو وہ علم ان کے خلاف حجت بن جائے، حالاں کہ شیخ انہیں تھوڑا، تھوڑا علم نافع سکھاتا ہے، اس لیے کہ وہ ان کی مصلحتوں کو ان سے زیادہ جانتا ہے، لیکن جب شیخ جاہل بے فیض ہو، تو وہ اپنے اوپر عائد شدہ احکام خدا کو نہ جان سکے گا، اور نہ ہی ان کے لیے احکامِ الٰہی کو جان پائے گا، حالاں کہ وہ انہیں اس کا حکم دیتا ہے،، پس وہ گمراہ اور گمراہ گر ہے۔ (مترجم)

کسی مجلس میں قرآن پڑھا جائے تو سب پر سننا لازم

مسئلہ: (۹)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید دریافت کرتا ہے کہ طالب علم قرآن عظیم کا سبق یاد کرتا ہو اس حالت میں کہ اس کا ہر حرف غلط ادا ہوتا ہو اور استاد ایک جلسہ کیے ہوئے ہو اس حالت میں کہ کچھ حقہ نوشی کرتے ہوں اور کچھ گفتگو دنیوی اور استاد بھی ہر شخص سے باتیں کر رہے ہیں، اور کھانا کھا رہے ہیں مگر طالب علم کو سبق صحیح کرانے کی استاد کو کچھ فکر نہیں ہے یہ معاملہ دیکھ کر بکر نے کہہ دیا کہ ایسی حالت میں یہ سب کام حرام ہیں، تو استاد نے جواب دیا کھانا کھانا بھی؟ بکر نے کہا کہ ہاں جب کہ اس کی کوئی خبر ہی نہیں لی جا رہی ہے۔ لہذا حکم شرع استاد و بکر وعام کے واسطے کیا ہے؟ از بریلی صالح نگر مسؤلہ کفایت حسین صاحب رضوی یکم شعبان ۵۶ھ

الجواب

قرآن عظیم کا سننا ہر شخص پر جو وہاں جہاں قرأت ہو رہی ہو حاضر ہو فرض ہے اس وقت بولنا ہی نہیں ہر کام کہ مخل استماع ہو گا ناجائز ہے۔

قال تعالیٰ: ﴿وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (۱)

---

(۱) [سورة الأعراف: ۲۰۴]

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔

خصوصاً استاد کہ اس پر اصلاح کے لیے بھی سننا ضروری ہے اور طالب علم جو غلطی کرے اس کا بتانا لازم خصوصاً قرآن عظیم میں۔ بے شک وہ استاد بے پرواہی اور ترک فرض استماع دونوں باتوں کا ملزم ہوگا جب کہ بعد قرأت وہ کلام یا کسی کام میں مشغول ہوا ہو۔ یوں ہی وہ لوگ جو وہاں بیٹھے ہوں۔ اور اگر مشغول تھے پھر ان کے نزدیک طالب علم نے اپنا پڑھنا شروع کیا۔ تو اس صورت میں یہ لوگ معذور رکھے جائیں گے۔ ان پر الزام نہ ہوگا۔

غنیۃ میں ہے:

"صبي يقرأ في البيت وأهله مشتغلون بالعمل يعذرون في ترك الاستماع إن افتتحوا العمل قبل القرأة وإلا فلا. والله تعالیٰ اعلم"(۱)

ایک بچہ گھر میں قرآن عظیم کی تلاوت کر رہا ہے اور گھر والے کام میں مشغول ہیں تو وہ ترکِ استماع میں معذور سمجھے جائیں گے، اگر انھوں نے تلاوت شروع ہونے سے پہلے کام کا آغاز کیا ہو۔ ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ (مترجم)

قرآن کریم سے طلب شفا حضور کے زمانہ سے رائج ہے

(۱۰) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ایک اشتہار دہلی سے آیا ہے اس میں تحریر ہے کہ سورۂ انا أنزلنا کھانے کی چیز پر دم کر لے ہیضہ سے محفوظ رہے گا۔ زید کہتا ہے کہ کیمیا بناتے ہیں لیکن کسر رہ جاتی ہے۔ جیسے حضرت بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سورۂ اخلاص پڑھ کر مٹی پر دم کیا سونا ہو گیا، زید کو دے دیا۔ پھر زید نے وہی سورۂ اخلاص مٹی پر پڑھ کر دم کیا وہ مٹی رہی۔ اسی طرح اس سورت کے پڑھنے سے کوئی اثر نہیں رہ سکتا۔ اس کے بیان سے بھی منشا پایا جاتا ہے اس مثال کے بیان کرنے سے اور لوگوں کو اس عمل سے روک دیا۔ زید پر کیا شرعی جرم عائد ہو سکتا ہے۔ بینوا توجروا۔ نقل اشتہار:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں امراض ظاہرہ وباطنہ دونوں کا علاج رکھا (۱)

---

(۱) [غنية المستملي شرح منية المصلي: ٤٩٧]

ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ آج کل ہیضہ کی ہوا بکثرت چل رہی ہے۔ اسی واسطے الدال علی الخیر کفاعله کو ذہن میں رکھتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ جب تک اس مرض کا چرچا ہو اس وقت تک کے لیے پابندی کے ساتھ تین مرتبہ سورۂ ﴿انا انزلنا﴾ آخر تک پڑھ کر ہر کھانے پینے کی چیز پر دم کر لیں۔ خدا نخواستہ یہ صورت پیش آئے اسی وقت تین مرتبہ سورۂ ﴿انا انزلنا﴾ پڑھ کر دم کر کے پلا دیں انشاء اللہ العزیز شفا ہوگی۔

نوٹ: استغفار۔ کلمہ سوئم کی کثرت کی جائے گناہوں سے پرہیز کرو۔ نماز کی تبلیغ کرو زیادتی کے ساتھ۔ ازمحلہ گھیر جعفر خاں مسئولہ مولوی غلام محمد یٰسین صاحب ١٧ر جمادی الثانی۔

الجواب

اس شخص نے جو کہا برا کہا۔ اور بہت بے ہودہ حرکت کی کہ نیک عمل سے روک دیا۔ بے شک قرآن عظیم ظاہر و باطن ہر مرض کی دوا ہے شفا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾(١)

وقال الله تعالىٰ: ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ﴾(٢)

اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔ اور اللہ نے ارشاد فرمایا: تم فرما دو وہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے۔

مومنوں کے لیے شفا ہے اور ظالموں کے لیے خود فرماتا ہے:

﴿وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا﴾ (٣)

اور اس سے ظالموں کو نقصان ہی بڑھتا ہے۔

قرآن عظیم سے طلب شفا عہد کریم حضور علیہ الصلاۃ والتسلیم سے آج تک تمام مسلمانوں میں جاری و ساری ہے، اس کا تو کوئی مسلمان کیوں انکار کر سکتا ہے۔ کسی مسلمان سے یہ مظنون کیسا موہوم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کا مطلقاً منکر ہو۔ اس شخص نے جو الفاظ بکے بہت برے بکے جن سے توبہ و رجوع کرے۔ مگر اس کا مطلب انکار نہ ہوگا، بلکہ یہ کہ قرآن عظیم شفا ہے مگر ہمارا طریق استعمال ویسا نہیں جس

(١) [سورۃ الإسراء: ٨٢] (٢) [سورۃ فصلت: ٤٤]

(٣) [سورۃ الإسراء: ٨٢]

سے خاطر خواہ فائدہ ہو۔ جیسا قرآن عظیم کی تلاوت یا کتابت سے بطریق حسن ہوسکتا ہے۔ لہذا بزرگان دین کی زبان کہاں اور ہماری زبان کہاں۔ ہماری زبان ہر وقت ملوث بعصیان رہتی ہے۔

سورۂ اخلاص سے مٹی سونا ہوگئی مگر ہماری زبان سے تلاوت ہونے پر بھی سونا نہیں ہوتی، تو تاثیر قرآن کا وہ مطلقاً منکر نہیں معلوم ہوتا۔ عصیان آلود زبان سے پڑھا جائے اس کی تاثیر کا منکر معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ اس کی نافہمی ہے۔ بلاشبہ دوا میں اللہ عزوجل نے شفا رکھی ہے دوا کا اثر باذنہ تعالیٰ ضرور ہوتا ہے۔ طبیب حاذق ہونا ضرور نہیں کہ طبیب حاذق استعمال کرے تو فائدہ ہو غیر طبیب حاذق استعمال کرے تو فائدہ نہ ہو۔ اس شخص کے طور پر تو بوعلی سینا، افلاطون، بقراط، سقراط، ارسطو، جالینوس ہی نسخہ لکھیں تو فائدہ ہوگا ورنہ نہیں، یہ اسکی جہالت ہے۔ اگر وہ لوگوں کو ایسا کہہ کے روکے تو لوگ اس کو پاگل سمجھیں گے، اور کبھی دوا سے نہ رکیں گے۔ مگر آہ از ضعف اسلام آہ۔ آہ افسوس ان بے خبروں پر جو اس بد عقل، بد منش، بے خرد کی اس بے ہودہ مخالفت پر قرآن عظیم سے شفا حاصل کرنے سے رکیں ایسے لوگ سخت بد نصیب ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ. واللہ تعالیٰ اعلم۔

نماز کے وقت بلند آواز سے تلاوت درست نہیں

(۱۱) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ....

جامع مسجد بریلی شریف میں جمعہ کی اذان اول سے خطبہ کے شروع ہونے تک منبر کے قریب کھڑے ہوکر بعض میلاد خوان نعت شریف یا شاہ نامہ اسلام یا ذکر شہادت لاؤڈ اسپیکر پر باآواز بلند پڑھتے ہیں، اور بعض لوگ تقریر کرتے ہیں، اور اس دوران میں بعض سامعین اس طرح نعرے بلند کرتے ہیں کہ تمام مسجد گونج جاتی ہے۔ اور ایام محرم میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ نماز پڑھنے کے لیے نہیں آئے ہیں بلکہ مجلس عرس میں شرکت دینے کی غرض سے جمع ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ حضور مفتی اعظم ہند صاحب مدظلہ العالی نے سید عباس علی صاحب کو منع فرمادیا تھا اور انھوں نے اعلان کردیا تھا کہ حضرت نے مجھ کو منع فرمادیا ہے، اس لیے مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ حضرت کے منع فرمانے کے بعد میں پڑھ سکوں، مگر اسی وقت شفیق احمد جو کہ ماسٹر کے نام سے مشہور ہے وہ قطعاً جاہل ہے شیطان کی طرح آگیا اور اس نے حضرت کے فرمان کی یہ ترمیم کی کہ عباس علی صاحب اذان سے پندرہ منٹ تک پڑھا کریں اور اس کے بعد پندرہ منٹ سنتیں پڑھتے، اور دیگر عبادت کرنے کے لیے چھوڑ دیے جائیں، مگر اس پر بھی عمل نہیں ہوا، جامع مسجد

بریلی میں ہرنماز کی اذان جماعت سے آدھا گھنٹہ پہلے ہوتی اور پندرہ منٹ پہلے صلاۃ ہوتی ہے مگر جمعہ کی صلاۃ خطبہ سے صرف پانچ منٹ پہلے ہوتی ہے، اور نعت خواں یا مقررین حضرات صلاۃ ہونے تک پڑھتے رہتے ہیں اور صلاۃ کے بعد خطبہ تک صلاۃ وسلام بہ آواز بلند مع حاضرین کے پڑھتے ہیں، جامع مسجد بریلی شریف میں اول تو جمعہ کی اذان اول کے بعد سے خطبہ شروع ہونے تک نمازی آتے رہتے ہیں اور سنتیں پڑھتے رہتے ہیں۔ دوسرے کچھ لوگ تلاوت کرتے رہتے ہیں، اور بعض اشخاص صلاۃ التسبیح پڑھتے ہیں، اور بعض لوگ دوسرے وظائف پڑھتے ہیں، ایسی حالت میں بلند آواز سے پڑھنا یا تقریر کرنا مناسب ہے یا نہیں۔ اوران کی بلند خوانی سے نماز میں خلل پڑتا ہے یا نہیں؟۔ اور نماز میں دھیان بٹتا ہے یا نہیں؟۔ اور بلند خوانی والے حضرات اپنے اس عمل سے ثواب حاصل کرتے ہیں یا گنہ گار ہوتے ہیں؟۔ ایک کانپوری مولانا بھی اس دوران میں کبھی وعظ فرماتے ہیں۔ میں نے ان سے عرض کیا تھا کہ آپ بعد نماز وعظ فرمایا کیجیے تو انھوں نے خفا ہو کر فرمایا کہ آپ مجھے منع کرتے ہیں، عباس علی صاحب پر آپ کا کچھ نہیں چلتا۔ بینوا توجروا

المستفتی محمد شاہ حسن خاں ساکن بریلی شریف، محلہ ذخیرہ، ۱۴؍ اگست

الجواب

جس وقت لوگ نماز پڑھتے یا ذکر و تلاوت قرآن کرتے ہوں اس وقت بلند آواز سے قرآن عظیم بھی نہیں پڑھ سکتے، لوگ پہلے وعظ و نصیحت کا وقت مقرر کرلیں۔ ایسا جس وقت کوئی نمازی ذاکر شاغل یا قرآن حکیم پڑھنے والا نہ ہو، نہ نعت خواں اور واعظ ضد کریں، نہ ذاکر شاغل وغیرہ کہ واعظ و نعت خواں کے لیے وقت نہ دیں، یا واعظ و نعت خواں جمعہ کی نماز کے بعد نعت خوانی کریں، واعظ وعظ کہے، جو ضد کرے گا وہ ظلم کرے گا۔ وقت نماز و ذکر و تلاوت قرآن، بلند آواز سے قرآن خوانی یا وعظ یا نعرہ لگانے والے توبہ کریں، آئندہ اس سے باز رہیں۔ ہر سخنے موقع ہر نکتہ مقامے دارد۔ نیکی برباد گناہ لازم والا مضمون نہ ہونے دیں۔ واللہ تعالیٰ هو الهادي وهو تعالىٰ اعلم

مسئلہ علم غیب پر فتوی کا خلاصہ

از: محقق عصر حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی
صدر شعبہ افتاو ناظم مجلس شرعی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

فقیہ فقید المثال اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے آئینہ جمال و کمال، مسند الوقت، حضور سیدی و مرشدی مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خدا رسیدہ بزرگ، بلند پایہ فقیہ اور بہت ہی عظیم مفتی تھے۔ آپ نے خلق خدا کی رشد و ہدایت اور تبلیغ دین کے لیے اپنے لیل و نہار وقف کر دیے تھے، پھر بھی کچھ وقت فارغ کر کے گاہے بہ گاہے فتاویٰ بھی تحریر فرماتے، یہ بھی وقت کا ایک عظیم المیہ ہے کہ آپ کے بہت سے فتاویٰ محفوظ بھی نہ رہے، تاہم جو کچھ محفوظ ہے، اس سے بھی آپ کی فقہی عظمت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

اس بے مایہ نے بڑی عجلت میں آپ کے مجموعہ فتاویٰ کی فہرست اور چند فتاویٰ کا سرسری اور بعض کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا تو محسوس ہوا کہ آپ کی ذات بابرکات میں خدائے سبوح و قدوس نے وہ تمام خوبیاں جمع فرما دی ہیں جو ایک کامل فقیہ اور ماہر مفتی میں ہوا کرتی ہیں۔ یعنی وسعت مطالعہ، جزئیات کا استحضار، دلائل کی قوت و ضعف میں امتیاز، شواہد کا احاطہ، متعارض جزئیات میں تطبیق، ترجیح کی قدرت، استخراج کا ملکہ، حالات زمانہ کی رعایت، اہل زمانہ کے حالات سے آگاہی، سائل کی عقل و فہم کے لحاظ سے گفتگو، جامع اور بہتر تعبیر، سائل کے خلجان کا ادراک اور اس کا شافی حل۔ مختصر یہ کہ علمائے اعلام نے فقہا کے جو سات طبقات بیان فرمائے ہیں ان میں سے آپ دوسرے اور تیسرے طبقے کے فقہائے ممیزین و مرجحین کے زمرے سے نظر آتے ہیں۔

جزئیات کا استحضار، دلائل کی قوت وضعف میں امتیاز اور تطبیق و ترجیح کی قدرت:

آپ کے مجموعہ فتاویٰ کا پہلا فتویٰ بحر الرائق کی ایک عبارت سے پیدا کی جانے والی غلط فہمی کو دور کرنے کے تعلق سے ہے جو بارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہم اپنی بات کو واضح کرنے کے لیے اس فتوے کے چند ضروری گوشوں کو نمایاں کرتے ہیں۔

آپ سے سوال ہوا۔

زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے تھے اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ بحر الرائق جلد: ۳، ص: ۹۴ میں ہے:

و فی الخانیة و الخلاصة :لو تزوج بشهادة الله و رسوله لا ینعقدلاعتقاده ان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یعلم الغیب۔ (فتاویٰ مصطفویہ،ص:١،کتاب الایمان)

فتاویٰ خانیہ اور خلاصہ میں ہے کہ اگر کسی نے اللہ اور اس کے رسول کو شاہد بنا کر نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا کیوں کہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔

اور ایسا ہی بزازیہ میں ہے، جواب شافی بادلیل مرحمت فرمائیں۔

اس کے جواب میں آپ نے جو کچھ فرمایا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

☆ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب سے مطلقاً انکار کفر مبین ہے۔

☆ یہ حق ہے کہ صورت مذکورہ میں نکاح نہ ہوگا، مگر اس کی توجیہ صحیح نہیں، ضعیف ہے، مرجوح ہے،، موول ہے، ظاہر پر ہرگز محمول نہیں۔

() مسئلہ صحیح ہے:

یہ مسئلہ اپنی جگہ صحیح ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنانے کی صورت میں نکاح نہ ہوگا، اس کو حضرت مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے تشفی بخش انداز میں سمجھایا ہے، فرماتے ہیں:

مسئلہ تو صرف اتنا تھا کہ اگر کوئی شخص شہادت خدا اور رسول سے نکاح کرے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا کہ شرطِ انعقادِ نکاح گواہوں کا حاضر رہنا ہے۔ حدیث میں ہے: لا نکاح الا بشهود مسلمان کے نکاح میں دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کا حضور شرط ہے، جو عاقل و بالغ ہوں اور یہ سمجھیں کہ نکاح ہو رہا ہے۔

وہ کون سا نکاح ہے جو خدا سے غائب ہے، اگر محض خدا کی شہادت سے نکاح کرتا، یا فرشتوں مثلاً کراماً کاتبین کی شہادت سے کرتا جب بھی باطل ہوتا کہ شرطِ صحتِ نکاح نہ پائی گئی۔

(فتاویٰ مصطفویہ،ص:٦، ٧)

ان چند جملوں میں حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ انکشاف فرمایا ہے کہ صورت مذکورہ میں نکاح نہ ہونے کی وجہ اگر یہ ہو کہ رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب کا علم نہیں ہے تو اللہ عزوجل کی شہادت سے نکاح ہونا چاہیے تھا، کیوں کہ وہ یقیناً عالم الغیب والشہادۃ ہے، حالاں کہ اس کو شاہد بنانے سے نکاح نہیں ہوتا۔ یوں ہی کراماً کاتبین وغیرہ فرشتوں کی شہادت سے بھی نکاح ہو جانا چاہیے تھا، کیوں کہ وہ انسان کے ساتھ رہتے ہیں اور اس کے اقوال و افعال، و حرکات و سکنات کا بخوبی علم بھی رکھتے ہیں، حالاں کہ ان کو شاہد بنانے سے بھی نکاح نہیں ہوتا، اس لیے ثابت ہوا کہ نکاح نہ ہونے کی بنیاد عدمِ علم پر نہیں، بل کہ کسی اور چیز پر ہے، اور وہ ہے محسوس شکل میں گواہوں کا مجلس نکاح میں حاضر ہونا۔ اس شرط کی حکمت وہابی سمجھیں یا نہ سمجھیں لیکن

الحمدللہ ہم اہل حق خوب سمجھتے ہیں کہ شریعت طاہرہ نے یہ شرط لگا کر ایک بہت بڑے فتنے وفساد کا دروازہ بند فرمادیا ہے، ورنہ لڑکے لڑکی، مرد عورت بالکل آزاد ہوتے، جب چاہتے یہ کہ، کرناجائز طور پر ساتھ ہو جاتے کہ ہم نے خدائے پاک، یا کراماً کاتبین کی شہادت سے باہم نکاح کرلیا ہے، پھر جب چاہتے طلاق کا دعویٰ کر کے الگ ہو جاتے۔ پھر کیا ہوتا؟ دنیا سے امان اٹھ جاتا اور نسب کا تقدس محفوظ نہ رہ جاتا۔ اس حکمت بالغہ اور مصلحت مہمہ کی بنیاد پر شریعت نے حضور شہود کی شرط لگائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت سے نکاح کو غیر منعقد قرار دیا۔ وہابیوں نے موقع غنیمت جانا اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اسے تنقیصِ علمِ رسالت کی دلیل بنادیا، مگر ہزار بار رحمتیں نازل ہوں حضور سیدی مفتی اعظم پر کہ صرف چند جملوں میں آپ نے اس مسئلے کی ایسی نقاب کشائی فرمائی کہ وہابیہ کی پھیلائی ہوئی غلط فہمی کی بنیاد ہی مسمار ہوگئی۔

ماہر مفتی کی ایک امتیازی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے جواب میں خاص اس اشتباہ کو حل کرنے پر خصوصی توجہ دیتا ہے جو سائل اور عوام الناس کے لیے خلجان کا باعث ہوتا ہے، اس لیے اُسے سوال کے مضمرات میں سائل کی دکھتی رگ کو تلاش بھی کرنا ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس کی عقل وفہم کے اندازے سے آسان یا دقیق، مختصر یا مطول ایسا جواب بھی دینا ہوتا ہے جو صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے لیے تشفی بخش بھی ہو، یا سائل معاند ہے تو مسکت ہو اور فتوے کو اپنے یا پرائے کے لیے بے جا استعمال نہ کر سکے۔ اس لیے ہم لوگ اپنے فتاویٰ میں اس کا التزام کرتے ہیں مثلاً اگر اس طرح کا سوال آتا ہے کہ:

شیعہ مذہب کے امام کے پیچھے سنی کی نماز ہوگی یا نہیں؟

تو جواب اس طرح لکھا جاتا ہے کہ:

دیوبندی، وہابی، قادیانی، رافضی وغیرہ بد مذہبوں میں سے کسی بھی بد مذہب کے پیچھے سنی کی نماز نہ ہوگی۔

تاکہ کوئی دیوبندی فتوے کا سہارا لے کر سنی شیعہ کو یا وہابی سنی اور دیوبندی کو لڑا نہ سکے اور خود کنارے کھڑا ہو کر تماشا دیکھے۔ فتاویٰ مصطفویہ میں ایسے فتاویٰ کے بہت سے شواہد ہیں، انھیں میں سے زیر بحث یہ فتویٰ بھی ہے کہ حضرت نے چند جملوں میں جو بات ارشاد فرمائی ہے وہ سائل کی دکھتی رگ کا شافی علاج بھی ہے اور اگر وہ معاند وہابی ہو تو خاموش کن جواب بھی۔ اور بہر حال مسئلے کے اصل خدوخال کو واضح کر کے عوام اہل سنت کو کسی غلط فہمی کا شکار ہونے سے بچالیا ہے۔

مسئلے کی توجیہ صحیح نہیں:

رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت پر نکاح نہ ہونے کی یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد بنانے والا، آپ کو غیب داں ماننے کی وجہ سے کافر ہوگیا اور کافر کا نکاح مسلم کے ساتھ نہیں

ہوتا۔

(الف) پہلی وجہ تو وہی ہے جو گزر چکی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیب دانی کا اعتقاد اگر قائل کے نزدیک کفر ہے تو اللہ عزوجل کی غیب دانی کا اعتقاد تو کفر نہیں، وہ تو یقیناً قائل کے نزدیک بھی عالم الغیب والشہادۃ ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی شہادت میں نکاح منعقد ہو جائے، حالاں کہ کوئی اس کا قائل نہیں۔ یوں ہی کراماً کاتبین کی شہادت میں بھی نکاح کا انعقاد تسلیم کر لینا چاہیے کیوں کہ وہ حضرات ضرور طرفین کے ایجاب وقبول کو سنتے جانتے ہیں بل کہ نوٹ بھی فرماتے ہیں اور یہ اعتقاد بھی قائل کے نزدیک کفر نہیں تاہم ان کی شہادت پر کوئی بھی نکاح کے منعقد ہونے کا قائل نہیں۔

(ب) دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کی عطا سے غیب داں نبی ہیں۔ یہ قرآن حکیم کی کثیر آیات اور بے شمار احادیث نبویہ سے ثابت ہے، یہی فقہائے کرام، ائمہ اعلام اور جملہ اہل حق، اہل اسلام کا عقیدہ ہے۔ قدیم زمانے میں ایک گم راہ فرقہ معتزلہ اس کا مخالف رہا ہے مگر ان کی مخالفت اہل حق کے اجماع اور کتاب وسنت کے واضح نصوص کے مقابل قطعی بے اثر ہے حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مطلب نفیس کی وضاحت کے لیے بڑے اختصار کے ساتھ صرف دس آیات قرآنیہ اور دس احادیث نبویہ سے استناد کیا ہے، جن سے روز روشن کی طرح حضور سید الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غیب داں ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

صحابہ واہل بیت حضرات اور عرفا وعلماے دین کی تصریحات سے آفتاب سے زیادہ روشن کہ انبیا واولیا علوم غیب پر مطلع ہیں۔

(فتاویٰ مصطفویہ، ص:۹)

پھر جمع النہایہ، فتوحات وہبیہ، صاوی حاشیہ جلالین، تفسیر نیشاپوری، مدارج النبوۃ، درۃ الغواص، الجواہر والدرر، فتوحات مکیہ، الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، مثنوی مولوی معنوی، تفسیر روح البیان اور نسیم الریاض سے سرکار علیہ التحیۃ والثنا کی غیب دانی کے ثبوت کے تعلق سے صریح عبارات نقل فرمائی ہیں، جن سے یہ امر بہ خوبی عیاں ہو کر سامنے آجاتا ہے کہ حضور دانائے غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیب دانی کا اعتقاد ایمان کی سلامتی کے لیے ضروری ہے اور مطلقاً آپ کے علم غیب کا انکار کفر ہے کیوں کہ یہ قرآن حکیم کے نصوص قطعیہ کا انکار وتکذیب ہوگا، پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ معاذ اللہ آپ کی غیب دانی کا اعتقاد کفر ہو جائے اور اس کی وجہ سے نکاح باطل قرار پائے۔

یہی وجہ ہے کہ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتوے کے آغاز میں ہی یہ واضح فرمادیا کہ:

زید بے قید کا حضور عالم ماکان ومایکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب سے مطلق انکار کفر مبین ہے

کہ یہ قرآن عظیم کی آیات باہرہ کثیرہ سے انکار ہے

(فتاویٰ مصطفویہ، ص:۱)

پھر آیات واحادیث اور ارشادات علما سے دلائل وشواہد کا ایک تسلسل قائم فرمادیا۔

(ج) صاحب بحر الرائق نے وہ مسئلہ فتاویٰ قاضی خاں کے حوالہ سے نقل کیا ہے حالاں کہ امام قاضی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے خود کفر کا حکم نہیں دیا ہے اس لیے صاحب بحر سے یہاں خانیہ کی ترجمانی میں بہ تقاضاے بشریت لغزش ہوئی۔ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نقاب کشائی ان الفاظ میں فرمائی:

امام فقیہ النفس قاضی خاں رضی اللہ عنہ نے اپنے فتاویٰ (جلد اول، ص:) میں فرمایا:

رَجُلٌ تَزَوَّجَ امْرَأَةً بِشَهَادَةِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ كَانَ بَاطِلًا لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا نِكَاحَ إِلَّا بِشُهُوْدٍ وَبَعْضُهُمْ جَعَلُوْا ذٰلِكَ كُفْرًا ،لِأَنَّهٗ يَعْتَقِدُ أَنَّ الرَّسُوْلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ :

(ترجمہ: کسی شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی شہادت سے نکاح کیا تو وہ نکاح باطل ہوگا، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: گواہ حاضر نہ ہوں تو نکاح نہ ہوگا اور بعض نے اسے کفر قرار دیا کہ نکاح کرنے والا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کا اعتقاد رکھتا ہے۔)

امام فقیہ النفس نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کفر ہے، بل کہ یہ فرما کر کہ بعض نے اسے کفر ٹھہرادیا، اس کے ضعف کا اشعار فرمادیا۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص:۷)

اس عبارت سے صاف عیاں ہے کہ امام قاضی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نکاح نہ ہونے کی وجہ عدم حضور شہود بتائی ہے جو بلاشبہ ایک بے غبار استدلال ہے۔

ہاں بعض نے علم غیب رسول کے اعتقاد کو کفر قرار دے کر نکاح کو باطل مانا مگر وہ بعض مجہول ہیں ممکن ہے وہ بعض معتزلی ہوں جن کا عقیدہ ظاہر کتاب وسنت کے خلاف ہے، اس لیے یہ توجیہ صحیح نہیں قرار دی جاسکتی۔ نہ اس کا انتساب امام قاضی خاں کی طرف کیا جاسکتا ہے۔

ممکن ہے کسی کے دل میں یہ خلجان واقع ہو کر پھر امام قاضی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید کیوں نہیں فرمائی تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض الناس کے اس کلام کی یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بغیر اللہ عز وجل کی عطا کے علم غیب کا اعتقاد کفر ہے جسے علم غیب ذاتی کہا جاتا ہے، اس لیے اس کی تردید سے گریز کیا مگر چوں کہ یہ توجیہ واقع میں دوسرے مسائل سے منقوض ہے اس لیے بعضهم جعلوا فرما کر اس کے ضعیف ہونے کا اشارہ فرمادیا۔ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اس میں بعض مجاہیل نے یہ اضافہ کیا کہ۔ وہ مسلمان شخص کافر ہو جائے گا۔ کیوں کہ وہ معتقد علم غیب

رسول ہوا، ظاہر تو یہ ہے کہ یہ بعض مجاہیل معتزلی ہوگا، اس نے اپنے مذہب کا پیوند اس میں جوڑ دیا۔

پھر یہ تاویل علم ذاتی بعض حنفیہ نے بھی اپنی تصانیف میں نقل کر لیا مگر اس کی مرجوحیت کو ظاہر کرتے ہوئے، کہ علم ذاتی ہی نہیں ہوتا، دوسری قسم علم عطائی بھی ہے۔ لہٰذا جب یہ احتمال ہے تو (رسول کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھنے والوں کو) کافر نہیں کہہ سکتے، اس احتمال کے ہوتے ہوئے تکفیر صحیح نہیں ہو سکتی۔

(فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۷)

اس بحث کا حاصل یہ ہوا کہ:

☆ بحر میں امام قاضی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف تکفیر کی جو نسبت کی گئی ہے وہ صحیح نہیں، یہاں صاحب بحر سے لغزش ہوئی ہے۔ اور امام قاضی خاں نے قول بعض کی تردید سے سکوت اس لیے اختیار فرمایا کہ اس میں تاویل کی گنجائش تھی۔

☆ نکاح نہ ہونے کے تعلق سے بعض کی یہ توجیہ ضعیف ہے اس کا اشارہ امام قاضی خاں کے کلام میں موجود ہے۔

☆ علم غیب رسول کا عقیدہ رکھنے والوں کو کافر قرار دینا درست نہیں ہے کیوں کہ مسلمان اپنے رسول کے لیے علم غیب عطائی کا عقیدہ رکھتا ہے، نہ کہ علم غیب ذاتی کا، اس لیے یہاں اس کا عین امکان ہے کہ نکاح کرنے والے کی نیت علم غیب عطائی ہو۔

(د) زید نے بحر کی عبارت پیش کر کے یہ بھی کہا ہے کہ:

اور ایسا ہی بزازیہ میں ہے (فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۱)

جس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ فتاویٰ بزازیہ میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کے عقیدے کو کفر قرار دیا گیا حالاں کہ ایسا نہیں اس لیے حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس فریب کو بے نقاب کرنے کے لیے فتاویٰ بزازیہ کی اصل عبارت ہی نقل فرما دی تا کہ ہر انصاف پسند خود فیصلہ کر لے کہ یہ بات بے بنیاد ہے۔

آپ رقم طراز ہیں:

فتاویٰ امام حافظ الدین محمد بن شہاب المعروف بہ ابن بزاز کردری میں فرمایا:

تزوجها بشهادة الله تعالىٰ ورسوله عليه الصلاة والسلام لا ينعقد۔ ويخاف عليه الكفر، لانه يوهم انه عليه الصلاة والسلام يعلم الغيب، وعنده مفاتيح الغيب الأية ۔

وما اعلم الله تعالىٰ لخيار عباده بالوحي والالهام، لم يبق بعد الا علام غيباً

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شاہد بنا کر نکاح کیا تو نکاح منعقد نہ ہوگا

۔اور اس پر کفر کا اندیشہ ہے اس لیے کہ وہ اس بات کا ایہام پیدا کر رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کا علم (ذاتی) رکھتے ہیں حالاں کہ قرآن حکیم میں ہے غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں

ہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو غیب کا علم وحی اور الہام کے ذریعہ عطا فرمایا ہے مگر اس کے عطا فرمانے کے بعد وہ (مفاتیح الغیب) کا غیب مخصوص نہیں رہ جاتا یخاف علیہ الکفر (یعنی اندیشہ کفر کے لفظ) نے صاف کردیا کہ مراد امام بزاز کی علم ذاتی ہے کہ اگر عطائی ماننا بھی کفر ہوتا تو یخاف (یا اندیشہ) نہ فرماتے۔ اور ما اعلم اللہ تعالیٰ بالوحی والالھام لخیار عبادہ (یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو وحی اور الہام کے ذریعہ علم غیب عطا فرمایا ہے) کہ، کر خیار عباد کے لیے من جانب اللہ وحی اور الہام سے علم ہونے کو تسلیم نہ کرتے۔

لم یبق غیبًا میں غیب سے امام کی مراد غیب ذاتی ہے۔ان کا مطلب یہ ہے کہ بعد اعلام وہ غیب باقی نہ رہا جو خدا کے ساتھ خاص ہے۔ (فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۷، ۸)

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس اقتباس سے درج ذیل امور کا افادہ فرمایا ہے:

☆ صاحب فتاویٰ بزازیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کے اعتقاد کو کفر نہیں قرار دیا ہے، بل کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے آپ کے لیے اور دوسرے خیار عباد کے لیے علم غیب کا اعتراف کیا ہے۔

☆ ہاں یہ فرمایا ہے کہ نکاح کرنے والے کے کلام سے حضور کے لیے علمِ غیب ذاتی کا ایہام ہوتا ہے، اس لیے اندیشہ کفر ہے۔

کہاں ایہام اور کہاں اعتقاد، دونوں میں کھلا ہوا فرق ہے۔یوں ہی کفر اور اندیشہ کفر میں میں بھی واضح فرق ہے، جسے ہر صاحب عقل سمجھتا اور مانتا ہے، پھر ایہام کو اعتقاد اور اندیشہ کفر کو کفر قرار دینا کھلی ہوئی خیانت اور بددیانتی ہے، جو کسی وہابی سے ہی متصور ہو سکتی ہے۔

یہاں یہ امر واضح رہے کہ نکاح کا گواہ اللہ اور رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کوئی جاہل ہی بنا سکتا ہے اور جاہل کو علمِ ذاتی وعطائی کا فرق معلوم نہیں ہوتا، اس لیے اس کے کلام سے علم ذاتی کا ایہام ہو سکتا ہے لہذا اسے ایسے قول سے اجتناب کا حکم دیا جائے گا، مگر اس کی جہالت کی بنیاد پر اس کو کافر قرار دینا زیادتی ہے۔

☆ صاحب فتاویٰ بزازیہ نے اللہ عز وجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شاہد بنا کر نکاح کرنے پر دو احکام صادر فرمائے ہیں:

(۱) لا ینعقد۔ نکاح نہ ہوگا۔

(۲) ویخاف علیہ الکفر۔اور نکاح کرنے والے پر اندیشہ کفر ہے۔

اس عبارت میں غور فرما لیجیے، وہ یہ نہیں فرما رہے ہیں کہ نکاح نہ ہونے کی وجہ اندیشہ کفر ہے، بل کہ یخاف علیہ الکفر فرما کر الگ سے ایک حکم جاری کر رہے ہیں، پھر کفر کا اندیشہ یا ایہام نکاح نہ ہونے کی وجہ

بھی نہیں بن سکتا۔ اس لیے امام ابن بزاز کردری کی طرف تکفیر کی وہ نسبت غلط ہے اور عقیدہ علمِ غیب رسول کو نکاح نہ ہونے کی وجہ بنانا قطعا مرجوح ہے۔

(ہ) درمختار میں ہے:

تزوج بشهادة الله ورسوله لم يجز ، بل قيل :يكفر۔

(اللہ اور رسول کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا، بل کہ کہا گیا کہ تکفیر کی جائے گی۔ اس قیل نے ضعف ومرجوحیت تکفیر کا اشعار فرمایا۔

(فتاویٰ مصطفویہ، ص:۸)

اس عبارت کو نقل فرما کر حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ ذہن دیا ہے کہ صاحب درمختار نے بعض الناس کے اس قول کو قیل سے نقل کیا ہے، جو اس کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے، پھر انھوں نے بھی اسے نکاح نہ ہونے کی دلیل کے طور پر نہیں ذکر کیا، جس سے صاف عیاں ہے کہ اسے دلیل بنانا صحیح نہیں۔

اس کے بعد حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ملتقط، فتاویٰ حجہ، فتاویٰ تتارخانیہ، ردالمحتار حاشیہ درمختار اور سل الحسام الھندی سے اس مضمون کی عبارتیں نقل فرمائی ہیں کہ اللہ عزوجل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم عطا فرمایا ہے، اس لیے نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بنانے کی تکفیر نہ کی جائے گی۔

(ملاحظہ ہو، فتاویٰ مصطفویہ: ص:۸)

پھر یہ افادہ فرمایا کہ ہدایہ، تجنیس، اور ہندیہ میں تو اس قول کو بالکل ہی ترک فرمادیا، یعنی اسے قابلِ ذکر نہ سمجھا، جس سے نہ صرف اس کے ضعف، بل کہ بطلان کا بھی اشارہ ملتا ہے۔

(ملاحظہ ہو فتاویٰ مصطفویہ، ص:۸)

(و) اخیر میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے اس بات پر نص صریح فرما کر حجت تمام فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر نکاح کرنے والا کافر نہ ہوگا، یہی صحیح ہے جو شک وشبہہ سے بالاتر ہے، چنان چہ فرماتے ہیں:

مضمرات، خزانۃ الروایات اور معدن الحقائق میں ہے:

والصحيح انه لا يكفر ، لان الانبياء عليهم الصلاة والسلام يعلمون الغيب وتعرض عليهم الاشياء ، فلا يكون كفراً۔

اور صحیح یہ ہے کہ (بے شک) بہ تحقیق وہ شخص کافر نہ ہوگا اس لیے کہ انبیا علیہم الصلوۃ والسلام غیب جانتے ہیں اور ان پر اشیا پیش کی جاتی ہیں تو ان کے لیے علمِ غیب کا اعتقاد کفر نہ ہوگا۔

(فتاویٰ مصطفویہ، ص:۹)

جب یہ امر شک وشبہہ سے بالاتر ہے کہ سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کو غیب داں ماننے والا کافر نہیں، یہی صحیح ہے تو اس کے خلاف حکم جاری کرنا غیر صحیح ہوا۔

خلاصہ مباحث:

ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ:

(۱) کسی شخص نے اللہ عز وجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نکاح کا گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا کیوں کہ نکاح کے لیے یہ شرط ہے کہ گواہ مجلسِ نکاح میں محسوس شکل میں حاضر ہو اور یہاں یہ شرط مفقود ہے۔

(۲) بعض مجہول اہل علم نے نکاح نہ ہونے کی وجہ یہ بتائی کہ رسول کو گواہ بنانے والا ان کو غیب داں ماننے کی وجہ سے کافر ہو گیا اور کافر کا نکاح کسی بھی مسلمان کے ساتھ باطل ہے۔

(۳) مگر کثیر آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ وارشادات فقہا وتصریحات علما وعرفا سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غیب داں ہونا ثابت ہے، اس لیے عقیدہ علم غیب رسول کو مطلقاً کفر قرار دینا باطل ہے۔

(۴) لیکن چوں کہ ہمارے کچھ فقہا نے اسے نقل فرما کر اس کی تردید نہ فرمائی اس لیے اس قول کی یہ تاویل کی جائے گی کہ یہ حکم علم غیب ذاتی پر محمول ہے تا کہ ایک صاحب عقل کے کلام کو ممکن حد تک لغو ہونے سے بچایا جا سکے۔

(۵) لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ کوئی بھی مسلمان اپنے رسول کے لیے علم غیب ذاتی کا عقیدہ نہیں رکھتا، بل کہ خدائے قدیر کی عطا سے ہی آپ کو غیب داں مانتا ہے، اس لیے صحیح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نکاح کا گواہ بنانے والا کافر نہیں اور اس کا عقیدہ علمِ غیب کتاب وسنت کے مطابق ہے۔

(۶) صاحب فتاویٰ بزازیہ کے مطابق زیادہ سے زیادہ نکاح کرنے والے کے قول مذکور سے علم غیب ذاتی کا ایہام ہوتا ہے، اس لیے اس پر ایہام کا حکم جاری ہوگا، نہ کہ اعتقاد کا، مگر یہ ایہام بھی کسی بڑے جاہل سے ہی متصور ہو سکتا ہے۔

(۷) اور بہر حال عقیدہ علم غیب رسولکو نکاح نہ ہونے کی وجہ بتانا ضعیف ومرجوح ہے ورنہ لازم آئے گا کہ اللہ عز وجل اور فرشتوں کی شہادت میں نکاح منعقد ہو جائے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔

(۸) صاحب بحر سے بہ تقاضائے بشری امام فقیہ النفس قاضی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام کی ترجمانی میں لغزش واقع ہوئی ہے، اس لیے اسے حجت نہیں قرار دیا جا سکتا۔ وہ فتویٰ یہ ہے

(۴) علم غیب

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب تھا

(۱۲) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب کو نہیں جانتے تھے، اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ بحرالرائق جلد ۳ ص ۹۴ مطبوعہ مصر میں ہے:

"وفي الخانية والخلاصة لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد ويكفر؛ لاعتقاده أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعلم الغيب. اھ"

اور ایسا ہی بزازیہ میں ہے۔ جواب شافی بالدلیل مرحمت فرمائے جاویں۔ فقط بینوا توجروا۔

الجواب

زید بے قید پُر از مکر وکید بدترین وہابی لعین ہے، اس کا حضور پرنور، شافع یوم النشور، ایمانِ جان، جانِ ایمان، عالم ماکان وما یکون، سرور عالم وعالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب سے مطلقاً انکار کفر مبین ہے، قرآن عظیم کی آیات باہرہ کثیرہ سے انکار ہے، قرآن عظیم کا ارشاد کریم ہے:

﴿تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ﴾ (۱) یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم تمہاری طرف وحی فرماتے ہیں۔ اور ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾ (۲) یہ نبی غیب بتانے پر بخیل نہیں۔

اور ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ﴾ (۳) اللہ اس لیے نہیں کہ اے عامۃ الناس خود تمہیں غیب پر مطلع فرمادے اور لیکن اللہ (اس کے لیے) چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔ اور ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَداً . إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ﴾ (۴) خدا کسی کو غیب پر مسلط نہیں فرماتا مگر رسول مرتضیٰ کو۔

اور ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيماً﴾ (۵) خدا نے سکھادیا تمہیں جو کچھ تم نہیں جانتے تھے (غیب وشہادت سے) اور اللہ کا تم پر فضل عظیم ہے۔

---

(۱) [سورۃ هود: ۴۹] (۲) [سورۃ التكوير: ۲۴]

(۳) [سورۃ آل عمران: ۱۷۹] (۴) [سورۃ الجن: ۲۶] (۵) [سورۃ النساء: ۱۱۳]

اور ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾(۱)
ہم نے یہ کتاب تم پر اتاری ہر شی کے روشن تر بیان کو۔
اور ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾(۲)
وہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہر شی کے علیم ہیں۔
اور ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾(۳)
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتے ہیں: **مابين أيديهم وما خلفهم** کو۔
اور ﴿عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾(۴)
اللہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سکھادیا جو نہ جانتے تھے۔
وغیرہا آیات شریفہ اس لعین کا یہ ملعون انکار احادیث شریفہ کثیرہ بشیرہ شہیرہ کا انکار ہے۔
حدیث میں ہے:
((إن الله قد رفع لي الدنيا، فأنا أنظر إليها وإلىٰ ما هو كائن فيها إلى يوم القيامة كأنما أنظر إلىٰ كفي هذه.))(۵)
بے شک اللہ عز وجل نے میرے لیے دنیا اٹھائی (میرے پیش نظر فرمادی) تو میں اسے اور جو کچھ اس میں روز قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس کف دست مقدس کو۔
اور حدیث میں ہے:
((أخبرنا عن بدء الخلق حتى دخل أهل الجنة منازلهم، وأهل النار منازلهم.))(۶)
ہمیں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابتدائے آفرینش سے جنتیوں کے اور جہنمیوں کے اپنے اپنے منازل میں داخل ہونے تک کی خبر دی۔

---

(۱) [سورة النحل:۸۹] (۲) [سورة الأنعام:۱۰۱]
(۳) [سورة البقرة:۲۵۵] (۴) [سورة العلق:۵]
(۵) [مجمع الزوائد، باب إخباره بالمغيبات:۲۸۷/۸]
(۶) [صحيح البخاري: كتاب بدء الخلق، حديث:۳۱۹۲-۷۸۳/۲]

اورحدیث میں ہے:

((إن اللّٰه زوى لي الأرض فرأيت مشارقها ومغاربها))(۱)

تحقیق اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو ملاحظہ فرمالیا۔

اورحدیث میں ہے:

((تجلى لي كل شيء وعرفت.))(۲)

ہر چیز مجھ پر روشن ہوئی اور میں نے پہچان لی۔

اورحدیث میں ہے:

((علمت ما في السموات والأرض.))(۳)

میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔

اورحدیث میں ہے:

((قطرت في حلقي قطرة فعلمت ما كان ومايكون))(٤)

میرے حلق میں ایک قطرہ ٹپکایا گیا تو میں نے جان لیا ما کان وما یکون کو (جو کچھ ہو گیا اور جو کچھ ہونے والا ہے سب کو)۔

اورحدیث میں ہے:

((مامن شيء كنت لم أره إلا وقد رأيته في مقامي هذا حتى الجنة والنار))(٥)

جو چیز میں نے دیکھی تھی اسے میں نے اسی جگہ دیکھ لیا یہاں تک جنت ودوزخ بھی۔(مترجم)

اورحدیث میں ہے:((تجلى لي مابين السماء والأرض))(٦)

---

(۱) [مشکاۃالمصابیح:باب فضائل سید المرسلین:۵۱۲]

(۲) [مشکاۃ . باب الستر،ص:۷۲]

(۳) [مشکاۃ. باب المساجد ومواضع الصلاۃ،ص:۷۰]

(٤) [تفسیر روح البیان: سورۃ الأنعام: ۵۲۔۳/۳۵]

(٥) [نصب الرایۃ لأحادیث الهدایۃ ،کتاب الصلاۃ،حدیث:۲۹۱۱۔۔۲/۲۳۶]

(٦) [مشکاۃالمصابیح .کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ:۷۲]

زمین وآسمان کی ہر چیز مجھ پر ظاہر ہوگئی۔(مترجم)

اور حدیث میں ہے:

((علمت ما بين المشرق والمغرب.))(۱)

میں نے مشرق ومغرب کے درمیان کی ہر چیز کو جان لیا۔(مترجم)

اور حدیث میں ہے:

((أخبرنا بما كان وبما هو كائن فأعلمنا أحفظنا.))(۲)

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں ماکان ومایکون (گذشتہ وآئندہ) کی خبر دی،لہذا زیادہ علم والا وہ ہے جس نے اس دن کی بتائی ہوئی باتوں کو زیادہ یاد رکھا۔(مترجم)

اللہ عزوجل بار بار ارشاد فرمائے:

ہم نے رسول کو غیب کی خبریں دیں۔

ہم نے رسول مجتبیٰ کو غیب پر مطلع فرمایا۔

رسول مرتضیٰ کو غیب پر مسلط کر دیا۔

اور رسول کو سکھا دیا جو کچھ وہ نہ جانتے تھے۔

اور ان پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔

ہم نے رسول پر وہ کتاب اتاری جو ہر شی کا روشن بیان ہے۔

ہمارا رسول ہر شی کا علیم ہے۔

ہمارا رسول "ما بين أيديهم" (ابتدائے آفرینش سے) اور "وما خلفهم" (روز آخر تک) جانتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارہا اعلان سے فرمائیں: میں اپنی کف دست مبارک کی طرح دنیا ومافیہا تا روز قیامت سب کو دیکھ رہا ہوں۔

میں جو کچھ آسمانوں زمینوں میں ہے سب کو جانتا ہوں۔

میں ہر شی کو پہچانتا ہوں۔

---

(۱) [سنن الترمذي : باب سورة ص ـ ۵/۲۲۰]

(۱) [صحيح مسلم . كتاب الفتن: ج۲،ص:۳۹۰]

ہر شی مجھ پر روشن ہوگئی ہے۔

کوئی چیز جو میری دیکھی نہ تھی وہ ایسی باقی نہ رہی جو میں نے اس مقام میں دیکھ نہ لی۔

جو کچھ مشرق و مغرب میں ہے سب کو میں نے جان لیا۔

مگر بے ایمان وہابی نہ رسول کے فرمانے پر یقین لاتا ہے، نہ خدا کے ارشاد پر ایمان۔ وہ کافر دونوں سے کفر کرتا ہے اور بکے جاتا ہے کہ رسول غیب کو نہیں جانتے تھے۔ اور بے ایمانی اور دھوکے اور فریب سے ان نصوص کو اپنی بربان بناتا ہے جن میں علم ذاتی مراد ہے۔ اس سے کہو کہ بے ایمان عبارت میں ''الـغيب'' سے مراد علم ذاتی ہے۔ اور یہ تیری سمجھ میں نہیں آتا۔ تو اسے بھی مطلقاً علم غیب کا انکار سمجھتا ہے۔ تو تو (بحر الرائق) پر ایمان رکھتا ہے، مگر رسول کے فرمان اور اللہ عز وجل کے قرآن کا منکر ہے۔ اللہ ورسول۔ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کے ارشاد وفرمان کے آگے بحر کی عبارت پیش کرنا، اس کے بھروسہ رسول کے علم سے مطلقاً انکار کرنا، یہ تیرے ہی جیسے بے حیا، بے ایمان کا ملعون کام ہے۔

اے لعین! تو ان ملعون منافقوں کی طرح قرآنی فتوے سے کافر ہے جنھوں نے بکا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فلاں کا ناقہ فلاں وادی میں ہے اور انہیں غیب کی کیا خبر، وہ غیب کیا جانیں۔ اور پھر منکر ہو گئے اور جھوٹے بہانے بنانے لگے جس پر قرآن عظیم کا وہ قہری فتویٰ نازل ہوا اور جتایا گیا:

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ. لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾(۱)

اور اے محبوب! اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے، تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسولوں سے ہنستے ہو۔ بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔

منافقوں نے بھی تو یہی بکا تھا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے، وہ غیب کیا جانیں، انہیں غیب کی کیا خبر۔ اسی پر تو قرآن عظیم نے فرمایا: کہ تم اللہ اور قرآن اور رسول کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہو۔ اسی پر تو واحد قہار نے ان کے جھوٹے حیلے بہانوں کو کہ: ہم تو یوں ہی ہنس بول رہے تھے، فرمایا: کہ جھوٹے بہانے نہ بناؤ، بے شک تم کافر ہو چکے بعد (اظہار) ایمان کے۔

آمنا باللّٰہ الرحمن ورسولہ والقرآن۔

---

(۱) [سورۃ التوبہ: ٦٥]

ہم مسلمان آیات قرآن واحادیث نبی ذیشان پر ایمان رکھنے والے باتباع قرآن اس وہابی بے ایمان کے کفر پر حکم کرتے ہیں جس نے کہا: رسول غیب کو نہیں جانتے تھے۔

اور جس نے لکھا:

یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علم غیب تھا صریح شرک ہے۔(۱)

اور بکا کہ:

دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔(۲)

اور بک دیا:

کوئی شخص کسی سے کہے کہ فلاں درخت میں کتنے پتے ہیں؟ تو اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ: اللہ ورسول ہی جانیں، کیوں کہ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے رسول کو کیا خبر۔(۳)

اور لکھا:

کسی انبیا، اولیا، یا امام، یا شہیدوں کی جناب میں ہرگز یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ غیب کی بات جانتے ہیں، بلکہ حضرت پیغمبر صاحب کی جناب میں بھی یہ عقیدہ نہ رکھے۔(۴)

اور لکھا:

جو کہتے ہیں کہ علم غیب بجمیع اشیا آں حضرت کو ذاتی نہیں بلکہ اللہ کا عطا کیا ہوا ہے۔ سو محض باطل اور خرافات سے ہے۔(۵)

اور لکھ دیا:

جو کچھ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں خواہ قبر میں اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں ، نہ نبی کو، نہ ولی کو، نہ اپنا حال، نہ دوسرے کا۔(٦)

---

(۱) [فتاویٰ رشیدیہ حصہ ۲ ص ۱۰]

(۲) [براہین قاطعہ، ص:۵۱]

(۳) [تقویة الایمان، ص: ٦٦]

(٤) [تقویة الایمان ،ص: ۳۰]

(٥) [فتاویٰ رشیدیہ ج ۳/ ص/ ۳٦]

(٦) [تقویة الایمان ص/ ۳۱]

اور لکھا:

اللہ کا سا علم اور کسی کے لیے ثابت کرنا سو اس عقیدہ سے آدمی البتہ مشرک ہو جاتا ہے، خواہ یہ عقیدہ انبیا اولیا سے رکھے، خواہ پیر وشہید سے، خواہ امام وامام زادے سے، خواہ بھوت وپری سے، پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے، خواہ اللہ کے دینے سے، غرض اس عقیدہ سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔(۱)

اور ہر چہار ائمہ مذاہب اور جملہ علما پر افترا کرتے ہوئے بکا:

اس میں ہر چہار ائمہ مذاہب جملہ علما متفق ہیں کہ انبیا علیہم السلام غیب پر مطلع نہیں۔(۲)

غیب کی بات اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، نہ فرشتہ، نہ آدمی، نہ جن۔(۳)

اللہ اللہ۔ اللہ عزوجل اپنے حبیب ومحبوب، طالب ومطلوب، دانائے غیوب کو علم غیب عطا فرمائے، اور اپنی کتاب مجید میں اس عطا کا اعلان فرمادے، اور جو ملعون یہ بکے: محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب کیا جانیں، اس کے کفر کا وہ قہری فتویٰ دے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بار بار برسر مجالس خطبات میں اپنے رب کی اس عظیم نعمت کا اظہار فرمائیں، اور طاعنین کا رد "علی رؤس الا شہا د" ارشاد فرمائیں۔

حدیث میں ہے:

((قام علی المنبر فحمد الله وأثنى عليه، ثم قال: ما با ل أقوام طعنوا في علمي، لا تسئلوني عن شيء فيما بينكم وبين الساعة إلا نبأتكم به))(٤)

حضور علیہ الصلاۃ والسلام من ربہ العزیز الودود الغفور نے منبر مقدس پر قیام فرمایا، اللہ عزوجل کی حمد وثنا بیان فرمائی پھر فرمایا: کیا حال ہے ان اقوام کا جو میرے علم شریف میں طعن کرتی ہیں، تم مجھ سے نہ پوچھو گے کسی شی کو جو تمہارے اور قیامت کے درمیان ہے مگر یہ کہ میں تمہیں اس سے خبردار فرمادوں گا۔

مگر وہابی مردود، منافق مطرود کی طرح یہی بکے جائے کہ انہیں غیب کی کیا خبر، وہ علم غیب کیا جانیں۔ رسول غیب نہیں جانتے تھے۔﴿قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾(۵)

---

(۱) [تقویة الایمان، ص: ۱۰]   (۲) [مسئلہ علم غیب، ص: ۲]

(۳) [تقویة الایما ن، ص]

(٤) [تفسير البغوي: سورة آل عمران، ١/٥٤٥]

(٥) [سورة التوبة: ٣٠]

آیات واحادیث جن سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے علم غیب کا ثبوت ہے، اور بھی ہیں، مگر وہابیہ کے دس انکار کے مقابل دس دس آیات واحادیث پر بس کریں۔

مشہور ہے: ''الغریق یتشبث بالحشیش'' ڈوبتا سوار پکڑتا ہے۔

بے ایمان وہابی جب بحر کفر میں غوطے کھانے لگا اور قعر کفر میں ڈوبا تو بچاؤ کے لیے ''بحر الرائق'' کی اس عبارت کو پکڑا، اس مرجوح قول سے سہارا لیا، جس کا غیر صحیح ہونا بالکل واضح اور آشکار۔ اور وہابیہ دیوبندیہ کا گرو مان چکا کہ:

''شرائط تعارض سے تساوی فی القوۃ ہے، پس جواب میں اتنا کافی ہے کہ راجح کے سامنے مرجوح ساقط ومتروک ہے، اور ادب یہ ہے کہ مرجوح میں تاویل مناسب کی جائے''۔ (بسط البنان مصنفہ مولوی)

اس مرجوح قول میں مناسب تاویل نہ کرنے والا، اسے اپنی سند بنانے والا، بے ادب گستاخ ہے۔ ساقط ومتروک ومرجوح کو قرآن وحدیث کے نصوص کے رد کے لیے پکڑنے والا ہے، اور اپنے ساتھ کفر کے گڑھے میں صاحب بحر کو بھی ڈبا دینے والا ہے۔ اور طائفہ کے گرو گھنٹال کی معقول بات کو بھی رد کر دینے والا ہے۔

جب طائفہ کے استاد جی کو بھی یہ مسلم ہے کہ ایسی جگہ تاویل مناسب کرنی چاہیے، تو لازم تھا کہ بحر وغیرہ علما کی ایسی عبارت میں یہ سمجھتا کہ ان کی مراد علم ذاتی ہے، نہ کہ اس عبارت کو قرآن وحدیث کے رد کے لیے لے دوڑا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ کیا یہ علما، دین کے ائمہ جن کی وسعت نظر ہم جیسوں کے حسابوں سے بے انتہا۔ جس کی حد تک ہمارا مرغ وہم بھی پرواز نہ کر سکے۔ تو یہ کیا کوئی سلیم الحواس ادنیٰ عالم بھی ان آیات واحادیث پر جس کی نظر ہو وہ مطلقاً انکار علم غیب برائے انبیا کر سکے گا۔ ''لا إلٰه إلا اللّٰه آمنا برسل الله''. کیا کسی ادنیٰ سے ادنیٰ عقل والے کو یہ وہم ہو سکتا ہے کہ یہ اکابر ان آیات واحادیث پر نظر نہ رکھتے تھے۔ یا ان کو دیکھتے ہوئے معتزلیوں اور وہابیوں کی طرح ان کو رد کرتے تھے۔ یا یہ کہ ان آیات واحادیث پر نظر تو رکھتے تھے اور یہ اعتقاد بھی رکھتے تھے کہ انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبریں تو دیں، انہیں غیوب پر مطلع تو فرمایا، وہ ایسے امور سے واقف تو تھے جن کا بداہت عقل اقتضا نہ کرے، جو کسی طرح حواس سے معلوم نہ ہو سکیں، جس تک مرغ عقل کتنا ہی اڑے ہرگز نہ پہنچ سکے، جو بے اعلام الٰہی معلوم نہ ہو سکیں۔ مگر اسے علم غیب کہنا جائز نہ رکھتے تھے، اسے علم غیب اعتقاد کرنے کو کفر ٹھہراتے تھے باوجودے کہ اللہ عزوجل نے اسے غیب ہی فرمایا۔

اور عقلاً بھی یہ ظاہر ہے کہ وہ امور غیب جن کا علم خدا نے بخشا، غائب سے حاضر نہ ہو گئے۔ علم بخشا

نہ کہ غائب کو حاضر اور جو ہو چکا اور جو ابھی تک نہ ہوا اسے زمانہ حال میں موجود کر دیا۔ ما کان وما یکون کو معلوم ومشہود فرما دیا۔ نہ کہ خارج میں حاضر وموجود۔ اور ہر کس وناکس کے لیے مشہود۔ تو علم غیب عطا فرمانے سے غیب غیب ہی رہا شہادت نہ ہو گیا۔ اور اپنے حبیب عالم کے لیے معلوم فرما دینے، اور اپنے محبوب شاہد کے لیے مشہود کر دینے سے غیب شہادت ہو گیا، غیب باقی نہ رہا۔ یہ کہا جائے تو کیا معاذ اللہ یہ جہلا یہ بھی کہیں گے کہ: خدا کو بھی غیب نہیں کہ وہاں تو سب شہادت ہی ہے، اس سے کوئی شی غائب نہیں۔ شہادت وہ ہے جو حواس سے معلوم ہو سکے، وہ موجود کہ ہر ایک کے لیے مشہود ہو سکے، یہ بھی بعطائے الٰہی ہے اوروں کے لیے۔ ایک ذرہ شہادت کا علم بے عطا بھی دوسرے کو نا ممکن۔ جس طرح علم غیب کے ساتھ اللہ تعالیٰ منفرد ہے یوں ہی علم شہادت کے ساتھ، جس طرح علم غیب اس کی صفت ہے یوں ہی علم شہادت۔

قال تعالیٰ: ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾(۱)

ہر نہاں وعیاں کا جاننے والا۔

اور غیب وہ ہے جو بے اعلام الٰہی معلوم نہ ہو سکے، جس تک حواس وعقل کی رسائی کسی طرح بے تعلیم الٰہی نہ ہو سکے، جو ذاتی طور پر خدا ہی کو ہے اور اس کی عطا سے اس کی محبوبوں کو ہوتا ہے، ہر ایک کو نہیں ہوتا۔

مختصر یہ کہ شہادت وہ جو ہر ایک کے لیے عقل وحواس سے ظاہر فرما دیا ہے۔ اور غیب جو اس کے ساتھ خاص ہے، اپنے محبوبوں کو اس سے جتنا جتنا چاہا بخشا ہے، اور ان کو نہیں دیا ہے۔ حواس سے معلوم کر لینے پر قادر نہیں کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ غیر خدا کے لیے مطلقاً انکار غیب یہ عقیدہ باطلہ بعض معتزلہ ہے، اور یہ وہابیوں ہی کا اب سے پہلا نام ہے، اس سے پہلا نام اس طائفہ باطلہ کا خارجی تھا۔ جیسے اب دیوبندی وہابی اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں، اور نجدی وہابی اپنے آپ کو حنبلی بتاتے ہیں، دیوبندی فقہ حنفی میں کتابیں لکھتے ہیں، اور اس میں اپنے مذہب کی رعایت کرتے ہوئے مسائل ٹھونستے ہیں۔ یوں ہی معتزلی اپنے آپ کو حنفی کہا کرتے، اور فقہ حنفی میں تصنیف کیا کرتے، اور اس میں اپنے مذہب اعتزال کی رعایت کرتے ہوئے بعض مسائل ٹھونس دیا کرتے تھے۔ ان ہی مسائل سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ بعض نے اسے اخذ کیا اور ان کے بارے میں حسن ظن یہی ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اس سے علم ذاتی مراد لیا۔ پھر ان حضرات

---

(۱) [سورۃ الرعد: ۹]

صاحب بحر وغیرہ نے بھی یہی سمجھتے ہوئے اپنی تصانیف میں نقل کیا۔

اور یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض جامع اقوال ہر گونہ اقوال نقل کرتا ہے، مثلاً مجمع الانہر میں لکھا کہ:

"ولو سب طعاماً بكلمة الجماع يكفر، ولو شتم حيواناً لمأكولات أو لماء فعند الإمام يكفر وعندهما لا" (۱)

اگر ماکول اللحم جانور کو کلمہ جماع کے ساتھ گالی دی تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔

پھر اس سے اوروں نے نقل کیا، اور ایسا ہوتا ہے۔ تو بعض کا نقل کردہ قول جب کہ اس میں مطلقاً انکار علم غیب مراد ہو جو معتزلہ کے عقیدہ باطلہ کے موافق ہے، یا اس کا اپنا سہی جب کہ وہ حنفی ہو معتزلی نہ ہو اس نے ذاتی مراد لیا ہو، اسے دیکھنا اور اسے عطائی پر ڈھالنا اور اکابر علما، جہابذ ۂ ائمہ کا اس قول کے ضعف ومرجوحیت کا جو اشعار فرمایا اسے دیکھ کر اَن دیکھا کر لینا کس درجہ حیاداری ہے؟ ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم۔ نیز اس سے بھی وہابی کا نظر چرانا بلکہ بعض خبثا وہابیہ کا اس اشعار ذاتی کو بھی مطلقاً انکار کی سند ٹھہرانا کس قدر ڈھٹائی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

مسئلہ تو صرف اتنا تھا کہ اگر کوئی شخص شہادت خدا اور رسول سے نکاح کرے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا کہ شرط انعقاد نکاح گواہوں کا موجود رہنا ہے۔

حدیث میں ہے:

((لا نكاح إلا بشهود)) (۲)

مسلمان کے نکاح میں دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کا حضور شرط ہے جو عاقل بالغ ہوں اور یہ سمجھیں کہ نکاح ہو رہا ہے۔

وہ کون سا نکاح ہے جو خدا سے غائب ہو، اگر محض خدا کی شہادت سے نکاح کرتا، یا فرشتوں مثلاً کراماً کاتبین کی شہادت سے کرتا جب بھی باطل ہوتا، کہ شرط صحت نکاح نہ پائی گئی۔ اس میں بعض مجاہیل نے اتنا اور اضافہ کیا کہ وہ مسلمان شخص کافر ہو جائے گا، کیوں کہ وہ معتقد علم غیب برائے رسول ہوا۔ ظاہر تو یہ ہے کہ یہ بعض مجاہیل معتزلی ہوگا۔ اس نے اپنے مذہب کا پیوند اس میں جوڑ دیا۔ پھر یہ بتاویل علم ذاتی بعض حنفیہ نے بھی اپنی تصانیف میں نقل کر لیا۔ مگر اس کی مرجوحیت کو ظاہر کرتے ہوئے کہ علم ذاتی ہی نہیں

---

(۱) [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر كتاب السير ولا جهاد، ۲/۳۳۶]

(۲) [الجامع للترمذي. ۱/۲۱۰]

ہوتا، دوسری قسم علم عطائی بھی ہے، تو جب یہ احتمال ہے تو کافر نہیں کہہ سکتے، اس احتمال کے ہوتے ہوئے تکفیر صحیح نہیں۔

امام فقیہ النفس قاضی خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وادخلہ فی الجنان نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا:

"رجل تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله كان باطلاً "لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:((لا نكاح إلا بشهود))، وكل نكاح يكون بشهادة الله وبعضهم جعلوا ذلك كفراً؛ لأنه يعتقد أن الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعلم الغيب"(۱)

اگر کسی نے خدا اور رسول کی شہادت سے نکاح کیا تو یہ نکاح باطل ہے، اس لیے کہ سرکار فرماتے ہیں: کہ بغیر گواہوں کے نکاح جائز نہیں، جب کہ ہر نکاح رب کی شہادت سے ہوتا ہے۔ اور بعض لوگوں نے اسے کفر ٹھہرایا ہے، اس لیے کہ ناکح معتقد علم غیب برائے رسول ہوا۔ (مترجم)

امام فقیہ النفس نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کفر ہے، بلکہ یہ فرما کر کہ بعض نے اسے کفر ٹھہرادیا، اس کے ضعف کا اشعار فرمادیا۔ فتاویٰ خلاصہ میں یہ مسئلہ دو جگہ لکھا، جلد اول کتاب النکاح میں تو تجرید سے اتنا لکھا:"لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد، وهل يكفرعرف في ألفاظ الكفر."

اگر کسی نے اللہ اور رسول کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا۔ (مترجم)

اور جلد۲ کتاب الفاظ الکفر میں تحریر فرمایا:

"رجل (عـــه) تزوج ولم يحضر شاهد فقال:''خدارا اور رسول خدارا گواه کردم."يكفر في الفتاوىٰ ؛لأنه يعتقد أن الرسول والملك عالم بالغيب بخلاف قوله.''فرشتہ دست راست را وفرشتہ دست چپ را گواه کردم."حيث لا يكفر؛ لأنهما يعلمان."

(عــه) اس عبارت میں اگر چہ اشارۂ ضعف ومرجوحیت نہیں مگر جب اور علما کے کلام سے یہ ثابت ہے، نیز اس طائفہ وہابیہ کے گرو نے ملک الموت بلکہ ابلیس کے لیے بھی علم غیب مانا ہے، اور نصوص سے ثابت لکھا ہے۔ تو قطعاً ظاہر کہ اس عبارت میں بھی علم ذاتی ہی مراد ہے، یہ تکفیر بر بنائے علم ذاتی ہے نہ کہ علم عطائی ماننے پر۔ ہم نے یہ عبارت مطبوعہ نسخہ سے نقل کی ہے، ممکن ہے کہ قدیم نسخہ کی عبارت میں ضعف ومرجوحیت کی طرف اشارہ کے الفاظ بھی ہوں، جو اس طبع کرنے والے نے نکال دیے ہوں۔ اس طبع کرنے والے نے چند جگہ الحاق کیا ہے جو نسخۂ قدیمہ قلمیہ میں نہیں اور جو عقلاً محض باطل ہے۔ ۱۲ منہ

(۱) [فتاویٰ قاضی خاں مع الهندية. جلد اول، ص:۳۳٤]

اگر کوئی شخص شادی کرے اور گواہ موجود نہ ہوں تو وہ کہے کہ میں نے اللہ اور رسول کو گواہ بنایا تو وہ کافر ہے، کیوں کہ وہ معتقد علم غیب برائے رسول وفرشتہ ہوا۔ اور اگر وہ کہے کہ میں نے اپنے داہنے اور بائیں فرشتوں کو گواہ بنایا تو کافر نہ ہوگا کیوں کہ وہ غیب جانتے ہیں۔ (مترجم)

فتاویٰ امام حافظ الدین محمد بن محمد شہاب المعروف بابن بزاز کردری میں فرمایا:

"تزوجها بشهادة الله تعالیٰ ـ جل جلاله ـ ورسوله ـ عليه الصلاة والسلام ـ لا ينعقد، ويخاف عليه الكفر؛ لأنه يوهم أنه عليه الصلاة والسلام يعلم الغيب ﴿وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ﴾ الآية ـ وما أعلم الله تعالیٰ لخيار عباده بالوحي والإلهام لم يبق بعد الإعلام غيباً، فخرج عن حصرين المستفادين من تقديم المسند والحصر بإلا. يخاف عليه الكفر."

اگر کسی نے خدا ورسول کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا، اور اس پر اندیشۂ کفر ہے، اس لیے کہ وہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثبوت علم غیب کا ظن رکھتا ہے، جب کہ قرآن کریم میں وارد ہے کہ اسی (اللہ عزوجل) کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، اور وحی یا الہام کے ذریعہ جو کچھ اللہ عزوجل نے اپنے نیک وپسندیدہ بندوں کو بتادیا تو وہ اسی اعلام کے بعد غیب نہ رہا، اور وہ ان دونوں حصروں سے خارج ہوگیا جو مسند کی تقدیم اور کلمہ الا سے مستفاد ہیں، نیز اس پر کفر کا اندیشہ ہے۔ (مترجم)

اس نے صاف کردیا کہ مرادِ امام بزازی علم ذاتی ہے کہ: اگر عطائی ماننا بھی کفر ہوتا تو یخاف نہ فرماتے اور: "ما أعلم الله تعالیٰ بالوحي والإلهام لخيار عباده." کہہ کر خیار عباد کے لیے منجانب اللہ وحی والہام سے علم ہونے کو تسلیم نہ کرتے۔ "لم يبق غيباً." پر وہابیہ بہت بغلیں بجاتے ہیں، اور قول بزازی دکھا دکھا کر مسلمانوں کو اِکثر فریب میں ڈالا کرتے ہیں۔ مگر ہماری تقریر بالا سے روشن ہوگیا کہ: "لم يبق غيباً." خود اسی طرف مشیر ہے کہ یہاں مرادِ امام غیب سے غیب ذاتی ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ غیب بعد اعلام باقی نہ رہا جو خدا کے ساتھ خاص ہے۔ علما اہل فہم کی فہم پر اعتماد کرتے ہوئے ایسی قیود ضرور یا اکثر ترک فرمادیا کرتے ہیں جنہیں شراح ومحشین ذکر کرتے ہیں۔ "لم يبق غيباً أي مختصاً بالله تعالیٰ."

درمختار میں ہے: "تزوج بشهادة الله ورسوله لم يجز. بل قيل يكفر." (۱)

(۱) [الدر المختار مع رد المحتار، ۲/ ۲۰۰]

اگر کسی نے خدا اور رسول کی شہادت سے نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا بلکہ کہا گیا ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا۔(مترجم)

اس ''قیل'' نے ضعف ومرجوحیت تکفیر کا اشعار فرمایا۔

علامہ شامی قدس سرہ السامی نے اس قول پر ''ردالمحتار جلد۲'' میں تحریر فرمایا:

"قال في التتارخانية وفي الحجة ذكر في الملتقط أنه لا يكفر؛ لأن الأشياء تعرض على روح النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وإن الرسل يعرفون بعض الغيب، قال تعالىٰ:﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلىٰ غَيْبِهِ أَحَداً إِلَّا مَنِ ارْتَضىٰ مِنْ رَّسُوْلٍ﴾(۱)

یعنی ''تاتارخانیہ'' اور ''فتاویٰ حجہ'' میں فرمایا: کہ ''ملتقط'' میں ذکر کیا کہ وہ کافر نہ ہوگا، اس لیے کہ اشیا روح نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پیش کی جاتی ہیں، اور بے شک رسل علیہم السلام بعض غیب کی معرفت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلىٰ غَيْبِهِ أَحَداً إِلَّا مَنِ ارْتَضىٰ مِنْ رَّسُوْلٍ﴾

پھر ''قلت'' لکھ کر مقطع کا بندیہ فرمایا جس نے وہابیہ کو بالکل ہی ذبح کر دیا، ان کی رگ گردن یکسر قطع فرمادی:

"قلت: بل ذكروا في كتب العقائد أن من جملة كرامات الأولياء الاطلاع على بعض المغيبات، وردوا على المعتزلة المستدلين بهذه الآية علىٰ نفيها بأن المراد الإظهار بلا واسطة، والمراد من الرسول الملك لا يظهر على غيبه بلا واسطة إلا الملك، أما النبي والأولياء فيظهرهم بواسطة الملك أو غيره۔ وقد بسطنا الكلام علىٰ هذه المسألة في رسالتنا المسماة "سل الحسام الهندى لنصرة سيدنا خالد النقشبندي" فراجعها، فإن فيها فوائد نفيسة."(۲)

یعنی میں کہتا ہوں: بلکہ بعض علما نے کتب عقائد میں ذکر فرمایا کہ: اولیا کو کرامات سے بعض مغیبات پر اطلاع ہے، اور ان ائمہ نے معتزلیوں کا رد فرمایا جو اس آیت سے نفی غیب پر دلیل لاتے تھے، کہ مراد آیت اظہار بلا واسطہ ہے، اور مراد رسول سے ملک ہے۔ یعنی نہیں مسلط فرماتا اپنے غیب پر کسی کو بلا واسطہ، مگر ملک کو، لیکن نبی اور اولیا تو غیب پر انہیں بواسطہ ملک یا کسی اور واسطہ سے مسلط فرماتا ہے۔ اور بے

(۱) [الدر المختار مع رد المحتار، ۲/۲۰۰]

(۲) (رد المحتار على الدر المختار فروع قال زوجيني ابنتك على أن أمرها بيدك: ۳/۲۷)

شک ہم نے اس مسئلہ پر کلام مبسوط کیا ہے اپنے رسالہ ''سل الحسام الہندی لنصرۃ سیدنا خالد نقشبندی'' میں تو اس کی طرف مراجعت کرو، اسے دیکھو کہ اس میں فوائد نفیسہ ہیں۔

امام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ نے ''التجنیس والمزید'' اور علمائے کرام اصحاب فتاویٰ عالم گیری نے ''فتاویٰ ہندیہ'' میں اس قول کے ضعف یا بطلان کی طرف اس کے ترک سے اشارہ فرمایا کہ صرف اتنا ہی لکھا:

''من تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله لا يجوز النكاح. كذا في التجنيس۔(۱) وہ ٹکڑا'' لاعتقاده أن النبي عليه الصلاة والسلام يعلم الغيب.'' چھوڑ ہی دیا۔ ''قیل'' لگا کر بھی نہ لکھا۔

مضمرات وخزانۃ الروایات اور معدن الحقائق میں ہے:

''والصحيح أنه لا يكفر ؛ لأن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام يعلمون الغيب وتعرض عليهم الأشياء فلا يكون كفراً.''

اور صحیح یہ ہے کہ بہ تحقیق وہ شخص کافر نہ ہوگا، اس لیے کہ انبیا علیہم السلام غیب جانتے ہیں، اور ان پر اشیا پیش کی جاتی ہیں۔ تو (ان کو علم غیب کا اعتقاد) کفر نہ ہوگا۔ وہابیہ بحر الرائق کی عبارت ہی دھوکہ کو نہیں دکھاتے، اکثر شرح عقائد وشرح فقہ اکبر و بزازیہ کی عبارتیں بھی فریب دینے کو پیش کیا کرتے ہیں، عبارت بزازیہ تو اوپر گذر چکی۔

شرح عقائد کی عبارت یہ ہے:

''العلم بالغيب تفرد به الله تعالىٰ لا سبيل إليه العباد.''(۲)

علم غیب باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے کہ اس تک بندوں کی رسائی ممکن نہیں۔ (مترجم)

مگر عبارت اتنی ہی نہیں، اس کے ساتھ اسی میں یہ بھی ہے:

''إلا باعلام منه أو إلهام.''

مگر اللہ عزوجل کے بتلانے، یا اس کے الہام کرنے سے۔ (مترجم)

تو یہ عبارت علم عطائی ثابت کر رہی ہے، نہ کہ علم عطائی ماننے والے کو کافر مشرک ٹھہرا رہی ہے۔

---

(۱) [الفتاویٰ الهندية، كتاب النكاح، باب الأول في تفسير شرعاً: ۱/۳۴۴]

(۲) [شرح العقائد النسفية. ۱۷۰]

یوں ہی شرح فقہ اکبر کی یہ عبارت:

"ذکر الحنفية تصريحا بالتكفير باعتقاد أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعلم الغيب."(۱)

احناف نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے عقیدہ علم غیب پر کفر کی صراحت فرمائی ہے۔(مترجم)

اتنی پیش کرتے ہیں، اور اس کے متصل اس سے اوپر کا اتنا ٹکڑا ہضم کر جاتے ہیں:

"ثم اعلم أن الأنبياء عليهم السلام لم يعلموا الغيب إلا ما أعلمهم الله تعالىٰ أحياناً."

خیال رہے کہ انبیا علیہم السلام غیب نہیں جانتے مگر صرف اتنا ہی جتنا اللہ رب العزت نے انہیں وقتاً فوقتاً بتادیا ہے۔(مترجم)

اس کے بعد ہی وہ عبارت ہے: "وذكر الحنفية الخ"

اوپر کی عبارت نے روز روشن سے زیادہ واضح وآشکار کر دیا کہ علم عطائی کا اثبات کفر نہیں۔ وہ تو عقیدۂ اسلامیہ ہے۔ "ذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير الخ." میں علم ذاتی ہی کے اثبات پر تکفیر ہے۔ علم عطائی تو: "أعلمهم الله تعالىٰ" کہہ کر مصنف نے خود مانا۔ تو کیا آگے خود اپنی تکفیر کا ذکر کیا۔ وذكر الحنفيه الخ.

وہابی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے پیشواؤں کے کلام میں بھی علم ذاتی کے اثبات پر حکم کفر و شرک ہے کہ وہابیہ کے پیشواؤں کی عبارتیں جو اوپر گزریں ان میں صاف تصریح ہے کہ علم ذاتی مانے یا عطائی ہر طرح شرک ہے۔ والعياذ بالله تعالىٰ.

کیا معاذ اللہ یہ اکابر علما اور دین کے ائمہ قدیم وحدیث ذات احدیت اور خود اپنے اوپر اپنی عبارتوں میں حکم کفر کر رہے ہیں؟ صحابہ واہل بیت اطہار اور عرفا وعلمائے دین کی تصریحات سے آفتاب سے زیادہ روشن کہ انبیا واولیا علوم غیب پر مطلع ہیں۔ حضور تو حضور ہیں ــــ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

---

(۱) [شرح الفقه الاكبر. ۱۸۵]

جمع النہایہ میں علامہ شنوانی فرماتے ہیں:

”وقد ورد أن الله تعالیٰ لم یخرج النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حتی اطلعه علی کل شيء.“

اور کتب میں وارد ہوا ہے کہ اللہ عزوجل نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا سے اس وقت تک نہ اٹھایا جب تک آپ کو ہر چیز پر مطلع نہ فرمایا۔ (مترجم)

فتوحات وہبیہ شرح اربعین نوویہ میں ہے:

”الحق کما قال جمع أن الله سبحانه وتعالیٰ لم یقبض نبینا صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حتی اطلعه علی کل ما أبهمه عنه إلا أمر بکتم بعض والإعلام ببعض...“

حق وہی ہے جو جمہور نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس وقت اس دنیا سے نہ اٹھایا جب تک ہر مبہم چیز آپ پر ظاہر نہ فرمادی البتہ بعض کو ظاہر کرنے اور بعض کو مخفی رکھنے کا حکم فرمایا۔ (مترجم)

علامہ صاوی حاشیہ جلالین زیر آیات کریمہ:

﴿یَسْئَلُونَکَ عَنِ السَّاعَةِ أَیَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِیْکُمْ إِلَّا بَغْتَةً یَسْأَلُوْنَکَ کَأَنَّکَ حَفِیٌّ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰکِنَّ أَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ. قُلْ لَّا أَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعاً وَلَا ضَرّاً إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَلَوْ کُنْتُ أَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِیْرٌ وَبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُؤْمِنُوْنَ﴾(۱)

تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ کب ٹھہری تم فرماؤ اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے اسے وہی اس کے وقت ظاہر کرے گا، بھاری پڑ رہی ہے آسمانوں اور زمینوں میں تم پر نہ آئے گی مگر اچانک تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اسے خوب تحقیق کر رکھا ہے تم فرماؤ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، لیکن بہت لوگ جانتے نہیں۔ تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے برے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچتی۔ میں تو یہی ڈر اور خوشی سنانے والا ہوں انھیں جو ایمان رکھتے ہیں۔

---

(۱) [سورۃ الأعراف: ۱۸۷-۱۸۸]

تحریر فرماتے ہیں:

"قوله: ﴿كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا﴾ عن بمعنى الباء، والمعنى: كأنك عالم بها ومتيقن لها، قوله: تاكيد أي لما قبله لبيان أنها من الأمر المكتوم الذي استأثر الله بعلمه، فلم يطلع عليه أحداً إلا من ارتضاه من الرسل، والذي يجب الإيمان به أن رسول الله لم ينتقل من الدنيا حتى أعلمه الله بجميع المغيبات التي تحصل في الدنيا والآخرة، فهو يعلمها كما هي عين يقين لما ورد: ((رفعت لي الدنيا فأنا أنظر فيها كما أنظر إلى كفي هذه))۔ وورد أنه اطلع على الجنة وما فيها والنار ومافيها وغير ذلك مما تواترت به الأخبار، ولكن أمر بكتمان البعض،قوله :﴿وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ إن قلت: إن هذا يشكل على ما تقدم لنا أنه أطلع على جميع مغيبات الدنيا والاخرة. والجواب أنه قال ذالك توضعاً أو أن علمه بالمغيب كلا علم من حيث إنه لا قدرة على تغيير ما قدر الله وقوعه، فيكون المعنى حينئذٍ: لو كان لي علم حقيقي بأن أقدر على ما أريد وقوعه لأستكثرت الخ."(۱)

ترجمہ: ﴿گویاتم نے اسے خوب تحقیق کر رکھا ہے﴾ یہاں "عن" "بمعنی "با" ہے،مطلب یہ ہے کہ.....گویاتم کو اس کا یقینی علم ہے،امام سیوطی نے یہاں لفظ "تا کید" کا اضافہ فرما کر یہ بتایا ہے کہ اس سے پہلے قرآن کریم میں قیامت کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے جو خاص فرمایا ہے ﴿قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ﴾ سے "رَبِّیْ" کی تا کید ہے اور یہ بتانا ہے کہ قیامت کا علم ایک پوشیدہ راز ہے،جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں چھپا رکھا ہے اور اپنے پسندیدہ رسولوں کے علاوہ کسی کو اس پر اطلاع نہیں بخشی۔ چناں چہ اس بات پر ایمان رکھنا لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے جبھی تشریف لے گئے جب آپ کو دنیا وآخرت کے تمام علوم غیبیہ سکھا دیئے گئے،لہٰذا آپ کو قیامت کا علم یقینی طور پر حاصل تھا جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے لیے دنیا اٹھادی گئی تو میں اس میں ہونے والے واقعات کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو۔ اور یہ بھی متواتر روایتوں میں آیا کہ آپ کو جنت اور اس کی نعمتوں، دوزخ اور اس کی ہلاکتوں اور ان کے علاوہ بہت چیزوں پر آپ کو اطلاع بخشی گئی۔ البتہ بعض کو چھپانے کا حکم ہوا۔

---

(۱) [حاشية الصاوي على الجلالين،تفسير سورة الأعراف: ۱۸۷، ۱۸۸۔۱/۵۷۸]

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ اے محبوب! تم فرماؤ کہ اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بھلائی جمع کر لی........اس پر یہاں ایک اشکال ہے کہ جب آپ کو جمیع غیوب پر اطلاع دی گئی تو پھر یہ حکم کیوں ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے یہ تواضعاً فرمایا۔ یا یہ کہ تمام غیوب کا علم ہوتے ہوئے بھی آپ کو تقدیر الٰہی کی تبدیلی کی قدرت نہیں دی گئی، لہٰذا اب مطلب یہ ہوا کہ اگر مجھے اس چیز کا حقیقی علم ہوتا کہ میں اپنے مقصد کے حصول پر مکمل طور پر قادر ہوں تو میں بھلائی جمع کر لیتا۔ (مترجم)

ہاں ہاں او دل بیمار وہابی جل کر خاک ہو جا، واحد قہار اور زیادہ تجھے دنیا و آخرت میں جلنا نصیب کرے، پھر جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ تجھے جلائے، دم بدم تیری جلن زیادہ کرے۔

﴿فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضاً﴾ (۱)

ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھائی۔

ہاں ہاں او دیوبندی! اپنی آتش غیظ میں بھن کر کباب ہو جا، اللہ تجھے بھنتا رکھے۔

﴿فَيُسْحِتَكُم بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَىٰ﴾ (۲)

انہیں عذاب سے ہلاک فرمادے گا، اللہ کے دشمنوں کا بدلہ جہنم ہے۔

﴿قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ (۳)

تم فرمادو کہ مر جاؤ اپنی اپنی گھٹن میں، اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات۔

او کذاب مفتری، او بہتان پر جری! تو، تو علمائے اسلام پر اتہام رکھتا ہے، کہ وہ انبیا کے علم غیب ماننے والے کو کافر کہتے ہیں۔ مگر ﴿وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ﴾ (۴)

اللہ دغابازوں کا مکر نہیں چلنے دیتا۔

او کیاد مکار، خائن! تیرا کوئی مکر، چھل، فریب نہ چلا، تیرے مکر، کید، چھل، فریب کی دھجیاں تو اتنی ہی عبارات علما سے اڑ گئیں۔ آگے اور اپنی بے نور آنکھیں پھاڑ کر دیکھ:

تفسیر نیشاپوری مصری جلد ۳ ص: ۴۴ میں ہے:

﴿مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ هذا الاستثناء راجع إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كأنه قيل: من ذا الذي يشفع عنده يوم القيامة إلا عبده محمد صلى

---

(۱) [سورة البقرة: ۱۰]
(۲) [سورة طٰه: ٦١]
(۳) [سورة آل عمران: ۱۱۹]
(٤) [سورة يوسف: ٥٢]

الله تعالى عليه وسلم(ويعلم محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مابين أيديهم) من أوليات الأمور قبل خلق الخلائق وما خلفهم من أحوال القيامة"(١)

کون ہے جو اللہ کے نزدیک اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے، یہ استثنا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے، گویا کہ کہا گیا کہ کون ہے جو قیامت کے دن رب کے حضور شفاعت کرے سوائے اس کے بندے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے، مخلوقات کی تخلیق سے پہلے کے حالات اور قیامت کے حالات کا علم ہے۔

حضرت سیدی شیخ محقق عبدالحق قدس سرہ مدارج شریف میں فرماتے ہیں: "ہر چہ در دنیا ست از زمان آدم تا اوان نفخۂ اولیٰ بروے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منکشف ساختند تا ہمہ احوال او را از ازل تا آخر معلوم گردید، یاران خود را نیز از بعضے از اں احوال خبر داد"۔

نیز فرماتے ہیں:۔رحمہ اللہ تعالیٰ۔وهو بكل شيء عليم. وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دانا ست بہمہ چیز از شیونات واحکام صفات حق و اسماو افعال و آثار و بجمیع علوم ظاہر و باطن و اول و آخر احاطہ نمودہ ومصداق **فوق كل ذي علم عليم** شدہ۔ عليه من الصلوات أفضلها ومن التحيات أتمها وأكملها۔

دنیا میں زمانہ آدم علیہ السلام سے پہلا صور پھونکے جانے تک جو کچھ ہے اس پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلع فرما دیا گیا ہے یہاں تک کہ ازل سے آخرت تک کے حالات آپ کو معلوم ہو گئے ان میں سے بعض احوال کی خبر اپنے پیاروں کو بھی دیتے ہیں۔(مترجم)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام چیزوں کو جاننے والے ہیں، مخلوقات اور صفات حق کے احکام اور اسما اور افعال و آثار اور جمیع علوم ظاہر و باطن اور اول و آخر آپ کے احاطۂ علم میں ہیں، گویا کہ آپ فوق کل ذی علم علیم کے مصداق ہو گئے۔(مترجم)

"درۃ الغواص" اور "الجواہر والدرر" کلاہما للعارف سیدی الامام عبدالوہاب الشعرانی قدس سرہ الربانی میں ہے:

"محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم هو الأول والآخر والظاهر والباطن، قد ولج حين أسرى به عالم الأسماء، أولها مركز الأرض، وأخرها السماء الدنيا بجميع أحكامها وتعلقاتها، ثم ولج البرزخ إلى إنتهائه وهو السماء السابعة، ثم ولج

---

(١) تفسير غرائب القرآن: سورة البقرة، ٢٥٥، ١٩/٢

عالم العرش إلى مالا نهاية له، وانفتح في برزخيته صور العالم الإلٰهية والكونية."

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وہی اول ہیں، وہی آخر ہیں، وہی ظاہر، وہی باطن، (یعنی خلق میں) وہ شب معراج عالم اسما میں داخل ہوئے جس کی ابتدا مرکز ارض اور انتہا آسمان دنیا ہے، اس عالم کے جملہ احکام وتعلقات جان لیے، پھر عالم برزخ میں داخل ہوئے اس کے منتہی ساتویں آسمان تک، پھر عالم عرش میں وہاں تک جس کی انتہا ہی نہیں۔ اور حضور کے باطن میں مکان ولامکاں کی صورتیں منکشف ہوگئیں۔

حضرت سیدی عارف باللہ شیخ اکبر محی الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ "فتوحات مکیہ" کے باب دہم میں فرماتے ہیں:

"وصل زمان نشأة الجسم الظاهر المحمدي ـ صلى الله تعالى عليه وسلم ـ فظهر مثل الشمس الباهرة إلى قوله: وظهرت بسيادته التي كانت باطنة فهو الأول والآخر والظاهر والباطن وهو بكل شيء عليم، فإنه قال: أوتيت جوامع الكلم، وقال عن ربه: ((ضرب بيده بين كتفي فوجدت بردأنامله بين ثدي، فعلمت علم الأولين والآخرين. الخ))

جسم ظاہری محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آفرینش کا وقت پہنچا تو روشن سورج کی طرح حضور نے ظہور فرمایا (تا) اور حضور کی سیادت باطنہ ظاہر ہوگئی تو (مخلوق میں) محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی اول وآخر اور ظاہر وباطن ہیں، اور ان کا علم ہر شی کو محیط ہے۔

امام اجل قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ شفا شریف میں فرماتے ہیں:

"لكنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أوتي علم كل شيء."(۱)

لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم دیا گیا۔

حضرت عارف مولانا رومی قدس سرہ نے مثنوی شریف میں فرمایا:

گرچہ ہر غیبے خدا ما را نمود   دل دراں لحظہ بخود مشغول بود

تفسیر روح البیان میں زیر کریمہ:

﴿مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ﴾(۲)   تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔

---

(۱) [الشفا بتعريف حقوق المصطفىٰ: الفصل السادس والعشرون معارفه وعلومه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۱۰۷].

(۲) [سورة القلم: ۲]

فرمایا."بل أنت عالم بما كان، خبير بما سيكون"(۱)
بلکہ آپ ماضی و مستقبل کے حالات سے باخبر ہیں۔
نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض جلد ۳ میں فرمایا:
"الأنبياء صلاة الله وسلامه عليهم أجمعين من جهة الأجسام والظواهر مع البشر، وبواطنهم و قواهم الروحانية ملكية۔ ولذا ترىٰ مشارق الأرض ومغاربها، وتسمع أطيط السماء وتشم رائحة جبرئيل عليه الصلاة والسلام إذا أراد النزول إليهم"(۲)
سب انبیا بنظر ظاہری اجسام بشر کے ساتھ ہیں اوران کے باطن اور روحانی قوتیں ملائکہ کی سی ہیں، اسی لیے مشارق ارض ومغارب زمین ان کی نظر میں ہوتے ہیں، اور آسمان کی چرچراہٹ سنتے، اور جبرائیل امین علیہ الصلاۃ والسلام کی خوشبو جب وہ انبیا کی طرف نزول کا ارادہ کرتے ہیں، اسی وقت سے سونگھ لیتے ہیں۔
عارف کبیر سیدی حضرت سید احمد رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر امام شعرانی قدس سرہ النورانی "طبقات کبریٰ" میں بندۂ کامل کے بارے میں فرماتے ہیں:
"أطلعه علىٰ غيبه لا تنبت شجرة ولا تخضر ورقة إلا بنظره."(۳)
مولیٰ تعالیٰ اپنے غیب پر اسے مطلع فرماتا ہے یہاں تک کہ کوئی پیڑ نہیں اگتا اور کوئی پتہ نہیں ہریاتا مگر اس کی نظر کے سامنے۔
حضرت عارف سامی مولانا جامی قدس سرہ "نفحات الانس شریف" میں فرماتے ہیں:
سلسلہ عالیہ نقش بندیہ کے امام جلیل الشان حضرت سیدی عزیزان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے: زمین درنظر ایں طائفہ چوسفرہ ایست:۔
اس خدا رسیدہ جماعت کی نظر میں زمین دسترخوان کی طرح ہے۔

---

(۱) [تفسير روح البيان: سورة القلم: ۲۔ج ۱۰/۱۰۴]
(۲) [نسيم الرياض شرح شفا قاضى عياض. باب الأول، الكلام في عصمة نبينا وسائر الأنبياء: ۳/۵۴۵]
(۳) [الطبقات الكبرىٰ للشعراني : ومنهم الشيخ أحمد بن أبي الحسين الرفاعي، ۱/۱۲۲]

نیز ''نفحات'' میں ہے:

کہ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عزیزان رضی عنہ اللہ المنان کا وہ کلام شریف نقل فرماتے پھر فرماتے:

وما لی گوئیم چوں روی ناخنے است ہیچ چیز ازنظر ایشاں غائب نیست۔

ہمیں یہ کہنے میں کیا خوف ہے کہ جب ان کے نزدیک روئے زمین ایک ناخن کی طرح ہے تو کوئی چیز بھی ان سے پوشیدہ نہیں۔

حضرت پرنور سید الاسیاد غوث الاغوات قطب الاقطاب غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قصیدۂ خمریہ مبارکہ میں اپنی نسبت ارشاد فرماتے ہیں:

نظرت إلى بلاد الله جمعاً كخردلة على حكم اتصال(۱)

میں نے پوری دنیا کو ایک رائی کے دانے کی طرح دیکھا، رب تعالیٰ کے حکم سے۔(مترجم)

حضرت سیدی شریف عبد العزیز، پھر حافظ الحدیث سجلماسی اپنی کتاب مستطاب ''ابریز'' میں فرماتے ہیں:

''ما السموات السبع والأرضون السبع إلا كحلقة ملقاة في فلاة من الأرض.''(۲)

ساتوں آسمان اور ساتوں زمین میدان میں پڑے ہوئے ایک حلقہ کے مانند ہیں۔(مترجم)

اولیا کی نظر میں زمین مثل دسترخوان ہے، عارف کی نگاہ میں روئے ناخن کی طرح کہ کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں۔

سید العرفا کی نظر اقدس کے حضور رائی کے دانے کے مانند۔ مومن کامل کی نظر میں ساتوں آسمان ساتوں زمینیں ایسی جیسے کسی لق ودق میدان میں چھلا پڑا ہوا۔

وہابی بے دین تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے عطائی علم غیب کے اعتقاد کو کفر لکھتا، اور حنفیہ کی طرف معتقد علم غیب عطائی کی تکفیر کا افترا و بہتان کرتا ہے، کیا حنفیہ کے نزدیک معاذ اللہ یہ

---

(۱) [أرشيف ملتقى أهل الحديث : رسالة إلى شيخ الطريقة القادرية، ١٧/١٠٤]

(۲) [شرح الزرقاني : على المواهب اللدنيه، ١/٦٠]

[التبصرة لإبن الجوزي : المجلس الثاني في ذكر السموات ، ٢/١٦٥]

علما، اولیا، عرفا جنہوں نے انبیا، اولیا کے لیے یہ کچھ فرمایا کافر ہیں؟ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ایسی نجس ناپاک گندی گھنونی خبیث تکفیر وانکار پر حضرت مولانا روم قدس سرہ نے خوب فرمایا ہے:

رومی سخن کفر نہ گفتہ است ونہ گوید، منکر مشویدش کافر شدہ آں کس کہ بانکار برآمد مردود جہاں شد۔

رومی نے نہ کفریہ بات کہی ہے اور نہ کہے گا انکار مت کرو، کافر ہے وہ شخص جو کہ انکار کرے (علم غیب کا) دنیا وآخرت میں مردود وملعون ہے۔ (مترجم)

وہابیہ دیوبندیہ کے گروہ گنگوہی کا اندھاپن ملاحظہ ہو:

قرآنی ارشاد ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾(۱)

ہم نے تم پر یہ کتاب اتاری ہر چیز کے روشن بیان کو۔

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾(۲)

ہم نے اس کتاب میں کوئی شی اٹھا نہ رکھی۔

﴿وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾(۳)

ہر تر وخشک کتاب مبین میں ہے۔

اور ان کے سوا اور آیات باہرات جو اوپر گزریں اور ان کے علاوہ اور احادیث شریفہ زاہرہ جو اوپر بیان ہوئیں، اور ان کے علاوہ۔ ان سب کو پیٹھ دے کر ''البراھین قاطعہ، لما أمر اللہ بہ أن یوصل'' ص: ۵۱۸'' میں اپنے ایک انیٹھی خلیل احمق، عدو احمد کے نام سے۔ اللہ کے حبیب محبوب کو یہ صریح دشنام اور ابلیس کی مدح تام چھاپ دی کہ.....

''شیطان کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں، تو کون سا حصہ ایمان کا ہے، شیطان کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص رد کر کے ایک شرک ثابت کرنا ہے''

معاذ اللہ، معاذ اللہ۔ وھو تعالیٰ أعلم

---

(۱) [سورۃ النحل: ۸۹] (۲) [سورۃ الأنعام: ۳۸]

(۳) [سورۃ الأنعام: ۵۹]

حضور کو غیوب خمسہ کا علم دیا گیا ہے

مسئلہ: (۱۳)

فرازندۂ رایت شریعت ومروج احکام فطرت دامت عظمتہ

بعد سلام سنت واسلام معروض کہ...

کیا مغیبات خمسہ کا علم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے یا نہیں؟ اگر دیا گیا ہے تو کون سی صحیح حدیث، یا آیت قرآن شریف، یا تفسیر معتبرہ میں اس کا ثبوت ہے۔ اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے متعلق کوئی کتاب تحریر فرمائی ہے یا نہیں؟۔

اور اگر نہیں دیا گیا ہے تو بھلا جب کل کی بات نہیں جانتے تو قیامت کی باتیں کیسے جانتے ہوں گے۔

دوم یہ کہ حدیث معراج میں ہے کہ حضور فرماتے ہیں:

((فتجلى لي كل شيء۔ فعلمت مافي السموات والأرض أو كماقال))(۱)

میرے لیے ہر چیز آشکارا ہوگئی تو میں نے آسمان اور زمین کی ہر چیز جان لی۔ (مترجم)

جب شب معراج میں سب کچھ آپ نے جان لیا تو بھلا بعد میں مدینہ منورہ میں کئی ایک ایسے واقعات ہیں جو آپ سے پوچھے گئے آپ نے وحی کا انتظار کیا اور اسی وقت نہ بتایا بلکہ یہ فرمایا: کہ انشاء اللہ العزیز وحی کے آنے پر بتاؤں گا۔ ان سوالات کا مفصل جواب مرحمت فرمایا جائے۔ والسلام۔

از گجرات پنجاب مدرسہ پیر ولایت شاہ صاحب۔ مسئولہ جناب مولانا مولوی عبد الغفور صاحب چشتی ہزاروی مدرس اول مدرسہ مذکورہ، ۴ر رجب ۵۲ھ۔

الجواب

اللہ رب ومولیٰ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب ومحبوب مطلع الغیوب کو ان غیوب خمسہ کا بھی علم عطا فرمایا اور ان سے بھی پوشیدہ تر نہایت خفی واخفیٰ خاص اسرار کا علم بھی بخشا۔ صلى الله تعالىٰ عليه وعلى سائر الأنبياء وبارك وسلم۔ یہ پانچ تو بے شمار غیبوں کی بہ نسبت اخف ہیں، ان کی خصوصیت جو حدیث میں ارشاد فرمائی گئی اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کو کسی طرح خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، بلکہ معنی یہ ہیں کہ خدا

---

(۱) [السنن للدارمي، باب في روية الرب تعالىٰ، ۲/۱۳٦۵]

کے بے بتائے ان کا علم کسی کو نہیں ہو سکتا۔ جب ان کو بھی بے تعلیم الٰہی کوئی نہیں جان سکتا تو جو ان سے اخفی ہیں وہ بے خدا کے بتائے کسی کو کیوں کر معلوم ہو سکتے ہیں۔ یہ مطلب تو کسی عاقل کے نزدیک نہیں ہو سکتا کہ یہ غیوب خمسہ ایسے ہیں کہ انہیں کوئی اور کسی طرح جان ہی نہیں سکتا۔ ان کے سوا اور غیوب تو خدا دے سکتا ہے یہ ایسے ہیں کہ کسی کو نہیں دے سکتا یا نہیں دیتا۔ علمائے اہل سنت نے اپنی تصانیف مبارکہ میں ان غیوب کا علم حضور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے غلاموں کے لیے بھی علمائے اعلام، ائمہ کرام کی تصریحات سے ثابت کر دکھایا۔ حضور تو حضور ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ ہو: ''الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ، خالص الاعتقاد، افتائے حرمین کا تازہ عطیہ، ادخال السنان، الکلمۃ العلیا'' وغیرہ۔

یہاں بھی کچھ مختصر طور پر ثبوت پیش کریں۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ (۱)

سکھا دیا تمہارے رب نے جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر فضل عظیم ہے، اب اس ''جو کچھ'' میں کیا کچھ نہیں آ گیا؟ حدیثوں میں بکثرت ثبوت موجود ہے۔ حدیث بھی دیکھ لیجیے۔

ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

((إن اللّٰه قد رفع لي الدنيا فانا أنظر إليها وإلىٰ ماهو كائن فيها إلىٰ يوم القيامة كأنما أنظر إلىٰ كفي هذه۔))(۲)

بے شک اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا بلند فرما دی، آشکارا فرما دی۔ لہٰذا میں دنیا اور دنیا میں قیامت تک ہونے والی ہر چیز کو اپنے کف دست کی طرح ملاحظہ کر رہا ہوں۔ (مترجم)

بلکہ حضرت ابو زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

((صلى بنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم يوماً الفجر وصعد على المنبر فخطبنا (إلى) ثم صعد المنبر حتى غربت الشمس فأخبرنا بما هو كائن إلىٰ يوم القيامة، فأعلمنا أحفظنا.)) رواه مسلم (۳)

---

(۱) [سورۃ النساء: ۱۱۳]

(۲) [مجمع الزوائد، باب إخباره بالمغيبات: ۲۸۷/۸]

(۳) [صحيح مسلم . كتاب الفتن: ۳۹۰/۲]

ایک دن سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور پھر آپ منبر پر جلوہ فرما ہوئے اور آپ نے (عصر تک خطاب فرمایا) پھر عصر کے بعد منبر پر تشریف فرما ہوئے اور غروب تک ہم سے خطاب فرمایا، پس آپ نے ہمیں قیامت تک ہونے والی ہر چیز کی خبر دے دی، لہذا ہم میں زیادہ جاننے والا وہ ہے جس نے ان باتوں کو زیادہ یاد رکھا۔ (مترجم)

آیت کریمہ میں تو کج بحثوں کو اتنا زبردستی کا موقع تھا بھی کہ وہ کلمہ ''ما'' میں کچھ کٹھ حجتیاں کرتے کہ اس سے یہ مراد ہے، یہ مراد نہیں کہ حضور کو علم غیب عطا ہوا، مگر ان حدیثوں نے تو تسمہ لگا نہ رکھا۔ یہ علوم شاید وہابیوں کے طور پر دنیا سے الگ ہوں گے؟ دنیا میں نہ پانی برستا ہے، نہ دنیا میں ماں کے پیٹ میں بچہ نر و مادہ ہوتا ہے، نہ دنیا میں کل ہوتی ہے، نہ کل میں کچھ ہوتا ہے، نہ دنیا میں کوئی مرتا ہے؟ جب حضور نے صراحۃً بالکل وضاحت کے ساتھ ارشاد فرما دیا کہ میں، دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اور ہونے والا ہے اسے اپنے کف دست مبارک کی طرح دیکھ رہا ہوں۔ تو پانی برسنے اور ماں کے پیٹ میں بچے اور کل کی بات اور موت وغیرہ حضور کے پیش نظر ہے، اور سب کچھ جانتے اور پہچانتے ہیں۔ علیہ الصلاۃ والسلام مادامت اللیالي والأیام۔

اللہ عزوجل فرمائے: ہم نے وہ سب اپنے حبیب کو سکھا دیا جو وہ نہ جانتے تھے۔ اور حضور فرمائیں: خدا نے دنیا و کائنات سب میرے پیش نظر فرما دیے ہیں۔ اس سب کو جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے مثال کف دست ملاحظہ فرما رہا ہوں۔ صحابی فرمائیں کہ حضور نے قیامت تک کی ساری کائنات کی ہمیں خبر دی، ہم میں زیادہ علم والا وہ ہے جسے زیادہ یاد رہا۔ مگر وہابی کو کسی طرح یقین نہیں آتا۔ نہ صحابی کا اعتبار، نہ رسول کردگار کے ارشاد پر یقین، نہ خود پروردگار عز جلالہ کے ارشاد پر ایمان۔ وہ یہی بکے جاتا ہے کہ حضور کو کل کی بات معلوم نہیں، حضور پیٹ کے حال سے بے خبر ہیں، حضور کو یہ علم نہیں کہ کون کہاں مرے گا، انتہا یہ کہ گنگوہی پھنکار اٹھا کہ معاذ اللہ ''حضور کو دیوار کے پیچھے کا بھی حال معلوم نہیں'' اور اس کو شیخ محقق کے سر منڈھ دیا کہ انہوں نے اسے روایت کیا۔ حالانکہ شیخ محقق محدث دہلوی قدس سرہ نے اسے روایت نہ کیا، بلکہ اس کا رد فرمایا۔ رد کو روایت بنا لیا، حد یہ ہے کہ وہابی نے یہ بک دیا کہ حضور کو اپنے خاتمہ کا بھی حال معلوم نہیں۔ مفسرین کرام کے اقوال اگر وہ سب جمع کیے جائیں جو ہر ہر آیت علم غیب کے نیچے ہیں جب تو ایک مبسوط کتاب تیار ہو جائے، اور اس کی حاجت نہیں۔ علما اپنی تصانیف مبارکہ میں بہت سے اقوال پیش فرما چکے، یہاں تو صرف اسی آیت کریمہ مذکورہ بالا کی تفسیر میں جو کچھ فرمایا گیا وہ زیادہ نہیں دو ایک عبارت پیش کریں۔

مدارک میں زیر آیت کریمہ مذکور فرمایا:

"من أمور الدين والشرائع، أو من خفيات الأمور وضمائر القلوب"(۱)

دین اور شریعت کی ہر چیز، یا مخفی امور اور دلوں کے راز۔ (مترجم)

خازن میں ہے:

"قيل: علمك من علم الغيب مالم تكن تعلم، وقيل: معناه وعلمك من خفيات الأمور وأطلعك على ضمائر القلوب، وعلمك من أحوال المنافقين وكيد هم مالم تكن تعلم"(۲)

کہا گیا ہے کہ غیب کی وہ چیزیں تمہیں سکھادی گئیں جو تم نہیں جانتے تھے، اور ایک قول یہ ہے کہ مخفی چیزیں تمہیں سکھادی گئیں اور دلوں کے راز سے باخبر کردیا، اور منافقین کے حالات اور چالیں سکھادیں جو تم نہیں جانتے تھے۔ (مترجم)

بیضاوی میں ہے:

"من خفيات الأمور"(۳)

مخفی چیزیں۔ (مترجم)

خاص خمس کے بارے میں امام ابن حجر کا ارشاد بطور نمونہ ذکر کروں، جسے اور زیادہ درکار ہوں وہ اہل حق کے رسائل کا مطالعہ کریں، جن سے آفتاب کی طرح روشن کہ یہ خمس حضور تو حضور حضور کے غلام بھی باعطاء الٰہی بطفیل سرکار رسالت پناہی جانتے ہیں۔

امام ابن حجر مکی "منح المکیہ شرح قصیدہ ہمزیہ" میں فرماتے ہیں:

"أكثر علوم نبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم تتعلق بالمغيبات بدليل "فعلمت علم الأولين والآخرين" في الحديث المشهور، ولأنه تعالىٰ اختص به لكن من حيث الاحاطة به والشمول لعلمه بالكليات والجزئيات، فلا ينافي ذلك اطلاع الله تعالىٰ لبعض خواصه على كثير من المغيبات حتى من الخمس التي قال فيهن صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "خمس لا يعلمهن إلا الله تعالىٰ"؛ لأنها جزئيات معدودة لا غير، وإنكار

---

(۱) [تفسير النسفي:۱/۲۹۱] (۲) [تفسير الخازن:۱/٤٢٦]

(۳) [تفسير البيضاوي:۱/۲۳٦]

المعتزلة لذلك مكابرة، فقد وقع للأنبياء والأولياء من ذلك مالم يمكن عده، لا سيما ما وقع لنبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وسيأتي بسط جملة مما أخبر به صلى الله تعالىٰ عليه وسلم"

ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اکثر علوم کا تعلق غیب کی چیزوں سے ہے، دلیل یہ ہے کہ آپ نے حدیث مشہور میں فرمایا کہ میں نے اولین وآخرین کو جان لیا، اور دوسری دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیب کو اپنے لیے خاص فرمایا احاطے کے طور پر اور اس طور پر کہ اس کا علم کلیات وجزئیات کو شامل ہے لہذا یہ اس بات کے منافی نہیں کہ اللہ اپنے کچھ خاص بندوں کو بہت سے غیوب پر مطلع فرمادے یہاں تک کہ ان پانچ پر بھی جس کے تعلق سے فرمایا: پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، کیوں کہ یہ محض چند جزئیات ہیں، اور معتزلہ کا اس سے انکار کرنا محض مکابرہ اور ہٹ دھرمی ہے، کیوں کہ انبیا اور اولیا سے بے شمار غیوب کا وقوع ہو چکا ہے، خاص کر ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نیز عن قریب آپ کے اخبار عن الغیب کی تفصیل آئے گی۔ (مترجم)

یہ "سیأتی" جہاں کے لیے فرمایا وہاں بہت اخبار غیبیہ کا بیان فرمایا۔

فرماتے ہیں:

"(ثانيهما) في بيان ما أشار إليه الناظم من كثرة ماأخبر به صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الغيوب مافي القرآن منها مالا يحيط به حد."

اور دوسری (فصل) ان کثیر اخبار غیبیہ کے بیان میں جن کی طرف شاعر نے اشارہ کیا ہے، اور ان غیوب کا تذکرہ قرآن میں بے شمار جگہ ہوا ہے۔

وخبر الطبراني:

((إن الله قد رفع لي الدنيا فإنا أنظر إليها وإلىٰ ماهو كائن فيها إلىٰ يوم القيامة كماأنظر إلىٰ كفي هذه))(۱)

وخبر أبي داؤد: ((قام فينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مقاماً فما ترك شيئاً إلىٰ قيام الساعة إلا حدثنا به))۔(۲)

---

(۱) [مجمع الزوائد للهيثمي، باب اخباره بالمغيبات: ۲۸۷/۸]

(۲) [مسند الإمام احمد، حديث حذيفة، ۳۰۷/۳۸]

وفي الحديث الصحيح: ((فعلمت علم الأولين والأخرين))(١)

وصح أنه صلى الله تعالى عليه وسلم أخبر بموت النجاشي يوم موته بالحبشة وصلى عليه بأصحابه.(٢)

وصح أنه أبوبكر وعمر وعثمان صعدوا أحداً فتحرك فضربه برجله وقال له: ((أثبت فإنما عليك نبي وصديق وشهيدان فاستشهدا))(٣).

وأن ملك كسرىٰ وقيصر ينقطعان بعده من العراق والشام،فكان ذلك في زمن عمر،

وأنه قال لسراقه: ((كيف بك إذا لبست سوارى كسرى، فألبسهما عمر له نمازال ملك كسرىٰ في زمنه تحقيقاً لذلك))(٤)

وأخبر بكتاب حاطب إلىٰ أهل مكة.(٥)

وبموقع ناقته حين ضلت وتعلقت بخطامها في الشجرة،(٦)

وبأن قريشاً بعد الأحزاب لا يغزونه.

وباستشهاد أمراء الجيش الذي أرسله لموتة بلداً بأرض الشام يوم قتلهم زيد بن حارثة، فجعفر بن أبي طالب، فعبد الله بن أبي رواحة۔ رضى الله تعالىٰ عنهم.(٧)

وبأن فاطمة أول أهله لحوقاً به، فعاشت بعده ثمانية أشهر أو ستة۔ (٨)

وبأن أشقى الأولين والأخرين قاتل عليّ كرم الله تعالىٰ وجهه يضربه في يافوخه

---

(١) [روح البيان: سورة الانفال، ٣/٣٣٠]

(٢) [مؤطا مالك : باب ماجاء في التكبير على الجنائز، ٢/٣١٧]

(٣) [شرح السنة للبغوى : باب فضائل عثمان، ١٤/١٠٦]

(٤) [فيض القدير، حرف الخاء، ٣/٤٩٨]

(٥) [صحيح البخاري:باب الجاسوس، ٤/٥٩]

(٦) [المعجم الكبير للطبراني: ١٢/١٣٧]

(٧) [مصنف ابن أبي شيبة: غزوة موته،٧/٤١٢]

(٨) [مناهل الصنا في تخريج احاديث الشفا، ١/١٥٤]

فيبتل من دمها لحيته. فضربه الشقي ابن ملجم ضربة كذلك فمات منها۔(١)

وأن معاوية رضي الله تعالیٰ عنه يلي أمر أمته وبأن لم يغلب ۔رواهما ابن عساكر۔

ومن ثم قال علي كرم الله تعالیٰ وجهه يوم صفين: لو ذكرت هذا الحديث ماقاتلته،

وبأن عثمان يقتل مظلوماً.(٢)

وبواقعة الحرة من عساكر يزيد۔ عامله الله بعد له۔ بالمدينة فاستحيت نفوس أهلها وأبضاعهم وأموالهم، وقتل سبع مأة يحفظون القرآن .منهم ثلث مأة صحابي، وأفتض منها ألف عذراء.(٣)

واقعة الجمل وصفين وقتال عائشة والزبير بعلي رضى الله تعالیٰ عنهم.ولذلك قال عليّ للزبير لما برزله يومئذٍ انشدك: هل سمعت رسول الله؟ تقاتله وأنت له ظالم، فانصرف الزبير وقال: بلیٰ ولكن نسيت.وقد يشكل الوصف بالظلم مع أن الزبير مجتهد.فغاية أنه مخطي وله أجر بنص الحديث الصحيح،ويجاب بأن أصل الظلم وضع الشيء في غير محله وإن لم يكن فيه إثم، فالمراد وأنت قد وضعت القتال في غير محله خطاء منك لا تعمداً، أوفأنت له ظالم حقيقة لو نظرت في الدليل حق النظر بقرينة ما تقرر أن المجتهد المخطي أجر ۔(٤)

وبقوله في الحسن بن علی كرم الله تعالیٰ وجهه إن ابنی هذا سيد وسيصلح الله به بين فئتين عظيمتين من المسلمين، فكان كذلك، فإنه بويع بعد أبيه فمكث خليفة ستة أشهر، ثم سار لمعاوية بأربعين ألفاً، فلما ترأى الجمعان علم كثرة الفريقين وأنه لا يغلب أحدهما حتى يقتل الفريق الأخر، فرق على المسلمين ورحمهم ورفض

---

(١) [تاريخ دمشق لإبن عساكر: ٣٥٢/٤٠]

(٢) [الشريعة للآجري: باب سبب قتل عثمان ، ١٩٨٠/٤]

(٣) [فتح الباري : باب قوله ثانی اثنين ، ٣٢٧/٨]

(٤) [البدء والتاريخ ذكر وقعة الحمل : ٢١٣/٥]

الملك في جنب ذلك ابتغاء لوجه اللّٰه تعالیٰ كما جاء عنه رضی اللّٰه تعالیٰ عنه، ثم أرسل لمعاوية ليشترط عليه شروطاً وينزل له عن الخلافة فأرسل إليه قرطاساً أبيض وقال: اشترط ما شئت فاشترط ونزل له عن الملك فصار معاوية من يومئذٍ خليفة حقيقة."(۱)

(۱) بے شک اللہ عز وجل نے دنیا میرے پیش نظر فرمادی تو میں اسے اور جو کچھ روز قیامت تک ہونے والا ہے ان کو اپنے کف دست کی طرح دیکھ رہا ہوں۔

(۲) ابوداؤد نے خبر دی: سرکار ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تو روز قیامت میں ہونے والی ہر چیز بیان فرمادی۔

(۳) اور حدیث صحیح میں آیا ہے، کہ میں نے اولین وآخرین کا علم حاصل کرلیا۔

(۴) اور یہ بات بھی درجہ صحت کو پہنچی ہوئی ہے کہ آپ نے نجاشی کی موت کی خبر ان کے انتقال کے دن دی جب کہ ان کا انتقال حبشہ میں ہوا تھا۔ اور آپ نے صحابۂ کرام کے ساتھ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

بے شک آپ، ابوبکر صدیق اور عمر فاروق وعثمان غنی ایک پہاڑ پر چڑھے تو وہ حرکت کرنے لگا، پس آپ نے اس پر اپنا پیر مار کر فرمایا: اے پہاڑ حرکت نہ کر بے شک تجھ پر اللہ کا نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں، پس حضرت عمر اور عثمان شہید کیے گئے اور آپ کا ارشاد مبارک سچا ہوا۔

اسی طرح آپ نے فرمایا کہ میرے بعد کسریٰ وقیصر کی حکومت عراق وشام سے ختم ہوجائے گی، لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں یہ حکومت ختم ہوگئی۔

نیز آپ نے سراقہ سے فرمایا: اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے، لہٰذا کنگن حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں انہیں پہنائے جب کسریٰ حکومت ختم ہوئی تھی آپ کے ارشاد کی تصدیق کے لیے۔

اسی طرح آپ نے اہل مکہ کے نام حاطب کے خط کی خبر دی تھی۔

نیز آپ نے اونٹنی کا پتہ بتایا تھا کہ جب راستہ بھٹک گئی اور اس کی نکیل کسی درخت میں الجھ گئی تھی۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی خبر دی تھی کہ قریش واقعہ احزاب (جنگ خندق) کے بعد

---

(۱) [صحيح البخاري: باب مناقب الحسن، ۳/۱۸۶]

جنگ نہیں کریں گے۔

ساتھ ہی آپ نے اس لشکر کے سپہ سالاروں کی شہادت کی خبر دی تھی جسے آپ نے موتہ کے لیے روانہ کیا تھا۔ موتہ ملک شام کا ایک شہر ہے اور یہ خبر آپنے ٹھیک اسی دن دی تھی جس دن زید بن حارثہ، پھر جعفر بن ابی طالب اور ان کے بعد عبد اللہ بن رواحہ شہید کیے گئے تھے۔

اور آپنے یہ بھی خبر دے دی تھی کہ آپ کے بعد آپ کے اہل بیت میں حضرت فاطمہ کا انتقال سب سے پہلے ہوگا، لہذا وہ آپ کے بعد آٹھ یا چھ ماہ حیات رہیں۔

اور آپ نے یہ بھی خبر دی تھی کہ اولین وآخرین میں سب سے بڑا شقی حضرت علی کا قاتل ہے جو آپ کے تالو پر وار کرے گا جس کی وجہ سے آپ کی داڑھی خون سے تر ہو جائے گی، چنانچہ ابن ملجم بد بخت نے آپ پر اسی طرح وار کیا جس کے نتیجہ میں آپ شہید ہو گئے۔

آپنے یہ بھی فرما دیا تھا کہ معاویہ میری امت کے والی بنیں گے اور مغلوب نہیں ہوں گے۔

ان دونوں روایتوں کو ابن عساکر نے بیان فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت علی نے جنگ صفین کے دن فرمایا کہ: اگر مجھے یہ حدیث یاد ہوتی تو میں ان سے جنگ نہ کرتا۔

نیز آپ نے حضرت عثمان کے ظلماً شہید ہونے کی خبر دے دی تھی۔

یوں ہی آپنے یزیدی فوج کی طرف ہونے والے واقعہ حرہ کی خبر بھی دی، اللہ عزوجل نے اسے آپ کے بعد مدینہ کی حکومت دی، تو اس نے اہل مدینہ کے جان ومال اور مزید آبرو کو پامال کر ڈالا، سات سو حافظ شہید ہوئے جن میں تین سو صحابی تھے، ان سے ایک ہزار چشمے بہہ پڑے۔

جنگ جمل وصفین اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت زبیر کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتال انہیں میں سے ہے، اسی وجہ سے حضرت علی نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا جب وہ جنگ کے دن آپ کے سامنے آئے: میں تم کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا کہ تم ان سے جنگ کروگے حالانکہ اسی عمل سے تم ان پر ظلم کروگے، تو حضرت زبیر یہ کہتے ہوئے لوٹ گئے کہ کیوں نہیں (یعنی میں نے سنا تھا) لیکن میں بھول گیا تھا، اور ان کے عمل کو ظلم سے تعبیر کرنا مناسب نہیں کیوں کہ حضرت زبیر مجتہد تھے۔ زیادہ سے زیادہ کہا جاسکتا ہے کہ ان سے خطائے اجتہادی ہوئی، جس پر حدیث صحیح کے مطابق آپ کو کا اجر ملے گا، ہاں اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ظلم کے معنی ہیں: اصل شی کو اس کے غیر محل میں رکھنا اگر چہ اس میں کوئی گناہ نہ ہو۔ تو اب مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے قتال غیر محل میں کیا خطائے اجتہادی کے طور پر نا کہ قصداً۔

اور یوں ہی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے، اور اس کے ذریعہ اللہ عزوجل مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح فرمائے گا، پس ایسا ہی ہوا، کیوں کہ آپ کے والد کے بعد آپ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی اور آپ چھ ماہ خلیفہ رہے پھر آپ حضرت معاویہ سے جنگ کرنے کے لیے چالیس ہزار کا لشکر لے کر چلے، پس جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو آپ نے دونوں گروہ کی کثرت کا اندازہ کرلیا، اور یہ بھی اندازہ لگالیا کہ کوئی بھی فریق دوسرے پر اس وقت غالب آسکتا ہے جب وہ اسے قتل کردے، پس آپ کا دل مسلمانوں کے لیے پگھل گیا اور آپ نے ان پر رحم فرماتے ہوئے حکومت کو رضائے الٰہی کی خاطر ٹھوکر ماردی، جیسا کہ آپ سے مروی ہے، پھر آپ نے حضرت معاویہ کے پاس شرائط مقرر کر کے ان کے حق میں خلافت سے دست بردار ہونے کی خبر بھیجی تو امیر معاویہ نے آپ کے پاس سفید کاغذ بھیجا اور کہا کہ جو شرائط چاہو متعین کرلو ،لہذا آپ نے شرائط مقرر فرمائے اور حکومت سے دست بردار ہوگئے اور اس دن سے امیر معاویہ حقیقی خلیفہ ہوئے۔ (مترجم)

"وبقتل الحسين بن علي كرم الله تعالىٰ وجهه.وأخرج بيده تربة وقال: فيها مضجعه ـ(١)

وصح خبر استأذن ملك المطر ربه، أن يزور النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فأذن له، فكان في يوم أم سلمة فأمرها صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تحفظ الباب، فجاء الحسين فاقتحمه فقبله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال له الملك: أتحبه ؟ قال :نعم.قال:إن أمتك سيقتله، إن شئت أريتك المكان الذي يقتل فيه، فأراه فجاء بسهلة بالكسر رمل خشن أو تراب أحمر، فأخذ فجعلته في ثوبها، فقال الراوي: كنا نقول: إنها كربلاء،و في رواية أنه قال:إذا صار دما فاعلمي أنه قد قتل۔

وأخبر عمه أنه سيعمى لما رأى جبرئيل معه في صورة رجل۔

وأخبر أم عبدالله بن عباس بأنها ستلده، وبأنه أبوالخلفاء، وبأن منهم السفاح والمهدي۔(٢)

---

(١) (المعجم الكبير للطبراني: الحسين بن علي، ١٠٧/٣)

(٢) (أيضاً، ١٠٧/٣)

" وأخبر بأن الترك ستغلب على العرب حتى تلحقها بمنابت الشيخ والقيصوم" ۔

وبقوله: يوشك الناس أن يضربوا أكباد الإبل فلا يجدون عالماً أعلم من عالم المدينة، قال ابن عيينة وغيره: وهو مالك ابن أنس، (۱)

ومن ثم كان الناس يزدحمون على بابه لأخذ العلم حتى يقتتلوا، وممن روى عنه من الأكابر: الزهري، والسفيانان، والشافعي، والأوزاعى إمام أهل الشام، والليث إمام أهل مصر، وأبو حنيفة، وصاحباه أبو يوسف ومحمد، وذو النون المصري، والفضيل، وابن المبارك، وابن أدهم۔ رحمهم الله تعالىٰ۔

وبعالم قريش وأنه يملأ طباق الأرض علماً، قال أحمد وغيره: نراه الشافعي، لأنه لم ينتشر في طباق الأرض لقرشي صحابي أو غيره ما انتشر للشافعي أي: والذي انتشر لعلي وابن عباس ونحوهما مسائل قليلة جداً كما يعلم ذلك من سير كلامهم وأطلع عليه."(۲)

اور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی، اور آپ نے اپنے دست مبارکہ سے ایک خاص قسم کی مٹی نکالی اور فرمایا کہ یہ ان کی جائے شہادت ہے، اور بروایت صحیح وارد ہے کہ بارش کے فرشتہ نے رب تعالیٰ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی اجازت طلب کی، تو اسے اجازت مل گئی تو یہ دن ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کی باری کا تھا۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ دروازہ پر نظر رکھنا، چنانچہ حضرت حسین آئے تو آپ نے انہیں اپنی گود میں اٹھالیا، اور انہیں چوما، تو فرشتہ نے کہا کہ کیا آپ اس سے محبت کرتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: ہاں، فرشتہ نے کہا کہ آپ کی امت اس کو شہید کردے گی، اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو ان کا مقتل (جائے شہادت) دکھادوں، لہذا فرشتہ نے آپ کو وہ جگہ دکھائی۔ وہ فرشتہ کھردری ریت یا لال مٹی لے کر آیا، آپ نے وہ مٹی لی جسے حضرت ام سلمہ نے اپنے کپڑے میں رکھ لیا۔ راوی نے کہا کہ ہم اسے کربلا کہتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب یہ مٹی خون بن جائے تو سمجھ لینا کہ حضرت حسین رضی

---

(۱) (سنن الترمذي: باب ماجاء في عالم المدينة، ٢٦٣/٤)

(۲) [السنة لابن أبي عاصم: باب في فضل عالم قريش، ٦٣٧/٢]

اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چچا کو خبر دی کہ عن قریب وہ نابینا ہو جائیں گے کہ انھوں نے حضرت جبرئیل کو ایک مرد کی صورت میں دیکھ لیا تھا۔

نیز آپ نے ام عبد اللہ کو ابن عباس کی خوش خبری سنائی، اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ خلفا کے والد ہوں گے، اور انہی کی نسل سے سفاح اور مہدی ہوں گے۔

اور آپ نے یہ بھی خبر دی کہ ترک عربوں پر غالب آجائیں گے۔

یوں ہی آپ نے فرمایا ہے کہ لوگ اونٹوں کے جگر پر ماریں گے (یعنی دور دراز کا سفر کریں گے) لیکن مدینہ کے عالم سے بڑا عالم کہیں نہ پائیں گے۔ ابن عیینہ وغیرہ کا بیان ہے کہ وہ حضرت امام مالک بن انس ہیں، یہی وجہ ہے کہ لوگ ان کے دروازہ پر حصول علم کے لیے بھیڑ لگائے رہتے تھے، یہاں تک کہ آپس میں جھگڑنے لگتے تھے۔ اکابر میں آپ سے امام زہری، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، امام شافعی، امام اوزاعی اہل شام کے امام، اہل مصر کے امام لیث، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد، ذوالنون مصری، فضیل، ابن مبارک، ابن ادہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، وغیرہ نے روایت لی۔

آپ نے یہ بھی خبر دی کہ قریش کا ایک عالم روئے زمین کو علم سے بھر دے گا۔

امام احمد وغیرہ کا بیان ہے کہ ہمارے خیال میں وہ امام شافعی ہیں، کیوں کہ روئے زمین پر کسی قرشی صحابی یا کسی دوسرے کا اتنا علم نہ پھیلا جتنا امام شافعی کا پھیلا، کیوں کہ حضرت ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جو مسائل پھیلے وہ بہت کم ہیں، یہ بات ان کے کلام سے واضح ہے۔ (مترجم)

"وأخبرنا بالخوارج الذين خرجوا على عليّ كرم الله تعالىٰ وجهه وأن فيهم رجلا أسود أحد عضديه مثل ثدي المرأة، فقاتلهم عليّ وأخرج ذلك الرجل حتى رأه الناس بالوصف الذي وصفه به صلى الله تعالىٰ عليه وسلم۔(۱)

وأخبرنا بالرافضة وأنهم يرفضون الإسلام۔و بالقدرية والمرجئة، (۲)

وبأن أمته تفترق علىٰ ثلاث وسبعين فرقة، وبأنها تكون كلها في النار إلا الفرقة التي تكون على ما كان عليه هو وأصحابه، وهم الطائفة الذين أخبرعنهم بأنهم

---

(۱) [صحيح البخاري : باب علامات النبوة، ٤/٢٠٠]

(۲) [السنة لابن أبي عاصم : باب ذكر الرافضة، ٢/٤٧٤]

لا یزالون علی الحق لا یضرهم من خالفهم إلیٰ قیام الساعة: أي : قربه بقلیل.(۱)

وبإمارات الساعة الکثیرة جداً، فوقع کثیر منها، وینظر وقوع الباقي، ومما وقع منها النار التي قال عنها صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم. کما رواه الشیخان: لا تقوم الساعة حتی تخرج نار من أرض الحجاز تضيء لها أعناق الإبل ببصری۔(۲)

فخرجت نار عظیمة في نحو مرحلة من المدینة المشرقة وتقدمتها زلزلة عظیمة بعد عشاء الأربعاء ثالث جمادي الأخرة سنة ٦٥٤ أربع وخمسین وست مأة، ولم تزل تشتد وتغلی کغلیان البحر إلیٰ أن ارتجت منها الأرض ومن علیها حتی أیقن أهل المدینة بالهلاك، وکثرت الزلازل حتی وقع منها في یوم واحد ثمان عشرة زلزلة، لکن ببرکته صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم کان یغشي المدینة نسیم بارد ورأیت من مکة جبال بصری وانطفأت لیلة الأسراء سابع عشرة رجب. "

ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خوارج کے ظہور کی خبر دی جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باغی ہوئے، اور آپ نے یہ بھی بتلا دیا کہ ان میں ایک ایسا شخص ہوگا جس کا ایک بازو عورت کے پستان کی طرح ہوگا، پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ان سے جہاد کیا اور اس شخص کو نکالا جسے لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیان کردہ وصف کے مطابق پایا۔

اور آپ نے روافض اور ان کے اسلام سے منکر ہونے کی بھی خبر دی، اسی طرح مرجیئہ، قدریہ وغیرہ فرقہائے باطلہ کی خبریں دیں۔

اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی، وہ سب جہنمی ہوں گے، سوائے اس فرقہ کے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر چلے گا، اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے آپ نے فرمایا کہ وہ ہمیشہ حق پر رہیں گے تا قیام قیامت ان کے مخالفین ان کو ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔

نیز آپ نے قیامت کی بہت ساری نشانیوں اور علامتوں کی خبر دی، جن میں بہت سی وقوع پذیر ہو چکی ہیں، اور باقی کے رونما ہونے کا انتظار ہے، اور وقوع پذیر ہونے والی نشانیوں میں سے وہ آگ ہے، بروایت شیخین جس کے بارے میں فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک زمین حجاز سے آگ

---

(۱) [تاریخ مختصر الدول: ۱/۹۵]

(۲) [صحیح مسلم : باب لاتقوم الساعة الخ، ٤/٢٢٢٧]

نہ نکل جائے جس کی روشنی میں بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں نظر آنے لگیں گی، چنانچہ مدینہ طیبہ کے تقریبا ایک مرحلہ کے فاصلہ سے آگ نکلی، اس سے پہلے بدھ کے دن تین جمادی الآخرہ ٦٥٤ھ کو ایک زبردست زلزلہ آیا، اور یہ زلزلہ سمندر کی موجوں کی طرح بڑھتا گیا یہاں تک زمین اور اہل زمین ہلنے لگے جس سے اہل مدینہ کو ہلاک ہونے کا یقین ہوگیا، زلزلوں کی تعداد بڑھتی گئی، یہاں تک کہ ایک دن میں اٹھارہ زلزلے آئے، لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے مدینہ طیبہ میں ٹھنڈی ہوائیں چلیں، اور یہ زلزلہ شب معراج ستائیس ویں رجب کو تھا۔

قصیدۂ بردہ کے حاشیۂ بیجوری میں ہے:

"لم يخرج صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الدنيا إلا بعد أن أعلمه الله تعالىٰ بهذه الأمور الخمسة."

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی وقت دنیا سے ظاہری طور پر تشریف لے گئے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ پانچوں امور بتلا دیے۔ (مترجم)

تفسیر روح البیان میں زیر کریمہ: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ﴾ (۱)

فرمایا: "قد ذهب بعض المشائخ إلى أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يعرف وقت الساعة بإعلام الله تعالىٰ وهو لاينافي الحصر في الآية كما لا يخفى." (۲)

بعض مشائخ اس طرف گئے ہیں کہ رب تعالیٰ کے بتلانے سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقت قیامت کو جانتے تھے اور یہ قول آیت کریمہ میں موجود حصر کے منافی نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ (مترجم)

ترجمۂ مشکوٰۃ ''اشعۃ اللمعات'' میں حضرت محقق مطلق مولانا الشیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''مراد آنست کہ بے تعلیم الٰہی بحساب عقل ایں ہا را ندانند، آں ہا غیب اند کہ جز خدا کسے آں راندانند مگر آں کہ وے تعالیٰ از نزد خود کسے را بوحی والہام بدانا ند۔''

---

(۱) [سورة الأعراف:۱۸۷]

(۲) [تفسير روح البيان.۲/۲۹۳]

مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ کے بتائے بغیر اپنی عقل سے کوئی ان امور کو نہیں جانتا، یہ چیزیں غیب ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، سوائے اس شخص کے جس کو اللہ عزوجل وحی یا الہام کے ذریعہ بتلادے۔ (مترجم)

فتوحات وہبیہ شرح اربعین نوویہ میں ہے:

"والحق كما قال جمع: إن الله سبحنه و تعالىٰ لم يقبض نبينا عليه الصلاة والسلام حتى أطلعه على كل ما أبهمه عنه إلا أنه أمره بكتم بعض والإعلام ببعض."

حق وہ ہے جو جمہور نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھایا جب تک آپ کو ہر مبہم و مخفی شی پر مطلع نہ فرمادیا، لیکن آپ کو بعض ظاہر کرنے اور بعض کو مخفی رکھنے کا حکم فرمادیا۔ (مترجم)

یہاں تک کہ علمائے کرام نے ان پانچوں کا علم حضور کے خدام کے لیے فرمایا اور فرمایا کہ اہل تصرف عالم میں بے ان علوم کے تصرف نہیں کرسکتے۔

کتاب الابریز شریف میں ہے:

"كيف يخفى أمر الخمس عليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والواحد من أهل التصرف من أمته الشريفة لا يمكنه التصرف إلا بمعرفة هذا الخمس."

سرکار دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پانچوں امور کس طرح مخفی رہ سکتے ہیں جب کہ آپ کی امت مبارکہ کا کوئی بھی اہل تصرف ان پانچوں امور کو جانے بغیر تصرف کر ہی نہیں سکتا۔ (مترجم)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے رسالہ مبارکہ "الدولة المكية بالمادة الغيبية" نیز اردو کے ایک مختصر رسالہ "افتائے حرمین کا تازہ عطیہ" میں خمس کی بحث ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ قرآن عظیم واحادیث نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم، نیز ارشادات ائمہ کرام وعلمائے اعلام سے ہر سمجھ والے پر روشن تر از شمس وابین من الامس ہو چکا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ عزوجل نے بہت کثیر علوم غیبیہ عطا فرمائے جن کا احصا نہیں ہوسکتا، اور اظہر ہوا کہ علوم خمسہ حضور تو حضور، حضور کے غلاموں کو عطا فرمائے جاتے ہیں۔ اب یہ سب دیکھ کر پھر خاص قصہ معراج میں حضور کا ارشاد:

((وعلمت مافي السموات ومافي الأرض))(۱)

---

(۱) [سنن الدارمي: باب في رؤية الرب تعالىٰ، ۲/۳۶۵]

میں نے آسمان وزمین کی ہر چیز کو جان لیا۔(مترجم)

پا کر پھر بے ہودہ شبہات مسلمان کی شان نہیں۔ یہ تو اس حدیث سے مقابلہ ہوا اور اس کے یہی معنی ہوئے کہ حضور نے ایسا فرمایا، حالاں کہ حضور کے فرمانے کے بعد جو کچھ پوچھا گیا تو جواب نہ دے سکے، وحی کا انتظار فرمایا۔ ولاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ۔

مسلمان تو کبھی یہ خیال نہیں لاسکتا کہ معاذ اللہ یہ ارشاد غلط ہے۔ اور جب وہ اسے غلط نہیں سمجھ سکتا تو یقیناً اسے حق جانتے ہوئے یہی کہے گا کہ بے شک حضور کو شب معراج "مافي السموات والأرض" کا علم ہوگیا۔ اس کے بعد اگر یہ ثابت ہو کہ حضور سے کوئی سوال کیا گیا اور حضور نے جواب فوراً عطا نہ فرمایا، یہ قطعاً اس لیے نہیں کہ حضور کو اس کے جواب کا علم نہ تھا، بہت سوال ایسے ہوتے ہیں کہ جواب معلوم ہوتا ہے مگر فوری جواب نہیں دیا جاتا جس میں مصلحت ہوتی ہے۔

وحی کا انتظار جیسے اس صورت میں ہوتا ہے کہ علم نہ ہوتا ایسی ہی اس کی صورت یہ بھی ہے کہ خود جواب عطا ہو اس سے بہتر یہ ہے کہ وحی خداوندی سے جواب ہو، جیسا کہ حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت کے واقعہ میں ہوا۔ حضور اگر اس کے متعلق خود سے کچھ ارشاد فرماتے اس سے بہت بہتر یہ ہوا کہ حضور نے وحی کا انتظار فرمایا، اور وحی میں ان کی طہارت بیان فرمائی۔ پھر وحی کا انتظار اس لیے بھی ممکن کہ اس سوال کا جو جواب باعلام الٰہی معلوم ہے اس کا اظہار ماذون ہو۔ فتوحات وہبیہ کی عبارت پر پھر نظر کیجیے کہ اللہ عزوجل نے ہر شی پر حضور کو مطلع فرمایا مگر بعض کے کتم کا حکم فرمایا، بعض کے اعلام کا۔ جو ذرا بھی سمجھ رکھتا ہے وہ اس سے کہ بعد معراج جب حضور نے معراج کا بیان فرمایا کفار نے بیت المقدس کے متعلق کچھ سوال کیے حضور نے فوراً جواب عطا نہیں فرمائے، اتنا سمجھ سکتا ہے کہ علم ہوتے ہوئے بھی بعض اوقات جواب میں تردد ہوتا ہے اور فوراً جواب نہیں دیا جاتا۔ یا وہابی یہ کہے گا کہ حضور کو بیت المقدس کا بھی علم نہ تھا، یہ تو سوا وہابی کے کوئی پاگل بھی نہیں کہہ سکتا۔ جب حضور بیت المقدس تشریف لے گئے تو ضرور حضور کو بیت المقدس کا علم تھا۔ وہاں کے متعلق سوالات کا جواب فوری عطا نہ فرمانا کسی حکمت پر مبنی تھا، یا یہ کہ اس وقت اس کی جانب التفات خاص نہ ہونے پر۔ جیسے موزہ وعقاب کے واقعہ میں ادھر التفات نہ تھا۔ مولانا رومی قدس سرہ نے مثنوی میں تحریر فرمایا کہ:

گرچہ ہر غیبے خدا مارا نمود دل درآں لحظہ بحق مشغول بود

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر غیب کی خبر دکھائی لیکن اس وقت ہمارا دل دیدار الٰہی میں مصروف تھا، اس کی ذات میں منہمک تھا۔(مترجم)

ملک العلما بحر العلوم نے شرح میں فرمایا:

''از جہت استغراق بعض مغیبات بر انبیا مستور شوند'' پھر فرمایا: ''معنی بیت چنیں ست کہ بسبب استغراق توجہ با کوان نبود۔ بعض اکوان مغفول عنہ ماندو ایں وجہ وجیہ است''

بطور استغراق بعض غیب کی چیزیں انبیا پر پوشیدہ ہیں، شعر کا مطلب یہ ہے کہ استغراقی کیفیت کی وجہ سے توجہ دیگر چیزوں کی طرف نہ ہوسکی لہذا بعض غیبی چیزیں پردۂ غیب میں رہ گئیں۔ (مترجم)

وہابی تو دشمن ہے، وہ تو زبردستی نقص ہی چاہے گا۔ اللہ و رسول و علما کچھ فرمائیں، وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسی باتیں لائے گا جس سے عوام کو دھوکہ دے سکے۔ **ولا حول ولا قوة إلا باللہ العلی العظیم واللہ تعالیٰ أعلم۔**

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم غیب عطائی ہے، ذاتی نہیں

(۱۴) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب عطائی تھا، بالذات نہ تھا۔ بالذات سوائے خدا کے دوسرے کے واسطے محال۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم غیب اور خود حضور حادث۔ خداوند کریم قدیم، اس کا علم بھی قدیم، عمرو یہ عقائد رکھتا ہے کہ حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم غیب بالذات ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جو صفات الٰہیہ ہیں ان صفات کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ قدیم ہے، حادث نہیں۔ دونوں سوالوں کے جواب سے بحوالہ کتاب مشرف فرمائیے۔ فقط

از درو ضلع نینی تال مسئولہ ارسلہ خاں پیشاوری و حافظ عبید اللہ امام مسجد و عبد اللہ صاحب رضوی، ۱۳؍ ذی قعدہ۔

الجواب

زید کا قول حق و صحیح اور عمرو کا باطل و فضیح ہے۔ عمرو اور اس کے ہم عقیدہ پر توبہ اور تجدید ایمان اور بیوی رکھتا ہو تو تجدید نکاح فرض ہے۔ اللہ عزوجل کا علم ذاتی کہ جو اس کی ذات سے ہے وہ اس کی صفت قدیمہ ہے، کسی کا دیا ہوا نہیں۔ اور اس کے حبیب لبیب علیہ الصلاۃ والسلام کا علم عطائی ہے کہ اللہ کا عطا فرمایا ہوا ہے۔ ایک ذرے کا علم بھی جو بے عطائے الٰہی مانتا ہے اس پر توبہ فرض ہے۔ ازسرنو ایمان لانا

لازم۔محال ہے کہ بے خدا کے بتائے حضور کوذرہ سے کم تر سے کم ترشی کا علم بھی ہو۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''الدولۃ المکیہ'' میں تصریح فرمائی:

"العلم الذاتي مختص بالمولیٰ سبحانه وتعالیٰ لا یمکن لغیره ومن أثبت شیئاً منه ولو أدنیٰ من أدنیٰ من ذرة لأحد من العلمین فقد کفر وأشرك."(۱)

علم ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے،اس کے غیر کے لیے محال ہے، جو اس میں کوئی چیز اگر چہ ایک ذرہ سے کم تر سے کم تر غیر خدا کے لیے مانے وہ یقیناً کافر مشرک ہے۔

جو اللہ کے سوا کسی مخلوق کو قدیم جانے کافر ہے۔

بے شک حضور علیہ الصلاۃ والسلام اللہ عزوجل کے مخلوق اور عظیم ترین بندے ہیں،اور ان کا علم اور ہر وصف خدا کا دیا ہوا ہے۔وہ بھی حادث ہیں اور ان کے اوصاف کریمہ صفات عظیمہ بھی۔

''الدولۃ المکیہ''ہی میں فرمایا:

"في الموضوعات من اعتقد تسویة علم الله ورسوله یکفر إجماعاً کما لایخفی اه.أقول إن أراد التسویة من کل وجه فنعم؛إذ یلزم قدم غیره تعالیٰ وغناه عنه عزوجل."

موضوعات میں ہے کہ جس نے اللہ عزوجل اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم میں مساوات کا عقیدہ رکھا تو وہ بالاتفاق کافر ہے،اور یہ بات بالکل ظاہر ہے، میں کہتا ہوں کہ مساوات سے اگر ہر جہت سے مساوات مراد ہے جب بات درست ہے کیوں کہ اس سے غیر اللہ کا قدیم اور رب تعالیٰ سے مستغنی ہونا لازم آرہا ہے۔(مترجم)

عمرو کو اپنے اس قول سے بھی توبہ کرنا چاہیے کہ ''حضور میں جو صفات الٰہیہ ہیں'' کہ اس کے ایک برے معنی بھی ہیں وہ یہ کہ خود صفات قدیمہ الٰہیہ بذات حضور قائم ہوں،اس نے بالذات عطائی کے مقابل اور قدیم حادث کے مقابل کہہ کر اس تعبیر کی راہ بند کردی کہ بالذات سے مراد یہ ہے کہ حضور کو بے واسطہ علم عطا ہوا،اور قدیم کے یہ معنی کہ حضور کو نزول قرآن ہی سے علم حاصل نہیں ہوا بلکہ حضور کو پہلے سے علم بعطائے الٰہی حاصل تھا،نزول قرآن عظیم سے حضور کے علوم میں اضافہ ہوا،اگر اس کی مراد بالذات سے یہ ہوتی تو بالکل حق ہوتی مگر وہ تو عطائی کے مقابل کہہ رہا ہے،تو یہ مراد ہرگز نہیں۔یوں ہی اگر قدیم سے وہ مراد ہوتی

---

(۱) [الدولة المکیة بالمادة الغیبیة: القسم الأول، ۱۷۸]

کفر سے اسے بچالیتی مگر وہ تو حادث کے مقابل کہہ رہا ہے۔ ولاحول ولاقوۃ إلا باللہ العلی العظیم۔ اللہ عزوجل عمرو اور اس کے ہم عقیدہ کو توفیق توبہ واستقامت علی الحق عطا فرمائے۔ آمین۔ واللہ ھو الموفق وھو الهادي إلى الصراط المستقيم، لا إله إلا ھو سبحنه وتعالیٰ شانه ليس كمثله شيء وھو السميع العليم۔

حضور ہی حاضر و ناظر ہیں، یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں

مسئلہ: ۱۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید کہتا ہے کہ خداوند قدوس کو ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھنے اور کہنے والا گمراہ اور بے دین ہے۔ یہ صفت خداوند قدوس کی نہیں ہے، بلکہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت کہتا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ اولیائے کرام کی نیک بیویاں مرنے کے بعد ان کے ساتھ قبروں میں رہتی ہیں اور دنیا کے تعلقات قبر میں رکھتے ہیں اور بچے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ شریعت مطہرہ کا زید کے واسطے کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

از شہر بریلی محلہ قاضی ٹولہ متصل درخت کیت اقبال پسر فدا حسین، جمادی الاولیٰ ۵۳ھ۔

الجواب

حاضر و ناظر یہ لفظ دربار الوہیت کے لائق نہیں، کبھی کسی مسلمان کو ہاں کہ "حضور" اپنے آپس میں ایک بڑا تعظیمی لفظ ہے مگر اللہ کو حضور سے تعبیر کرتے نہ سنا ہوگا۔ اور اگر کوئی تعبیر کرے تو مسلمان کا ذہن خدا کی جانب انتقال نہ کرے گا۔ بے شک اللہ عزوجل ہر بڑی سے بڑی، چھوٹی سے چھوٹی، باریک سے باریک چیز کو، روشنی اور اندھیری میں، ہر وقت ہر آن، جب وقت و آن نہ تھے، انھیں انھیں سب کو دیکھنے والا، اور سب اس کے علم میں حاضر، وہ ہر پست سے پست آواز کا سننے والا ہے ہمیشہ سے اور ہمیشہ، تو وہ شہید و سمیع و بصیر ہے۔ حاضر و ناظر کے لفظ سے ممانعت اور بات ہے، اور اس کے مطلب کا انکار اور بات۔ کون مسلمان ہے جو معاذ اللہ! اللہ عزوجل کو شہید و سمیع و بصیر نہیں مانتا۔ تو شہید و بصیر جو اسے جانے وہ لفظ حاضر و ناظر سے منکر ہے کہ یہ لفظ دربار الوہیت کے لائق نہیں، نہ بولا جائے۔ نہ کہ سرے سے مطلب ہی کا۔ پھر خدا جگہ سے پاک ہے اور ہر جگہ حاضر کا لفظ بظاہر ہر جگہ میں موجود ہونے کو بتاتا ہے، اس لیے اور اس سبب سے جو اس لفظ کو اس دربار عزت کے لائق نہیں بتاتا اور منع کرتا ہے، ٹھیک کہتا ہے۔

وہابی ہمیشہ افترا کیا کرتے ہیں، ان کا یہ افترا ہے کہ اولیاے کرام کی بیویاں ان کے ساتھ مزاروں میں رہا کرتی ہیں اور بچے بھی پیدا ہوتے ہیں۔

صرف اتنا بیان کیا گیا ہے جو امام علام سیدی محمد زرقانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ انبیا پر قبور میں ان کی ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں۔

شرح مواہب لدنیہ امام علامہ سید محمد عبدالباقی زرقانی قدس سرہ النورانی کی عبارت یہ ہے:

"نقل السبكي في طبقاته عن ابن فورك أنه عليه الصلاة والسلام حي في قبره أبدا لأباد على الحقيقة لا المجاز لحياته في قبره، يصلي فيه بأذان وإقامة. قال ابن عقيل الحنبلي: ويضاجع أزواجه ويستمتع بهن أكمل من الدنيا، وحلف على ذلك وهو ظاهر ولا مانع منه"(۱)

سبکی نے اپنی طبقات میں ابن فورک کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر میں ہمیشہ ہمیش کے لیے زندہ ہیں، قبر میں آپ کی حیات مجازی نہیں، آپ قبر میں اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، ابن عقیل حنبلی نے فرمایا کہ آپ اپنی ازواج مطہرات سے مجامعت فرماتے ہیں اور دنیاوی زندگی سے بڑھ کر استمتاع کرتے ہیں انھوں نے یہ بات بطور حلف کہی ہے، نیز یہ ظاہر ہے اس سے کوئی مانع نہیں ہے۔(مترجم) باقی کلی پھندنے یہ وہابیہ کے ہیں: خذلهم الله تعالیٰ.

جیسے حاضر وناظر کے لفظ دربار الوہیت میں بولنے سے ممانعت اور دربار رسالت میں کہنے کی اجازت کا وہ بنالیا کہ یہ خدا کی صفت نہیں حضور کی صفت ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ظاہر کیا کہ خدا، پناہ بخدا شہید وبصیر (جسے وہابیہ حاضر وناظر کہتے ہیں) ہی نہیں۔ حضور حاضر وناظر ہیں۔ ازواج مطہرات کے پیش ہونے پر جو اعتراض کیے گئے ہیں اور جو کچھ مذاق اڑایا ہے وہ دین کے معتمد امام سیدی زرقانی کا اڑایا ہے۔ اور روزی ورزق پہنچنے پر جو مذاق اڑایا ہے وہ خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات کا۔

حضور نے فرمایا ہے: انبیا زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔

حضور نے فرمایا ہے: اللہ نے زمین پر انبیا کے اجسام کا کھانا حرام فرمادیا۔

"فنبي الله حي يرزق"(۲)

---

(۱) [المواهب اللدنية بالمنح المحمدية . فصل ثاني: ۲/۶۹۴]

(۲) [سنن ابن ماجة : باب ذكر وفاته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ۱/۵۲۴]

اللہ کا نبی زندہ ہے روزی دیا جاتا ہے۔

اب وہابی اپنے گندے چھتڑے کی ساری گندگیوں، سب اعتراضوں کی بوچھاروں اور مذاق اڑانے کو دیکھیں اور خود اپنے آپ ہی سے ان کا جواب لیں۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

حضور قیامت تک کے احوال اپنے دست پاک کی ہتھیلی کی طرح ملاحظہ فرمارہے ہیں

(۱۶) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید نے عمرو سے یہ سوال کیا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم اولین وآخرین اللہ تعالیٰ نے مرحمت فرمایا۔ تمام جہان کو آج بھی مثل کف دست ملاحظہ فرمارہے ہیں۔

(عمرو کا جواب) علم بہ تحت: ﴿فأوحیٰ إلیٰ عبده ما أوحیٰ﴾ ''اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی''، تسلیم لیکن مثل کف دست تمام جہاں بہ تحت ملاحظہ بہ نص، یا عطا بہ ثبوت نص ہے، تو تسلیم ہو سکتا ہے، اور نبی کریم روحی فداک حیاۃ النبی ہیں، عمرو کے جواب پر زید نے کہا کہ میں اس کو بالکل نہیں مانتا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ عمرو کا جواب کیا بروے شرع ٹھیک ہے، اور زید کے انکار پر شریعت کا حکم کیا ہے۔ فقط۔ بینوا توجروا۔ از بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ خلیل الرحمٰن صاحب حنفی مستری۔

الجواب

بے شک، بے شبہ، بے ریب حضور پرنور شافع یوم النشور محبوب اعظم رب غفور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے چاہنے والے رب کریم کی عطا سے مطلع علی الغیب ہیں، اس حی قیوم عز جلالہ کی ہر صفت کے مظہر اتم، آج قبر مبارک میں حی ہیں، بے شک تمام جہان کو اور اس میں جو کچھ قیام قیامت تک ہونے والا ہے سب کو مثال کف دست مبارک ملاحظہ فرمارہے ہیں۔ جو کچھ کہا گیا سب نصوص قرآن وحدیث سے ہے۔

قرآن عظیم نے فرمایا:

﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ أَحَداً﴾ (۱)

اس لیے اس فقیر نے اپنی ایک غزل نعت شریف میں سرکار سرہر کار دو عالم کے تاجداروں کے تاجدار سے عرض کیا:

---

(۱) [سورۃ الجن:۲۶]

مسلط کردیا تم کو خدا نے اپنے غیبوں پر رسول مرتضیٰ تم ہو نبی مجتبیٰ تم ہو

اور اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتا ہے:

﴿نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (۱)

اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

اور اپنے محبوب ابرار اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾ (۲)

تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

ان کے سوا بھی بہت آیات قرآنیہ ہیں جن سے روز روشن سے زیادہ آشکارا کہ سرکار دولت مدار سید ابرار احمد مختار علیہ الصلاۃ والتسلیم کو اللہ عزوجل نے علم غیب ذرہ ذرہ کا عطا فرمایا، ہر خشک وتر کا علم بواسطہ قرآن عظیم رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو عطا ہوا۔ پھر خود سرکار نے بار بار اس کا اظہار فرمایا۔

کبھی فرمایا: ((علمت ما في السموات والأرض)) (۳)

میں نے آسمان وزمین کی ہر شی کو جان لیا۔ (مترجم)

کبھی ارشاد ہوا:

((تجلى لي كل شيء وعرفت)) (٤)

مجھ پر ہر چیز روشن ہوگئی اور میں نے ہر چیز کو پہچان لیا۔ (مترجم)

کبھی فرمایا:

((إن الله زوي لي الأرض فرأيت مشارقها ومغاربها)) (٥)

بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین لپیٹ دی (کم کردی) پس میں نے اس کے مشرق ومغرب کو دیکھ لیا۔ (مترجم)

---

(۱) [سورة النحل: ۸۹]

(۲) [سورة النساء: ۱۱۳]

(۳) [مشكاة المصابيح، باب المساجد مواضع الصلاة: ۷۰]

(٤) [مشكاة المصابيح، باب الستر: ۷۲]

(٥) [مشكاة المصابيح، باب فضائل سيد المرسلين صلى الله تعالى عليه وسلم: ٥١٢]

کبھی فرمایا:

((إن اللّٰہ قد رفع لي الدنیا فأنا أنظر إلیھا وإلی ماھو کائن فیھا إلیٰ یوم القیامۃ کأنما أنظر إلیٰ کفي ھذہ))(۱)

بے شک اللہ عزوجل نے سارا جہاں میرے لیے اٹھایا (یعنی مجھ پر ظاہر فرمادیا، میرے سامنے کردیا) تو میں اسے اور جو کچھ اس میں تا قیامت ہونے والا ہے، سب کو ایسا ملاحظہ فرمارہا ہوں جیسے اپنی اس کف دست مبارک کو دیکھ رہا ہوں۔

عمرو نصوص دیکھے اور اپنے بے جا توقف سے باز آئے، اور زید بے قید جو کہتا ہے، میں اس کو بالکل نہیں مانتا، اس سے اس کی مراد مطلقاً انکار علم غیب از علم نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم ہے، کہ حضور کے لیے ذرا بھی علم غیب بعطائے الٰہی نہیں مانتا۔ اگر یہ مراد ہے۔ تو یہ قرآن عظیم کی آیات کا انکار ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالیٰ**۔ اور نبی کے تو معنی ہی ہیں غیب کی خبریں دینے والا۔ بہت غیوب ہیں کہ حضور نے دوسروں کو بتائے، بعض غیوب کے علم کے بغیر تو آدمی مسلمان ہی نہیں ہوسکتا، تو ہر مومن کو بعض علم غیب بعطائے خداوندی پھر بعطائے نبوی ہے، جیسے فرشتے، حور وغلمان، جنت ونار، وہاں کے بعض احوال واہوال، بعض حالات قیامت، کوثر، صراط، میزان، وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ میں یہ نہیں مانتا کہ حضور مثال کف دست ملاحظہ فرمارہے ہیں۔ تو حدیث دیکھے اور اپنا عقیدہ درست کرے، انکار سے توبہ کرے۔ کسی چیز کا اقرار جس طرح خود نہیں کیا جاسکتا، یوں ہی من عند نفسہ انکار بھی تو نہیں ہوسکتا، اس نے انکار کیا۔ توبہ کرے۔

یوں ہی اس نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی حیات طیبہ سے انکار کیا، اس سے توبہ کرے۔

حدیث میں فرمایا:

((إن اللّٰہ تعالیٰ حرم علی الأرض أن تأکل أجساد الأنبیاء، فنبي اللّٰہ حي یرزق))(۲)

بے شک اللہ عزوجل نے زمین پر حرام فرمادیا کہ وہ انبیائے کرام کے جسموں کو کھائے، لہٰذا اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں۔ (مترجم)

---

(۱) [مجمع الزوائد، باب اخبارہ بالمغیبات: ۸/۲۸۷]

(۲) [کنز العمال کتاب الصلاۃ، باب السادس في صلاۃ الجمعۃ: ۸/۱۷۳]

حضرت شیخ محقق ترجمۂ مشکاۃ میں اس حدیث کے نیچے لکھتے ہیں:

بدرستے کہ خدائے تعالیٰ حرام گردانیدہ است برزمین خوردن وے تنہائے پیغمبراں را، پس پیغمبر خدا زندہ است بحقیقت حیات دنیاوی، تا آں کہ روزی دادہ می شود اھ، جلد اول ص:۲۸۴ فصل ثالث۔

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیائے کرام کے اجسام کو کھانا حرام فرمادیا، لہذا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیاوی زندگی کی طرح حیات ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں۔ (مترجم)

اس سے اوپر فصل ثانی میں فرمایا:

قال:((إن اللّٰه حرم على الأرض أجساد الأنبياء))(۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیائے کرام کے بدن حرام فرمادیے۔ (مترجم)

گفت آں حضرت بدرست کہ خدا حرام گردانیدہ است برزمین تنہائے پیغمبراں را، کنایت است از حیات چناں کہ صریح در فصل ثالث از حدیث ابی دردابیاید وحیات انبیا متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلاف نیست، حیات جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی چناں کہ شہدا را است، ودریں کہ فرمود: ''إن اللّٰه تعالىٰ حرم على الأرض أجساد الأنبياء'' اشارتست بداں اگرچہ دریں باب کہ عرض صلاۃ وحصول علم وادراک ست حیات روحانی نیز کافیست، ولیکن مذہب ہماں ست کہ گفتہ شد وتحقیق ایں مسئلہ در تاریخ مدینہ کہ مسمی ست بہ جذب القلوب الی دیار المحبوب کردہ است ازاں جا باید جست۔(۲)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ درحقیقت خدائے تعالیٰ نے زمین پر انبیائے کرام کے بدن حرام فرمادیے، اس لیے کنایۃً حیات مراد ہے جیسا کہ صراحۃً تیسری فصل میں ابوداؤد کی روایت کردہ حدیث میں وارد ہوا ہے اور حیات انبیا متفق علیہ مسئلہ ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، نیز اس سے حیات جسمانی دنیاوی مراد ہے نا کہ حیات روحانی معنوی جیسی کہ شہدا کو حاصل ہے اور اس فرمان میں (بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیا کے اجسام حرام فرمادیے) اس سے اس طرف اشارہ ہے اگرچہ اس باب میں کہ مقصد درود پیش کرنا اور حصول علم وادراک ہے حیات روحانی بھی کافی ہے لیکن مذہب محقق وہی ہے جس کی وضاحت کردی گئی، اس مسئلے کی تحقیق ''جذب القلوب الی دیار المحبوب'' نامی تاریخ مدینہ کتاب میں ہے۔ (مترجم)

---

(۱) [کنز العمال، کتاب الصلاۃ، باب السادس في صلاۃ الجمعة:۱۷۳/۸]

(۲) [اشعة اللمعات:]

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ ''فتاویٰ حدیثیہ'' میں حضرت ابن عربی سے تائیداً نقل کرتے ہیں:

"لا يمتنع روية ذات النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بروحه وجسده؛ لأنه وسائر الأنبياء أحياء ردت إليهم أرواحهم بعد ما قبضوا، وأذن لهم في الخروج من قبورهم، والتصرف في الملكوت العلوي والسفلي، ولا مانع من أن يراه كثيرون في وقت واحد، لأنه كالشمس، وإذا كان القطب يملأ الكون كما قال: قاله التاج ابن عطاء الله فما بالك بالنبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ولا يلزم من ذلك أن الرائي صحابي، لأن شرط الصحبة الرؤية في عالم الملك، وهذه رؤية وهو في العالم الملكوت، وهي لا تفيد صحبة وإلا لثبتت لجميع أمته؛ لأنهم عرضوا عليه في ذلك العالم فرأهم ورأوه، كم جاء ت به الأحاديث والله تعالى أعلم." (١)

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت جسم وروح کے ساتھ ممکن ہے، اس لیے کہ آپ اور تمام انبیا زندہ ہیں، ان کی روحیں قبض کرنے کے بعد ان کے اجسام میں واپس کردی گئیں نیز انہیں قبروں سے نکلنے کی اجازت دے دی گئی، ساتھ ہی آسمان وزمین میں تصرف کرنے کا حق بھی انہیں حاصل ہے۔ بہت سے لوگ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک وقت میں زیارت بھی کر سکتے ہیں، اس لیے کہ آپ مثل روح ہیں، اور جب قطب پوری کائنات کو پر کیے ہوئے ہے، جیسا کہ تاج ابن عطاء اللہ کا قول ہے تو سرکار کے تعلق سے تمہارا کیا خیال ہے، اور اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ دیکھنے والا صحابی ہو جائے، اس لیے کہ صحبت کی شرط دنیاوی زندگی کا دیدار ہے، جب کہ یہ دیدار عالم ملکوت ہے، اور یہ صحبت کا فائدہ نہیں دیتا ورنہ تو یہ صحبت تمام مسلمانوں کے لیے ثابت ہو جائے گی، اس لیے کہ ان لوگوں کو اس عالم میں پیش کیا گیا، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو دیکھا اور لوگوں نے بھی آپ کا دیدار کیا اس بارے میں بے شمار احادیث کریمہ وارد ہوئی ہیں۔ (مترجم)

---

(١) [الفتاوى الحديثية: لابن حجر، ١/٢١٣]

رسالہ

تصحیح یقین

بر

ختم نبیین

(۵) ختم نبوت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

نئی روشنی کے دل دادوں اور اس ظاہری ترقی کے عاشقوں کے طور پر، زمانۂ حال میں جہاں یورپ، امریکہ اور جاپان وغیرہ نے نمایاں دنیوی ترقیاں کیں، کسی نے قسم قسم کے آلے نکال کر اگر لوگوں کو محو حیرت کیا تو کسی نے عجیب عجیب مشینیں ایجاد کر کے، خصوصاً اس جنگ کے زمانے میں جرمن کے حیرت افزا شعبدوں اور سحر انگیز کرشموں نے تو چھوٹے سے بڑے تک سب کو متحیر بنا دیا۔ یہی نہیں کہ اس کی ان شعبدہ بازیوں سے ہمارے ہندوستان والے ہی محو حیرت واستعجاب ہوں، بل کہ وہ یورپین وامریکن ترقی یافتہ بھی انگشت حیرت در دہان ہیں جنھوں نے اپنی ایجادات سے لوگوں کو متعجب کر دیا تھا۔

ہمارے ہندوستانیوں نے بھی خیال کیا کہ لاؤ بہتی گنگا ہے ہم بھی ہاتھ دھولیں، مذہب کو خیر باد کہہ کر یورپ کی اندھی تقلید کی اور دنیوی ترقی کے درپے ہولیے، اور ہمارے ہم ملک ہندوؤں نے بھی اپنی چلتی ترقی کرنے میں بہت کچھ کوشش کی، اور اگر چہ وہ یورپ کی سی ترقی نہ کر سکے، مگر پھر بھی وہ اپنے ہم وطن دیگر اقوام سے دنیوی بازی لے گئے اور صنعت وحرفت وتجارت وغیرہ میں بہت آگے بڑھ گئے۔ مگر اس لیے کہ انھوں نے اپنا مذہب چھوڑا اور دنیا کو لیا۔ چوں کہ ان کے مذاہب چھوڑ ہی دینے کے تھے (اگر چہ انھیں دین حق کی تلاش اور پابندی کرنی تھی جو انھوں نے نہ کی) ان کی طرف دنیا بڑھی اور انھیں مل گئی۔

مگر ہمارے مسلمان جنھوں نے ان کی دیکھا دیکھی دنیا اختیار کی اور مذہب کو پیٹھ دی انھیں دنیا بھی نہ ملی اور دین سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ ع

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

کاش ان کی آنکھیں اب بھی کھلتیں اور وہ سمجھتے کہ یہ مذہب حق سے روگردانی کا نتیجہ ہے، یا اتنا ہی

سمجھ لیتے کہ ہم جسے ترقی سمجھ رہے ہیں وہ حقیقۃً تنزل ہے۔مگر سخت افسوس تو یہ ہے کہ وہ اس تنزل کو ترقی سمجھے ہوئے ہیں،اور ترقی معکوس کے طالب ہیں۔

آہ!اسی لیے مسلمانوں کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی ہے،وہ اپنے پاک اور مقدس مذہب پر مضبوطی سے قائم رہتے اور دین حق کے مبارک سایہ میں رہ کر دنیا کماتے تو ان کی یہ بری حالت کیوں ہوتی،ان کا افلاس اور ان کی ہلاکت کا باعث ان کا اپنا کیا ہوا فعل ہے،وہ کیا؟وہ یہی مذہب کو پشت نمائی۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾(۱)

بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔

پھر وہ جن کے پاس یہ دھوکے کی ٹٹی بھی نہ تھی،یعنی آج کل کے اسباب ترقی دنیوی،انھوں نے کہا:ہم کیوں خاموش رہیں۔لوگوں نے دنیوی ترقیاں کیں اور نئی نئی ایجادیں ہوئیں ہم میں یہ کمی ہے کہ دنیوی کوئی شی ایجاد نہیں کر سکتے تو دین میں تو اختراع کر سکتے ہیں۔اب کیا تھا نئے نئے مذاہب کی مشینریاں کھل گئیں،روزانہ نئے نئے دین پیدا ہونے لگے۔کوئی اہل قرآن بنتا ہے،کہتا ہے حدیث کوئی چیز نہیں۔کوئی اہل حدیث بنتا ہے،کہتا ہے ائمہ کوئی چیز نہیں،ان کی تقلید ہم پر فرض نہیں،تقلید حرام ہے۔حالاں کہ خود قرآن عظیم میں باوجود اس کے کہ فرمایا:﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾(۲)اس قرآن میں ہر چیز کا کھلا بیان ہے۔ یہ بھی فرمایا:

﴿وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾(۳)

اسے نہیں سمجھتے مگر علما۔

یوں ہی فرمایا:

﴿فَسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾(۴)

علما سے دریافت کرو اگر تم نہ جانتے ہو۔

---

(۱) [سورۃ الرعد:۱۱]]

(۲) [سورۃ النحل:۸۹]]

(۳) [سورۃ العنکبوت:٤٣]

(٤) [سورۃ النحل:٤٣]

پھر علما کہاں سے کہتے ہیں۔ وہ خود قرآن عظیم کے رموز ونکات سمجھنے پر قدرت نہیں رکھتے، اسی لیے خود قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾(۱)

ہم نے یہ کتاب کریم آپ کی طرف اس لیے اتاری کہ آپ لوگوں سے اسے بیان فرمادیں جو چیز ان کے لیے اتاری گئی۔

حضرت عمر فاروق عادل واعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ کچھ لوگ قریب قیامت زمانہ میں ہوں گے، وہ تم سے قرآن کریم کے مشتبہ کلمات کریمہ میں نزاع کریں گے، تمہیں چاہیے کہ تم ان پر حدیثوں سے گرفت کرو۔

"فان أصحاب السنن أعلم بكتاب الله."(۲)

اس لیے کہ حدیث جاننے والے قرآن عظیم کو خوب جانتے ہیں۔

قرآن عظیم میں ارشاد ہوا:

﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيراً وَيَهْدِي بِهِ كَثِيراً﴾(۳)

اسی قرآن سے بھتیرے گمراہ ہوتے ہیں اور بھتیرے سیدھی راہ پاتے ہیں۔

تو ظاہر ہوا جو یہ کہے کہ..... حدیث کوئی چیز نہیں، ہم تو جو قرآن میں ہے وہی مانیں گے۔ وہ گمراہ وبددین ہے۔ یوں ہی وہ جو کہے کہ..... ہم تو صرف حدیث ہی پر عمل کریں گے، ہمیں ائمہ سے کیا غرض وہ قرآن عظیم کا مخالف اور گمراہ ہے، خیر ہم کہاں سے کہاں ہورہے۔ ہاں کہنا یہ ہے کہ روزانہ مذہب حق کے دشمن مذہب میں شاخسانے نکالتے اور طرح طرح کے فتنے برپا کرتے ہیں، اور اس کا اصل باعث وہی ہوس دنیا اور جاہ وشہرت طلبی ہے، کوئی ائمہ کو گالیاں دیتا ہے۔ کوئی صحابہ کو برا کہتا ہے۔ کوئی۔ اور اونچا اڑا تو انبیا تک پہنچا۔ انہیں چوڑھا چمار کہا۔ اور بعض نے اور زیادہ ترقی کی تو حضرت سید الانبیا علیہم افضل الصلاۃ والثنا کو بھی نہ چھوڑا۔

---

(۱) [سورۃ النحل: ٤٤]

(۲) سنن الدارمی [باب التورع عن الجواب فيما ليس فيه كتاب ولا سنة: ۱/۲٤۰ عن عمر بن الخطاب] شرح السنة للبغوی [باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۱/۲۰۲]

(۳) [سورۃ البقرۃ: ۲٦]

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد کو کنہیا کا جنم کہا۔ حضور کے علم عظیم کو شیطان کے علم سے کم کہا۔ کسی نے کہا: انھیں تو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں، اپنے خاتمہ کی بھی خبر نہیں۔ حضور کا علم غیب تو ایسا ہے جیسے زید وعمر وصبی ومجنون سب حیوانات وبہائم کا۔ پھر اور ترقی کی تو اب حضرت عزت تک نوبت پہونچائی اور اس پاک قدوس کی شان گھٹانا چاہی، بعض نے اس کا جھوٹا ہونا ممکن ٹھہرایا۔ بعض نے اس سے زیادہ ترقی کی کہ اسے کاذب بالفعل مانا، یعنی خدا اس عیب سے (معاذ اللہ) ملوث ہو چکا۔ پھر ایک یہی نہیں، جتنے عیوب ہیں: زنا کاری، شراب خوری، چوری وغیرہ وغیرہ سب وہ کر سکتا ہے۔ اب کچھ وہ تھے جنھوں نے کہا: لاؤ سیدھے نبوت ہی کے مدعی بنو، بھیترے ہمارے دام تزویر میں پھنس جائیں گے، مگر یکا یک نہیں، یوں پھنسنا ذرا دشوار ہوگا، پہلے اس کی تمہید اٹھاؤ، یعنی ختم نبوت کا انکار، اور قرآن عظیم میں جو خاتم النبیین صاف فرمایا گیا ہے اس کی تاویلیں کرو۔ سب میں پہلے اس کی کوشش اسماعیل دہلوی نے کی کہ کہا:

''خدا تو قادر ہے کہ ایک آن میں محمد جیسے کروڑوں پیدا کر ڈالے''

مگر اسے ادعائے نبوت کا وقت نہ ملا۔ پھر اس کی اس ناپاک کوشش سے قاسم علی نانوتوی نے فائدہ اٹھانا چاہا اور تحذیر الناس خاص اسی بارے میں تصنیف کی، مگر وقت کی بات کہ وہ بھی اس کا وقت نہ پاسکا اور قبل اس کے کہ وہ دعوی نبوت کرے دنیا سے اٹھ گیا۔ پھر ان دونوں کے کیے سے قادیانی نے فائدہ اٹھایا اور بڑے شد ومد سے دعوی نبوت ومسیحیت کیا۔ اور ایک قادیانی ہی نے کیا اکثر کو ان کی ان بے ہودہ کوششوں سے اپنے ناپاک مقصد میں مدد ملی، گھر گھر نبوت کے دعوے ہونے لگے، مسموع ہوا ہے کہ اب بھی کوئی احمد الزماں نامی مدعی نبوت ہے، آج ہمدم ۲۸/ اکتوبر.....۱۹ء ہمارے سامنے ہے، اس کے مراسلات میں ایک حیدر آبادی صاحب نے ایک اور مجہول منکر ختم نبوت کا بے سروپا مضمون شائع کرایا ہے اور اس کے رد کی استدعا کی ہے، اول ہم تحقیق مسئلہ کریں پھر مجہول صاحب کے جنون کا علاج۔

ہم ابھی تمہید میں وہ نفیس ترتیب جو قرآن کریم نے ارشاد فرمائی بیان کر چکے کہ عامۃ المسلمین کو علما سے دریافت کا حکم ہے، اور علما کو نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی احادیث طیبہ سے، اور حضور کو قرآن عظیم سے۔ اسی لیے اسلام میں کسی مسئلہ کے ثبوت کے لیے چار صورتیں ہیں کہ.... یا تو وہ کتاب سے ثابت ہوگا۔ اور کتاب (قرآن عظیم) میں اس کا حکم نہ ملے تو سنت اور حدیث سے۔ اور اس میں بھی نہ ہو تو اجماع امت سے کہ حضور کا ارشاد ہے: ((لا تجتمع أمتي على الضلالة))(۱)

---

(۱) (السنن لابن ماجة، باب السواد الأعظم: ۱۳۰۲/۲)

اور فرماتے ہیں: صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم.

((اتبعو السواد الأعظم))(۱)

سواد اعظم کی اتباع کرو۔

اس کے بعد چوتھا درجہ قیاس ائمہ مجتہدین ہے۔ یہ مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ کتاب کریم وسنت حبیب علیہ الصلاۃ والتسلیم واجماع امت سب سے ثابت ہے۔ انصاف یہ ہے کہ اس میں ذرا بھی خلاف کی گنجائش نہ تھی مگر شہرت طلبی اور دنیا کی حرص وہوس کا برا ہو، یہ اندھا کر دیتی ہے اور ہے یہ کہ جس سے خدا دین لیتا ہے اس کی عقل وحیا پہلے چھین لیتا ہے۔

ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک شخص مکہ معظمہ پہنچا، وہاں اس کو خیال ہوا کہ میں یہاں آیا، نہ میں کسی کو جانتا ہوں نہ کوئی مجھے پہچانتا ہے، کوئی ایسی بات کرو جس سے شہرت ہو، اور تو اسے کوئی ذریعہ شہرت نہ مل سکا اس نے زمزم شریف میں پیشاب کر دیا، لوگوں نے اسے گرفتار کر لیا اور یہ خبر عام ہوگئی، تمام شہر کے لوگ سے دیکھنے آئے، سزا دیتے وقت اس کی اس ناپاک حرکت کی وجہ دریافت کی گئی تو اس نے یہی کہا: میں یہاں آیا، نہ کوئی مجھے جانتا نہ میں کسی کو پہچانتا تھا، اب مجھ سے سب واقف ہوگئے اور میں مشہور ہوگیا۔ بھلا جس کا سد باب خود خدائے کریم عزوجل نے کیا ہو اسے کون کھول سکتا ہے، جس پر الٰہی مہربان ہو اسے کون وڑ سکتا ہے۔

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِؤُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾(۲)

اس مسئلہ کا انکار کرنا آفتاب کا انکار کرنا ہے، اور قد تنکر العین من رمد کا مصداق بننا اور چاند پر خاک ڈالنے کا حاصل اپنی آنکھوں اپنے منھ میں خاک بھرنا ہے، جب حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (جنھیں حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متبنّٰی فرمایا تھا) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے دی اور اللہ عزوجل نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب سے عرش پر فرما دیا تو کفار عرب معترض ہوئے کہ.....

"ان محمداً (صلی الله تعالیٰ علیه وسلم) تزوج حليلة ابنه."(۳)

---

(۱) (مشكاة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة الفصل الثاني: ۱/ ۶۲)

(۲) [سورة الصف: ۸]

(۳) [فتح الباری لابن حجر قوله باب وتخفی فی نفسك..... ۸/ ۵۲۴]

حضور نے اپنے بیٹے کی بی بی سے نکاح کر لیا، اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ (۱)

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارے مردوں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

قرآن عظیم کے لطائف ملاحظہ ہوں، جواب تو اتنا ہو گیا تھا کہ وہ تم میں سے کسی کے باپ نہیں۔ اب اس کے آگے: لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ کیا ہی نفیس ولطیف ومقدس کلام ہے، اور کیوں نہ ہو کہ کلام الملوک ملوک الکلام مشہور ہے، پھر یہ تو ملک الملوک عز جلالہ کا کلام بلاغت نظام ہے اور اسے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقار وعزت وشان کا اہتمام ہے، اگر اتنا ہی فرما دیا جاتا کہ وہ تم میں سے کسی کے باپ نہیں، تو بعض لوگوں کو وہم ہو سکتا تھا کہ جب حضور باپ نہیں تو بھائی ہوں گے کہ:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (۲)

فرمایا گیا ہے۔ اور بھائی کا مرتبہ ظاہر ہے کہ باپ کے بعد ہے، اس وہم کے دفع کے لیے ارشاد ہوا: ﴿ولكن رسول الله﴾ لیکن اللہ کے رسول ہیں۔ اور ہر رسول اپنی امت کا باعتبار شفقت ورحمت اور اس لحاظ سے کہ امت پر اس کی تعظیم وتوقیر فرض ہے، اور اس اعتبار سے کہ ناصح ہے، باپ ہوتا ہے، بلکہ باپ سے بھی زیادہ کہ یہ امت کی حیات ابدیہ کا سبب ہوتا ہے، بخلاف باپ۔ اسی لیے ارشاد فرمایا: ﴿النبي اولى بالمؤمنين من أنفسهم.﴾ حقیقۃً باپ نہ سہی مگر باپ کے جو کام ہیں وہ اور ان سے بڑھ کر رسول کے ذمہ ہوتے ہیں۔

امام علامہ فخر الدین رازی ”تفسیر کبیر“ میں اسی آیت کریمہ کے تحت میں فرماتے ہیں:

”فان رسول الله كالأب للأمة في الشفقة من جانبه، وفي التعظيم من طرفهم بل أقوى، فان النبي أولى بالمؤمنين من أنفسهم والأب ليس كذلك.“(۳)

علامہ ابو السعود علیہ رحمۃ ربہ الودود ”ارشاد العقل السلیم“ میں ارشاد فرماتے ہیں:

”أي كان رسولا لله، وكل رسول أبو أمته لكن لا حقيقة بل بمعنى أنه شفيق

---

(۱) [سورۃ الاحزاب: ۴۰] (۲) [سورۃ الحجرات: ۱۰]

(۳) [تفسیر الرازی سورۃ الأحزاب: ۴۱۔۲۵/۱۷۱]

ناصح لهم، وسبب لحياتهم الأبدية."(۱)

"تفسیر مدارک التنزیل" امام ابوالبرکات نسفی اور "تفسیر خازن" علامہ علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی علیہما رحمۃ الباری میں ہے:

"کل رسول هو أبو أمته فيما يرجع الى وجوب التوقير والتعظيم له عليهم، ووجوب الشفقة والنصيحة لهم عليه."(۲)

آگے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وخاتم النبيين﴾ اور سب انبیا کے خاتم۔

کلام میں حشو وزوائد ہونا سخت عیب ہے، اللہ عزوجل کا کلام مقدس اس عیب اور ہر عیب سے پاک ومنزہ ہے، یہ مسلمان کا ایمان ہے، تو ظاہر کہ اس نفیس کلام کا ہر ہر حرف مفید مطلب ہے۔ یہاں یہ فرمانا یہ بتاتا ہے کہ یوں تو ہر رسول اپنی امت کے حق میں رحمت ہے مگر آپ عین رحمت ہیں، اسی لیے ارشاد ہوا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ﴾(۳)

اے پیارے محبوب ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت تمام عالموں کے لیے۔

اور اس فرق کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ خاتم النبیین ہیں۔ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم۔ وہ نبی جس کے بعد اور بھی نبی آنے والا ہوا گر اس سے کوئی بات رہ جاتی ہے تو وہ آنے والا نبی اسے پورا فرما دیتا ہے، اور یہ تو ایسے ہیں کہ ان کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں، تو انھیں جس قدر اپنی امت کا خیال ہوگا ظاہر ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ وہ شخص جس کے اعزا بہ کثرت ہوں وہ اپنی اولاد پر اتنا شفیق نہیں ہوتا جتنا ایک ایسا شخص جس کا کوئی عزیز نہ ہو، وہ سمجھتا ہے کہ ان کی بات پوچھنے والا، ان پر نظر شفقت ومحبت کرنے والا، ان پر ترس کھانے والا، ان کی نگہداشت کرنے والا، ان کو ہر بری بات سے روکنے والا، اور اچھی باتوں کی ترغیب دینے والا، اگر کوئی ہے تو میں ہوں۔ وہ جانتا ہے کہ اگر میں ان کا خیال نہ کروں گا تو اور کون ان کا ہمدرد ہے جو ان کا حال سنے گا، ان کی بات پوچھے گا۔

---

(۱) [ارشاد العقل السليم، دار احياء التراب العربي:۷/۱۰۶]

(۲) [تفسير الخازن، سورة الأحزاب : ۳/۴۲۹]

(۳) [سورة الانبياء:۱۰۷]

گویا ارشاد ہوتا ہے: کہ اے ایمان والو! تمہارا مولیٰ، تمہارا والی، درد کا درماں، تمہاری بات کا سننے والا، مونسوں کا مونس، بے یاروں کا یار، بے مددگاروں کا مددگار، تمہاری مدد فرمانے والا، تمھیں غم سے چھڑانے والا، تمھیں ہر بری بات سے روکنے والا، نیکیوں کی ترغیب دینے والا، تمھیں نجات ابدی دلانے والا، تمھیں کتاب وحکمت سکھانے والا، تمھیں ہدایت کرنے والا، تمہارے نفوس کا تزکیہ کرنے والا، داد کا دینے والا، فریاد کا سننے والا، یہی ہمارا محبوب ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ پھر اس کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں، جو تمہاری بات سنے، تمہارے زخم دل پر مرہم دھرے، تم اس کی جتنی عزت وتوقیر وقدر کرو کم ہے۔

حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ اپنی "تفسیر کبیر" میں فرماتے ہیں:

"ثم بین ما یفید زیادۃ الشفقۃ من جانبه والتعظیم من جهتهم بقوله: ﴿وخاتم النبیین﴾ وذلك لأن النبي الذی یکون بعده نبي ان ترك شیئًامن النصیحة والبیان یستدرك من یاتي بعده، وأما من لا نبي بعده یکون أشفق علی أمته وأهدی لهم وأجدی ؛اذهو کوالد لولده الذی لیس له غیره من أحد.

ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو فضائل اور خوبیاں اور تمام انبیا کو عطا فرمائیں وہ سب اپنے محبوب میں جمع فرمادیں اور ان سے بہت زیادہ عطا ہوئیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری ۔۔۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

پھر یہی نہیں کہ وہ فضائل وکمالات جو اور انبیائے کرام علی سید ھم وعلیھم افضل الصلاۃ والسلام کو عنایت ہوئے بعینہا ویسے ہی حضور کو بخشے گئے، نہیں نہیں، جو خوبی جسے عطا ہوئی وہ بدرجہ اتم حضور کو عنایت ہوئی، مثلاً حسن کہ حضرت یوسف علی نبینا وعلیه الصلاۃ والتسلیم کو عطا ہوا، حضور کو اس سے بڑھ کر عنایت ہوا۔ خود نبی کریم علیه افضل الصلاۃ والتسلیم سے مروی ہے:

((کان أخي یوسف أصبح وأنا أملح))(۱)

میرے بھائی یوسف خوب گورے تھے اور میرا حسن کمال نمکین ہے۔

اور صباحت وملاحت میں جو فرق ہے ظاہر ہے۔

قال شیخنا المجدد: متع اللّٰه المسلمین بطول بقائه (رضي الله تعالیٰ عنه)

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں

---

(۱) [التفسیر المظهری سورۂ یوسف: ۸۴۔ ۵/۱۹۲](۱)

سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

وفی هذا المعنی قال العم:(۱) علیه رحمة ربه الاکرم

پیش یوسف ہاتھ کاٹے ہیں زنانِ مصر نے

تیری خاطر سر کٹا بیٹھے فدایانِ جمال

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

((قد رأیت یوسف فاذا هوقد أعطی شطر الحسن))(۲)

ہم نے یوسف کو دیکھا ہمارے حسن کریم سے ایک حصہ ان کو عطا ہوا۔

انبیائے کرام ہدایت ہی کے لیے مبعوث فرمائے جاتے ہیں، اور یہ ان کے اعلیٰ درجہ کے کمالات سے ہے، تو ظاہر ہے کہ تمام کمالات کی طرح حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ کمال بھی بدرجہ اتم اور سب سے اعلیٰ واعظم عنایت ہوا۔ اور اس کا درجہ اتم یہی ہے کہ حضور کی ہدایت کے بعد پھر کسی کی ہدایت کی حاجت نہ ہو، اور شک نہیں کہ دوسرا نبی یا تکمیل کو آتا ہے، یا اگر کتاب وشریعت تبدیل ہوگئی اس کی تبدیل کے لیے، اور یہاں یہ دونوں باتیں نہیں، نہ تو حضور سے کوئی بات رہی کہ حضور کو ہدایت کا درجہ اتم عنایت ہو، اور نہ تبدیل ممکن کہ حضور کو جو کتاب کریم عطا ہوئی حضور کا چاہنے والا خدا اس کی حفاظت کا خود وعدہ فرماتا ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ﴾(۱)

ہم نے یہ کتاب اتاری اور ہم خود اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں۔

"هذا ما سنح لي بفيض الملك المنعام ـ والعلم بالحق عند ربي العلام، خذه فانه من سوانح المقام، ألقاه الله ذو الجلال والاكرام في قلب العبد المستهام، أرشدني وهداني إلى هذا المرام

لفظ "أهدى" الواقع في العبارة المارة الآن للامام فخر الدين الرازي عليه رحمة الباري"

---

(۱) ذوق نعت: استاذ زمن حضرت مولانا حسن رضا خاں بریلوی۔

(۲) (عمدة القاری، باب المعراج: ۲۶/۱۷)

(۱) [سورة الحجر: ۱۰۹]

اگلے صحف وکتب انبیا بھی اس بارے میں قرآن کریم کے ہم نوا ہیں، جب حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام پر توریت شریف نازل ہوئی، اس میں اس امت کی تعریف دیکھی، اس پر انھوں نے اپنے رب سے عرض کی:

"یا رب! إني أجد في الألواح أمة هم الآخرون السابقون فاجعلها أمتي"

اے میرے رب میں ان الواح میں ایک امت پاتا ہوں کہ وہ باعتبار زمانہ سب سے آخر ہے اور مرتبہ کے لحاظ سے سب پر مقدم۔ وہ امت میری امت فرما۔

ارشاد ہوا:

((تلك أمة أحمد)) وہ امت تو احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے۔

رواه أبو نعيم عن أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه۔ (۱)

صحف ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام میں ارشاد ہوا:

تمہاری اولاد قبائل در قبائل ہوگی، یہاں تک کہ نبی کریم امی خاتم الانبیا جلوہ فرما ہوں۔

رواه ابن سعد عن عامر الشعبى۔(۲)

حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام سے ارشاد ہوا:

میں تمہاری اولاد سے سلاطین وانبیا بھیجتا رہوں گا۔

((حتى أبعث النبي الحرمي الذي تبني أمته هيكل بيت المقدس وهو خاتم الأنبياء واسمه أحمد.)) (۳)

یہاں تک کہ بھیجوں وہ نبی حرمی جس کی امت بیت المقدس کی تعمیر کرائے گی، وہ تمام نبیوں کا خاتم، اور اس کا نام احمد ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ان دونوں حدیثوں نے بھی یہی فائدہ دیا کہ حضور خاتم الانبیا ہیں، حضور کی امت سب سے آخری امت ہے، اب آگے اور کوئی نبی نہ آئے گا کہ "حتی" انتہائے غایت کے لیے آتا ہے۔ صاف یہی معنی ہیں

---

(۱) الهداية إلى بلوغ النهاية: ۴/۲۵۶۷۔ عن قتادة

مختصر تفسير ابن كثير ۔ سورة الاعراف: ۱۵۴: ۲/۵۳۔ عن قتادة

(۲) (الطبقات الكبرىٰ لابن سعد، باب علامات النبوة: ۱/۱۳۰۰)

(۳) (الخصائص الكبرى، باب اخذ الميثاق: ۱/۱۷)

کہ میں نبی بھیجتا رہوں گا یہاں تک کہ حضور جلوہ فرما ہوں، یعنی حضور کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، وہ تمام نبیوں کے خاتم ہیں، پھر اور وضاحت فرما دی کہ ان کا نام نامی احمد ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کا قصہ مشہور ہے کہ جب آپ نے بھول کر گیہوں کھالیا تو ارشاد ہوا:

﴿وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ﴾(۱)

اتر جاؤ کہ زمین ایک وقت تک تمہارا استقرار اور اس میں ایک میعاد تک تمہاری پونجی ہے۔

اور یہ اترتے ہیں، تین سو برس تک توبہ فرماتے ہیں، روتے ہیں، مگر رحمت الٰہی بظاہر متوجہ نہیں ہوتی، آخر انھیں خیال آتا ہے کہ جب میں پیدا فرمایا گیا تھا تو میں نے ساق عرش پر لکھا دیکھا تھا: ''لا إله إلا الله محمد رسول الله'' محمد بہت ذی مرتبہ ہیں اور خدا کو نہایت عزیز۔ جب تو ان کا نام نامی اسم گرامی سے ملا کر لکھا ہے، انھیں کو اپنی بخشش کا وسیلہ بنانا چاہیے، کیا عجب رحمت الٰہی متوجہ ہو، انہوں نے عرض کی:

((يا رب! أسئلك بحق محمد أن غفرت لي.))(۲)

الٰہی میں تجھے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما۔

جواب میں فرمایا: تم نے محمد کو کیسے جانا میں نے ابھی اسے پیدا نہیں فرمایا؟ عرض کی: میں نے اپنی پیدائش کے وقت ساق عرش پر لکھا دیکھا تھا، ارشاد ہوا:

((صدقت يا آدم.))(۳)

اے آدم تم نے سچ کہا۔

بے شک وہ مجھے تمام جہان سے پیارا ہے، تم نے اسے وسیلہ بنا کر اس کا واسطہ دے کر بخشش چاہی تو میں نے تمھاری مغفرت فرمائی، اگر محمد نہ ہوتا تو میں نہ تمھیں بناتا، نہ آسمان زمین پیدا کرتا۔

((وهو آخر الأنبياء من ذريتك.))(٤)

وہ تیری اولاد میں سب سے پچھلا نبی ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

---

(۱) [سورۃ البقرۃ:۳۶]

(۲) (الشريعة للآجري، باب ذكر متى وجبت: ۳/۱٤۱۰)

(۳) (المستدرك للحاكم، باب آيات رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:۲/٦۷۲)

(٤) (المواهب اللدنيه للقسطلاني، باب تشريف الله تعالىٰ له:۱/۵۵)

خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احادیث متواترہ میں صراحۃً ارشاد فرمایا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں: صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

((أنا العاقب الذي ليس بعده نبي.))(۱)

میں عاقب اور عاقب وہ کہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

اور فرماتے ہیں:

((أنا المقفى قفيت النبيين عامة وأنا قثم))(۲)

نیز ارشاد فرماتے ہیں:

((لو كان بعدى نبى لكان عمر))(۳)

میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم سے فرماتے ہیں:

((أنت منى بمنزلة هارون من موسىٰ، إلا أن لايكون بعدي نبي۔))(٤)

تم میری بارگاہ میں وہ منزلت رکھتے ہو جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں تھی، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

نیز ارشاد ہوتا ہے: ((إنهما بعثت فاتحا وخاتما))(۵)

میں مبعوث فرمایا گیا دریائے رحمت کھولتا اور نبوت و رسالت ختم کرتا ہوا۔

عبد بن حمید امام حسن سے راوی:

((ختم الله النبيين بمحمد ﷺ وكان آخر من بعث))(٦)

اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نبیوں کو ختم فرمایا اور حضور سب سے پچھلے نبی

---

(۱) (التمهيد لمافي المؤطا من المعاني والأسانيد: الحديث السابع عشر، ۹/۱۵۵)

(۲) [الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ: الفصل الثالث عشر في أسمائه، ۱/٤٤۸]

(۳) (مسند الروياني: ۱/۱۷۱۔ المستدرك: ماقب عمر، ۳/۹۲)

(٤) (مسند أبي داؤد: احاديث سعد بن أبي وقاص، ۱/۱٦۷)

(۵) (مصنف عبد الرزاق للصنعاني: مسئلة اهل الكتاب، ٦/۱۱۲)

(٦) (الدر المنثور في التفسير سورة الأحزاب: ٤۰، ٦/٦۱۷)

ہوئے۔

خازن میں فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں:

((یرید لو لم أختم به النبیین لجعلت له ابنا یکون بعده نبیاً یعني خاتم النبیین))(۱)

یہ مراد ہے کہ اگر میں ان پر نبیوں کا سلسلہ ختم نہ کرتا تو ان کے لیے ایک بیٹا دیتا جو ان کے بعد نبی ہوتا۔

فرمایا اس سے اللہ عزوجل کی یہ مراد ہے:

کہ میں اگر ان سے نبیوں کو ختم نہ فرماتا تو انھیں بیٹا عطا کرتا کہ وہ ان کے بعد نبی ہوتا، حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور کے خاتم النبیین ہونے کا حکم فرمایا، اسی لیے کوئی لڑکا ایسا کہ وہ بالغ ہو کر مرد ہو، نہ دیا۔

یہی چند احادیث نہیں بکثرت احادیث ہیں، جنھیں ہم بخیال طوالت ترک کرتے ہیں، اور ہے یہ کہ منصف کے لیے یہی بس ہیں اور ہٹ دھرم معاند کو اگر سب نقل کر دی جائیں تو بھی مفید نہیں، جس نے کتب احادیث و تاریخ دیکھی ہیں اس پر واضح ہے کہ اکثر یہود و نصاریٰ نے حضور کے خاتم النبیین ہونے کی شہادت دی ہے۔

سعد بن ثابت کہتے ہیں: بنی قریظہ اور بنی نضیر کے علما حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے، جب سرخ ستارہ چمکا تو انھوں نے خبر دی کہ وہ نبی پیدا ہولیے جن کے بعد کوئی اور نبی نہیں، ان کا نام پاک "احمد" ہے اور ان کا دار الہجرۃ یثرب (مدینہ طیبہ) ہے۔

نیز حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہوا کہ میں نے اسکندریہ میں ایک قبطی پادری سے جو سب سے بڑا مجتہد تھا، دریافت کیا کہ انبیا سے کوئی نبی باقی رہا، اس نے کہا:

"نعم وهو آخر الأنبياء ليس بينه وبين عيسىٰ نبي، قد أمر عيسىٰ باتباعه وهو النبي الأمي العربي اسمه احمد."صلی اللہ علیہ وسلم۔(۲)

ہاں اور وہ سب میں پچھلے نبی ہیں، ان کے اور حضرت عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہیں، عیسیٰ کو ان

---

(۱) (تفسیر الخازن سورة الأحزاب: ۳۸، ۳/۴۲۹)

(۲) (الخصائص الکبریٰ ذکر حلیة الأنبیاء علیهم الصلوٰة والسلام: ۲/۲۰)

کے اتباع کا حکم دیا گیا اور وہ نبی امی عربی ہیں، ان کا نام پاک احمد ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اور بہت سے اوصاف وخصائص حضور کے بیان کیے، میں نے یہ سب باتیں خوب یاد رکھیں اور وہاں سے واپس آکر مسلمان ہوا۔

ہشام بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی عہد معدلت مہد میں ہرقل نصرانی بادشاہ روم کے یہاں سفیر فرما کر بھیجا اور وہاں جو واقعات پیش آئے، حضرت علامہ جامی قدس سرہ السامی نے اپنی کتاب مستطاب ''شواہد النبوۃ'' میں وہ سب تحریر فرمائے ہیں، ہم اتنا ہی یہاں نقل کرتے ہیں جتنا ہمارے موضوع سے متعلق ہے، اگرچہ وہ روایت نہایت دلچسپ ہے مگر ہمیں اختصار مدنظر ہے۔

چوں سہ روز آں جا بودیم مارا در شب طلبیدہ، ہرچہ پرسیدہ بود باز پرسید، ما نیز جوابہا را اعادہ کردیم، بعد ازاں چیزے وے طلب داشت، صندوقے چہار گوشہ بزرگ بنداندودہ آوردند و در آں جا خانہائے خرد بسیار بود، بر ہر یک درے وبر ہر درے قفلے یک قفل بہ کشادہ قطعہ حریر سیاہ بیرون آوردہ، آں را بکشاد در آں جا صورت مردے بود سرخ رنگ فراخ چشم کشادہ سہرین بدرازی گردن، وے ہرگز کسے راندیدہ بودیم، ومرا اوراریش نبودہ، وگیسو داشت بہترین آنچہ خدائے تعالیٰ آفریدہ است گفت: ایں رامی شناسید؟ گفتیم: نے، گفت: ایں آدم ست۔ صلوات اللہ تعالیٰ علیہ۔ بعد ازاں درے دیگر بکشاد وقطعہ دیگر حریر سیاہ بیرون آورد درانجا صورت مردے سفید زنجیر موے سرخ چشم بزرگ سر محاسن نکو پس گفت: ایں رامی شناسید؟ گفتیم نے، گفت: ایں نوح ست علیہ السلام (إلی أن قال) بعد ازاں درے دیگر بکشاد وقطعہ حریر سیاہ بیرون آوردہ ودر آنجا صورتے سفید بود، چوں نگاہ کردیم دیدیم کہ پیغمبر ماست صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس گریہ برما افتاد وے برپائے خاست، وبعد ازاں بہ نشست، پس گفت کہ سوگند بخدائے شما کہ ایں پیغمبر شما ست، گفتیم: آرے ایں پیغمبر ماست، گویا کہ حالا وے رامی بینیم ساعتے تیز در ما نگریست پس گفت کہ آخریں خانہائے ایں صندوق ست، لیکن من تعجیل کردم در نمودن وی تا بہ بینم کہ شما چہ می گوئید الخ۔

اللہ اللہ یہ شان ہے کہ اعدا بھی شہادت دے رہے ہیں کہ ہاں یہی وہ عظیم شان والا اللہ کا محبوب نبی ہے کہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں، والفضل ما شهدت به الأعداء.

یہاں سے مخالف عبرت کا سبق لے کہ یہود ونصاریٰ تو حضور پر نور کے آخر انبیا اور خاتم النبیین ہونے کی گواہی دیں اور یہ نام کے مسلمان یہ کچھ بکیں۔

آیات واحادیث تو سن چکے۔ اب اقوال علما سنیے!

علما ارشاد فرماتے ہیں: حضور کی تمام انبیا پر افضلیت اور حضور کی خاتمیت پر اجماع امت ہے تو جو حضور کو افضل نہ مانے، یا تمام انبیا کا خاتم اور سب سے پچھلا نبی نہ جانے، کافر بے دین ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی ''شرح مقاصد'' میں فرماتے ہیں:

''يصح أنه خاتم الأنبياء ولا يبعث بعده نبي ، أجمع المسلمون على أن أفضل الأنبياء محمد ﷺ المبعوث إلى الثقلين و خاتم الأنبياء والرسل، ومعجزاته الظاهرة الباهرة باقية على وجه الزمان ، وشريعته ناسخة لجميع الأديان. وشهادته قائمة في القيامة على كافة البشر إلى غير ذلك من خصائص لا تعد ولا تحصى.''(۱)

صحیح ہے کہ وہ خاتم الانبیا ہیں، ان کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا، مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ تمام انبیا میں افضل حضور ہیں، وہ جن وانس کی طرف مبعوث کیے گئے۔ اور وہ خاتم انبیا ورسل ہیں، ان کے معجزات ظاہرہ وباہرہ زمانہ پر باقی رہیں گے، ان کی شریعت تمام ادیان کے لیے ناسخ ہے، اور ان کی شہادت قیامت میں تمام انسانوں پر قائم ہوگی، اس کے علاوہ اور بھی بے شمار خصوصیات ہیں۔

ونیز امام فقیہ شیخی زادہ نے ''مجمع الانہر'' میں فرمایا:

''أما الإيمان بسيدنا محمد ﷺ فيجب بأنه رسولنا في الحال و خاتم الأنبياء والرسل ، فإذا آمن بأنه رسول ولم يؤمن بأنه خاتم الأنبياء لا يكون مؤمناً.''(۲)

رہا ہمارے حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان، تو اس طور پر ایمان لانا واجب ہے کہ وہ ہمارے رسول ہیں اور خاتم انبیا ورسل ہیں، جب ان کے رسول ہونے پر ایمان لائے اور ان کے خاتم الانبیا ہونے پر ایمان نہ لائے تو وہ مومن نہ ہوگا۔

امام یوسف شافعی اپنی کتاب ''الانوار'' میں فرماتے ہیں:

''من ادعى النبوة في زماننا، أو صدق مدعيا لها في زمانه ﷺ، أو من لم يكن نبيا كفر.''(۳)

جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہمارے زمانے میں یا جس نے تصدیق کی ایسے شخص کی جس نے نبوت

---

(۱) (شرح المقاصد في علم الكلام: ۲/۱۹۲

(۲) (مجمع الانهر في شرح ملتقى الأبحر الفاظ الكفر انواع: ۱/۶۹۱)

(۳) (فتاویٰ الشبكة الاسلامية: القاديانية ومعتقداتهم، ۱/۵۸۸۵)

کا دعویٰ کیا عہدِ رسالت میں۔ یا ان سے پہلے مگر وہ نبی نہ تھا تو کافر ہوگیا۔

امام غزالی فرماتے ہیں:

لفظ ''خاتم النبیین'' سے ساری امت مرحومہ نے یہی سمجھا کہ یہ لفظ یہ سمجھاتا ہے کہ حضور پرنور کے بعد کوئی اور نبی یا رسول ابد تک نہ ہوگا، اور یہ کہ اس میں کسی تاویل یا تخصیص کی جگہ نہیں، جو اسے خاص کہے اس کا کلام انواع ہذیان سے ہے، اس کے حکم تکفیر سے کوئی مانع نہیں، اس لیے کہ وہ مکذب ہے اس نص کا جس کے غیر مؤول وغیر مخصوص ہونے پر امت نے اجماع کیا ہے۔

امام حجۃ الاسلام ''کتاب الاقتصاد'' میں فرماتے ہیں:

"ان الأمة فهمت من هذا اللفظ ومن قرائن احواله أنه أفهم عدم نبی بعده أبدا، أو عدم رسول بعده أبداً، وأنه ليس فيه تأويل ولا تخصيص، ومن أوله بتخصيص فكلامه من أنواع الهذيان لا يمنع الحكم بتكفير؛ لأنه مكذب لهذا النص الذي أجمعت الأمة على أنه غير مؤول ولا مخصوص."(۱)

تفسیر ارشاد العقل السلیم میں ذکر کیا:

﴿وخاتم النبيين﴾أي كان أخرهم الذي ختموا به."(۲)

حضور پر نبوت ختم کردی گئی۔

''مدارک'' امام ابوالبرکات نسفی میں ہے:

﴿خاتم النبيين﴾بفتح التاء عاصم بمعنى الطابع أي: آخرهم يعنى لا نبيا أحد بعده."(۳)

امام عاصم کے نزدیک تا کہ فتح کے ساتھ ہے مہر کے معنی میں، یعنی تمام انبیا کا آخر۔

خازن میں فرمایا:

"ختم الله بالنبوة فلا نبوة بعده أي: ولا معه.(٤)

---

(۱) (كتاب الاقتصاد: باب من يحت تكفيره من الفرق، ۱/۱۳۷)

(۲) [تفسير ابو السعود، سورة الأحزاب، ٤/٣٢٤]

(۳) (مدارك التنزيل: سورة الأحزاب، ٣/٣٤)

(٤) [تفسير خازن: الأحزاب ٤، ٣/٤٢٩]

اللہ تعالیٰ نے حضور پر نبوت ختم کردی، تو نہ ان کے بعد نبوت ہے اور نہ ان کے ساتھ۔

الحمد للہ مہر نیم روز کی طرح ظاہر و باہر ہوگیا کہ ہمارے سردار مالک ومختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پچھلے سب سے افضل نبی ہیں، جو اس میں ذرا بھی شک کرے کافر ہے، آیات واحادیث قطعاً اپنے عموم پر ہیں، جن میں اصلاً نہ تاویل کی گنجائش، نہ تخصیص کی مجال۔

"هذا وإن شئت التفصيل فعليك بالكتاب الجليل في هذا الباب المسمىٰ بـ"جزاء الله عدوه بابائه ختم النبوة" لسيدنا الشيخ المجدد دامت بركاتهم العالية۔ والله تعالیٰ أعلم وعلمه جل مجده أتم وأحكم.

مجہول صاحب کی خبر گیری

ا۔ انبیائے کرام ہدایت اور دین حق کی حفاظت ہی کے لیے مبعوث ہوتے ہیں، ان کا اصل کار ہدایت ہی ہے، مجہول صاحب نے نمبر ۶۔ ۵۔ میں اس کا اقرار کیا ہے، نمبر ۵ میں کہتے ہیں:

"امت موسویہ میں توریت کامل شریعت موجود تھی، پھر بھی کئی رسول حفاظت توریت اور تردید اختلافات کے لیے آتے رہے"

نمبر ۶ میں بولے:

نبی یا رسول کا اصل کام، أعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت. ہے، خواہ بذریعہ شریعت سابقہ۔ یا بہ شریعت جدیدہ ہو، یعنی تزکیہ نفوس وتعلیم کتاب وحکمت۔

ہم دریافت کرتے ہیں کہ حفاظت توریت کے لیے آئے، اس کے یہ معنی ہیں یا نہیں کہ وہی انھوں نے بھی فرمایا، جو توریت مقدس نے فرمایا، وہی ہدایت کی جو توریت میں تھی، تردید اختلاف کے لیے آئے، یعنی توریت کا خلاف مٹایا اور وہی ہدایت فرمائی جو توریت نے فرمائی تھی۔

تزکیہ نفس کیا شی ہے "یـزکیهم" کے کیا یہ معنی نہیں کہ انھیں پاک فرماتا ہے۔ پاک کاہے سے فرماتا ہے اسی ہدایت سے۔ تعلیم کتاب وحکمت کے معنی سوائے ہدایت اور کیا ہیں۔ اقرار مرد آزار مرد، مشہور ہے: ع

وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

مجہول صاحب نے چاہا تو یہ کہ الزام دیں، مگر خدا کا دھرا سر پر، نصیبوں سے کسے خبر، یہ کہہ کر اپنی چنائی آپ ہی ڈھائی، اب وہ جتنے مقدمات قائم کیے تھے کہ:

(۱) کیوں کہ نبی یا رسول کا کام صرف شریعت لانا، ہدایت لانا نہیں، بلکہ اس کے علاوہ نبوت کے فرائض اور کام ہیں۔

(۲) قرآن کریم: نبوّت کی غرض صرف تکمیل ہدایت یا تکمیل شریعت لانا قرار نہیں دیتا۔

(۳) انبیائے بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے بعد کئی گزرے ہیں، جو کوئی شریعت یا ہدایت جدیدہ نہیں لائے۔

(۴) نبی یا رسول کا شارع ہونا شرط نہیں۔

یہ سب ہباء منثورا ہو گئے۔

۲:۔ کیا بعد اس کے کہ اللہ عزوجل حفاظت کا وعدہ فرمائے، پھر بھی ظاہری حفاظت کی ضرورت باقی رہتی ہے۔

۳:۔ مہر بیچ میں ہوتی ہے یا ختم پر۔

۴:۔ کتب اصول میں مصرح ہے کہ جمع محلی باللام اگر وہاں "ال" تعریف عہدی کا نہ بنتا ہو، اور نکرہ حیز نفی میں ہو تو وہ مفید عموم واستغراق ہے۔

منار میں فرمایا:

"و كذا إذا دخلت لام التعريف فيما لا يحتمل التعريف بمعنى العهد أوجبت العموم حتى يسقط اعتبار الجمعية إذا دخلت على الجمع.(۱)

اور ایسے ہی جب لام تعریف اس میں داخل ہوتا ہے جس میں تعریف یعنی عہد کا احتمال نہ ہو تو عموم واجب ہوتا ہے، یہاں تک کہ جمعیت کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے، جب کہ وہ جمع پر داخل ہو۔

اس کی شرح "نور الانوار" میں ہے:

"أو على الاستغراق فيستوعب الكل يقيناً كما في قوله تعالىٰ ﴿إن الانسان لفى خسر الا الذين آمنوا وعملوا الصٰلحٰت.﴾(۱)

یا استغراق پر تو وہ یقینی طور پر کل کا استیعاب کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے کہ "بے شک انسان گھاٹے میں ہے، مگر سوائے وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے۔"

---

(۱) [المنار: مبحث العام ص:۸۴،۸۵]

(۱) [نور الأنوار شرح المنار: مبحث العام، ص:۸۵]

اسی میں ہے:

"وأما إذا كان على الجمع فثمرة عمومه أنه يسقط معنى الجمع، فلا يكون أقله الثلث؛ إذلو بقي جمعاً لم يظهر للّلام فائدة."(١)

اور جب وہ جمع پر ہو تو اس کے عموم کا یہ نتیجہ ہوگا کہ معنی جمع ساقط ہو جائے گا، تو اس کا اقل ثلث نہ ہوگا، اس لیے کہ اگر جمع باقی رہے تو لام کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

منار میں ہے:

"والنكرة في موضع النفي تعم."

اور نکرہ موضع نفی میں عام ہے۔

اور یہ بھی مصرح ہے کہ آیات ونصوص اپنے عموم ہی پر رکھے جائیں گے، یہاں تک کہ اخبار احاد اگر مرفوع بھی ہوں تاہم ان سے تخصیص ناجائز، خود مجہول صاحب نے براہ نادانستگی اسے تسلیم کیا ہے۔

نمبر ۹/ملاحظہ ہو:

"کوئی حدیث نص کتاب اللہ کے خلاف حجت نہیں ہوسکتی بلکہ اگر وہ قرآن کریم کے مضامین کے خلاف ہے تو تاویل کرنی پڑے گی"

مجہول صاحب کا یہ کہنا اگرچہ علی الاطلاق صحیح نہیں، اس لیے کہ متواترات ضرور ناسخ ہوتی ہیں مگر اتنا تو ضرور ہے کہ احاد اگرچہ مرفوع ہوں پھر بھی نص قرآن عظیم کی ناسخ یا مخصص نہیں ہوسکتیں۔ کیا اب بھی مجہول صاحب یہی کہیں گے کہ النبيين اور لا نبي بعدي مفید عموم نہیں۔ نہیں تو کیوں؟۔

۵:۔ مجہول صاحب کہتے ہیں:

(ا) النبيين میں الف لام تخصیص کا بھی ہوسکتا ہے۔

یہ الف لام تخصیص کیا بلا ہے، اس کا کہاں پتا ہے، پھر یہ "ہوسکتا ہے" سے تو کام نہیں چلتا کہ در بارۂ اعتقاد یقین درکار ہے، نہ ظن۔ کسی اعتقادی بات کے ثبوت کو تواتر چاہیے، کیا مجہول صاحب بتا سکتے ہیں کہ یہ الف لام تخصیص کیا ہے، اور ہے تو تواتر سے ثابت کرتے، کہ یہاں الف لام تخصیص کا ہے، اور اصول کا وہ قاعدہ غلط ہے کہ جمع محلّیٰ باللام مفید استغراق ہے۔

---

(١) [نور الأنوار شرح المنار: مبحث العام، ص:٨٥]

(١)[أيضًا: ص:٨٢]

۶:۔مجہول صاحب نے عجیب الٹی منطق پڑھی ہے، جہاں عموم ہوتا ہے، وہاں زبردستی تخصیص کرتے ہیں، اور جہاں خصوص، وہاں دھینگا دھانگی سے عموم لیتے ہیں۔آیت میں لفظ سنۃ موقع عذاب کے ساتھ خاص ہے، مطلب یہ ہے کہ رسولوں کی تکذیب پر جیسے پہلے عذاب فرمایا گیا ہے، یوں ہی اب بھی عذاب فرمایا جائے گا:

﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾(۱)

اور تو اس سنت اللہ کو تبدیل نہ پائے گا۔

کبیر میں فرمایا:

"یعنی هذا لیس بدعاًبکم بل هو سنة جاریة وعادة مستمرة تفعل بالمکذبین ، ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ أي لیست هذه السنة مثل الحکم الذي یبدل وینسخ ، فان النسخ یکون في الأحکام ، أما الأفعال والأخبار فلاتنسخ.(۲)

یعنی یہ نئی چیز نہیں ہے بلکہ سنت جاریہ اور عادت مستمرہ ہے، یہ ان پر جاری ہوتی ہے جو نبیوں کی تکذیب کرتے ہیں ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ یعنی یہ سنت اس حکم کے مثل نہیں جس میں تبدیلی اور نسخ ہوتا ہے، کہ نسخ احکام میں ہوتا ہے، رہے افعال واخبار تو وہ منسوخ نہیں ہوتے۔

ارشاد العقل السلیم میں ہے:

﴿سنة اللّٰه﴾أی سن اللّٰه ذلك فی الأمم الماضیة سنة ، وهی أن یقتل الذین نافقوا الأنبیاء وسعوا في توهین أمرهم بالإرجاف ونحوه أینما ثقفوا ﴿ولن تجد لسنة اللّٰه تبدیلا﴾أصلا لابتنائها علی أساس الحکمة التي علیها یدور فلك التشریع.(۳)

﴿سُنَّةَ اللّٰهِ﴾ یعنی امم ماضیہ کے حق میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاری رہی کہ وہ لوگ جہاں ملیں قتل کیے جائیں جنھوں نے انبیا کے ساتھ نفاق کیا اور جھوٹی خبریں پھیلا کر اور اسی جیسے دیگر طریقوں سے ان کے معاملے کو بے قدر کرنے میں کوشش کی ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ اور تم اللہ کی سنت کو بدلتا نہ پاؤ گے کہ اس کی بنیاد اس حکمت پر رکھی گئی ہے جس پر آسمان تشریع گردش کرتا ہے۔

---

(۱) [سورة الأحزاب : ٦٢]

(۲) [التفسیر الکبیر سورة الأحزاب،٦٢ـــ٩/١٨٤]

(۳) [تفسیر ارشاد :سورة الأحزاب،٤/٣٣٣-٣٣٤]

مدارک شریف میں فرمایا:

"أی سن الله ذلك في الذين ينافقون الأنبياء أن يقتلوا أينما وجدوا."(١)

یعنی جو لوگ انبیا کے ساتھ نفاق کرتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ جہاں ملیں قتل کیے جائیں۔

خازن میں ہے:

"أي: المنافقين والذين فعلوا مثل ما فعل هؤلاء أن يقتلوا حيثما ثقفوا."(٢)

یعنی منافقین اور وہ لوگ جنھوں نے ان کا مثل کیا جہاں ملیں قتل کیے جائیں۔

اور کتب اصول میں مصرح ہے کہ وعیدات اپنی موارد پر مقصور ہیں۔ اگر مجہول صاحب کے طور پر اسے عام ہی رکھا جائے، تو کیا حشر نشر سب باطل نہ ہو جائے گا کہ اس عالم کا اس طور ہونا یہ بھی ایک سنت ہے، اور سنت کی تبدیلی نہیں۔ مجہول صاحب کہیں اب کیا کہتے ہیں۔

٧: ﴿اتممت عليكم نعمتي﴾ کو وعدہ کہنا مجہول صاحب ہی جیسے ضرورت سے زیادہ عقل مند کا کام ہے، پھر اس سے موجود رہنے کا اثبات بالکل اس کا مصداق ہے:

کہاں کی اینٹ کہاں کا روڑا   بھان متی نے کنبہ جوڑا

لوگو مرے مجنوں کو کوئی چرخ پہ ڈھونڈو

شیریں کی یہ فریاد تھی کلکتے میں سب سے

کیا مجہول صاحب کہہ سکتے ہیں کہ ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی نبی رہا ہے، اگر رہا ہے تو فرمائیں کہ آیت کریمہ ﴿على فترة من رسل﴾ کے کیا معنی ہیں؟۔

٨. مجہول صاحب کو فعل وصفت میں تمیز نہیں جبھی تو کہتے ہیں: نبی اور رسول کا بھیجنا خدائے تعالیٰ کی ایک صفت ہے، اور اگر خدائے تعالیٰ کی کوئی صفت کام چھوڑ دے تو صفت میں تعطل اور انقطاع واقع ہوتا ہے، اور بفرض غلط مجہول صاحب کی مان لیجیے تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ خالق اس کی صفت ہے یا نہیں، ماننا پڑے گا کہ اس کی صفت ہے، تو چاہیے کہ ہر آن میں مخلوق ہو ورنہ صفت میں تعطل ہوگا۔ اس عالم کے وجود سے پہلے وہ خالق تھا یا نہیں؟ تھا تو کس چیز کا، اور اب جب یہ عالم فنا ہو جائے گا تو آپ کے

---

(١) (مدارك التنزيل: سورة الأحزاب، ٣/٤٦)

(٢) [تفسير الخازن، أحزاب ٦٢، ٣/٤٣٧]

نزدیک وہ خالق رہے گا یا نہیں؟ ایک آن کو منقطع مانو گے یا تعطل جانو گے تو ذات کو باطل ٹھہراؤ گے۔

٩:۔قرآن کریم میں یہ آیت ﴿خاتم النبیین﴾ دونوں طور پر پڑھی گئی ہے، یعنی ﴿خاتَم النبیین﴾ اور ﴿خاتِم النبیین﴾ قرأ عاصم بفتح التاء والباقون بکسرها(غیث النفع للسید علی النوری السفاقسی)

قرئ بكسر التاء أی كان خاتمهم(ارشاد العقل السليم)

بفتح التاء عاصم بمعنى الطابع اي أخرهم يعني لا ينبأ أحد بعده وغيره بكسر التاء بمعنى الطابع.(١)

اور دونوں قرأتیں متواترہ ہیں، بلکہ قرأت سبعہ سے صرف ایک عاصم فتح تا سے پڑھتے ہیں، باقی سب کسر تا سے، اور قرأت کا انکار کفر، اب مجہول صاحب فرمائیں کہ انھوں نے نمبر(٨) میں یہ کہہ کر کہ قرآن کریم میں جو خاتم النبیین آیا ہے۔ اس میں خاتم کا لفظ وارد ہے، اور اس کے حرف ''تا'' پر زبر ہے زیر نہیں یعنی خاتِم نہیں، پس خاتم کے معنی مہر کے ہیں، ختم کرنے والے کے نہیں، کیوں کہ وہ لفظ خاتم ہے اور وہ قرآن میں نہیں۔

یہ کہہ کر کفر اوڑھا۔ یا نہیں؟۔

١٠:نمبر٦ رکا رد اوپر ہو لیا ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی تعالیٰ عنہما پر خدا کی بے شمار رحمتیں، انھوں نے فیصلہ فرما دیا۔ کہیے مجہول صاحب ان کا فیصلہ مقبول ہے یا نہیں؟۔ یوں ہی (٢) اور (٩) کا رد بھی اوپر گزرا۔ وللہ الحمد

مسلمانو، اللہ تعالیٰ نے صاف ارشاد فرمایا: ﴿وخاتم النبیین﴾

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اب تک سب یہی سمجھے کہ حضور سب میں آخری نبی ہیں، اور حضور کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ آج کل چند ملحد، بے دین، اگر کچھ خرافات، ہزلیات بکیں، کیا قابل التفات ہوں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد خاتم الأنبياء والمرسلين وعلىٰ آله وصحبه أجمعين امين امين امين برحمتك يا أرحم الراحمين۔

---

(١)(مدارك التنزيل: سورة الأحزاب، ٣/٣٤)

(۶) کفریات

مسلمان خدا کو سجدہ کرتا ہے اور کافر ومشرک بتوں کو

(۱۸) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید کہتا ہے کہ ہندو بتوں کو سجدہ کرتے ہیں، اور ہم کعبہ میں جا کر پتھر کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور ہندو پتھر پر پانی پھول چڑھاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ پانی پھول مہادیو کو پہنچتا ہے، اور ہم کعبہ میں جا کر کنکریاں مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیطان کو چوٹ لگتی ہے، پھر ہم میں اور ان میں کیا فرق ہے۔ اس کا جواب ایسا مجھ کو دیجیے کہ مجھ کو سیری ہو۔

الجواب

یہ شخص جلد تر توبہ کرے۔ کوئی مسلمان کعبہ کو سجدہ نہیں کرتا جہت کعبہ کو۔ سجدہ خدا کو کرتا ہے اور کافر بتوں کو سجدہ کرتا ہے۔ ان کی پرستش وبندگی وعبادت کرتا ہے۔ کعبہ جا کر پتھر کو سجدہ کرنا مسلمانوں پر محض افترا ہے، جیسے کعبہ سے دور سمت قبلہ سجدہ ہوتا ہے، یوں ہی وہاں جا کر عین قبلہ کا استقبال کیا جاتا ہے۔ سجدہ یہاں وہاں سب جگہ خدا ہی کے لیے ہوتا ہے۔ کیا کوئی ادنیٰ سمجھ والا بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہاں مسلمان مسجد کی دیواروں کو سجدہ کرتے ہیں، اور وہاں جو مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تو وہ گھر کی دیوار کو سجدہ کرتے ہیں۔ مسجود الیہ کو مسجود لہ ٹھہرا کر فرق اسلام وکفر گمان کرنا کیسی شدید بات ہے۔ **ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ**۔ اس شخص پر توبہ فرض ہے۔

مسلمان رمی جمار محض امتثال امر کے لیے کرتے ہیں۔ حکیم کے ہر کام میں مصالح ہوتے ہیں۔ "**فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ**" آدمی بہت کام کسی اپنے معتمد کے کہنے سے ایسے کرتا ہے جس کی حکمت خود نہیں سمجھتا۔ جانتا ہے کہ میں اپنے جہل سے اپنی نادانی سے اس کا فائدہ نہیں سمجھتا۔ مگر کچھ نہ کچھ فائدہ ہے ضرور جب تو یہ مجھے اس کے کرنے کا حکم دے رہا ہے، تو اس حکیم حقیقی **عزت عظمتہ وجلت حکمتہ** جس کی شان ہے: "**لا یسئل عما یفعل**" اس کے احکام میں چون وچرا کا کیا موقع۔ کہ محال ہے کہ وہ کسی عیب کا حکم دے، تو ضرور اس میں فائدہ ہے، کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ میرا پتھر شیطان

کے جسم پر پڑتا ہے، محض امتثال امر کے لیے پتھر مارتا ہے، نیز اس لیے کہ رب عز جلالہ کے خلیل کی سنت کریم ہے۔علیہ الصلاۃ والتسلیم۔ جہاں خلیل اللہ۔علیہ الصلاۃ والسلام۔کی راہ میں شیطان ان سے معترض ہوا بحکم الٰہی آپ نے اسے پتھر مارے کہ وہ خائب و خاسر ہوا، ہم بھی رب جلیل کے اس خلیل محبوب جمیل کے اتباع میں ایسا کرتے ہیں۔کسی کی جانب پتھر پھینکنے سے مقصود جب ہی حاصل نہیں جب کہ وہ پتھر بھی اس کے لگے۔بندر اور کوا جب ہی بھاگتا ہے جب اس کے جسم پر جا لگتا ہے؟ بلکہ بھگانے کا مقصود کبھی محض اشارہ سے پورا ہو جاتا ہے، ہاتھ میں پتھر نہ ہو جھک کر اٹھانا اور بندر اور کوے کی طرف خالی ہاتھ اس طرح پھینکنا جس طرح پتھر ہاتھ میں لے کر پھینکا جاتا ہے، بسا اوقات کافی ہوتا ہے۔تو اس خیال سے کہ وہ عدو اللہ جو ایسے عظیم و جلیل سے یہاں متعرض ہوا وہ ہم جیسوں کا یہاں کیوں تعرض نہ کرے گا جو ہمارے دم کے ساتھ ہر قدم ہے، اس کا وہی علاج کیا جائے جو اس خلیل جلیل نے فرمایا، ان کے اتباع کی برکت ہوگی اور عدو اللہ دفع ہوگا، اگرچہ خلیل جلیل کا کوئی وار خالی نہ گیا اور ہمارا ہر پتھر خالی جائے، مگر پتھروں کی جب بارش ہوگی تو وہ رکے گا نہیں بھاگ جائے گا۔پھر تذلیل کا مقصد تو حاصل ہے ہی، کسی کی تصویر بنا کر اس کے جوتے پتھر مارے جائیں تو اگرچہ اس کے جسم پر وہ پتھر وہ جوتے نہیں لگتے، مگر جس کی تصویر ہے اس کے دل پر زخم کاری لگتا ہے، تو شیطان کے قلب پر کاری زخم لگانے کے لیے اس عدو اللہ کے ان مقامات پر جہاں وہ اللہ کے خلیل سے متعرض ہوا مسلمان پتھر مارتے ہیں۔اس میں اور اس لغو بے ہودہ بے معنی حرکت کفری میں فرق نہ گنانا کیسی شدید بات ہے۔پتھر پر پانی پھول چڑھانا اور اس کا مہادیو کو پہنچ جانا اور شیطان کے چوٹ لگنا کیسے ایک سا جانا؟ دل پر چوٹ لگنے کے لیے جسم پر پتھر لگنا ضروری نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کفر کا عزم و ارادہ ظاہر کرنے پر فورا کافر ہو جائے گا

(۱۹) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید نے اپنے داماد عمرو کے متعلق یہ سنا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں آریہ ہو جاؤں گا، جب اس کا چرچا پھیلا تو بکر نے کہا کہ بھائی یہ شریعت کا معاملہ ہے عمرو کو کسی سنی عالم کے پاس لے جاؤ، وہ تحقیق کر کے حکم شریعت بتادیں گے۔عمرو کو خالد و زید ایک سنی عالم کے پاس لے گئے، عالم دین نے عمرو سے پوچھا تم نے

کیا کہا تھا؟ اس نے پانچ آدمیوں کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے یہ کہا تھا کہ اگر میرے سسرال والے اسی طرح میری دشمنی پر آمادہ رہے تو میں آریہ ہو جاؤں گا، پھر میرا کیا کر سکیں گے، اور یہ کلمات میں نے ہنسی مذاق کے طور پر کہے تھے۔ عالم دین نے فتویٰ دیا کہ تم اسلام سے خارج ہو گئے اور تمہاری بیوی نکاح سے خارج ہو گئی، اور اسی وقت عمرو سے توبہ کرائی اور از سر نو تلقین اسلام کی۔ اس فتویٰ پر عمرو کے طرف داروں نے شور وغوغا مچا رکھا ہے۔ کوئی کہتا ہے اعلان کر دو آج سے ہماری برادری کا کوئی آدمی مولوی صاحب کے وعظ میں نہ جائے۔ کوئی کہتا ہے آج ایسے ہی فتووں کا زور رہا تو دنیا بھر کے نکاح فسخ ہو جائیں گے۔ کوئی کہتا ہے زید پر برادری کی طرف سے دباؤ ڈالا جائے کہ وہ پھر اپنی لڑکی کا نکاح عمرو کے ساتھ کر دے اور اگر نہ مانے تو زید کا حقہ پانی بند کر دیا جائے۔ کوئی کہتا ہے کہ بکر کے مشورے سے خالد اور زید عالم دین کے پاس عمرو کو لے کر گئے، اگر یہ لوگ ایسا نہ کرتے تو فسخ نکاح کا فتویٰ کیوں ملتا۔ لہٰذا ان عمرو کا دوبارہ جو نکاح ہو اس کا سارا خرچ بکر اور خالد اور زید سے وصول کیا جائے، اگر یہ تینوں نہ دیں تو ان کو برادری سے خارج کر دیا جائے۔

سوال یہ ہے کہ سنی عالم دین کا فتویٰ صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے تو عمرو کو اپنی بیوی سے دوبارہ جبراً نکاح کرنے کا شرعاً اختیار ہے یا نہیں؟ اور پہلا مہر عمرو کے ذمہ فی الفور واجب الادا ہے یا نہیں؟ اور دوسرے نکاح کا مہر پہلے مہر کے علاوہ اسی قدر ہوگا یا نہیں جس مقدار پر عورت راضی ہو؟ شور وغوغا مچانے والوں کے کلمات شرعاً کیا حکم رکھتے ہیں؟۔ بینوا توجروا۔

از رنگون مغل اسٹریٹ ۲۰۱ مسئولہ مولوی حشمت علی لکھنوٴ قادری برکاتی سلمہ ۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۵ھ۔

الجواب

عالم دین کا فتویٰ حق وصحیح وصواب۔ اور اس پر شور وغل مچانے اور بے ہودہ غوغا کرانے والے باطل پر، بے شک بے ارتیاب مستحق عذاب مستوجب قہر وغضب حضرت رب الارباب۔ فی الواقع صورت مسئولہ میں عمرو پر توبہ وتجدید ایمان وتجدید نکاح لازم تھی، اسی کا عالم دین نے حکم دیا۔ اگر عمرو اپنے اس بیان میں سچا بھی ہو کہ اس نے یہ ہاز لاً بکا تھا جب بھی یہی حکم ہے۔ جب لفظ معنی کفری میں ظاہر ہو تو نیت وعدم نیت کا فرق نہیں ہوتا۔ اس کے قائل پر توبہ وتجدید ایمان وتجدید نکاح ہی کا حکم ہوتا ہے۔

امام ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی "إعلام الأعلام بقواطع الإسلام" میں فرماتے ہیں:

"إنما يحكم بالكفر باعتبار الظاهر . وقصدك وعدمه إنما ترتبط به الأحكام باعتبار الباطن".

کفر کا حکم ظاہری اعتبار سے لگتا ہے اور ارادہ وقصد یا عدم قصد سے احکام باطنی طور پر متعلق ہوتے ہیں۔(مترجم)

اسی میں فرمایا:

"حكمنا إنما هو باعتبار الظاهر فلا يبحث عن المراد."

ہم نے ظاہر کے اعتبار سے حکم لگایا ہے لہٰذا مراد جاننے کی ضرورت نہیں۔(مترجم)

اسی میں ہے:

"نحن نحكم بالظاهر . فلذلك حكمنا بعدم إيمانه."

ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں، اسی لیے ہم نے اس کے عدم ایمان کا حکم دیا۔(مترجم)

اسی میں ہے:

"اللفظ ظاهر في الكفر وعند ظهور اللفظ فيه لايحتاج إلى نية كما علم من فروع كثيرة."

لفظ معنی کفر میں ظاہر ہے اور جب لفظ معنیٰ کفر میں ظاہر ہو تو وہاں نیت جاننے کی حاجت نہیں رہتی۔(مترجم)

اسی میں فرمایا:

"المدار في الحكم بالكفر على الظاهر ولا نظر للمقصود والنيات ولا نظر لقرائن حاله."

حکم کفر کا دارومدار ظاہر پر ہے، لہٰذا مقصود ونیت اور قرائن حالیہ کی حاجت نہیں۔(مترجم)

یہ وہاں ہے جہاں لفظ محتمل ہو مگر معنی کفر میں ظاہر ہو، جہاں دوسرا احتمال راساً ہے ہی نہیں اس کا کیا پوچھنا، عمرو کے قول میں تو یہ ہے کہ میں آریہ ہو جاؤں گا جو عزم بالجزم بتارہا ہے جس میں اصلاً کوئی اور احتمال نہیں۔

علمائے کرام نے اس سے ہلکے اقوال پر بھی حکم کفر فرمایا جیسا کہ بعض عبارات آئندہ سے ظاہر ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

"لو قال" دل تنگ شدم کہ خواستم کافر شدن یکفر.(۱)

---

(۱) [البزازية مع الهندية.۳/۳۳۱]

اسی میں ہے:

"وعظ فاسقاً وندبه إلى التوبة، فقال بعد اليوم، أضع على رأسي قلنسوة المجوس يكفر؛ لأن وضع تلك القلنسوة كشد الزنار علامة الكفر فأخبر أنه يكفر بعد حين، فزال التصديق المستمر بهذا العزم."(۱)

اگر کسی نے کہا کہ میرا دل تنگ ہو گیا چاہتا ہوں کہ کافر ہو جاؤں تو اس کی تکفیر کی جائے گی اور کسی نے کسی کو نصیحت کی اور اسے توبہ کی دعوت دی، تو وہ بولا کہ میں آج کے بعد میں مجوس کی ٹوپی اپنے سر پر رکھوں گا تو وہ کافر ہو جائے گا، اس لیے کہ اس ٹوپی کا لگانا زنار باندھنے کی طرح علامت کفر ہے، تو گویا اس نے کچھ دیر کے بعد کافر ہونے کی خبر دی، لہذا اس عزم کی وجہ سے اس کی تصدیق جاری ختم ہوگئی۔ (مترجم)

"فتاویٰ ظہیریہ" امام ظہیر الدین مرغینانی" اور شرح فقہ اکبر" علی قاری میں ہے:

"من وعظوه ولاموه على العصيان فقال: اكسو بهذا اليوم قلنسوة المجوس، وإن عنى هذا المعنى استقامة القلب كفر؛ لأنه وعد بالإخبار عن الإنكار بضد الإقرار المعتبر فى كونه الشرط للإيمان."(۲)

کسی نے کسی کو نصیحت کی اور اسے گناہ پر ملامت کی تو اس نے کہا آج سے میں مجوس کی ٹوپی لگاؤں گا، اگر اس نے اس معنیٰ کا ارادہ استقامت قلب سے کر لیا تو وہ کافر ہو جائے گا، اس لیے کہ اس نے اس اقرار کے مقابلہ میں انکار کی خبر دینے کا وعدہ کیا جو اقرار باب ایمان میں بطور شرط معتبر ہے۔ (مترجم)

اسی میں فرمایا:

"قالت: إن جفوتني كفرت ـ أوقالت ـ إن لم تشتر كذا كفرت فى الحال."(۳)

عورت نے کہا کہ اگر تو نے مجھ سے بدسلوکی کی ظلم کیا، تو میں کافر ہو جاؤں یا اس نے کہا کہ اگر تو نے مجھے فلاں چیز خرید کر نہ دی تو میں کافر ہو جاؤں گی، تو وہ اسی وقت کافر ہو جائے گی۔ (مترجم)

"شرح فقہ اکبر علی قاری میں جواہر سے ہے:

---

(۱) [البزازية مع الهندية.۳/۳۳۱]

(۲) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري.۲۲۹]

(۳) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري.۲۲۶]

"من قال: لو كان كذا غداً وإلا أكفر، كفر من ساعته."(۱)

اگر کسی نے کہا کہ اگر کل ایسا نہ ہوا تو میں کفر کر بیٹھوں گا، تو وہ اسی وقت کافر ہو جائے گا۔ (مترجم)

اسی میں محیط سے ہے:

"من قال: فأنا كافر أو فأكفر، يعني في جزاء الشرطية المبتدأة أو مطلقاً، قال أبو القاسم: هو كافر من ساعته."(۲)

کسی نے کہا کہ میں کافر ہوں، یا کفر کروں گا، یعنی ابتداے شرط کی جزا میں یا مطلقاً ابوالقاسم فرماتے ہیں کہ وہ فوراً کافر ہو جائے گا۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

"أو قال الأخر: أتعبتنى حتى أردت أن أكفر، قلت: وهذا كفر ظاهر؛ لأن أرادة الكفر كفر."(۳)

یا دوسرے نے کہا کہ تو نے مجھے اتنا تھکا دیا کہ میں نے کفر کرنے کا ارادہ کر لیا، میں کہتا ہوں کہ یہ کھلا ہوا کفر ہے، کیوں کہ ارادۂ کفر کفر ہے۔ (مترجم)

اسی میں محیط و مجمع الفتاویٰ سے ہے:

"من عزم على أن يامر أحداً بالكفر كان بعزمه كافراً۔"(٤)

کسی نے کسی کو حکم کفر دینے کا عزم کر لیا تو وہ اپنے اس عزم کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

"لو قال: ما أمرني فلان أي: من المشايخ أو العلماء أو الأمراء أفعل ولو بكفر، أو قال: ولو كان كلمة كفر كفراً، أي؛ لأنه نوى الكفر في الاستقبال فيكفر في الحال."(٥)

---

(۱) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري.۲۲۷]

(۲) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري.۲۲۹]

(۳) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري.۲۲٦]

(٤) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري.۲۲٦]

(٥) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري.۲۲۷]

اگر کسی نے کہا کہ فلاں شیخ عالم یا حاکم مجھے جو بھی حکم دے گا میں کروں گا اگر چہ کفر ہی ہو۔ یا کہا کہ اگر کلمۂ کفر ہو، تو وہ کافر ہو جائے گا، کیوں کہ اس نے مستقبل میں کفر کی نیت کر لی۔ لہٰذا وہ اسی وقت کافر ہو جائے گا۔ (مترجم)

اسی میں قونوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ہے:

"لو تلفظ بكلمة الكفر طائعاً غير معتقدله يكفر، لأنه راض بمباشرته وإن لم يرض بحكمه كالهازل به فإنه يكفر وإن لم يرض بحكمه، ولا يعذر بالجهل، وهذا عند عامة العلماء خلافاً للبعض."(۱)

اگر کسی نے خوشی سے کلمہ کفر بولا حالاں کہ اس کا اعتقاد نہ رکھے، تو کافر ہو جائے گا۔ اس لیے کہ وہ اس کی ادائیگی پر راضی ہے اگر چہ اس حکم سے راضی نہیں ہے، جیسا کہ کوئی ہنسی مذاق میں کلمہ کفر بول دے تو وہ کافر ہو جائے گا، اگر چہ وہ اس کے حکم سے متفق نہیں، اور اس کی لاعلمی عذر نہ بن سکے گی، یہ عام علما کا موقف ہے، جب کہ بعض کا موقف اس کے برخلاف ہے۔ (مترجم)

فتاویٰ امام فقیہ النفس قاضی خاں میں ہے:

"من قال دعني أصر كافراً كفر."(۲)

کسی نے کہا کہ مجھے کافر ہو جانے دو تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا۔ (مترجم)

فتاویٰ خلاصہ سے اسی شرح فقہ اکبر امام اعظم میں ملا علی قاری ناقل:

"من عزم على الكفر ولو بعد مأة سنة يكفر في الحال."(۳)

اگر کوئی شخص کفر کا عزم کر لے اگر چہ سو سال کے بعد کا عزم کرے مگر وہ فوراً کافر ہو جائے گا۔ (مترجم)

اسی فتاویٰ خانیہ میں ہے:

"من قال كدت أن أكفر كفر، أو قال دعني فقد كفرت كفر، أي: بظاهر كلامه وإن احتمل أنه أراد قاربت الكفر، وفيه ماتقدم والله أعلم."

---

(۱) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري. ۲۲۷]

(۲) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري. ۲۲۵]

(۳) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري. ۲۰۳]

کسی نے کہا کہ قریب ہے کہ میں کافر ہو جاؤں وہ اس کہنے کی وجہ سے کافر ہو گیا، یا کہا کہ مجھے کافر ہو جانے دے تو بھی کافر ہو جائے گا یعنی ظاہر کلام کی وجہ سے اگر چہ اس کے قول میں یہ احتمال ہے کہ اس نے کفر کے قریب تک پہنچنے کا ارادہ کیا ہو، اور اس میں گزشتہ صورتیں پائی جا رہی ہیں۔ (مترجم)

مجمع الانہر میں ہے:

"من أضمر الكفر أو هم به فهو كافر، ومن كفر بلسانه طائعاً وقلبه مطمئن بالإيمان فهو كافر، ولا ينفعه ما في قلبه؛ لأن الكافر يعرف بما ينطق به بالكفر، فإذا نطق بالكفر كان كافراً عندنا وعند الله تعالى"(۱)

جس نے دل میں کفر چھپایا، یا پھر اس نے کفر کا ارادہ کیا تو وہ کافر ہو گیا، اور جس نے خوشی سے زبان سے کلمۂ کفر بکا جب کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے تو وہ کافر ہو گیا اور اطمینان قلبی اس کے حق میں نفع بخش نہ ہوگا، کیوں کہ کافر کلمہ کفر بکنے کی وجہ سے کافر سمجھا جاتا ہے، پس جب اس نے کفر بک دیا تو وہ ہمارے اور اللہ کے نزدیک کافر ہو گیا۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

"إذا عزم على الكفر بعد حين يكفر في الحال لزوال التصديق المستمر"(۲)

جب کچھ وقت کے بعد کفر کا عزم کرلیا تو فوراً کافر ہو جائے گا، کیوں کہ اس کے لیے اس کی تصدیق جاری ختم ہو گئی۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

"يكفر بقوله: فلان أكفر مني، أو قال: ضاق صدري حتى أردت أن أكفر، أو كدت أن أكفر، أو كان أقرب إلى كفر."(۳)

وہ یہ کہنے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا کہ فلاں مجھ سے کفر میں بڑھ کر ہے۔ یا کہے کہ میرا دل تنگ ہو گیا یہاں تک کہ میں نے کفر کا ارادہ کرلیا۔ یا یوں کہے کہ قریب ہے کہ میں کافر ہو جاؤں۔ یا وہ کفر کے قریب تر ہو جائے۔ (مترجم)

---

(۱) [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد: ۲/ ۳۲۶]

(۲) [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب السير، باب المرتد: ۲/ ۳۲۶]

(۳) [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب السير، باب المرتد: ۲/ ۳۲۶]

اعلام میں فرمایا:

"فمن ذلك العزم على الكفر في زمن بعيد أو قريب أو تعليقه باللسان أو القلب على شيء ولو محالاً عقلياً فيما يظهر، فيكون ذلك كفراً في الحال. كما نقله الشيخان عن التتمة وجزم به البغوي وغيره كالحليمي وصححه الروياني."(١)

زمانہ قریب یا بعید میں کفر کا عزم کرنا یا زبان یا دل سے کفر کو کسی چیز پر معلوم کرنا اگر چہ وہ شی بظاہر عقلاً محال ہو، یہ تمام صورتیں فوری کفر کی ہیں جیسا کہ شیخین نے اسے تتمہ سے نقل کیا ہے اور بغوی وحلیمی وغیرہ نے اسی پر جزم کیا ہے اور رویانی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔(مترجم)

اس کے بعد یہ شبہہ لکھ کر:

"وقول أبي نصر القشيري: عندنا لا يتصور العزم على الكفر الذي هو الجهل بالله، إذلا يصح من العالم بالله أن يعزم على الجهل."(٢)

ابونصر قشیری کا قول ہے کہ ہمارے نزدیک عزم کفر متصور نہیں، کیوں کہ کفر ذات باری سے جہالت کا نام ہے، اس لیے کہ رب تعالیٰ کے جاننے والے سے یہ ممکن نہیں کہ وہ جہالت ولاعلمی کا عزم کر بیٹھے۔(مترجم)

اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"يجاب عنه بأن المراد بالكفر في هذا الباب ما أشعر بالجهل وإن كان قلب من صدر منه شيء مماذكر أوما ياتي ممتلئاً ايماناً. ألا ترىٰ أن الاستهزاءَ والهزل وغيرهما وكذلك الفعل الآتي سواءٌ، فإن أراد أبو نصرأنه وإن عزم لا يكون كافراً فغير مسلم له ذلك بل لا وجه لكلامه حينئذٍ، وإن أراد حقيقة الكفر الذي هو الجهل لا يجامع حقيقة العلم فمسلم، لكن لا مدخل لذلك فيما نحن فيه."(٣)

اسی میں ہے:"إن الإيمان التصديق وهو منتف مع العزم."(٤)

---

(١) [إعلام الأعلام بقواطع الإسلام:٢٨]

(٢) [إعلام الأعلام بقواطع الإسلام:٢٨]

(٣) [إعلام الأعلام بقواطع الإسلام:٢٨]

(٤) [إعلام الأعلام بقواطع الإسلام:٢٨]

اس کا جواب یہ ہے کہ اس باب میں کفر سے مراد وہ ہے کہ کفر کی طرف مشعر ہو اور اس پر علامت ہو اگر چہ وہ شخص جس سے شی مذکور صادر ہوئی۔ یا وہ آئندہ زمانہ میں اس کا ارتکاب کرنے والا ہو، اس کا دل ایمان سے لبریز ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے اس سلسلہ میں ہنسی مذاق وغیرہ اور اسی طرح مستقبل میں ہونے والا فعل سب برابر ہیں۔ تو اگر ابونصر کی مراد یہ ہے کہ وہ عزم کے باوجود کافر نہ ہوگا تو ان کی یہ بات قبول نہیں ہے، بل کہ اس وقت ان کے کلام کا کوئی مطلب ہی نہیں، اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ حقیقت کفر جو کہ جہالت ہے وہ حقیقت علم کے ساتھ جمع نہیں ہوئی۔ جب تو ان کی بات تسلیم ہے، لیکن اس کا ہماری اس بحث سے تعلق نہیں۔ بے شک ایمان جو کہ تصدیق کا نام ہے یہ عزم کفر کے ساتھ نہیں پایا جا سکتا۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

"من نطق بكلمة الردة وزعم أنه أضمر تورية كفر ظاهراً و باطناً."(۱)

جس نے کلمہ ارتداد بکا اور یہ زعم کیا کہ اس کے دل میں توریہ ہے تو ظاہراً اور باطناً اس کی تکفیر کی جائے گی۔ (مترجم)

یہاں وہ اس سے زیادہ کہہ ہی کیا سکتا ہے کہ میں نے تو ہنسی دل لگی میں ایسا کہہ دیا تھا، میرا یہ قصد نہ تھا کہ واقعی آریہ ہو جاؤں گا۔ بس یہی عذر بن سکتا تھا، مگر اس عذر بارد کی گردن اگر چہ بعض عبارات مذکورہ سے کٹ چکی پھر بھی خاص جزئیہ لیجیے۔

مجمع الانہر میں فرمایا:

"من تكلم بكلمة الكفر هازلاً أو لاعباً كفر عند الكل ولا اعتبار باعتقاده"(۲)

جس نے دل لگی میں کلمۂ کفر کہہ دیا تو وہ بالاتفاق کافر ہو جائے گا اور اس کے اعتقاد کا اعتبار نہ ہوگا۔ (مترجم)

جب بفضلہ تعالیٰ عمرو سے عالم نے توبہ لے لی بکرمہ تعالیٰ الزام کفر اٹھ گیا:

"فإن التائب من الذنب كمن لا ذنب له ـ كما في الحديث."(۳)

---

(۱) [إعلام الأعلام بقواطع الإسلام]

(۲) [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب السير والجهاد، باب المرتد: ۲/۳۲۶]

(۳) [السنن لابن ماجه: باب ذكر التوبة، ۲/۱۴۱۹]

اس لیے کہ گناہ سے تائب شخص بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔(مترجم)

مگر اس تجدید اسلام سے اسے عورت پر دسترس حاصل نہ ہوئی کہ اس کلمہ کفر سے جو نکاح ٹوٹ گیا وہ اس تجدید اسلام سے جڑ نہ گیا، نہ اس سے عمرو کو عورت پر کوئی جبر کا موقع۔ عورت اگر راضی ہو تو اس سے نکاح جدید کرے، اور راضی نہ ہو تو وہ مثل اجنبیہ ہے۔ اس کا اس پر کوئی قبضہ واختیار نہیں۔ اور جب وہ عمرو ہی کے کیے سے اجنبیہ محضہ ہو چکی تو اگر برضائے زن عمرو اس سے نکاح جدید کرے گا تو مہر بھی جدید ہوگا۔ اور اتنا ہی ہوگا جتنے پر عورت راضی ہو۔

اعلام میں فرمایا:

"من أتى بلفظ الكفر حبط عمله، وتقع الفرقة بين الزوجين، ويجدد النكاح برضاء الزوجة إن كان الكفر من الزوج، وهذا بعد تجديد الإيمان والتبري من لفظ الكفر حتى أن من أتى بالشهادة عادة ولم يرجع عما قاله لا يرتفع الكفر عنه، ويكون وطؤه وطىء زنا، وولده ولد الزنا."(۱)

جس نے کلمۂ کفر بک دیا تو اس کے اعمال برباد ہو گئے، اور زوجین میں فرقت واقع ہو جائے گی، اور عورت اگر راضی ہو تو نکاح جدید کرے اگر کفر شوہر کی طرف سے واقع ہو، اور یہ حکم تجدید ایمان اور کلمہ کفر سے کلیۃً براءت کے بعد ہے، یہاں تک کہ اگر کسی نے یوں ہی کلمۂ شہادت پڑھ لیا جب کہ اپنے قول سے باز نہ آئے تو اس کا کفر ختم نہ ہوگا، اور اس کی وطی زنا اور اولاد ولد الزنا قرار پائے گی۔(مترجم)

فتاویٰ خلاصہ میں فرمایا:

"ردة أحد الزوجين يوجب البينونة بينهما في الحال بدون قضاء القاضي، ثم بعد ذلك ينظر إن كانت الردة من الزوج فهي حرمة بغير الطلاق عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ، ولا تجبر المرأة على أن تراجع إليه حتى يتزوجها، وعليه مهر المثل أو المسمى بعد الدخول، ونصف المسمى أو المتعة قبل الدخول، وعليها العدة إن كانت بعد الدخول."

زوجین میں سے کسی ایک کے ارتداد سے بغیر قضائے قاضی کے فوراً تفریق واقع ہو جائے گی،

---

(۱) [إعلام الأعلام بقواطع الإسلام]

اب دیکھا جائے گا کہ اگر ارتداد شوہر کی جانب سے ہو تو یہ عورت شیخین کے مذہب پر بلا طلاق کے شوہر پر حرام ہو جائے گی اور عورت کو مرد سے رجعت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا شوہر اس سے نکاح کرلے، اگر یہ صورت بعد دخول پیش آئی تو شوہر پر مہر مثل یا مقررہ مہر واجب ہو جائے گا۔ اور قبل دخول مقرر کا نصف یا متعہ واجب ہوگا، جب کہ عورت پر بعد دخول عدت واجب ہو جائے گی۔ (مترجم)

مجمع الانہر میں ہے:

"مایکون کفراً بالاتفاق یوجب إحباط العمل وتلزم إعادة الحج إن کان قد حج، ویکون وطؤه حینئذٍ مع امرأته زنا، والولد الحاصل منه في هذه الحالة ولد الزنا، ثم إن أتى بكلمة الشهادة علىٰ وجه العادة لم ينفعه مالم يرجع عماقاله: ؛ لأنه بالإتيان بكلمة الشهادة لا يرتفع الكفر"(۱)

متفق علیہ کفر کے ارتکاب سے عمل برباد ہو جاتے ہیں، حج اعادہ واجب ہو جاتا ہے اگر حج کر چکا ہو تو، اور اپنی عورت سے وطی زنا، اور اس حالت میں اس وطی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد ولد الزنا قرار پاتی ہے پھر اگر مرتکب کفر نے کلمۂ شہادت یوں ہی پڑھ لیا تو یہ اس کو مفید نہیں ہوتا جب کہ اپنے قول سے کلیۃً رجوع نہ کرے کیوں کہ کلمہ شہادت پڑھنا کفر کو ختم نہیں کرتا ہے۔ (مترجم)

اگر یہ مسئلہ اختلافیہ ہوتا جب بھی عالم کا حکم توبہ وتجدید ایمان وتجدید نکاح وغیرہ یقیناً صحیح ہوتا۔

مجمع الانہر میں فرمایا:

"وما کان في کونه کفراً اختلاف یؤمر قائله بتجدید النکاح وبالتوبة والرجوع عن ذلك احتیاطاً. هذا إذا تکلم الزوج اه مختصراً"(۲)

اور جس کا کفر ہونا مختلف فیہ ہو تو اس کے قائل کو تجدید نکاح، توبہ، اور اس سے رجوع کا احتیاطاً حکم دیا جائے گا، یہ اس صورت میں ہے جب کہ متکلم شوہر ہو۔ (مترجم)

پہلا مہر واجب الادا ہے، عالم کے فتویٰ پر شور وغوغا مچانے والے گنہ گار ہیں، ان پر توبہ لازم ہے۔ زید پر دباؤ ڈالنے کا مشورہ طے کرنے والے ستم شعار ظالم جفا کار ہیں، یہ سب مستحق نار، مستوجب غضب جبار، خصوصاً وہ جنہوں نے کہا کہ اجی اگر ایسے ہی فتووں کا زور رہا الخ، شدید ملزم، سخت مجرم، حق

---

(۱) [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر. كتاب السير والجهاد، باب المرتد: ۲/ ۳۲۶]

(۲) [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر كتاب السير والجهاد، باب المرتد: ۲/ ۳۲۶]

شرع میں گرفتار ہیں، حق اللہ وحق العباد میں گرفتار مبتلائے قہر قہار ہیں۔ والعیاذ باللہ العزیز الغفار۔ اللہ عزوجل انہیں اور ہمیں اور سب مسلمانوں کو تمام گناہوں سے توبہ کی توفیق بخشے اور اصرار علی الباطل سے بچائے۔ عناد واستکبار سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسلمان کو مسلمان اور کافر کو کافر کہنا ضروری ہے

(۲۰) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

مسلمانوں کو کافر کہنا کیسا ہے؟ مثلاً وہابڑے بھی تو مسلمان کہلاتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ کسی کو برا کہنا نہیں چاہیے؟۔

الجواب

وہابی مسلمان نہیں۔ مسلمان کو کافر کہنا بہت سخت شدید جرم عظیم ہے، خود اپنے اوپر بے وجہ کی تکفیر عود کرتی ہے۔ جو کہتے ہیں کسی کو برا نہ کہنا چاہیے وہ اسی وقت تک کہہ رہے ہیں جب تک ان کا معاملہ نہیں، انہیں یا ان کے باپ بھائی یا کسی عزیز کو کوئی ''تم'' سے ''تو'' کہہ دے بلکہ آپ سے تم کہہ دے تو دیکھیں کہ کیسے آپے سے باہر ہوتے ہیں۔ قرآن وحدیث تو کافروں کو کافر فرمائیں اور یہ ایسا کہیں۔ ولاحول ولا قوۃ إلا باللہ۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

حضور ﷺ اور مشائخ دین کے لیے بے ادبی کے الفاظ بولنا کفر ہیں

(۲۱) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

مکرم ومعظم جناب حضرت مولانا وبالفضل اولٰینا دام ظلہم وبرکاتھم علی سائر المسلمین۔

بعد از تسلیم نیاز آں کہ شہر ڈیرہ غازی خاں میں ایک شخص بنام عبید اللہ علوم شرعیہ سے بے بہرہ ہے، اور اخبار ورسائل مبتدعین کا مطالعہ کر کے امور حسب ذیل کا اعتقاد رکھ کر لوگوں میں ترویج دیتا ہے۔

(۱) جن الفاظ کو علمائے کرام باعث سوء ادب یا موہم سوء ادب فرماتے ہیں ان کا اطلاق حضور علیہ الصلاۃ والسلام پر بلاتحاشا بولنا اپنا ایمان سمجھتا ہے، بلکہ منع کرنے والوں کو کمال گستاخی سے ذکر کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ حقیقت محمدی بشریت ہے۔

(۲) صوفیائے کرام کو فرقہ غالیہ کے ساتھ نامزد کر کے ان کو بھی یہود ونصاریٰ کی طرح کافر اور کبھی

ابن سبا یہودی کو اخص الخواص سے تعبیر کرتا ہے۔

(۳) صوفیاے کرام خصوصاً وجود یہ عظام کے کلمات نہ سمجھ کر ان کو اہل شرک سے سمجھتا ہے۔

(۴) اطاعت رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو حقیقۃً اطاعت اللہ تعالیٰ نہیں سمجھتا۔

(۵) آیات شریفہ واحادیث کریمہ کے معانی غلط لکھ کر، مولویوں کا نام مصنوعی لکھ کر لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔

(۶) فتویٰ لکھ کر مولویوں کا نام مصنوعی لکھ کر مسلمانوں کو غلطی میں ڈالتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

بنابریں التماس ہے کہ ایسا شخص مومن صالح ہے یا فاسق؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہ؟ اور اس کے ساتھ تعلقات برادرانہ یا دوستانہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ فقط.

از ڈیرہ غازی خاں بلاک نمبر ۱۲ / مرسلہ حافظ محمد حبیب اللہ صاحب تاجر کتب

الجواب

بے شک حضور علیہ الصلاۃ والسلام بشر ہیں مگر لا کالبشر۔ اللہ وحدہ لاشریک لہ بے نظیر و بے ہمتا نے اپنے حبیب ومحبوب، طالب ومطلوب، رسول اکرم، سید بنی آدم، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بے نظیر اور بے مثیل و بے عدیل و یکتا و بے ہمتا مبعوث فرمایا۔ اس جان ایمان وایمان جان کو وہ صفات کمالیہ عطا فرمائے، جن میں اس کا شریک کسی کو نہ فرمایا۔ اپنی ہر صفت کا مظہر اتم، اپنی ذات مستجمع الصفات کا آئینہ اجلیٰ بنا کر بھیجا۔ خود وحدہ لاشریک لہ ہے، تو اپنے اس حبیب پاک صاحب لولاک کو بھی اس کی صفات میں وحدہ لاشریک ہی بنایا۔ پاکی ہے شریک سے اس سبوح وقدوس واحد و یکتا بے نظیر و بے ہمتا وحدہ لاشریک لہ جل جلالہ وعز شانہ تبارک وتعالیٰ کو جس نے اپنے اس سب سے اعلیٰ محبوب کو ایسا واحد و یکتا، بے نظیر و بے ہمتا، عدیم المثل فی الصفات العلیا بنایا کہ اس کو بھی شریک سے منزہ و پاک فرمایا۔ امام محمد بوصیری قدس سرہ فرماتے ہیں:

منزه عن شريك في محاسنه — فجوهر الحسن فيه غير منقسم(۱)

آپ کے محاسن واوصاف میں آپ کا کوئی شریک نہیں آپ کا جوہر حسن غیر منقسم ہے۔ (مترجم)

سوے ادب سخت بدنصیبی ہے، توہین کرنے والا تو بالاتفاق کافر ہے، از راہ توہین بشر بشر کرنے والا وہابی انہیں کافروں کی طرح ہے جو انبیا کو بشر بشر کہتے تھے۔ مثنوی شریف میں حضرت عارف رومی

(۱) (دیوان البوصیري : ۱/۲۴۱) (۲) (موسوعة الشعر الإسلامي :۲/۵۶۸)

قدس سرہ فرماتے ہیں:

کافراں دیدند احمد را بشر — چوں نہ دیدند از وے آں شق القمر

کافروں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشر سمجھا۔ انہوں نے معجزہ شق القمر کی جانب نظر نہیں کی۔ (مترجم)

خاک زن بر دیدۂ حس بین خویش — دیدۂ حس دشمن عقل ست وکیش

بے حس انسان اپنی بے حسی کی بنا پر عقل اور دین کا دشمن ہے۔ (مترجم)

دیدۂ حس را خدا اعماش خواند — بت پرستش خواند چند ماش خواند

بے حس کو خدا آشوب چشم کا مرض دے، بت پرست کرے اور مونگ کے دانوں کی طرح بکھیرے۔

زانکہ او کف دید دریا را ندید — زانکہ حالی دید فردا را ندید

اس لیے کہ اس نے ہتھیلی کو دیکھا دریا کو نہ دیکھا کیوں کہ اس نے آج کو دیکھا کل کو نہ دیکھا۔ (مترجم)

خواجۂ فردا و حالی پیش او — او نمی بیند ز گنجی خبر بتو

کل اور آج کا سردار اس کے سامنے ہے وہ تیری خبر دینے سے نہیں سمجھتا ہے۔ (مترجم)

ذرۂ زاں آفتاب آزر بام — آفتاب آں ذرہ را گردو غلام

ذرہ اس آفتاب کی مصیبت کا شکاری ہے جو آفتاب اس ذرہ کا غلام ہو گیا۔ (مترجم)

قطرۂ کز بحر وحدت شد سفیر — ہفت بحر آں قطرہ را باشد اسیر

وحدت کے سمندر کا قطرہ ایلچی ہو گیا سات سمندر اس قطرہ کے قیدی ہو گئے۔ (مترجم)

گر کف خاکی شود چالاک او — پیش خاکش سر نہد افلاک او

اگر انسان کی ہتھیلی چالاک ہو جائے تو اس کی خاک کے آگے آسمان سر رکھ دے۔ (مترجم)

قرآن عظیم نے اس بشر ہی کہنے کے سبب ان پر قیامت قائم فرمائی:

''حیث قال عز من قائل: قالوا:

﴿مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ﴾(۱)

---

(۱) [سورۃ یٰس: ۱۵]

آپ ہماری ہی طرح بشر ہو اور اللہ تعالیٰ نے کچھ نازل نہ فرمایا۔

حضرت عارف نامی مولانا جامی قدس سرہ السامی کا ارشاد گرامی ہے:

توجان پاکی سر بسر نے آب وخاک اے نازنیں　　　واللہ زجان ہم پاک تر روحی فداک اے نازنیں

اے میرے محبوب (رسول خدا) تم سر سے پیر تک پاکیزہ جان ہو نا کہ آب وخاک کے پتلے، قسم خدا کی تم تو جان سے بھی زیادہ پاک ہو، میری جان تم پر فدا ہے، اے میرے آقا۔ (مترجم)

یہ ہے کہ جسے کہا جاتا ہے کہ حضور سر قدرت ہیں۔ حضور جیسے ہیں اس حقیقت تک کسی کو رسائی نہیں۔ خود ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: اور کس سے؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنہیں سب سے زائد حضور کی معرفت حاصل ہوئی: ((یا أبا بکر لم یعرفني حقیقة غیر ربي.))

اے ابو بکر میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کسی نے نہ جانا۔ (مترجم)

امام عارف باللہ سیدی عبدالرؤف مناوی قدس سرہ تیسیر شرح جامع صغیر میں زیر حدیث: "

((کنت أول الناس في الخلق وآخرهم في البعث.))(۱)

فرماتے ہیں: ((بأن جعله الله حقیقة تقصر عقولنا عن معرفتها."(۲)

میری تخلیق تمام انسانوں سے پہلے اور بعثت بعد میں ہوئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی حقیقت بنایا جہاں تک ہماری عقلوں کی رسائی نہ ممکن ہے۔ (مترجم)

نیز اسی میں فرمایا:

((لم یدرك الأنبیاء حقیقة صفاته علیه الصلاة والسلام فکیف بغیرهم.))

آپ کے اوصاف کی حقیقت انبیا نہ جان سکے تو دوسرے لوگ کس طرح جان سکتے ہیں۔ (مترجم)

اسی لیے فقیر نے ایک غزل نعت میں عرض کیا ہے:

کوئی کیا جانے جو تم ہو خدا ہی جانے کیا تم ہو　　　خدا تو کہہ نہیں سکتے مگر شان خدا تم ہو

ایک دوسری غزل میں عرض کیا:

حقیقت سے تمہاری جز خدا اور کون واقف ہے　　　کہے تو کیا کہے کوئی چنیں تم ہو چناں تم ہو

---

(۱)　[تیسیر شرح جامع صغیر باب حرف الکاف، حدیث: ۶۴۲۳: ۴۷۸]

(۲)　(التیسیر بشرح الجامع الصغیر: حرف الکاف۔ ۲/۲۲۴)

مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام خدا ہیں، یا خدا ان میں حلول کیے ہے۔ حلول واتحاد نرا الحاد ہے، اس کا کوئی مسلمان رہ کر قائل نہیں ہو سکتا، اور شامت نفس سے کوئی قائل ہو تو مسلمان نہیں رہ سکتا۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام مظہر ذات الٰہی ہیں۔ حضور کی بشریت عظمٰی سے ہماری بشریت کو کیا نسبت۔ تو جو اپنی طرح انہیں بشر جانتا ہے اس سرکار سر ہر کار کی شان رفیع گھٹاتا ہے، اور کھلی توہین کرتا ہے۔ والعیاذ باللہ . واللہ تعالیٰ أعلم۔

(۲) حضرات صوفیائے کرام کو ایسا کہنے والا خود ہی ایسا ہے، اس پر توبہ لازم ہے۔ خدا اسے ہدایت بخشے۔ توفیق توبہ دے۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

(۳) حضرات صوفیہ کرام کو ان کا کلام نہ سمجھ کر انہیں مشرک کہنے والا اس سے ڈرے، معاذ اللہ اس کا خاتمہ برا ہو اور وہ اس وبال میں مشرک ہو کر مرے۔ زمانہ حال کے جہال، صوفی بننے والے متصوفہ نقال کی بعض تمام تر بے ہودہ ہزلیات اور واہی تباہی سفہی کلمات کا حکم آخر ہے۔ نہ وہ حضرات صوفیا میں داخل ہیں، نہ ان کے کلمات کو کلمات صوفیائے کرام کا حکم شامل۔ بلکہ اگر جاہل، صوفی بننے والا حضرات صوفیا کے وہ کلمات جو ان کی اصطلاح پر بالکل حق وصدق ہیں، بے سمجھے بکے اور ان کے ظاہری معنی مراد لے تو زندیق ہے، کہ صوفی محقق ہے۔ اور اس کا جاہل مقلد نقال زندیق۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

(۴) جو ایسا ہے کافر ہے کہ قرآن اطاعت رسول کو اطاعت الٰہی فرما رہا ہے کہ فرماتا ہے:

﴿مَّنۡ يُطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾(۱)

جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

یہ آیت اگر نازل نہ ہوئی ہوتی جب بھی اطاعت رسول قطعاً اطاعت الٰہی تھی کہ رسول کی اطاعت یوں ہی کی جاتی ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ نیز اللہ عزوجل نے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے:

﴿أَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَأَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ﴾(۲)

اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو۔

پھر اگر حضور کی اطاعت کو غیر اطاعت الٰہی جانتا ہے تو فرض بھی مانتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کافر ہے کہ قرآن عظیم نے ان کی اطاعت فرض فرمائی، کہ ارشاد ہوا: ''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور اگر فرض مانتا ہے اور اسے غیر اطاعت خداوندی مانتا تو بھی۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

---

(۱) [سورۃ النساء: ۸۰] (۲) [سورۃ التغابن: ۱۲]

(۵) جو ایسا کرتا ہے مستحق نار، مستوجب غضب جبار، مبتلائے قہر قہار ہے۔

قرآن عظیم فرماتا ہے:

﴿لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ﴾(۱)

اور فرماتا ہے:

﴿إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾(۲)

اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک کردے جھوٹ، بہتان وہی باندھتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے۔

حدیث میں ہے:

((من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار.))(۳)

جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا، تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ (مترجم)

اللہ عزوجل اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عمداً افترا مسلمان کا کام نہیں۔ دھوکہ دینا حرام ہے۔

حدیث میں ارشاد فرمایا: ((ليس منا من غشنا.))(٤) واللہ تعالیٰ أعلم۔

ہم کو دھوکہ دینے والا ہم میں سے نہیں۔ (مترجم)

(۶) حرام کار ہے، مفتری ہے، کیاد ہے، مکار ہے، شدید گنہ گار ہے، حق اللہ اور حق العبد دونوں میں گرفتار ہے، سخت شدید مجرم خاطی، غلط کار، ظالم ستم گر جفا شعار، کھلے فساق وفجار میں اس کا شمار ہے۔ بلکہ اپنے ان بعض کفریات کی بنا پر وہ داخل زمرہ کفار ہے۔ والعیاذ باللہ، واللہ تعالیٰ أعلم۔ اس کے پیچھے نماز سے احتراز کیا جائے جب تک توبہ نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

---

(۱) [سورة طه:٦١]

(۲) [سورة النحل:١٠٥]

(۳) [صحيح البخاري: باب إثم من كذب على، ١/٣٣]

(٤) (مصنف ابن أبي شيبة باب ما ذكر في الغش، ٤/٥٦٣)

بعض کفر بالکل ہی ظاہر ہوتے ہیں ان میں مفتی کے فتویٰ کی حاجت نہیں

(۲۲) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

بحضور سراپا عطوفت، مرکز دائرۂ کرامت، سرچشمۂ جود وعنایت، حامی سنت، ماحی بدعت، سیدی ومولای الافخم۔ دامت برکاتہم العالیہ مادامت الانجم۔

بعد تسلیمات اخلاص وتمنائے قدم بوسی معروض بارگاہ۔

آج کل افتخار الحق رہتکی مصنف ''حامض الاسنان'' اس امر کی بڑی پر زور اشاعت کر رہا ہے کہ دنیا میں میری تکفیر کرنے والی صرف شاہ علی حسین صاحب کی ذات ہے، جو صاحب فتویٰ نہیں ہیں اور ایک شخص کی صدا نہ قابل توجہ اور نہ قابل اعتماد۔ ہاں وہ علمائے بریلی کہ حق گوئی اور افتا جن کا حق وحصہ ہے، اور ان کے قلم ایسی حق گوئیوں میں شمشیر بے نیام ہیں، اور اظہار حق اور ادماغ باطل میں سب سے پیش پیش ہیں، ساکت ہیں میرے معاملہ میں۔ اور ان حضرات کی تحریر وتقریر سے میرا کفر ہرگز ثابت نہیں ہے۔ اور یہ فتنہ نہایت جوش کے ساتھ کلکتہ میں گشت کر رہا ہے۔ لہذ اللمولی الکریم دست اعانت بڑھا کر اس ضلالت کو فرو فرمایا جائے، اور تحریر پر تنویر سے اس شبہہ کا ازالہ فرمایا جائے۔

مرسلہ جناب مولوی عظیم اللہ صاحب نعیمی گورہٹی مسجد ڈاک خانہ انکس ضلع ہگلی۔

الجواب

افتخار الحق صاحب رہتکی کی یہاں سے تکفیر ہوئی اور شائع ہوئی۔ یہاں کا رسالہ ''پشت خار'' چھپ کر ملک میں شائع ہو چکا ہے۔ آہ زمانہ کی حالت اب یہ ہے کہ ایسے واضح فاضح کفریات پر بھی جب تک کوئی شخص کفر کا فتویٰ نہ دے لوگ انہیں کفر اور قائل کو کافر نہیں جانتے۔ نہیں نہیں ایک دو نہیں لاکھ کفر کے فتوے دیجیے مگر پھر بھی لوگ نہیں مانتے۔ اور یہی کہے جاتے ہیں سو میں سے ننانوے باتیں بھی کفر کی ہوں ایک اسلام کی ہو جب بھی کافر نہیں کہنا چاہیے۔ اس غلط وباطل دعویٰ کو دین کا فتویٰ سمجھا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ والیہ المشتکی، فتویٰ دینے والے ہی کے سر ہوتے ہیں، اسی کو مجرم ٹھہراتے ہیں، گویا ان کے نزدیک کفر بکنا کوئی جرم نہیں، کافر کہنا جرم ہے۔ ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلي العظیم۔

وہ امر جس کا کفر ہونا بدیہی ہو، روز روشن کی طرح آشکار ہو، وہ جب ہی کفر ٹھہرے گا جب کوئی

صاحب فتویٰ اسے کفر بتائے گا؟ صاف صاف غیر خدا کی خدائی کا ادعا و اقرار بھی کفر نہیں، تو یارب اور کفر کیا ہوگا؟ شاہ علی حسین صاحب فتویٰ نہیں تو مسلمان تو ہیں، انہیں کفر واسلام میں امتیاز تو ہے، ایک بات جو کھلی کفر ہے، جو کسی طرح اسلام نہیں، اسے ہر مسلمان کفر کہے گا۔ عالم وغیر عالم اس میں برابر ہیں۔ اور یہ کفر تو اخبث کفر ہے، جسے ایک عامی بھی کفر بتائے، چہ جائے کہ شیخ وعالم۔ فرعون ونمرود کے کفر کو کون کفر نہیں جانتا، پھر کیا ان کا کفران کی شخصیتوں کے ساتھ خاص تھا، کہ وہ انہوں نے کیا تو اس لیے کہ وہ فرعون نے کیا کفر ہوا، دوسرا کوئی بھی وہ کفر کرے کفر نہیں؟ کہ وہ خاص فرعون ونمرود نہیں۔ حضرت شاہ صاحب مد ظلہم کی خلافت تو معتبر اور دستاویز بنانے کے لائق تھی، مگر جب انہوں نے حقیقت حال سے اطلاع پا کر خلافت بوجہ کفر رد فرمادی تو یہ لائق اعتبار نہیں، حضرت شاہ صاحب لائق اعتماد نہیں۔ مفتی کا فتویٰ تو اکثر بعد استفتا ہوتا ہے۔ پھر کیا اگر کسی کھلے سے کھلے، اشد واخبث کفر بکنے والے کے کفر کے متعلق کوئی استفتا نہ ہو، مفتی کو اس کے کفر بکنے کی اطلاع نہ ہو، اور وہ فتویٰ کفر نہ دے، اس سے وہ کفر کفر نہ ہوگا؟ کفر تو کفر ہی ہے اگرچہ عالم بھر میں کوئی فتویٰ اس کے متعلق نہ ہو۔ بہت وہ کفریات ہوتے ہیں جنہیں جاہل سا جاہل بھی مانتا ہے، وہ لائق استفتا نہیں ہوتے، تو کیا ایسے تمام اخبث ترین کفریات کفر نہ ہوں گے۔ کہ ان کے کفر ہونے کا مفتی نے فتویٰ تو دیا ہی نہیں۔ ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم۔

مولوی اشرف علی تھانوی پر علمائے عرب وعجم کی طرف سے کفر کا فتویٰ

(۲۳) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

مطابق مذہب حنفی اشرف علی تھانوی کو کیا کہنا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

از فرید پور۔ بنگال۔ مرسلہ مولوی عبدالمجید صاحب قادری رضوی سلمہ۔ جمادی الاولیٰ ۵۴ھ۔

الجواب

علمائے عرب وعجم نے شخص مذکور کو اس بنا پر کافر کہا کہ اس نے حضور پرنور محبوب رب العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ایسی صریح گستاخی کی اور کھلی گالی دی جس میں اصلا تاویل ممکن نہیں۔ برسہا برس سے وہ اس کے حواری سب سر جوڑ کر تاویل کی کوشش کیا کیے مگر ناکام ونامراد رہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے، اور کوئی کچھ۔ اور سب بے ہودہ پادر ہوا، محض لغو و باطل پوچ لچر۔ اس کی اس صریح توہین پر کہ اس نے اپنے حفظ الایمان، ص:۷، پر کی:

''پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سے مراد بعض ہے یا کل۔ اگر بعض ہے تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید وعمرو وبکر بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لیے بھی حاصل ہے''۔

لاریب یہ کفر صریح ہے اور سخت تر دشنام حضور سید الانبیا علیہ الصلاۃ والسلام مادامت اللیالی والایام کی شان رفیع میں۔ شخص مذکور نے مدتہامدت بعد ایک چورقی کتاب شائع کی جس کا نام ''بسط البنان لکف اللسان عن کاتب حفظ الإیمان '' اس میں لغو باطل تاویلات کیں۔ کفر واضح وفاضح سے توبہ نصیب نہیں ہوئی۔ اس کتیبا کے دور دجھی ۳۰ھ میں ''وقعات السنان'' ''إدخال السنان '' شائع کردیے گئے۔ جو بحمدہ تعالیٰ اب تک لاجواب ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک لاجواب رہیں گے۔ اور حق کے مقابل باطل کب جم سکتا ہے۔ آفتاب حق کے طلوع کرتے ہی ظلمات باطل دور ہوجاتی ہیں۔ ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾(۱) کا جلوہ آشکار ہوتا ہے۔ ''وقعات السنان '' اور ''إدخال السنان '' میں روز روشن سے زائد اس قول قبیح کا کفر صریح ہونا واضح کردیا۔ ''وللہ الحجۃ البالغۃ''۔

علمائے حرمین محترمین نے کفر مذکور کی نسبت فرمایا ہے: جو اس کے اس قول بدتر از بول پر مطلع ہوکر اس کے کافر اور مستحق عذاب ہونے میں شک کرے خود کافر ''من شک في کفرہ وعذابہ فقد کفر۔ '' علمائے حرمین کا فتویٰ جسے دیکھنا ہو وہ ''حسام الحرمین'' دیکھے اور ہند وسندھ وپنجاب وغیرہ کے علما کا متفقہ فتویٰ جسے ملاحظہ کرنا ہو وہ ''الصوارم الھندیۃ '' ملاحظہ کرے۔ اور شخص مذکور اور اس کے حواریوں کے دھوکے اور فریبوں سے جسے بچنا اور ان کی تاویلات رکیکہ باطلہ کی دھجیاں جسے اڑانا ہو وہ ''وقعات السنان '' وغیرہ دیکھے۔ وباللہ التوفیق وھو تعالیٰ أعلم۔

(۲۴) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید نے غیر مقلدین کے سوال پر جو کہ احکام فقیہ کو اختراعات ائمہ بتاتے ہیں، اور فقہیات کو کہتے ہیں کہ یہ خدا اور رسول کے حکم نہیں ہیں، حلفاً بیان دیا کہ ''صرف قرآن وحدیث پر چلنے والا آدمی کامل مسلمان نہیں، اور اسلام کی ضروری باتیں قرآن وحدیث میں تفصیلاً نہیں پائی جاتی ہیں، ان میں سے اکثر

(۱) [سورۃ الاسراء: ۸۱]

بالتفصیل تو پائی جاتی ہیں، مگر بتمامہ نہیں''۔ زید کے جواب کو علمائے اہل سنت و جماعت صحیح بتاتے ہیں۔ عمرو کہتا ہے کہ زید نے قرآن وحدیث کو ناقص بتایا، اس نے غیر ضروری باتیں اور لغو باتیں قرآن میں ہونا ثابت کیں، کتب فقہ کو قرآن وحدیث سے بالاتر مانا، صرف قرآن وحدیث پر عمل کرنے والے کو کامل مسلمان نہ سمجھا، قرآن کو تمام ضروری باتوں سے خالی بتایا۔ لہذا زید اسلام سے خارج ہوا، اس پر مرتدین کے احکام صادر ہونا چاہیے۔ اب مفتیان دین سے عرض ہے: آیا زید کا حلف اور علما کی تصویب صحیح ہے یا عمرو کا قول؟ بینوا توجروا۔

از بدایوں شریف مدرسہ قادریہ مرسلہ مولوی محمد ابراہیم صاحب سمستی پوری در بھنگوی، ۲۰؍ جمادی الآخرہ ۱۳۵۴ھ۔

الجواب

زید نے جو کہا اس کا مطلب درست ہے، بالکل حق وصواب ہے۔ مگر یہ لفظ قلب پر گراں ہے کہ صرف قرآن وحدیث پر چلنے والا کامل مسلمان نہیں۔ غیر مقلد جنھوں نے تکفیر مسلمین کو اپنا فرض اولین سمجھا ہے وہ زید پر کیوں نہ فتوائے کفر وارتداد دیں گے، ان کے کفر وشرک کی بوچھار سے مسلمانوں میں کون ہے جو بچ رہا ہے۔ تمام امت: حضرات صحابہ، بلکہ خود حضور پرنور ختمی مرتبت خاتم نبوت۔ علیہ وآلہ وصحبہ افضل الصلاۃ والتحیۃ۔ بلکہ خود اللہ رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ۔ ''حبک الشيء یعمي ویصم'' تکفیر کا شوق دیکھیے۔ کیسا اندھا کیا۔ زید کے کون سے حرف سے یہ نکلا کہ قرآن وحدیث میں غیر ضروری لغو باتیں ہیں؟ زید نے کب قرآن کو تمام ضروری باتوں سے خالی بتایا؟ زید نے کب قرآن وحدیث کو ناقص ٹھہرایا؟ زید نے کہاں کتب فقہ کو قرآن وحدیث سے بالاتر مانا؟ اندھوں کو دن میں سورج نظر نہ آئے تو کوئی کیا کرے، تفصیلاً اور بالتفصیل جسے نظر نہ آئے اس کی آنکھوں پر غشا وہ نہیں تو کیا ہے؟ زید پر تو غیر مقلدین کا نرا افترا اور کھلا خبیث بہتان ہے۔

مگر ہاں وہ غیر مقلدین جو زید کو یہ کہتے ہیں، ان پر ضرور انہیں کے منہ یہ الزام قائم کہ وہ صرف قرآن کو کافی نہیں جانتے، قرآن کو ناقص مانتے ہیں، حدیث کو قرآن سے بالاتر نہ سہی اس کے برابر مانتے ہیں۔ ''حدیث، حدیث قدسی وارشاد نبوی وآثار صحابہ سب کو شامل''۔ غیر مقلدین اپنے اس قول کی بنا پر قرآن میں (معاذ اللہ) غیر ضروری اور لغو باتیں ماننے والے ہوئے، قرآن کو تمام ضروری باتوں سے خالی جاننے والے۔ لہذا وہ خود اپنے منہ کافر ومرتد وخارج از اسلام ہوئے۔ زید کو جواب یوں دینا تھا کہ غیر مقلدین سے سوال کرتا کہ تمہارے نزدیک صرف قرآن پر چلنے والا مسلمان ہے یا نہیں جو جواب غیر مقلد

اس سوال کا دیتے، وہی جواب ہماری جانب سے اپنے سوال کا سمجھ لیتے۔ غیر مقلدین، امام بخاری، داؤد ظاہری، ابن قیم، ابن تیمیہ، ابن حزم، اور شوکانی کے اقوال پر سر منڈاتے، انہیں قرآن وحدیث سے بالاتر جانتے ہیں۔ آدمی اپنے ہی احوال پر کرتا ہے، قیاس، ''المرء یقیس علیٰ نفسہ'' ساون کے اندھوں کو ہرا ہی ہرا سوجھتا ہے۔ آئینے میں اپنی ہی شکل دیکھی اور زید پر اپنے عیوب کا الزام لگا کر کافر، مرتد، خارج از اسلام کہہ ڈالا۔ ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم، واللہ تعالیٰ أعلم۔

شراب، زنا اور جوئے کی حرمت قطعی ہے جس کا منکر کافر

مسئلہ: (۲۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

اگر کوئی شخص کسی کو از روئے تنبیہ یہ کہے کہ شراب پینا اور تاش کھیلنا یعنی جوا کھیلنا بمقابلہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے کے ہے۔ یعنی جس طرح ماں کے ساتھ انسان زنا کو حرام سمجھتا ہے اسی طرح شراب تاش جوا کھیلنے کو بھی حرام سمجھے اور بچے۔ ایک مرتبہ مولانا کفر توڑ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی جملہ کو دوران تقریر میں بیان فرمایا تھا کہ شراب پینا اور تاش یعنی جوا کھیلنا بمقابلہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے کے ہے۔ زید کہتا ہے کہ اس جملے کا کہنے والا خارج از اسلام ہو گیا۔ اب اسے تجدید ایمان کرنا چاہیے۔ آیا یہ قول زید صحیح ہے؟ اگر صحیح نہیں تو کیا یہ شرابیوں اور جواریوں کی اعانت نہ ہوئی۔ کیا یہ شریعت مصطفویہ کے اندر رخنہ اندازی نہیں ہوئی۔ آیا اس جملے کے کہنے پر خارج از اسلام بتانے والا از روئے شریعت مطہرہ کیسا ہے؟ مدلل جواب سے سرفراز فرمائیں۔

از ہوڑہ کلکتہ مرسلہ محمد رفیق صاحب سردار معرفت مولوی عبد المجید در بھنگی۔

الجواب

واللہ الموفق للصواب۔ زید کا قول غلط ہے کیوں کہ شراب اور جوا اور زنا تینوں کی حرمت قرآن مجید سے ثابت ہے جس کا منکر کافر ہے۔

لقولہ تعالیٰ: ﴿یٰأَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُونَ﴾(۱)

---

(۱) [سورۃ المائدۃ: ۹۰]

شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں، شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا۔

لہذا حرمت میں یہ دونوں اشیا مثل ماں سے زنا کرنے کے ہیں، بلکہ حدیث میں ہے کہ سود کے ستر دروازے ہیں، ان میں سب سے آسان یہ ہے کہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔ رواہ ابن ماجه في سننه۔

لہذا زید اپنے قول مذکور کی وجہ سے سخت گنہ گار ہوا۔ اس کو توبہ کرنا چاہیے۔

حدیث میں ہے:

((أيما رجل قال لأخيه كافر فقد باء بها أحدهما)) أخرجه البخاري في صحيحه ۔(۱)

یعنی جو شخص اپنے بھائی کو کافر کہے تو بے شک ایک ان دونوں میں سے کفر کے ساتھ لوٹتا ہے۔ واللہ أعلم۔

کتبہ: السید محمد عمیم الاحسان المجددی البرکتی عفی عنہ

الجواب:۔ بے شک سود کا ایک درہم لینا چھتیس زناؤں سے خطیہ میں بڑھ کر ہے۔ بے شک سود لینا اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بدتر ہے۔

حدیث میں ہے:

((الربوا سبعون جزأ، أيسرها أن ينكح الرجل أمه))(۲)

سود کی ستر قسمیں ہیں، ان میں سب سے آسان یہ ہے کہ مرد اپنی ماں سے زنا کرے۔ (مترجم)

ایک حدیث میں ہے: ((الربا اثنان وسبعون باباً أدناها مثل إتيان الرجل أمه))(۳)

سود کے بہتر دروازے (درجے) ہیں ان میں سب سے چھوٹا درجہ یہ ہے کہ مرد اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔ (مترجم)

ایک حدیث میں ہے:

((الربا ثلاثة وسبعون باباً أيسرها مثل أن ينكح الرجل أمه))(٤)

---

(۱) [صحيح البخاري كتاب الأدب باب الصبر والأذى: ۲/۹۰۱]

(۲) [مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الربا: ۲٤۷]

(۳) [الترغيب والترهيب: ۳/۸]

(٤) [الترغيب والترهيب: ۳/٦]

سود کے ستر دروازے (حصے) ہیں سب سے آسان اپنی ماں سے نکاح کرنا ہے۔(مترجم)

اور ایک حدیث میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

((إن الدرهم يصيبه الرجل من الربا أعظم عند الله من ست و ثلاثين زنية يزنيها الرجل))(١)

سود کے ذریعہ حاصل ہونے والا ایک درہم گناہ میں ستر زنا سے بڑھ کر ہے۔(مترجم)

اور فرماتے ہیں:

((أهون الربوا كالذي ينكح أمه.وإن أربى الربا استطالة المرء في أرض أخيه.))(٢)

سود کا آسان درجہ یہ ہے کہ مرد اپنی ماں سے زنا کرے، نیز سب سے بڑا سود انسان اپنے بھائی کی زمین کا لمبے زمانے تک استحصال کرتا ہے۔(مترجم)

پہلی حدیث کے نیچے علامہ مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تیسیر میں فرماتے ہیں:

"فيه وما قبله إن الربا من أعظم الكبائر، قال بعضهم، وهي علامة على سوء الخاتمة."(٣)

اسی میں اور اس پہلی والی حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے کہ سود سب سے بڑا گناہ ہے، اور بعض کا قول تو یہ ہے کہ یہ سوءِ خاتمے کی علامت ہے۔(مترجم)

ان حدیثوں سے اس کا ثبوت ہے کہ ربا اعظم الکبائر ہے، بعض علما نے فرمایا: کہ وہ سوءِ خاتمہ کی علامت ہے۔ اور شراب بھی زنا سے بدتر ہے۔ وہ ام الخبائث ہے، وہ مزیل عقل وحواس ہے، زنا مزیل عقل وحواس نہیں ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ جوئے کی حرمت زنا کی حرمت کی طرح ہے۔ یہ بھی حرام قطعی، وہ بھی حرام قطعی۔ زید جھوٹا ہے۔ مسلمانوں کی ناحق تکفیر کرتا ہے، اپنے دل سے فتویٰ گڑھتا ہے، مستحق لعنت ملائکہ سموات وارض ہے، مبتلائے قہر وغضب الٰہی، مستوجب عذاب نامتناہی ہے۔ اس پر توبہ لازم ہے، توبہ کرے، اور تجدید ایمان ونکاح اگر بیوی رکھتا ہو۔ واللہ الموفق وهو تعالیٰ أعلم۔

---

(١) [الترغيب والترهيب: ٧/٣]

(٢) [مصنف عبد الرزاق: باب ماجاء فى الربا، ٣١٤/٨]

(٣) [التيسير بشرح الجامع الصغير: حرف الراء، ٣٩/٢]

نماز کی تحقیر کرنے والا کافر اور اس سے قطع تعلق فرض

(۲۶) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ایک شخص کو نماز کی تاکید کی جاتی ہے حالاں کہ ان لوگوں نے اس شخص مذکور کو کبھی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اب جو اس کو کہا گیا کہ بھائی ہمارے یہاں سب لوگ نماز کو جاتے ہیں، آپ بھی مہربانی کر کے اگر نماز کی طرف توجہ کریں تو بہت اچھی بات ہے۔ اس نے اس کے جواب میں کہا کہ ہزاروں نماز کے ولولے دیکھے۔ اور ایک مہینہ کے بعد تمہیں بھی سلام کر لیں گے۔ ہمارے چار پانچ بچے ہیں، ہم ان کی پرورش کرتے ہیں، یہ بھی عبادت ہے، اور کہا کہ مجھے معاف کیجیے مجھ سے نماز کی پابندی نہیں ہو سکتی ہے۔ تو ان لوگوں نے یہ جواب دیا کہ اور نوٗں دنیا میں ایسے نہیں، جو تم سے زیادہ اولاد زندہ رکھتے ہیں، اور باوجود فاقہ کشی کے ہر وقت پنج گانہ نماز ادا کرتے ہیں، تو شخص مذکور نے جواب دیا کہ بہت سے لوگ توکل خدا پر مر گئے، اور نماز میں کچھ نہیں ملا۔ پھر وہ لوگ خاموش ہو کر چلے آئے۔ اب شرعاً شخص مذکور کے حق میں کیا حکم ہے؟۔

از بریلی محلہ بھوڑ مرسلہ منصور حسین صاحب۔ ۱۷ر جمادی الاولیٰ یوم جمعہ ۱۳۵۵ھ۔

الجواب

اس بدنصیب پر توبہ وتجدید ایمان وتجدید نکاح لازم ہے، اگر وہ توبہ نہ کرے اور نماز کا پابند نہ ہو تو اس سے میل جول، سلام کلام قطعاً موقوف کر دیا جائے، اگر وہ معاذ اللہ بے توبہ کیے مر جائے تو مسلمانوں کی قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔ نماز دین کا ستون ہے، جو نماز پڑھتا ہے دین کو قائم رکھتا ہے، اور قصداً ترک کرتا ہے دین کو ڈھا دیتا ہے۔ مسلم وکافر کے درمیان فارق نماز ہے۔ یہ سب حدیث کا ارشاد ہے۔

حدیث میں ہے:

الصلاة عماد الدين، فمن أقامها فقد أقام الدين، ومن تركها فقد هدم الدين۔

نماز دین کا ستون ہے تو جس نے نماز پڑھی اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے ترک کر دی اس

---

(۱) [شعب الایمان: الصلوۃ، ۴/۳۰۰]

نے دین کو ڈھادیا برباد کردیا۔(مترجم)

دوسری حدیث میں ہے:

((الفرق بين العبد و بين الكفر ترك الصلاة))(۱)

ایمان اور کفر میں فرق ترک نماز کا ہے۔(مترجم)

تیسری حدیث میں ہے:

((من ترك الصلاة متعمداً فقد كفر))(۲)

جس نے نماز قصداً ترک کی وہ کفر کے قریب پہنچ گیا۔(مترجم)

محض ترک صلاۃ پر حدیثوں میں ایسا ارشاد ہوا۔ جو شخص نماز سے انکار کرتا ہے وہ بھی ایسا کہ بہت لوگ توکل خدا پر مر گئے، اور نماز میں کچھ نہیں ملا۔ اس بدنصیب پر اشد غضب الٰہی ٹوٹتا ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالیٰ**۔ اس بدنصیب کو نماز سے کچھ نہ ملنا نظر آیا، مگر قرآن وحدیث سے پوچھو کہ نماز سے لااقل اتنا تو نقد وقت ہوتا ہے کہ نماز بے حیائیوں اور ناجائز باتوں سے روکتی ہے، اور دین کو استوار رکھتی ہے، مسلم وکافر میں فرق کرتی ہے۔ اس سے بڑھ کر اس بدنصیب کے نزدیک اور کیا ہے جسے کہتا ہے کہ نماز سے کچھ نہ ملا۔ اندھے کو آفتاب نہ سوجھے تو کوئی کیا کرے۔ اس کا یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اندھا کہے مجھے آفتاب سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ وہ فائدہ اسی کو سمجھتا ہے کہ اسے نظر آئے۔ جو نظر نہ آئے وہ اس کے نزدیک فائدہ ہی نہیں۔ یا دنیا ملنے کے لیے نماز پڑھتا ہے اگر نماز پڑھنے سے دنیا ملتی نظر آتی۔ مگر اندھے کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ برکت کوئی ایسی چیز نہیں جسے آنکھوں سے دیکھ سکے، نماز پڑھنے سے ضرور برکات دنیا بھی ملتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

کافر کو کافر نہ سمجھنے والے پر توبہ لازم ہے

(۲۷) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید کہتا ہے کہ کافر کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے، اس کا مقصد کیا ہے، کیا مسلمان اپنے آپس میں

---

(۱) [مشکاۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ:۵۸]

(۱) [اتحاف السادة المتقين، كتاب أسرار الصلاة، الباب الأول في فضائل الصلوات:۳/۱۶]

برسبیل تذکرہ کسی کافر کو کافر نہ کہیں، یا اس کے سامنے اس کو کافر نہ کہیں، جیسا حکم ہو مطلع فرمایا جائے۔ دیگر عرض یہ ہے کہ وہ کون کون سے مشہور مذہب ہیں جن کے افراد کو کافر سمجھا جاتا ہے۔ بینوا توجروا۔

از: بریلی بڑا بازار مرسلہ فضل الرحمٰن صاحب، ۲۵ر شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ متصل مسجد سنیچر شاہ۔

الجواب

زید غلط و باطل کہتا ہے، اس پر توبہ لازم ہے، کافر کو کافر ہی سمجھا جائے گا۔ کافر ہی کہا جائے گا۔ مسلمانوں کو مسلمان ہی کہا جائے گا۔ ایک غلط بات جاہلوں کی زباں زد ہے۔ ''کافر کو کافر اس لیے نہ کہا جائے کہ اس کے خاتمہ کا حال معلوم نہیں، کیا معلوم کہ وہ آخر میں مسلمان ہو جائے''۔ احمق یہ نہیں سمجھتے کہ کافر کو کافر اس وقت اس کے کفر کے سبب کہا جاتا ہے، جب وہ مسلمان ہو جائے گا، اسے اس وقت کافر نہ کہا جائے گا۔ یوں تو کسی مسلمان کو بھی مسلمان نہ کہیں گے، کہ خاتمہ کا حال معلوم نہیں، کیا معلوم معاذ اللہ کسی مسلمان کہلانے والے کا خاتمہ کفر پر ہو۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ یہ وہ لوگ بکا کرتے ہیں جو اپنا مذہب صلح کل رکھتے ہیں۔ گائے کا گوشت کھانے والے، مسلمانوں کا سا نام رکھنے والے، بعضے کام مسلمانوں کے کرنے والے، ظاہر میں مسلمان بننے والے، چھپے منافق کیسے ہی کفریات بکیں ''انہیں مسلمان ہی سمجھو۔ مسلمان ہی کہو، کافر کو بھی کافر نہ کہنا چاہیے، یہ تو مسلمان کہلاتے ہیں''۔ ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم۔

یہ ان کی نئی شریعت ہے۔ شریعت پاک تو کافر کو کافر ہی کہنے کا حکم فرماتی ہے۔ وہ منافق جو حضور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے حضور حاضر رہتے، نمازیں روزے ہی نہیں رکھتے تھے، بلکہ حضور کے ساتھ جہاد بھی کرتے تھے۔ کافروں سے قتال کرتے تھے۔ اللہ عزوجل نے ان کا پردہ چاک فرما دیا۔ قرآن نے ان خبثا کو کافر فرمایا۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی مسجد پاک سے ایک ایک کو نکال دیا۔ یہ فرمایا کہ: ''أخرج فإنک منافق''۔

ایک منافق نے آپس میں کہا تھا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خبر دیتے ہیں کہ فلاں کی گم گشتہ ناقہ فلاں وادی میں ہے، انہیں غیب کی کیا خبر؟ وما یدریہ بالغیب. اللہ عزوجل نے اپنے حبیب و محبوب علیہ الصلاۃ والسلام کو اس کی خبر دے دی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: ﴿ولئن سألتهم ليقولن انما كنا نخوض ونلعب﴾ (۱)

---

(۱) [سورۃ التوبۃ: ٦٥]

اگر آپ ان سے دریافت فرمائیں گے، تو کذاب مکر جائیں گے، جھوٹے بہانے بنائیں گے، کہ ہم تو یوں ہی ہنسی دل لگی میں تھے، آپس میں کھیل کر رہے تھے۔

ان کی اس بکواس کا جواب بھی قرآن عظیم نے فرمادیا:

﴿لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾(۱)

تم فرمادو! جھوٹے بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے، اپنے (دعویٰ) ایمان کے بعد۔

دین اسلام کے علاوہ جو ادیان ہیں سب کفر ہیں، اور اسلام کے مدعیوں میں جو جو ضروریات دین سے کسی بات کے منکر ہیں وہ سب کافر ہیں۔ جیسے قادیانی، دیوبندی، وہابی، رافضی، بابی، نیچری، وغیرہم۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

گنگوہی کے کفریات پر اطلاع کے بعد اس کو کافر نہ سمجھنے والا بھی کافر

مسئلہ: (۲۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ....

ایک شخص مسمی سید احمد ذوقی جو اپنے آپ کو خلیفہ وارث حسین کوٹرا جہان آبادی کا کہتا ہے۔ اور وارث حسین اپنے آپ کو رشید احمد گنگوہی کا خلیفہ کہتا ہے، اور ذوقی اس وقت تک مہمان ہے اور زردہ پلاؤ قورما طرح طرح کا کھانا کھانے کے بعد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید مسمیٰ ابو القاسم جو بریلی شہر کہنہ محلّہ کبد ز میں رہتا ہے اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا خلیفہ بتا تا ہے، اور اپنی خانقاہ کو مسجد سے بہتر بتاتا ہے، اور کہتا ہے کہ حضور پر نور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، اور فرمایا: کہ تو بہت کمزور ہو گیا، تجھ کو نماز معاف ہے۔ ہر سال قوالی مزامیر کے ساتھ عرس میں کراتا ہے، اور خود سنتا، اور لوگوں کو سنواتا ہے۔ ذوقی نے مع چند دوستوں کے ابو القاسم کے ہاں جا کر مزامیر کے ساتھ قوالی سنی اور ذوقی کو ابو القاسم نے نہایت تعظیم وتکریم سے لیا، اور اپنی مسند ذوقی کے لیے چھوڑ دی اور اس پر اس کو بٹھایا، اور مجلس سماع گرم ہوئی، اور خوب گانا سنا۔ جو لوگ ایسے شخص کی تعظیم کریں اور اس کے مرید ہوئے، یا ابو القاسم کے مرید ہوئے، ایسے لوگوں سے بیعت ہونا چاہیے؟ یا ان کی تعظیم کرنا اور ان کو پیر بنانا، مرید ہونا بموجب شریعت مطہرہ کے جائز ہے یا ناجائز؟ حلال ہے یا حرام؟ اور جن لوگوں نے ان

---

(۱) [سورة التوبة: ٦٦]

کے ساتھ کھانا کھایا، اور سماع سنا ان کے واسطے کیا حکم ہے؟ اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یا صاحبزادہ مولانا مولوی حامد رضا خاں صاحب نے یا مولوی مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب نے ان کو یعنی ابوالقاسم کو خلیفہ کیا ہے، اور مرید کرنے کی اجازت دی ہے یا نہیں؟ برائے خدا جواب باصواب سے مع مہر اور دستخط کے مشرف فرمائیے اور سیدھے لوگوں، نادانوں اور بھولی بھیڑوں کو گمراہی سے بچائیے۔ بینوا توجروا۔

از شہر محلہ قلعہ مسئولہ امجد علی صاحب معرفت مختار احمد صاحب طالب علم
مدرسہ منظر اسلام، بریلی ۴؍رجب ۱۳۵۶ھ

الجواب

گنگوہی کی نسبت علمائے کرام حرمین طیبین کا فتویٰ مدت سے شائع ہے۔ بے شک گنگوہی اپنے ان کفریات قطعیہ کے سبب ایسا ہے کہ جو اس کے ان اخبث اشنع کفروں، یا ان میں سے کسی ایک ہی پر مطلع ہو کر اس کے کافر و مستحق عذاب ہونے میں ادنیٰ شک کرے، وہ بھی کافر۔ نہ کہ اسے پیر و پیشوا امام و مقتدا ماننے والا۔ اگر وہ شخص ادعا کرے کہ وہ محض بے خبر ہے، اسے آج تک اس کے ایسے اشنع حال کی اطلاع نہ ہوئی۔ نادانستہ وہ اس کے سلسلہ میں منسلک ہو گیا۔ تو آج گنگوہی کے کفریات اس پر پیش کیے جائیں، اگر انہیں دیکھ کر وہ بے تأمل اسے کافر مان لے اور اس سے بے زاری کا اظہار کر دے اور اس بیعت کو اب بیعت نہ مانے جب تو یہ سمجھا جائے کہ واقعی یہ شخص بے خبر تھا۔ اور اگر اب مطلع ہو کر بھی اس کے کافر و مستحق عذاب ہونے میں شک کرے تو وہ اسی کی رسی میں گرفتار ہے۔

ابوالقاسم نہ ابن القاسم نہ قاسم اس نام کا کوئی شخص اعلیٰ حضرت کا خلیفہ نہیں۔ اس سے اس کی کیا شکایت کہ وہ اپنی خانقاہ کو مسجد سے بہتر بتاتا ہے، جب وہ اپنے لیے نماز ہی کو معاف جانتا ہے۔ "ما علی مثلہ یعد الخطاء" جب کہ اس کی عقل کا دیا اس کی کھوپڑی میں ٹمٹما رہا ہے۔

المستند المعتمد میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں:

"المتصوفة المتصلفة المبطلة المتكلفة القائلة بالاتحاد والحلول وسقوط التكاليف عن العارفين مع بقاء العقول بمعنى أنهم إذا وصلوا جلوا أن يؤمروا بشيء، أو ينهوا عنه، فيحل الله لهم الحرام، ويسقط عنهم الفرائض، وترى بعضهم يستخف بالشريعة الغراء جهاراً، ويقول: الشرع طريق، فمن وصل فما له وللطريق؟ ويقول: صلاة الزاهدين الركوع والسجود، وإنما صلاتنا ترك الوجود، يتمسك به

علىٰ تهاونه بالصلاة وتركه الجمع والجماعات(إلىٰ قوله) بالجملة هؤلاء كفار مرتدون خارجون عن الإسلام بإجماع المسلمين، وقد قال في البزازية والدرر والغرر والفتاوىٰ الخيرية ومجمع الأنهر والدر المختار وغيرها من معتمدات الأسفار في مثل هؤلاء الكفار"من شك في كفره وعذابه فقد كفر اه"(۱)

بے فیض گمراہ گر متکلف صوفی اتحاد اور حلول کے قائل ہیں۔ نیز یہ کہتے ہیں کہ عارفین ذی عقل سے احکام شرع ساقط ہو گئے، مطلب یہ ہے کہ جب وہ اس مقام پر فائز ہو گئے کہ دوسروں کو کسی شی کا حکم دیں، یا اس سے منع کر سکیں، تو اللہ عزوجل نے ان کے لیے حرام کو حلال کر دیا، اور ان سے فرائض ختم کر دیے، اور بعض تو ایسے ہیں جو کھلے عام شریعت کا مذاق اڑاتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ شریعت ایک راستہ ہے، پس وہ جس کو حاصل ہو گیا، (منزل تک پہنچ گیا) اب اس کا راستے سے کیا تعلق رہ گیا، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ زاہدین کی نماز رکوع اور سجود ہے، لیکن ہماری نماز ترک وجود ہے، اور وہ اس سے نماز کے بارے میں اپنی سستی اور ترک جماعت پر دلیل پیش کرتا ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ یہ سب باجماع مسلمین کافر مرتد اور خارج از اسلام ہیں۔ بزازیہ، درر، غرر، فتاوی خیریہ، مجمع الانہر اور درمختار وغیرہ معتمد اسفار میں ان جیسے لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جس نے ان کے کفر اور عذاب میں شک کیا وہ کافر ہے۔ (مترجم)

ردالمحتار میں علامہ شامی قدس سرہ السامی رسالہ ابن کمال، وامام غزالی کی ''كتاب التفرقة بين الإسلام والزندقة'' سے نقل فرماتے ہیں:

"ومن جنس ذلك ما يدعيه بعض من يدعي التصوف أنه بلغ حالة بينه وبين الله تعالىٰ أسقطت عنه الصلاة (إلى قوله)فهذا مما لا أشك في وجوب قتله، إذ ضرره في الدين أعظم،وينفتح به باب من الإباحة لا ينسد وضرر هذا فوق ضرر من يقول بالإباحة مطلقاً، فإنه يمتنع عن الإصغاء إليه لظهور كفره، أما هذا فيزعم أن لم يرتكب إلا تخصيص عموم التكليف بمن ليس له مثل درجته في الدين، ويتداعى هذا إلىٰ أن يدعي كل فاسق مثل حاله.(۲)

---

(۱) [المعتمد المستند: ۲۳۰، ۲۳۱]

(۲) [رد المحتار، كتاب الجهاد مطلب في دعوى علم الغيب:۶/۲۹۴] اه ملخصاً."

اوراس کی جنس (قبیل) سے ہے بعض نام نہاد صوفیوں کا دعویٰ کے اس کا رب تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق ہوگیا کہ وہ اس مرتبہ کو پہونچ گیا کہ اس سے نماز ساقط ہوگئی۔ایسا شخص یقیناً واجب القتل ہے،اس لیے کہ دین میں اس سے زیادہ نقصان ہے کیوں کہ اس اباحت کا ایسا دروازہ کھلے گا جس کا بند ہونا مشکل ہو،اوراس کا ضرر مطلقاً اباحت کے قول کرنے والے سے بڑھ کر ہے،اس لیے کہ اس کا کفر اتنا واضح ہے کہ کوئی بھی اس کی بات پر دھیان نہ دے گا۔لیکن یہ ایسا خیال کرتا ہے کہ اس نے صرف عموم تکلیف کو اس شخص کے ساتھ خاص کر دیا جو اس کا درجہ اور مرتبہ کے برابر نہ ہو دین میں،اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہر فاسق اسی کے طرح دعویٰ کرے۔(مترجم)

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:"لا أصلّي، إذ لا تجب عليّ أولم أومربها، يكفر"
کسی نے کہا کہ میں نماز نہ پڑھوں گا کیوں کہ نماز مجھ پر فرض نہیں۔یا کہا کہ مجھے نماز کا حکم نہ دیا گیا تو وہ کافر ہوگیا۔(مترجم)

اسی میں ہے :"دلت المسألة علىٰ أن تهاون الصلاة والترك مستخفاً كفر۔"
یہ مسئلہ اس بات پر دال ہے کہ نماز کو ہلکا سمجھ کر سستی کرنا اور ترک کرنا کفر ہے۔(مترجم)

شفا شریف اوراس کی شرح ملا علی قاری میں ہے:

"كل مقالة صرحت بنفي الربوبية، أو الوحدانية، أو عبادة أحد غير الله، أو مع الله فهو كفر، كمقالة الدهرية(إلى قوله)وكذلك من ادعى مجالسة الله، والعروج إليه ومكالمته، أو حلوله في أحد الأشخاص كقول بعض المتصوفة أي: المشتبهة بالصوفية من الحلولية والوجودية والاتحادية زعموا أن السالك إذا أمعن في سلوكه، وخاض في لجة وصوله، واستغرق في بحر حضوره، فربما حل فيه سبحانه وتعالىٰ كالنار في الفحم فيرتفع الأمر والنهي الخ.

اسی میں ہے:

أجمع المسلمون على كفر بعض غلاة المتصوفة الزاعمين أنهم وصلوا إلى الله فرفع عنهم التكليف، قال الدلجي: وقد أدركت بعضاً منهم يقول: أسقط الله عني التكليف فاستباح فطر رمضان، والخلوة بالاجنبيات من النساء، ونحو ذلك"(١)

(١) [نسيم الرياض شرح الشفا للقاضي عياض:٤/٥٠١]

وہ بات جس سے رب کی ربوبیت یا وحدانیت کی صراحتاً نفی ہو۔ یا غیر اللہ کے لیے عبادت کا اثبات ہو۔ یا پھر عبادت میں اللہ کے ساتھ غیر کی شرکت ثابت ہو وہ کفر ہے۔ جیسا کہ دھریہ کے اقوال، اور اسی سے طرح وہ شخص جو رب تعالیٰ کے ساتھ بیٹھنے، یا اس تک پہونچنے اور اس سے گفتگو کرنے کا دعویدار ہو۔ یا رب تعالیٰ کے بعض افراد میں حلول کر جانے کا قول کرے جیسا کہ فرقہ حلولیہ، وجودیہ اور اتحادیہ کے بعض نام نہاد صوفیوں کا قول ہے، ان کا ماننا ہے کہ جب سالک سلوک کی گہرائیوں میں اور رب تعالیٰ کے بحر حضور میں مستغرق ہو جائے تو بسا اوقات رب تعالیٰ اس کے اندر حلول کر جاتا ہے، جس طرح آگ کوئلے میں حلول کر جاتی ہے، اس کے بعد اس سے اوامر و منہیات اٹھ جاتے ہیں، تمام مسلمین نے بعض نام نہاد غالی صوفیوں کے کفر پر اتفاق کیا ہے۔ یعنی تمام مسلمین کا ان کے کفر پر اجماع ہے، جو یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ رب تعالیٰ تک پہونچ گئے اور ان سے احکام شرع اٹھ گئے۔ اور دلجی نے کہا کہ میں نے ان میں سے بعض کو یہ کہتے ہوئے پایا کہ اللہ نے مجھ سے تکلیف (حکم شرع) ختم فرما دی جس کی وجہ سے اس نے ماہ رمضان میں افطار کو (روزہ نہ رکھنے کو) اور اجنبی عورتوں کے ساتھ خلوت وغیرہ کو جائز سمجھا۔ (مترجم)

اس کا یہ قول کفر صریح ہے۔ اور حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عمداً افترائے قبیح۔ یہ یوں بھی کفر ہے۔ اور فرضیت نماز کا انکار ہے یوں بھی۔ اس قائل کے کافر و مستحق عذاب نار ہونے میں کیا شک ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ ایسے سے قوالی مع مزامیر کرانے، سننے سنانے، یا کسی حرام کے ارتکاب کی کیا شکایت۔ بدمذہب کی تعظیم بھی حرام ہے۔ جو لوگ ایسوں سے بیعت ہوتے ہیں وہ شیطان کے سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں۔ جب تک ایسے لوگ توبہ نہ کریں، مسلمان ان سے میل جول موقوف رکھیں۔ واللہ الهادي وهو الموفق وهو تعالیٰ أعلم۔

اس فقیر نے ہرگز ابوالقاسم کو نہ ابن القاسم نہ قاسم اس نام کے کسی شخص کو آج تک خلافت نہیں دی، اور اگر کسی نے بحالت اسلام ایسے کو خلیفہ کیا بھی ہو تو وہ بیعت ہی نہ رہی، خلافت کیسی۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

عبدالرحمٰن اور عبدالقیوم جیسے ناموں میں ''عبد'' کو حذف کر کے بولنا جائز نہیں بلکہ بعض میں کفر ہے

مسئلہ: (۲۹)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید دریافت کرتا ہے کہ چند نام جیسے عبدالقادر، عبدالقدیر، عبدالرزاق۔ ان میں لفظ عبدال چھوڑ

کرنام لینا کیسا ہے؟ عمرو کہتا ہے کہ انسان کو صرف ایسے نام بغیر عبدال ملائے پکارنا کفر ہے۔لہذا حق کیا ہے؟۔

از بریلی محلہ صالح نگر مسئولہ کفایت حسین صاحب رضوی، یکم شعبان ۱۳۵۶ھ۔

الجواب

ایسے ناموں سے لفظ عبد کا حذف بہت برا ہے۔اور کبھی ناجائز و گناہ ہوتا ہے، اور کبھی سرحد کفر تک بھی پہنچتا ہے۔قادر کا اطلاق تو غیر پر جائز ہے۔اس صورت میں عبد القادر کو قادر کہہ کے پکارنا برا ہے۔مگر قدیر کا اطلاق غیر خدا پر ناجائز۔کمافی البیضاوی۔اور اگر کسی کا نام عبد القدوس، عبد الرحمٰن، عبد القیوم ہے تو اسے قدوس، رحمٰن، قیوم [illegible]ی ہے جیسے اسے جس کا نام عبد اللہ ہو، اللہ کہنا، بہت سخت بات ہے۔والعیاذ باللہ تعالیٰ۔جس کا نام عبد القادر ہو اسے بھی عبد القادر ہی کہا جائے، جس کا عبد القدیر ہو اسے عبد القدیر ہی کہنا ضروری ہے۔عبد الرزاق کو عبد الرزاق، عبد المقتدر کو عبد المقتدر۔غیر پر اطلاق قدیر ومقتدر میں علما کا اختلاف ہے، کمافی عنایۃ القاضی حاشیہ شرح البیضاوی۔عبد القدوس کو عبد القدوس، عبد الرحمٰن کو عبد الرحمٰن، عبد القیوم کو عبد القیوم، عبد اللہ کو عبد اللہ ہی کہنا فرض۔یہاں عبد کا حذف اشد درجہ حرام وکفر ہوگا۔والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

فتاویٰ ظہیریہ پھر شرح فقہ اکبر میں فرمایا:

"من قال لمخلوق يا قدوس، أو القيوم، أو الرحمن كفر. اه مختصرا"

جس نے کسی مخلوق کو یا قدوس، یا قیوم یا پھر رحمٰن کہا وہ کافر ہو جائے گا۔(مترجم)

بلکہ یہاں تک ظہیریہ میں فرمایا گیا کہ:

"أو قال اسما من أسماء الخالق كفر."

یا اس نے مخلوق کو خالق کے کسی نام سے پکارا وہ کافر ہو گیا۔(مترجم)

فتاویٰ ظہیریہ کی اس عبارت کی بنا پر بظاہر عبد القادر کو قادر کہنا بھی کفر ٹھہرے گا، مگر اس صورت میں کہ ان کی مراد معنی لغوی ہوں اور وہ کہاں ہوتے ہیں۔

شرح فقہ اکبر میں:

"وهو يفيد أنه من قال لمخلوق يا عزيز ونحوه يكفر أيضاً، إلا إن أراد بها المعنى اللغوي لا الخصوص الاسمي."

اور یہ قول اس کا بھی فائدہ دیتا ہے کہ جس نے مخلوق کو یا عزیز وغیرہ کہا تو وہ بھی کافر ہو جائے گا،

مگر یہ کہ وہ ان سے لغوی معنیٰ مراد لے نا کہ خاص اسمی۔(مترجم)

مگر بات یہی ہے کہ بعض اسماے الٰہیہ جو اللہ عزوجل کے لیے مخصوص ہیں۔جیسے اللہ، قدوس، رحمٰن، قیوم، وغیرہ انہیں کا اطلاق غیر پر کفر ہے۔ان اسما کا نہیں جو اس کے ساتھ مخصوص نہیں۔جیسے عزیز، رحیم، کریم، عظیم، علیم، حی، وغیرہ۔بعض وہ ہیں جن کا اطلاق مختلف فیہ ہے۔جیسے قدیر، مقتدر وغیرہ۔

اسی لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے شرح فقہ اکبر کی اس عبارت پر اپنے حاشیہ میں فرمایا:

"أقول:ليس من هذه الإفادة في شي وإنما أراد بأسماء الخالق الأسماء المختصة به."

میں کہتا ہوں کہ یہ اس سے کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا(یعنی یہ قول دعویٰ کے سلسلے میں مفید نہیں ہے) بے شک اسماے خالق سے مراد وہ اسما ہیں جو اس کے ساتھ خاص ہیں۔(مترجم)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ارشاد کی تائید مجمع الانہر کی یہ عبارت فرماتی ہے:

"أطلق على المخلوق من الأسماء المختصة بالخالق، نحو القدوس، والقيوم، والرحمن، وغيرها يكفر."(١)

(جس نے)مخلوق پر خالق کے خاص اسما مثلاً قدوس، قیوم اور رحمٰن، وغیرہ کا اطلاق کیا تو وہ کافر ہے۔(مترجم)

نیز حدیقۂ ندیہ میں ہے:

"واعلم أن التسمي بهذا الاسم حرام، وكذا التسمي بأسماء الله تعالىٰ المختصة به كالرحمن، والقدوس، والمهيمن، وخالق الخلق ونحوها.وكذا في شرح النووي على صحيح مسلم."

اور جان لو کہ ان کے ساتھ کسی شخص کا نام رکھنا حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کے خاص اسما کے ساتھ کسی کا نام رکھنا، مثلاً رحمٰن، قدوس، مھیمن، اور خالق الخلق وغیرہ، اور شرح نووی علی صحیح مسلم میں اسی طرح مذکور ہے۔(مترجم)

عمرو جو علی الاطلاق حکم کفر کرتا ہے وہ صحیح نہیں۔واللہ تعالیٰ أعلم۔

---

(١) [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: ألفاظ الكفر أنواع، ١/ ٦٩٠]

عنایت مشرقی بانی تحریک خاکسار کا اجمالی شرعی حکم

(۳۰) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ...

(۱) خاکسار تحریک جو کہ تقریباً ہر شہر وقصبہ اور گاؤں میں ہے، اور تقریباً ڈھائی لاکھ مسلمان اس میں شریک ہیں، عقیدے سے کوئی بحث نہیں، جو سب مسلمانوں کے عقیدے خواہ کیسے ہی ہیں، اس میں شامل ہوتے ہیں، اس کے بانی یعنی عنایت خاں المشرقی نے جو کتاب ''تذکرہ'' لکھی ہے اس کی وجہ سے سب کو کافر کہنے والا حق بجانب ہے یا نہیں؟ اعتقاد صحیحہ کے بیان اور عمل کرنے کے باجود پھر بھی زبردستی مرتد اور کافر کہنا کہاں تک درست ہے۔ والسلام مع الاکرام۔

(۲) جس شخص کا یہ بیان ہے کہ میرا عقیدہ صحیح مطابق شریعت غرا کے ہے، پنج ارکان اسلام ودیگر اصول کو مانتا ہوں، اور فی المقدور عمل بھی کرتا ہوں، کسی رنج کی بنا پر اس کو کفر کا فتویٰ دینا کیسا ہے؟

(۳) کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے کہ ملزم کی غیر حاضری اور اس کے بیانات لیے بغیر، اس کو خبر کیے بغیر اس کو مرتد قرار دیا جائے، مرتد کہنے والا کون اور کس گناہ کا مرتکب ہے؟۔

از کوہ مزی ضلع راولپنڈی پنجاب بازار کلاں متصل ہوٹل مجیب خاں۔ مرسلہ جناب عبد الرحمٰن صاحب، رجب ۱۳۵۶ھ

الجواب

(۱) خاکسار تحریک کیا ہے میں نہیں جانتا۔ تذکرہ میں اگر کوئی بات کفر کی ہے تو وہ کفر ہے پھر کفر لزومی ہے، یا التزامی۔ اگر کفر التزامی ہے تو جو اس پر مطلع ہوکر کتاب جس کی ہے اس کے کافر ومستحق عذاب ہونے میں شک کرے گا، کافر ہوجائے گا۔ جیسے قادیانی کہ نبوت کا مدعی تھا اور توہین وتنقیص خدا وانبیا کا مرتکب۔ اس کے مریدین سب کافر مرتدین ہیں، کہ اسے بعض نبی جانتے ہیں، اور بعض مجدد مانتے ہیں۔ باوجودے کہ اس کی اس گندگی پر مطلع ہیں۔ خاکسار تحریک میں جو لوگ شامل ہوں، اگر سب اس تذکرہ کے اس کفر پر مطلع ہیں جو التزامی ہے، اور پھر اس تذکرہ والے کے کافر ومستحق عذاب ہونے میں شک بھی کرتے ہوں تو خود اس کی طرح کافر ٹھہریں گے۔ اور اگر سب مطلع نہیں تو جو مطلع ہوکر اسے اپنا مقتدا جانے گا بلکہ اس کے کافر ومستحق عذاب ہونے میں تردد ہی کرے گا کافر ہوجائے گا۔

خاکسار تحریک میں ہر قسم کے لوگ اگر شامل ہیں تو لا اقل گنہ گار تو ہیں کہ بدمذہبوں سے میل جول

ناجائز ہے، ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا ناروا، ان سے سلام وکلام ممنوع۔

قال تعالی: ﴿وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾(۱)

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

اگر کوئی ایسی بات نہیں ہے تو جو مسلمان اس میں شریک ہیں وہ کسی کفر کے نہ مرتکب ہیں، نہ کسی کو اس کے کفر التزامی کے باجود جو محل تاویل ہی نہیں، یا اس کے ایسے کفر پر جو معلوم ہو کہ اس نے کفر ہی کے لیے یہ قول کیا اسے مسلمان سمجھتے ہیں، تو ایسی لوگوں کو کافر کہنے والا جو بطور سب وشتم نہ کہتا ہو، بلکہ ان کے کفر کا معتقد ہو ان کی تکفیر کو حکم شرع جانتا ہو خود بحکم حدیث کافر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

(۲) اگر اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس پر اس کی تکفیر کی جائے، تو جو شخص بے وجہ اس کی تکفیر کرتا ہے وہ تکفیر بحکم حدیث خود اس کی ناحق تکفیر کرنے والے پر لوٹتی ہے، اور اگر بطور سب وشتم کہتا ہے جب بھی سخت گنہ گار، مستحق نار، حق اللہ اور حق العبد میں گرفتار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) اگر اس شخص کا کفر وارتداد بروجہ مقبول شرعی ثابت ہو گیا ہو، اس کا کلام ناقابل تاویل ہو تو اسے کافر مرتد بے اس کا بیان لیے کہا جائے گا۔ اور اگر قول پہلودار ہو تو اس سے پوچھا جائے گا، یہ کہنا بشرط صدور قول یا فعل ہوگا کہ وہ قول یا فعل اس سے صادر ہوا ہے تو حکم یہ ہے۔ رہا حکم قاضی تو قضا علی الغائب جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عنایت خاں مشرقی جس نے نماز، روزہ وغیرہ ضروریات دین کا انکار کیا وہ کافر و مرتد ہے

(۳۱) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

عنایت اللہ خاں مشرقی کی بابت جس نے اپنی تصانیف ''تذکرہ'' وغیرہ میں نماز، روزہ، حج، زکاۃ، کلمۂ شہادت کے بنیاد اسلام ہونے سے انکار کیا ہے۔

تذکرہ ص: ۲۲۰ میں ہے کہ: یورپ کی قومیں اب بھی بدرجہا اچھی ہیں، ان میں ایفائے عہد کا خاص اہتمام ہے۔ آگے چل کر لکھتا ہے: اس لیے صحیح معنوں میں متقی ومحبوب خدا ہیں۔

تذکرہ دیباچہ ص: ۱۹ پر ہے: ''وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ عرب کی امت اسلام کے الٰہی اور نبوی

---

(۱) [سورۃ الانعام: ۶۸]

تخیل پر تیس برس سے زیادہ قائم نہ رہ سکی''۔

تذکرہ دیباچہ ص:١٩١ ''قرآن کی الصلاۃ (نماز) صرف ایک نوکر کا پنج وقتہ سلام ہے''۔ آگے چل کر کہتا ہے: ''مگر عبادت قطعاً نہیں۔

تذکرہ دیباچہ ص:٣٣ آج بھی الصلاۃ نماز وہ شی ہے جو وہی تکیف دل، وہ نتیجہ خیز اطاعت، وہ ضبط نفس، وہ توقیت عمل، وہ اخوت اور موالات، وہ تعاون محافظت پیدا کردے جو ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے لائے ہوئے پیغام میں مقصود تھی، محمدی نماز کے ظواہر وارکان سے اس کو کچھ سروکار نہیں۔ اور جس طرح نتائج پیدا ہو جائیں اس کی نظروں میں بارگاہ خدا میں مقبول ہیں۔

''تذکرہ ص:٩٠'' ادھر امتوں نے اپنے رہنماؤں سے ذاتی عقیدت اور نیاز مندی ظاہر کرنے کو اور حسب مطلب احکام کو ضرورت سے زیادہ اہم سمجھنے میں ناروا غلو کیا۔

''پھر ایک سطر بعد ہے:''پھر لوگ انبیا کی وساطت سے خدائی قانون کی تعمیل کرنے اور ان کو ذریعہ علم سمجھنے کی بجائے ان کے پیچھے لگ گئے، فرقہ بند بن گئے، خدا کو تسلیم کرنے، مسلم بننے کے بجائے موسوی، گوتمی، عیسائی، محمدی بن گئے، انہیں کو سراہنا ان کو اپنے اعمال وافعال میں بت بنالینا جزو دین جانا''۔ چار سطر بعد لکھتا ہے:''عیسائی مسیح کو سچ مچ ابن خدا کہنے لگے۔ مسلمانوں نے ڈاڑھیوں تہدوں مسواکوں ڈھیلوں کو اسلام سمجھ لیا، یہودی تسبیحوں کے پیچھے لگ گئے، بدھ چلہ کشی میں مصروف ہو گئے۔ گرنے نور آتش کو خدا سمجھ لیا۔ پھر حج، جاتری، نماز، زکاۃ، روزے، برت وغیرہ وغیرہ سب کے سب بے مطلب رسم اور بے نتیجہ شعار ہو گئے۔

تذکرہ ص:١٦١ میں ہے کہ اسلامی جماعت کے اندر سب نظری اور اعتقادی، سب قولی اور اعمالی، سب اتباعی اور غیر اتباعی، سب شرعی اور فقہی تفرقے کے برخلاف ہوں، سب کو علانیہ مٹانا چاہتا ہوں، سب مطیعوں اور مطاعوں، مرید ومرادوں کو خدا کی سرزنش کا قطعی اہل سمجھتا ہوں۔ اور عذاب آخرت کا مستوجب''۔

ایک قول اس کا مرقومہ ص:٩٨ بھی قابل دید ہے کہتا ہے:''اصل دین میرے نزدیک توحید ہے، اور توحید قلوب کے اندر پیہم بت شکنی کرتے رہنا ہے، یہی عبادت خدا ہے، صوم وصلاۃ، حج وزکاۃ کو رہنما، یا عادتاً، یا تعظیماً، ادا کرلینا، یا کلمۂ شہادت کو بصحت تمام پڑھ لینا میرے نزدیک قطعاً کوئی عبادت نہیں''۔

تذکرہ حصہ عربی شروع کرنے سے پہلے لکھتا ہے:

''تهدية إلى الله عزوجل، رب إنني قد جئتك بشي غريب مما أتيتني من

لدنك، وقلبي وجل إنني راجع اليك في يوم لا ريب فيه، فتسئلني عما فعلت، فتقبل مني، واصلح لي في تدبري، وثبت به فؤادي، واجعل إفئدة من الناس تهوي إليه، فيعلموا أنه الحق منك، فتحت لك قلوبهم، رب واصلح المؤمنين واهدهم بنورك في هذا كما اصلحتهم وهديتهم من قبل، فإنهم قوم لايعلمون، رب أخبرتني إنهم لها لكون من قريب فأتيتهم بنبأ عظيم۔"

اللہ عزوجل کے نام۔اے میرے رب میں تیرے لیے ایک عجیب چیز لے کر آیا ہوں جو تو نے مجھے اپنے پاس سے عطا فرمائی، اور میرا دل خوف زدہ ہے، بے شک قیامت کے دن میں تیری طرف لوٹنے والا ہوں تو تو مجھ سے اعمال پوچھے گا۔ لہذا میری طرف سے قبول فرما، اور میری فکر و تدبر کی اصلاح فرما اور اس پر میرے دل کو ثابت رکھ، اور لوگوں کے دل اس کی طرف مائل کردے، تاکہ وہ جان لیں کہ حق تیری طرف سے ہے اور ان کے دل تیرے لیے کشادہ ہوجائیں۔

اے رب اکبر مومنوں کی اصلاح فرما، اور انہیں اپنے نور سے اس میں ہدایت عطا فرما، اس لیے کہ وہ نادان قوم ہیں، اے اللہ تو نے مجھے خبر دی کہ وہ عن قریب ہلاک ہونے والے ہیں تو میں ان کے پاس بڑی خبر لے کر آیا۔ (مترجم)

نبأ عظیم کی تشریح اردو ص:۵ پر کر کے لکھتا ہے: ''یہی اس نبائے عظیم کا لب لباب تھا جو محکمہ قضا وقدر کے آستانہ عالیہ سے نبیوں کو ملی، یہی سچی نبوت ہے، یہی انتہائے علم وخبر ہے، کمال کشف واکتشاف ہے۔ اس علم کے بالمقابل ماسواعلم کا ہیچ ہے''۔

از شہر کہنہ بریلی کانکر ٹولہ مسئولہ شمشاد علی خاں اور کمال الدین صاحب۔ محرم الحرام ۵۸ھ

الجواب

ان ناپاک اقوال میں بہت اقوال بدتر از ابوال وہ ہیں جو صراحتاً ہادم اساس دین وایمان، نافی ومنافی اسلام مومناں ہیں، جن میں کوئی تاویل دور کی بھی نہیں ہوسکتی۔ اس کا قائل اور قابل یقیناً کافر قادیانی مرتد سے زائد اضر اکفر۔ اس کے کفر واستحقاق عذاب میں اصلاً شک وتامل کو راہ نہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ، وہ مسلمانوں ہی کو کافر نہیں ٹھہراتا بلکہ خود اسلام کو معاذ اللہ کفر اور اپنے گڑھے ہوئے خود ساختہ تخیل کو نبائے عظیم اور سچی نبوت اور انتہائے علم وخبر کہتا ہے جس کے بالمقابل ماسوا کا علم ہیچ بتاتا ہے۔ اپنی نبوت کا اشعار کرتا ہے، کفار کے صحیح معنی میں متقی اور محبوب خدا ہونے کا اقرار کرتا ہے، اسلام ومسلمین کے کفر وکفار ہونے کا اظہار کرتا ہے۔ ولاحول ولاقوۃ إلا باللہ العلی العظیم، والعیاذ باللہ تعالیٰ ربنا

الخبير العليم ،وهو تعالیٰ أعلم۔

تحریک خاکسار کے بانی مشرقی کی کتاب 'تذکرہ' کے اقوال خبیث اور کفریہ ہیں

(۳۲) مسئلہ:

علماے دین کیا فرماتے ہیں عنایت اللہ مشرقی کی بابت اور اس کے اتباع کی بابت، اس کی تحریک میں شامل ہوکر خاکسار بننے کی بابت؟

آج کل بریلی میں لوگ اس جماعت میں شامل ہوتے چلے جاتے ہیں۔اس کے اقوال اور اصلیت سے ناواقف ہیں۔چند اقوال لکھ کر اس کے اور متبعین کی بابت حکم شرعی مطلوب ہے۔

تذکرہ صفحہ اول میں تہدیہ الی اللہ کے ضمن میں عربی عبارت لکھتا ہے:

"رب أخبرتني إنهم لها لكون من قريب فأتيتهم بنبأ عظيم."

اے میرے رب تو نے مجھے خبر دی کے وہ ہلاک ہونے والے ہیں،تو میں ان کے لیے ایک بڑی خبر لایا۔(مترجم)

پھر دیباچہ کے ص:۵ پر لکھتا ہے:

"یہی اس نباے عظیم کا لب لباب تھا، جو محکمۂ قضا وقدر کے آستانہ علیہ سے نبیوں کو ملی اور یہی سچی نبوت ہے،یہی انتہاے علم وخبر ہے،کمال کشف واکتشاف ہے۔اس علم کے بالمقابل سب ماسوا کا علم ہیچ ہے۔سب کمتر معاملوں کی خبر ہیچ ہے"۔

دیباچہ تذکرہ ص:۹ پھر لوگ انبیا کی وساطت سے قانون خدا کی تعمیل کرنے اور ان کو ذریعہ علم سمجھنے کی بجاے ان کے پیچھے لگ گئے،فرقہ بند بن گئے،خدا کو تسلیم کرنے اور مسلم بننے کی بجاے موسوی۔گوتمی۔عیسائی اور محمدی بن گئے،اوران کو سراہنا،ان کو اپنے اعمال وافعال میں بت بنالینا جزو دین جانا۔

"پھر دو تین سطر بعد لکھتا ہے:"عیسائی سچ مچ ابن خدا کہنے لگے،مسلمانوں نے ڈاڑھیوں، تہدوں ،مسواکوں اور ڈھیلوں کو اسلام سمجھ لیا۔پھر دو سطر بعد لکھتا ہے،پھر حج جاتری نماز، زکاۃ، روزے،برت وغیرہ وغیرہ سب کے سب بے مطلب رسوم اور بے نتیجہ شعار ہوگئے،الخ تذکرہ ص:۱۷ ،نبی آخر الزماں علیہ السلام کا واحد مطمح نظر روے زمین پر غلبہ حاصل کرنا اور امت عرب کو بقا و دوام کی معراج پر پہنچانا تھا،یہی ان کے مبعوث ہونے کی واحد اور صحیح غرض تھی۔

تذکرہ ص:۵۷ کرشن علیہ السلام

تذکرہ ص:۴۸ اگر آج اسلام کسی بڑی بڑی پگڑیوں والے مولوی حضرات، یا گز گز بھر لمبی داڑھیوں والے فقیہوں کی کم نگہی کے باعث مسواکوں اور ڈھیلوں، استنجاؤں، پائجاموں، عماموں اور داڑھیوں کے اندر گھس چکا ہے، اگر اس کی اشد شدید حکمت اور مبلغ علم حیض ونفاس کے مسئلوں، گردن مروڑی مرغیوں کی تشریحوں، آمین بالجہر اور رفع یدین کی بحثوں پر ختم ہو چکے ہیں' الخ۔

تذکرہ ص:۹۱ قرآن کی الصلاۃ ''صرف نوکر کا پنج وقت سلام ہے''۔

چار سطر بعد لکھتا ہے مگر عبادت قطعاً نہیں۔

تذکرہ ص:۹۲''ایسی عبادت وقت اور مقام، قوموں اور قعدوں، رکعتوں اور رکنوں سے قطعاً مستثنیٰ ہے، فجر، ظہر، عصر اور مغرب وعشا۔ یا اشراق سے اس کو کچھ واسطہ نہیں، یہ ایک پیہم اور مسلسل عمل ہے، چند لمحوں تک کھڑا ہونا، یا بیٹھ جانا اس کو ادا کرنے کا اسلوب نہیں، قرآن کی بتائی ہوئی الصلاۃ اگر کسی معنوں داخل عبادت ہے تو اس لیے کہ یہ بھی اب بیسوں حکموں میں خدا کا ایک حکم ہے''۔

تذکرہ ص:۹۸، پس اصل دین میرے نزدیک توحید ہے، اور توحید قلوب کے اندر پیہم بت شکنی کرتے رہنا ہے۔ یہی عبادت خدا ہے، صوم وصلاۃ، حج وزکاۃ کو رسماً، عادتاً، یا تعظیماً ادا کر لینا، یا کلمۂ شہادت کو بصحت تمام پڑھ لینا میرے نزدیک قطعاً کوئی عبادت نہیں''۔

تذکرہ ص:۹۹، ''پتھر کی رسماً پرستش، یا خدا کے آگے رسمی سجدے کر لینے سے کسی قوم، یا فرد کے عابد خدا۔ یا۔ عابد ماسوا ہونے کا فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ اس کے مشرک۔ یا۔ موحد ہو جانے کا معاملہ طے نہیں ہوسکتا''۔ فقط۔

از شہر کہنہ محلہ روہیلی ٹولہ محمد رضا خاں صاحب۔ ۲۸ر محرم الحرام ۱۳۵۸ھ۔

الجواب

یہ تیسرا سوال مشرقی کے اقوال بدتر از ابوال اور اس کے زبوں حال پر ملال بد مآل سے متعلق آیا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے غالباً ہر سوال میں نئے نئے اقوال پیش ہوئے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کتاب ایسے ہی خبیث اقوال کا خزانہ ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس کے اقوال اسلام کو کفر، کفر کو اسلام ٹھہراتے ہیں۔ ایمان کو از بیخ برکندہ کرتے اور مشرقی کے گڑھے ہوئے، بے ڈول، لائق ہزار نفریں ولاحول، مذہب کو از نام اسلام پیش کرتے ہیں، مسلمانوں کو کھلا کافر، بت پرست، مشرک بتاتے۔ اتباع واطاعت انبیا کو شرک، بت پرستی سمجھاتے ہیں۔ ان میں ارکان اسلام وشعائر دین، سنن سید المرسلین کے

ساتھ استہزا، ان کی توہین مبین ہے۔ عبادتوں کے عبادت ہونے سے انکار۔ اسلام و مسلمین وعلماے دین واحکام شرع متین پر بے طرح بوچھار ہے۔ اس کی کتاب میں ایسے اقوال ہیں جن کی کوئی تاویل صحیح نہیں ہوسکتی۔ جن پر مطلع ہوکر قائل کے کفر وعذاب میں شک وارتیاب موجب کفر ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

جو لوگ اس کے ان اقوال پر مطلع نہیں ہیں، اس کی جماعت میں شریک ہوگئے ہیں ان پر ابھی الزام نہیں۔ ہاں مطلع ہوکر پھر اس کی جماعت میں شریک رہیں گے، تو ملزم ہوں گے۔ اور اس کے کفر واستحقاق عذاب میں بعد اطلاع شک کریں گے تو خود اسلام سے خارج ٹھہریں گے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ دین کی اصل صرف توحید ہی مانتا ہے، پھر عقل کا پتلا صرف جڑ ہی کو درخت جانتا ہے۔ اسلام کے شعائر وارکان واحکام کا مضحکہ اڑاتے، ان کے ساتھ استہزا کرتے ہوئے کہتا ہے: ''آج اسلام (تا) ختم ہوچکے ہیں''۔

اس کا خود ساختہ خود تراشیدہ مذہب جسے یہ اسلام بتاتا ہے، وہ بھی تو ان سے معرا نہ ہوگا۔ اثباتاً ونفیاً کچھ تو ان امور کے لیے کہتا ہوگا۔ اور خود اس کا دل بھی۔ تو کیا اس کے طور پر کوئی اور بھی ایسا کہہ سکتا ہے، کہ مشرقی کا اسلام اس کے اور اس کے متبعین کی شرم گاہوں میں گھس چکا ہے، کہ انہیں ڈھیلے سے صاف کریں، یا پانی سے یا کپڑے سے یا کاغذ سے، یا یوں ہی لتھڑا رکھیں۔ یہ لوگ اور ان کی عورتیں قبل جماع بحال جماع بعد جماع یہ کریں، یہ نہ کریں۔ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت رکھیں یا نہ رکھیں۔ ہر ایک کے لیے، یا خاص خاص کے واسطے، یا کسی ایک شخص کے لیے انہیں براے استمتاع پیش کیا کریں۔ انہیں چھپائیں یا کھلا رکھیں، ہر ایک کو دکھائیں۔ موے زیر ناف رہنے دیں یا صاف کریں۔ کریں تو کب کتنے کتنے دن بعد اور کس طرح کس کس چیز سے۔ حیض ونفاس والیاں کیا کیا کریں، ان کے ساتھ کیا کیا جاے، کیا نہ کیا جاے۔ اگر اس کا خود ساختہ دین اس سے بالکل معرا بالفرض غلط ہو تو کیا اس کے دین کو کوئی ایسا کہہ سکتا ہے کہ اس کا دین، اس کی بی بی، ماں، بیٹی، بہن، بھتیجی، پھوپھی، خالہ، بھانجی، اور ہوتی سوتی کی اگلی پچھلی اور خود اپنی شرم گاہوں میں گھس چکا ہے؟ اپنے متبعین کی مقعدوں اور فرجوں میں دھنسا ہوا ہے؟ زنا ولواطت اور حیض ونفاس اور بول وبراز کی نجاست میں پڑا ہے۔ ولا حول ولا قوة إلا باللہ العلي العظیم۔ خدا اسے اور اس کے متبعین، اس کے اقوال کے قبول کرنے والوں کو توبہ کی توفیق دے۔ آمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کسی نے درخواست وغیرہ کسی تحریر میں اپنا کافر ہونا ظاہر کیا تو وہ کافر ہے

(٣٣) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

میاں بیوی کی ناچاقی بہت تھی لیکن قصور اس میں خاوند کا تھا، وہ قصور یہ تھا کہ ایک بچے کو اس کی ماں سے جو شیر خوار تھا لے گیا، اور اس کا پتہ نہیں دیا، ان لوگوں نے رپٹ درج کرادی، تب بھی وہ لڑکے کو نہیں لایا، اس معاملہ کے اندر اس قدر نا اتفاقی ہوئی کہ لڑکی نے دعویٰ دائر کردیا، اور اس کے بعد جب وہ کچہری میں حاضر نہ ہوا تو لڑکی نے کچہری میں اپنے آریہ ہونے کی درخواست دی۔ درخواست کچہری سے منظور ہوئی اور حکم صادر ہوا، کہ تم کو اپنے فعل کا اختیار ہے، اب اسی مضمون پر آکر اس شخص نے اس کو طلاق دے دی، آریہ وہ نہ ہوئی بلکہ مسلمان ہی رہی اور اب تک ہے۔ اب اس صورت میں طلاق اس کو جائز ہوئی یا نہیں ہوئی؟ شریعت مطہرہ کے مطابق کیا حکم ہے؟

از دہلی سرائے توپ خانہ مرسلہ مولوی محمود حسن صاحب، ٢٧؍ شوال ٥٦ھ۔

الجواب

عورت اپنی اس درخواست کی بنا پر اسلام سے خارج ہوگئی، اس پر توبہ وتجدید ایمان فرض ہے۔

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں فرمایا:

"من أضمر الكفر أوهم به فهو كافر، ومن كفر بلسانه طائعاً وقلبه مطمئن بالإيمان فهو كافر، ولا ينفعه مافي قلبه؛ لأن الكافر يعرف بما ينطق به بالكفر، فإذا نطق بالكفر كان كافراً عندنا وعند الله تعالىٰ.(١)

جس نے دل میں کفر چھپایا۔ یا کفر کا ارادہ کیا تو وہ کافر ہے، اور جس نے خوشی خوشی زبان سے کفریہ کلمہ بکا حالاں کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا وہ کافر ہوگیا اور اس کا اطمینان قلبی اسے نفع نہ دے گا، اس لیے کہ کافر کو اس کے کفریہ کلمات کی وجہ سے کافر سمجھا جاتا ہے، پس جب اس نے کفریہ کلمہ کہہ دیا تو وہ عند اللہ اور عند الناس کافر ہوگیا۔ (مترجم)

---

(١) [التوسط والاقتصاد: باب (٢٨) ١/ ٤٤]

[مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: باب الصبي العاقل إذا ارتد، ١/ ٦٨٨]

اسی میں ہے:

"إذا عزم بالكفر بعد حين يكفر في الحال لزوال التصديق المستمر." (١)

جب کسی نے ایک مدت کے بعد کفر کرنے کا ارادہ کرلیا تو وہ اسی وقت کافر ہوجائے گا، کیوں کہ اس کی وہ تصدیق ختم ہوگئی جس میں دوام واستمرار تھا۔ (مترجم)

عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

"القلم احدى اللسانين." (٢)

قلم بھی ایک زبان ہے۔ (مترجم)

جب تک وہ تجدید ایمان نہ کرے اس کا نکاح کسی سے نہیں ہوسکتا۔

لأنها مرتدة، ولا يجوز نكاح المرتد والمرتدة مع أحد. كما صرح به في العالمگيرية وغيرها."

اس لیے کہ وہ مرتدہ ہوگئی اور مرتد و مرتدہ کا نکاح کسی کے ساتھ نہیں ہوسکتا، عالم گیری وغیرہ میں اس کی صراحت ہے۔ (مترجم)

اس بارے میں کہ عورت کے کفر سے نکاح پر کیا اثر ہوتا ہے۔ تین روایتیں ہیں۔ ایک ظاہر الروایۃ کہ فسخ عاجل ہوتا ہے۔ مگر وہ توبہ وتجدید ایمان کے بعد شوہر ہی سے تجدید نکاح باقل مہر پر مجبور کی جائے گی، راضی ہو یا ناراض۔

دوسری روایت نوادر، اس میں بھی فسخ عاجل ہے۔ اور یہ کہ عورت باندی ٹھہرے گی۔

تیسری روایت یہ ہے کہ عورت کی ردت سے نکاح پر کوئی اثر نہیں ہوتا، وہ بدستور اس کی بی بی رہتی ہے۔ تجدید ایمان کرائی جائے گی۔

قال تعالیٰ: ﴿بيده عقدة النكاح.﴾ نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔

حسماً لباب الفتنة۔ فسخ نکاح وبینونت کا حکم نہ ہوگا۔

آج اسی روایت پر فتویٰ ہمارے نزدیک واجب، اس مسئلہ کی تفصیل وتحقیق واضح، اور تینوں

---

(١) [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: باب الصبي العاقل إذا ارتد، ١/٦٨٨]

(٢) [رد المحتار: فصل فى البيع، ٦/٤١٠]

[الفتاوىٰ الفقهية الكبرى: باب المبيع قبل قبضه، ٢/٢٥٨]

روایتوں میں صورت تطبیق ہمارے فتاویٰ میں ہے۔پہلی دوسری روایت جن میں حکم فسخ نکاح ہے۔ان پر بھی اگر فتویٰ ہوتو بھی اس طلاق کے وقوع کا حکم اس صورت میں ہے جب کہ عورت عدت کے اندر ہو۔

مجمع الانھر میں ہے:

"إن النكاح لما انفسخ بالردة كانت المرأة معتدة فإن طلقها يقع."(۱)

بے شک نکاح جب ارتداد کی وجہ سے فسخ ہوگیا تو عورت عدت گزارے گی، پس اگر اس نے طلاق دے دی تو طلاق واقع ہوجائے گی۔(مترجم)

اور جب کہ تیسری روایت ماخوذ ہوئی تو ظاہر ہے کہ طلاق ہوگئی،اگر چہ کتنے ہی زمانہ کے بعد دی ہو کہ جب فسخ ہی نہ ہوا تو عدت کیسی؟

برجندی میں ہے:

"قال الفقيه أبو القاسم الصفار والفقيه أبو جعفر وبعض أئمة سمرقند: إن ردة المرأة لا يوجب البينونة الخ."(۲)

فقیہ ابو القاسم صفار،ابو جعفر اور بعض ائمۂ سمرقند نے کہا ہے کہ عورت کے ارتداد سے تفریق ثابت نہیں ہوتی۔(مترجم)

خانیہ(صہ)میں فرمایا:

"منكوحة ارتدت۔ والعياذ بالله تعالىٰ۔ حكي عن أبي نصر وأبي القاسم الصفار أنهما قالا: لا يقع الفرقة بينهما حتىٰ لا تصل إلىٰ مقصودها الخ. والله تعالىٰ أعلم"

منکوحہ معاذ اللہ مرتدہ ہوجائے تو ابو نصر اور ابو القاسم صفار سے مروی ہے،وہ کہتے ہیں کہ زوجین میں فرقت واقع نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ عورت اپنے مقصود کو نہ پہنچ جائے۔(مترجم)

---

(۱) [مجمع الأنهر : باب نكاح المرتد، ۱/۶۸۳]

(۱) [بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع: فصل في بيان ما يخرج به الوكيل، ۶/۳۸]

دہریوں کی مذہب سے آزادی کی تحریک میں شرکت کرنے والے مسلمان نہیں

(۳۴) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

سرزمین ہند میں ایک گروہ ایسا پیدا ہوگیا ہے کہ جو یہ کہتا کہ: ہندوستانیوں کو اب مذہب سے آزاد ہو جانا چاہیے، خواہ کوئی سا مذہب رکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مذہب ہی بنی نوع انسان میں جھگڑوں اور تباہی کا باعث ہے۔ حالاں کہ اس گروہ میں جس قدر ہنود ہیں، وہ اپنے قدیمی مذہب کی بقا و قیام اور ترقی کی بیش از بیش کوشش کر رہے ہیں، اور ان کو اپنے قرون سابقہ کی معراج تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس گروہ کا یہ بھی خیال ہے کہ زمین داری کو رفتہ رفتہ یا یک قلم منسوخ کر دیا جائے، اور جائدادوں پر کاشت کاران یا گورنمنٹ کا غاصبانہ قبضہ کر دیا جائے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ سرمایہ داروں کا روپیہ ضبط کر لیا جائے، اگر ان کا روپیہ کسی مقروض پر آتا ہے تو قرض کو اصل اور سود سے منسوخ کر دیا جائے۔ اس گروہ کا یہ بھی خیال ہے کہ موجودہ نظام تمدن کو چاہے وہ کسی قوم وفرقہ کا ہو، اس طور پر جبراً وکلیۃً درہم برہم کیا جائے کہ انقلاب پیدا ہو کر موجودہ نظام حکومت فنا ہو جائے۔

حالاں کہ اس گروہ کے دوش بدوش اور اس سے اشتراک عمل کرتا ہوا ہنود کا وہ گروہ بھی شامل ہے جو اس انقلاب سے فائدہ اٹھا کر قدیم تمدن ہنود کو مع اپنے تمام بت پرستانہ اور اوہام پرستانہ ذہنیت کو قائم کر دینا چاہتا ہے، یہاں تک کہ گوشت خور قوم کو اپنے شعار قومی سے ترغیباً یا جبراً باز رکھنا چاہتا ہے، اور گائے کو دیویت کے تخت پر دوبارہ بٹھالنا چاہتا ہے، ان تحریکات کے کچھ ممد و معاون وہ لوگ ہوگئے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے چلے آرہے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس سے مسلمان کے مذہب اور تمدن یا معاشرت کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یہ گروہ مسلمانوں کو اپنے ساتھ اشتراک عمل کی پیہم دعوت دے رہا ہے، مگر مسلمین کا سواد اعظم ان تحریکات کے سخت خلاف ہے، اور اپنے آپ کو ان کے مقابلہ کے واسطے منظم کر رہا ہے، مگر اول الذکر قلیل گروہ مسلمین کا اس سواد اعظم کو ملک اور انسانیت اور ترقی کا دشمن بنا رہا ہے۔ شرعی ارشادات ان مسائل پر کیا ہیں اور مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

از رام پور محلہ گھیر میاں ضیاء النبی صاحب مسئولہ سید محمد عبد اللہ شاہ صاحب بتاریخ ۲ر محرم الحرام ۱۳۵۷ھ۔

الجواب

دہریوں اور اباحیوں کا وجود آج نہیں عرصہ دراز سے ہے۔ یہ لوگ ابلیس کے ایجنٹ، شیطان کے

وکیل، شیطانیت کے پروپیگنڈہ کرنے والے ہیں۔ انہیں اللہ ورسول۔ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ سے کوئی علاقہ نہیں۔ جیسے ان کے پیر واستاد ابلیس لعین کو۔ ان بدعقلوں نے خطوات شیاطین کا اتباع کیا۔ ابلیس کے نقش قدم پر چلے تو دین ودیانت ہی کو پیٹھ نہ دی، بلکہ عقل کو بھی۔ حیا وشرم وغیرت کو بھی۔ واقعات، محسوسات، مشاہدات جن سے روز روشن کی طرح روشن کہ دین ومذہب کے اتباع ہی سے دینی دنیوی ہر قسم کی ترقیاں ہوتی ہیں۔ اور جس قوم نے دین حق کی پیروی سے روگردانی کی ہے وہ ہی قعر مذلت میں گری، اور حضیض تنزل میں پڑی:

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

یہ نمائشی آنکھیں رکھنے والے حقیقۃً حقیقی بینائی سے محروم، دل کے اندھے، اس پاگل اندھے کی طرح ہیں جو خاص دوپہر کو جب کہ آفتاب بروجہ کمال روشن وآشکارا ہوا، آفتاب کے وجود کا انکار کرے۔ نابینائی کے سبب اسے دیکھ نہ سکے، اور پاگل پن کی وجہ سے کسی اور طرح بھی اس کے وجود کو محسوس نہ کر سکے۔ جیسے اس پاگل اندھے کے احساسات باطل ہو گئے جو آفتاب کے وجود سے انکار کرے یوں ہی ان نابیناؤں کے احساسات باطل ہیں، جو ایسا بکتے ہیں۔ آج مسلمان کروروں ہیں، اور آج سے تیرہ سو برس پہلے کتنے تھے؟ ان نابیناؤں کی آنکھیں چیر کر ان کے کان کھول کر تاریخ ہی کے اوراق دکھاؤ سناؤ۔ جب تک مسلمان دین حق کی بروجہ کمال پیروی اور تعمیل احکام کرتے رہے، روز افزوں دن دونی رات چوگنی ترقیات کرتے رہے۔ دین حق کی پیروی سے اس معراج ترقی پر پہنچے جہاں تک کوئی قوم نہ پہنچی۔ مسلمانون کے خون کے پیاسے، مسلمانوں کی جان ومال، عزت وآبرو سب کے دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے آئے۔ اور آج تک برابر مان رہے ہیں۔ والفضل ما شهدت به الأعداء۔(۱)

جب سے مسلمانوں میں سستی آئی، احکام دین حق پر عمل میں تکاسل پیدا ہوا۔ جب ہی سے ان کی ترقیاں بند ہوئیں، نہ صرف یہ بلکہ روز بروز انحطاط وتنزل ہو رہا ہے جتنی جتنی مذہب سے دوری ہوتی جا رہی ہے۔ خدا مسلمانوں کی آنکھیں کھولے، وہ قوم جو جاہلیت میں جہالت کا پیکر تھی، وحشت کا مجسمہ تھی، آن کی آن میں ایسی مہذب ہوئی کہ ہادی ومہذب بن گئی۔ ساری دنیا میں جس کی تہذیب کا ڈنکا بج گیا۔ بحر وبر میں جس کی اعلمیت کا سکہ بیٹھ گیا۔ وہ قوم جو کنگال تھی، لوٹ مار اور طرح طرح کے ظلم وجفا کی خوگر تھی، جو ڈاکو تھی اور سلطنت کی دشمن۔ انہیں دہریوں اور اباحیوں کی طرح سلطنت سے دیکھتے دیکھتے دنیا

---

(۱) [المآخذ على شراح ديوان أبي الطيب المتنبي: ۱/۴۰]

بھر کی بادشاہت ان کے قدموں پر نثار ہوئی، اور اس کے پاؤں چومنے لگی۔ اس قوم کی خلافت سلطنت سے بہت اعلیٰ چیز ٹھہری جس سے وہ قوم نہ صرف بادشاہ بلکہ شہنشاہ تاج بخش بادشاہوں کی ہوئی۔

اس موضوع پر کچھ زیادہ لکھنے کی حاجت بھی نہیں، اور فقیر کو فرصت بھی نہیں۔ جو لوگ مسلمان نام رکھ کر اس دہریت اور اس اباحیت کے حامی ہیں، وہ محض نام کے مسلمان ہیں، درحقیقت دہریہ اباحیہ ہیں۔ اگر وہ لوگ توبہ نہ کریں مسلمان محض ان کے اسلامی ناموں کی بنا پر مسلمان نہ سمجھیں۔ محض نام یا گاے کا گوشت کھانا مسلمان نہیں بناتا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس ملعون تحریک سے مذہب کا کچھ نقصان نہیں وہ اس پاگل کی طرح ہیں جو قلعہ کی در و دیوار ڈھاتا جاتا ہے، اور بکتا جاتا ہے کہ اس سے قلعہ کو کوئی نقصان نہیں۔ حدود الٰہیہ کو توڑو، دائرہ دین کو مٹاؤ، اور بکے جاؤ کہ اس سے دین ومذہب کو خطرہ نہیں۔ ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلي العظیم۔ ان ہی دہریوں اباحیوں کی جماعت کا نام آج کل بولشویک ہے، جو اس بولشویک تحریک کا حامی ہے، اسے اسلام سے کوئی علاقہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہنود کے مذہبی جلوس میں شرکت اشد حرام اور رشتۂ اتحاد قائم کرنا کفر

مسئلہ: (۳۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

اس کے متعلق کہ ایک جلوس راج گدی کا اہل ہنود نکالنا چاہتے ہیں، جس میں ہندو اوتاروں کی صورت میں انسان بٹھائے جاتے ہیں، اور مجمع عام اہل ہنود کا اس کے ساتھ ہوتا ہے، مسلمانون سے اصرار کیا جاتا ہے، کہ وہ بحالی امن اور رشتۂ اتحاد مضبوط کرنے کے لیے اس جلوس کی جلو میں چلیں، اگر مسلمان اس جلوس کے ساتھ چلتے ہیں تو لازمی طور پر اس سے راج گدی کے جلوس کی زینت اور شہرت میں اضافہ ہوتا ہے، کیا اس حالت میں مسلمان بلا ارتکاب گناہ کیے ہوئے اس جلوس کی معیت میں چل سکتے ہیں؟ اور اگر نہیں چل سکتے تو گناہ جو ان سے سرزد ہوگا، وہ کس درجہ کا ہوگا؟ ۔ بینوا توجروا۔

از بریلی محلّہ قلعہ مرسلہ مولوی عزیز احمد خاں وکیل۔

الجواب

اس کے حرام حرام، اشد حرام ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ کفار کے ایسے کاموں کے محض تماشہ کے لیے وہاں چلنا تو حرام ہے۔ نہ کہ رشتۂ اتحاد قائم کرنے کے لیے۔ کفار سے رشتہ اتحاد کفار ہی کا ہے، مسلمان کا کسی کافر سے رشتہ اتحاد قائم نہیں ہوسکتا۔ اس کا مضبوط کرنا کیسا۔ جو لوگ اس نیت سے شریک

ہوئے وہ ضرور کفار سے متحد ہو گئے، اسلام سے جدا۔ ایسے امور کفار کے جلوس میں شرکت ہی نہیں اس کے جلوس میں چلنا ان کی تعظیم ہے، اور ان کے ایسے امور کی تعظیم سے تجدید ایمان اور تجدید نکاح لازم۔ چاہے یہ تعظیم خود کی ہو یا حکماً۔ آج اگر کسی حاکم کا حکم اس کے لیے مان لیا گیا اور اسے حکم کفر سے بچاؤ کی ڈھال سمجھ لیا ہے تو کل بتوں کو سجدہ کا بھی حکم ہوگا، اور ایسے بے خرد لوگ جب بھی تعمیل حکم کریں گے، اور اسے حکم کفر سے بچاؤ کی ڈھال سمجھیں گے۔ ولاحول ولاقوة إلا بالله۔

یہی لوگ ہیں جنھوں نے ایسی ایسی کمزوریاں نمایاں کر کے اسلام کو نظر کفار میں معاذ اللہ ذلیل کیا ہے۔ کل کافران سے یہی چاہیں گے کہ امن اور رشتہ اتحاد کو مضبوط کرنے کے لیے ہمارے ساتھ ان ان کفروں میں ہماری موافقت کرو، ہمارے ساتھ بتوں کو سجدہ کرو، اور گلہری پوجو، اور مہادیو کے آگے ڈنڈوت بجالاؤ وغیرہ وغیرہ۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو امن نہ رہے گی، مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جائیں گے، یہ ہوگا وہ ہوگا۔ تو یہ کافروں سے رشتہ اتحاد کرنے والے، اسلام کو کافروں کے آگے معاذ اللہ ذلیل ورسوا ٹھہرانے والے، وہ سب کچھ کریں گے جس جس کے کرنے کا انہیں حکم ہوگا۔ کذاب مخالفین جنھیں اللہ ورسول۔ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کا ڈر نہیں ہمارے لیے تو یہ نجس پروپیگنڈہ کرتے ہیں، کہ ان کے یہاں کفر کی مشین ہے جس میں دن رات ایسے فتوے ڈھلتے ہیں جس سے کوئی مسلمان محفوظ نہیں رہتا، یہ ہر ایک کو کافر بتاتے ہیں۔ حالانکہ یہ ہم پر ان کذابوں کا بدترین افترا ہے، خود ان مخالفین ہی کا اپنا یہ حال ہے جو بالکل ظاہر ہے۔ بالکل واضح بے پردہ۔ مگر چوں کہ عوام کو ایسا دھوکہ دیتے ہیں اس لیے ہم مخالفوں کا منہ بند کرنے کے لیے مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کے فتاویٰ سے ایسے لوگوں کا حکم لکھتے ہیں: ان کے یہاں تو تکفیر کی مشین مخالفین نہیں بتاتے: فتاویٰ مولوی عبدالحی صاحب میں ہے:

"ایسے لہو ولعب کفار میں اہل اسلام کو شریک ہونا حرام ہے، بلکہ ان کی موافقت ورضا موجب کفر ہوتی ہے۔"

حدیث میں وارد ہے: ((من كثر سواد قوم فهو منهم))(۱)

جس نے کسی قوم کی تعداد بڑھائی تو وہ انہی میں سے ہے۔ (مترجم)

اور خزانۃ الروایات میں ہے:

"في الفصول قال الشيخ أبو بكر الطرخاني: من خرج إلى السدة فقد كفر؛

(۱) [نصب الراية لأحاديث الهداية، كتاب الجنايات: ٤/٣٤٦]

لأن فيه إعلان الكفر. وعلى قياس مسئلة السدة الخروج إلىٰ نيروز المجوس والموافقة معهم فيما يفعلونه في ذلك اليوم من المسلمين كفر، وكذا الخروج إلىٰ لعب كفرة الهند في اليوم الذي يدعونه بسر تهى، والموافقة معهم فيما يفعلونه من تزئين البقور والأفراس والذهاب إلىٰ دور الأغنياء يلزم أن يكون كفر، وكذا الخروج في ليلة تلعب فيها كفرة الهند بالنيران والموافقة معهم فيما يفعلونه في ذلك اه."

فصول میں ہے، شیخ ابوبکر طرخانی نے فرمایا: جو شخص میلہ (دسہرہ) گیا تو وہ کافر ہو گیا، اس لیے کہ اس میں اعلان کفر ہے۔ اور میلہ پر قیاس کرتے ہوئے مجوسیوں کے نیروز کو جانا اور ان کے اس دن کے معمولات میں ان کا شریک ہونا، کفر ہے۔ اسی طرح کافروں کے کھیل کی طرف جانا اس دن جس دن کو بیرانی کا نام دیتے ہیں اور ان کے معمولات میں ان کا شریک ہونا مثلاً۔ گائے اور گھوڑا سجانا اور مالداروں کے گھر جانا یقیناً کفر ہوگا، اور اس رات نکلنا جس میں ہندوستانی کافر آگ سے کھیلتے ہیں اور ان کے کھیل میں ان کا ساتھ دینا بھی کفر ہے۔ (مترجم)

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

"الخروج إلىٰ نيروز المجوس، والموافقة معهم فيما يفعلونه في ذلك اليوم، وأكثر مايفعل ذلك من كان أسلم منهم فيخرج ذلك اليوم، ويوافق معهم فيما يفعلونه في ذلك اليوم فيصير بذلك كافراً ولا يشعربه. اه"(۱)

مجوسیوں کے نیروز (میلہ) میں جانا، اور ان کے اس دن کے معمولات میں موافقت کرنا اور زیادہ تر یہ کام وہ کرتے ہیں جو لوگ انہی میں سے ایمان لا چکے ہوں تو جو ان کی طرف نکلتا ہے، اور اس دن کے معمولات میں ان کا ساتھ دیتا ہے اور ان کے ساتھ شریک ہوتا ہے، تو وہ اس کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا اور اس کو محسوس تک نہ ہوگا۔ (مترجم)

اسی میں اس سوال کے جواب میں "زید خالد بکر عمرو یہ چار شخص صاحب ریش کلاں، شریف صورت اگر نوکری نزد برہمن قبول کریں وبعدہ امور ذیل کے مرتکب ہوں، اول جب کہ برہمن بیٹھا ہو اور زید بکر وغیرہ بھی دربار عام نام پردہ میں بیٹھے ہوں، اور بت موسومہ ٹھاکر کو ایک برہمن پوجیری چاندی کے طشت میں لاوے تو برہمن مذکور سروقد اٹھ کر تعظیم پیشگی کرے، زید بکر بھی بخوف ناخوشی وسوئے ادبی

---

(۱) [الفتاویٰ البزازیہ: ۳۳۳]

وبرخواستگی خود وبخیال اس کے کہ گستاخی ہوگی، اور بے ادب کہلاؤں گا اور مشاہرہ بند ہوجاے گا، ساتھ ہی بنظر تعظیم برمذکور اٹھ کھڑا ہو۔

دوم:۔ برہمن مذکور بروز تولید خود مجلس جشن برقص زنان بدکار بحضور بت قائم کرتا ہے، تو حکم دیتا ہے کہ نوکراں ہمارے آن کر شریک نوروز ہوں۔ اور اگر چہ ہم زیب انجمن نہ ہوں مگر ہر ایک نوکران حاضر ان مجلس پر ہمارا حکم ہے کہ حسب دستور بت پرستی جب سامنے آوے، یا بت کا پوجا ہو تو سب کے سب حاضران اٹھ کھڑے ہو کر بت کی تعظیم کریں۔ چنانچہ یہ دستور بت پرستی برہمن مذکور و تعظیم و تکریم ہمیشہ سے جاری ہے، پس زید بکر اکثر بہ تعمیل حکم زینت بخش مجلس مذموم رہتے ہیں، باوجود یکہ برہمن مذکور نہیں رہتا ہے۔ زید بکر خود بخود دستور العمل بت پرستی نام پروہ یکبارگی فی الفور سب کے سب حضار مجلس بت کی اٹھ کر تعظیم کرتے ہیں، اور جب بت کی پوجا ہونے لگتی ہے تو باادب پیش بت جشن مذکور میں تعظیما کھڑے رہتے ہیں۔ بخوف برخواستگی روگرداں ہو کر علاحدہ ہو نہیں سکتے۔ بطمع زر کھڑے رہتے ہیں۔

سوم: جب کہ بت مذکور ایک بت کدہ سے دوسرے بت خانہ میں پہنچایا جاتا ہے، تو بڑی تیاری سے مثل اقوام ہند برہمن مذکور بت کے پیچھے پیچھے پا پیادہ جاتا ہے، اور تمامی زید وبکر کو یہ حکم عام رہتا ہے، کہ اس وقت خوش پوش ہو کر جلوس میں پیچھے پیچھے بت کے تا در بت خانہ چلیں۔ چنانچہ زید بکر وغیرہ بغرض تحصیل مشاہرہ خود بفراموشی وعدہ ''فی السماء رزقکم وما من دابة الخ'' بخوشی ان افعال کو بجالاتے ہیں۔

چہارم:۔ برہمن مذکور کے تعمیل حکم کو مقدم سمجھ کر جان کر روزمرہ اذان سن کر جماعت میں نہیں آتے اور جمعہ کے روز جان بوجھ کر کہ آج جمعہ ہے حکم:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ﴾(۱)

اے ایمان والو جب نماز کی اذان ہو جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ (مترجم)

سے روگرداں ہو کر تارک جمعہ ہو کر یہ عذر کرتے ہیں کہ رزق کا معاملہ ہے۔ ''حکم حاکم مرگ مفاجات''۔ بوجہ مجبوری انجام امور اسلام نہیں کر سکتے ہیں۔ بہ ظہور امور حیات کفر متذکرہ صدر جب کہ زید بکر استعمال کلمات رد کفر سے غافل وسالہا سال موجبات کفر پر مصر رہیں، تو ان سب کو تجدید ایمان اور تجدید نکاح لازم ہے یا نہیں، وبہ طمع زر زید بکر جان بوجھ کر باز نہ آویں تو کافر اور بیوی ان کی نکاح سے

---

(۱) [سورة الجمعة:۹]

باہر ہوئی یا نہیں، اور بہ نسبت اولاد کے کیا حکم ہے؟۔

فقہاے کرام کتب فقہ میں ایسی صورت میں کہ اس میں تحسین اعمال کفار اور شرکت افعال کفار اور موافقت ان کی عبادت کی ہو کفر حکم کفر لکھتے ہیں۔ اور جو شخص مرتکب ایسے امر کا ہو جس کا سوال میں ذکر ہے اس پر حکم لزوم تجدید ایمان وتجدید نکاح دیتا ہیں۔

خزانۃ الروایات میں ہے:"في الفصول قال الشيخ ابو بكر الطرخاني: من خرج إلى السدة فقد كفر؛ لأن فيه اعلان الكفر اه."

اگر ان لوگوں میں ایسا بھی کوئی ہو جسے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں عقیدت کی سعادت حاصل تھی ،اور اب بھی باقی ہے، تو اس کے لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا فتویٰ بھی حاضر۔

بعض فتاویٰ میں فرماتے ہیں:''دسہرہ کی شرکت حرام ہے بلکہ فقہا نے اسے کفر کہا (إلیٰ أن قال)

بحرالرائق میں ہے:

"يكفر بخروجه إلیٰ نيروز المجوس لموافقته."(۱)

اس کی تکفیر کی جاے گی نیروز کو جانے کی وجہ سے، کیوں کہ وہ اس کی موافقت کر رہا ہے۔ (مترجم)

آخر میں ان دونوں فتووں کی تائید میں ایک عبارت شرح فقہ اکبر کی فقیر بھی پیش کرتا ہے۔

زیادہ نہیں صرف ایک سطر:

"من خرج إلى السدة أي مجتمع أهل الكفر في يوم النيروز كفر، لأن فيه إعلان الكفر و كأنه إعانتهم عليه"(۲)

جو کافروں کے میلہ میں گیا نیروز کے دن اس کی تکفیر کی جاے گی اس لیے کہ اس میں اعلان کفر ہے، اور گویا کہ یہ ان کے کام میں ان کی مدد کرنا ہے۔ (مترجم)

محض تماشائی کی حیثیت سے جانے کا تو یہ حکم ہے۔ کفری جلوس کی پیشوائی اور کافروں سے اتحاد وسگائی پر خداے جبار وقہار کی کس قدر اشد ترین لعنت ہوگی۔ ایسوں کو فوراً فوراً تجدید ایمان وتجدید نکاح وتجدید حج جب کہ بیوی رکھتے ہوں حج کر چکے ہوں لازم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) [مجمع الأنهر : الفاظ الكفر انواع، ۱/۶۹۸]

(۲) [منح الروض الأزهر في شرح الفقه الأكبر: ۵۰۰]

کافر کو مرحوم کہنا سخت اخبث کام، موجب تجدید ایمان وتجدید نکاح

(۳۶) مسئلہ:

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

کیا فرماتے علمائے اہل سنت ومفتیان ملت مسائل ذیل میں کہ...

(۱) زید نے اشتہار کے ذریعہ اعلان کیا کہ سب مسلمان اپنے اپنے محلّہ کی مسجد میں جمع ہو کر فلاں نصرانی مرحوم کے لیے رحمت کی دعا کریں۔ لہذا زید کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟۔

(۲) کافرہ مشرکہ مسلمان ہوئی اور چاہتی ہے کہ کسی مسلمان سے نکاح کر لوں۔ اس کے لیے عدت کا کیا حکم ہے، اس نو مسلمہ کا شوہر ہے، وہ اسے کفر کی طرف لوٹانا چاہتا ہے، اور اسے ڈر ہے کہ اگر کسی سے نکاح نہ ہوا تو سمجھا پھسلا کر پھر اسے کفر کی طرف لوٹائے۔ ایسے موقع پر یہ نو مسلمہ فی الفور نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

(۳) اور ایک کافرہ اپنے شوہر سے تین ماہ سے زیادہ مدت سے علاحدہ ہے، اور اب مسلمان ہو ئی، اس کے لیے عدت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

از سورت کھارداواڑ متصل بالا پیر، مرسلہ غلام نظام الدین، فیض اللہ صاحبان۔ ۲۳/رجب ۱۳۵۷ھ۔

الجواب

زید بے قید اپنے اس اعلان ہادم ایمان کے سبب شدید گنہ گار، مستحق نار، مستوجب غضب جبار ہے۔ اسے توبہ وتجدید ایمان وتجدید نکاح چاہیے اگر بیوی رکھتا ہے۔ نصرانی یا کسی کافر کو مرحوم کہنا، لکھنا، حرام حرام، سخت اخبث واشنع بدکام ہے۔ اور اس کے لیے اس کے مرنے کے بعد دعا رحمت کرنا کرانا تکذیب قرآن ہے: قال تعالیٰ:

﴿ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾(۱)

تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو گے تو اللہ ہر گز انہیں نہیں بخشے گا۔

وقال: عز من قال

﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾(۲)

---

(۱) [سورة التوبة : ۸۰]
(۲) [سورة التوبة : ۸۰]

ان پر ایک سا ہے تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔

وقال تعالیٰ:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَداً وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُواْ بِاللّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُواْ وَهُمْ فَاسِقُونَ﴾(۱)

اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا بے شک وہ اللہ و رسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مر گئے۔

وقال تعالیٰ:

﴿إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّهُ عَلَيهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ﴾(۲)

اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے تو اللہ اس پر جنت حرام فرمائے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

وقال تعالیٰ:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُواْ أَن يَسْتَغْفِرُواْ لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُواْ أُوْلِي قُرْبَى مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾(۳)

نبی اور ایمان والوں کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں اگر چہ وہ قریبی ہوں بعد اس کے کہ ان پر ان کا جہنمی ہونا بیان ہو چکا ہو۔

تفسیرات احمدیہ میں حضرت سید عارف باللہ ملا احمد جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"المراد من الصلاة الدعاء للميت والاستغفار له، وهو ممنوع في حق الكافر."(٤)

اور صلات سے مراد میت کے لیے دعا اور اس کے لیے استغفار کرنا ہے، اور یہ کافر کے حق میں ممنوع ہے۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

"الدعاء والاستغفار منع مطلقاً في حق الميت الكافر اه."(٥)

---

(۱) [سورة التوبة: ۸۰]
(۲) [المائدة: ۷۲]
(۳) [سورة التوبة: ۱۱۳]
(٤) [التفسيرات الاحمدية. ٤٧٠]
(٥) [التفسيرات الاحمدية. ٤٧١]

دعا اور استغفار کافر میت کے لیے مطلقاً ممنوع ہے۔(مترجم)

حربیہ پر عدت تو نہیں مگر فی الفور نکاح بھی نہیں کر سکتی ہے کہ اسلام کہ بعد اسلام زن یہاں، جہاں حکومت اسلامیہ نہیں تین حیض کی مدت گزارنا قائم مقام انکار اسلام زوج ٹھہرائی جائے گی، کہ عرض اسلام یہاں نہیں ہو سکتا۔ جب تین حیض کی مدت گزر جائے گی۔ تو حکم فرقت ہوگا۔ وہ بائنہ دو ہی طرح ہو سکتی ہے کہ حکومت اسلام نہیں، وہاں تین حیض کی مدت گزر جاے اور اس مدت میں شوہر اسلام نہ لائے۔ تو یہ مدت حیض گذرنا اس کے انکار کے قائم مقام ہو کر فرقت ہوگی۔

درمختار میں ہے:

"لو أسلم أحدهما في دار الحرب وملحق بها لم تبن حتى تحيض ثلاثا قبل الإسلام الآخر إقامة لشرط الفرقة اه"(۱)

اگر زوجین میں سے کوئی دارالحرب میں یا وہ جو حکم میں دارالحرب کے ساتھ ملحق ہو، اسلام لائے تو جدائی واقع نہ ہوگی یہاں تک دوسرے (شوہر) کے اسلام لانے سے پہلے اسے تین حیض آجائیں شرط فرقت قائم کرنے کے لیے۔(مترجم)

ردالمحتار میں ہے:

"قوله(إقامة لشرط الفرقة)وهو مضي هذه المدة مقام السبب وهو الإباء اه."(۱)

إقامة لشرط الفرقة سے مراد یہ ہے کہ اس مدت کا گذرنا سبب یعنی انکار کے قائم مقام ہوگا۔ (مترجم)

واللہ تعالیٰ اعلم۔ عورت کی حفاظت کی جاے اس کے کافر شوہر سے ملنے نہ دیا جاے کہ وہ اسے معاذ اللہ مرتدہ بنا سکے۔ عورت جب اسلام لائی ہے، خدا اسے اور ہمیں سب کو اسلام پر ہمیشہ قائم رکھے، تو وہ ایسے مواقع پر کیوں کھڑی ہو جہاں شیطان اور اس کی ذریت اسے بہکاے، اور اس کے بہک جانے کا اندیشہ ہو۔ بعد مضی مدت کسی مسلم سے نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

---

(۱) [الدر المختار مع رد المحتار. ۴۲۳/۲]

(۱) [الدر المختار مع رد المحتار. ۴۲۳/۲]

کافر و مرتد کو کسی امر میں والی و سربراہ بنانا اشد حرام ہے

(۳۷) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ہم مذہب اہل سنت و جماعت ان تمام عقائد سے جو ہمارے مذہب اور عقائد کے خلاف ہیں بے زار ہیں، بے زار رہیں گے، اس حالت میں اگر ہم ایک جماعت خاکساران طیار کریں، اور اس میں شریک ہوں اور خاکساران میں جو ناظم اعلیٰ ہو اس کے اصول میں باستثنا اس کے عقائد کے اس کا اتباع کریں، ایسی صورت میں کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔ ذخیرہ کے سوال میں جس عبارت پر خط کر دیا گیا ہے اس کی بجائے یہ عبارت ہے: خاکساران میں جو ناظم اعلیٰ ہو اور وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو۔

از محلہ ملوک پور مسئولہ اختیار خاں شوز مرچنٹ وقت صبح بار دوم بعد مغرب از ذخیرہ مرسلہ محمد علی صاحب پسر مولوی مسعود علی صاحب بدست رضا حسن خاں صاحب رامپوری خویش احمد اسحاق صاحب مرحوم۔

الجواب

جو کوئی ادعا اسلام کرتا ہے، اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو، ضروری نہیں کہ وہ فی الحقیقت مسلمان ہو۔ خصوصاً اس زمانہ قرب قیامت میں۔ قرب قیامت تو حالت یہ ہوگی کہ حدیث میں فرمایا: صبح کرے گا اس حال میں کہ مسلمان ہوگا، شام اس حال میں کرے گا کہ کافر ہوگا۔ شام کو مسلمان ہوگا، صبح کافر ہو جائے گا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

قرآن عظیم کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ. يُخٰدِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّآ أَنفُسَهُم وَمَا يَشْعُرُونَ﴾(۱)

اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور وہ ایمان والے نہیں فریب دیا چاہتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کو فریب نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو اور انہیں شعور نہیں۔

عہد شریف حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی تک منافق نہ رہے کہ پھر منافقوں کا بیج مارا گیا ہو۔ ہر زمانہ میں رہے، اور آج تو وہ اس کثرت سے ہیں جن کا شمار خدا ہی جانے۔ مشرقی کے طور پر تو اسلام

---

(۱) [سورۃ البقرۃ:۸، ۹]

کفر ہے، اور مسلمان سب کافر اور خود وہ بھی اس گڑھے ہوئے اسلام پر بھی مسلمان نہیں ٹھہر سکتا۔ اس کے اقوال چھپے ہوئے نہیں چھپے ہوئے ہیں۔ ان پر مطلع ہوتے ہوئے سوال میں یہ لکھنا کہ ''ناظم اعلیٰ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو'' بہت ہی عجیب ہے، خصوصا اس عبارت کے ساتھ کہ ''ان تمام عقائد سے جو ہمارے مذہب اور عقائد کے خلاف ہیں''۔ اپنے آپ کو مسلمان کہہ دینے سے کوئی شخص باوجود اپنے کفریات پر اصرار کے مسلمان ٹھہر جاتا ہے، اور اس کے کفریات مٹ جاتے ہیں۔ مگر یہ قرآن کے خلاف ہے، ابھی او پر آیت ذکر ہوئی کہ ''بعض لوگوں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ اور قیامت پر حالاں کہ وہ مسلمان نہیں۔ وہ اللہ اور مسلمانوں کو فریب دینا چاہتے ہیں۔ اور وہ فریب نہیں دے رہے ہیں مگر اپنی جانوں کو اور انہیں اس کا شعور نہیں۔''

اللہ سچا اور اس کا کلام سچا۔ تو محض ادعاے اسلام اس کے کام نہیں آسکتا۔ جو سنی مسلمان اپنے دین و مذہب پر قائم رہتے ہوئے کسی کافر سے اگر چہ وہ کیسا ہی اظہار مودت و صداقت کرتا ہو جو موالات کرے گا اگر چہ فقط اتنا ہی کہ اس کا حلیف بنے بحکم قرآن و حدیث شدید گناہ گار ہوگا خصوصا مرتد سے اگر چہ وہ اسلام کا مدعی ہو کہ مرتد سے تو نری معاملت بھی حرام ہے۔ تو کسی کافر خصوصا مرتد کو والی بنانا، اس کے ہاتھوں پڑنا، اسے سربراہ کار کرنا، کیا اشد حرام ہوگا؟ یہ تو موالات صوریہ کا حکم ہے۔ اور اگر معاذ اللہ حقیقیہ ہو جب تو آفت بہت سخت ہے۔

ایسے کے لیے قرآن عظیم کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ (۱)
اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا وہ انہیں میں سے ہے۔

اور فرماتا ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْماً يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ﴾ (۲)
تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی۔

اور فرماتا ہے: ﴿وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ (۳)
اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ اور نبی پر اور اس پر جو ان کی طرف اترا تو کافروں سے دوستی نہ کرتے۔

---

(۱) [سورۃ المائدۃ:۵۱] (۲) [سورۃ المجادلۃ:۲۲]

(۳) [سورۃ المائدۃ:۸۱]

حرمت موالات میں کفار کی آیات بہت کثیر ہیں، یہاں دو تین آیتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

فرماتا ہے:

﴿يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُواً وَلَعِباً مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاء وَاتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ.﴾(۱)

اے ایمان والو انہیں جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل ٹھہرالیا جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور سب کفار ان میں کسی کو حبیب نہ بناؤ، ولی و مددگار نہ ٹھہراؤ، اور اللہ سے ڈرو اگر تم مسلمان ہو۔

اور فرماتا ہے:

﴿يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالاً وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاء مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الآيٰتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ﴾(۲)

اے مسلمانو اپنے غیروں سے کسی کو راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری نقصان رسانی میں کمی نہ کریں گے۔ تمہارا مشقت میں پڑنا ان کی دلی تمنا ہے۔ دشمنی ان کے منہوں سے ظاہر ہو چکی اور وہ جو ان کے سینوں میں دبی ہے اور بڑی ہے۔ بے شک ہم نے تمہارے لیے نشانیاں صاف بیان فرما دیں اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

﴿بَشِّرِ الْمُنٰفِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَاباً أَلِيماً. الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَآء مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعاً﴾(۳)

منافقوں کو عذاب الیم کی بشارت دیجیے جو مسلمانوں کے سوا کافروں کو مددگار بناتے ہیں۔ کیا کافروں کے پاس عزت ڈھونڈھتے ہیں تو عزت تو ساری اللہ کے لیے ہے۔ اسی کے قبضہ میں ہے۔

تفاسیر دیکھیے!

ابن جریر میں پہلی آیت کے نیچے ہے:

" لاتتخذوهم أيها المؤمنون أنصاراً وإخوانا وحلفاء فإنهم لا يألونكم خبالاً وإن أظهروا لكم مودة وصداقة۔"(٤)

---

(۱) [سورة المائدة:۵۷] (۲) [سورة آل عمران:۱۱۸]

(۳) [سورة النساء:۱۳۸، ۱۳۹] (٤) [تفسير الطبري: باب (۵۷)، ۱۰/٤۲۹]

اے مسلمانو! کافروں کو مددگار یا بھائی اور حلیف نہ بناؤ وہ تمہاری ضرر رسانی میں کمی نہ کریں گے اگر چہ دوستی اور یارانہ ظاہر کریں۔

تفسیر کبیر میں امام فخر الملۃ والدین رازی زیر آیہ ثانیہ تحریر فرماتے ہیں:

" إن المسلمين كانوا يشاورونهم في أمورهم ويوانسونهم لما كان بينهم الرضاع والحلف ظناً منهم أنهم وإن خالفوهم في الدين فهم ينصحون لهم في أسباب المعاش، فنهاهم الله تعالىٰ بهذه الاية عنه، فمنع المؤمنين أن يتخذوا بطانة من غير المؤمنين فيكون ذلك نهيا عن جميع الكفار۔" (۱)

بے شک مسلمان اپنے معاملات میں یہودیوں سے مشورہ کرتے تھے، اور ان سے میل جول رکھتے تھے کیوں کہ ان کے درمیان رضاعت اور حلف تھا، یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ اگر چہ ان سے اختلاف رکھتے ہیں، لیکن دنیاوی معاملات میں ان کے خیر خواہ ہیں، تو اللہ عزوجل نے اس آیت کے ذریعہ انہیں منع فرمادیا، اس طرح غیر مسلموں کو قریبی بنانے سے منع فرمادیا، لہذا یہ تمام کفار سے قربت رکھنے کے بارے میں نہیں قرار پائے گی۔ (مترجم)

وقال تعالىٰ:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ ﴾ (۲)

اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

یعنی کچھ مسلمان کچھ یہود سے اپنے معاملوں میں مشورہ لیا کرتے اور باہم موانست رکھتے، دل بہلایا کرتے کہ کوئی کسی کا دودھ شریک تھا، کوئی کسی کا حلیف تھا، اس گمان پر یہ مشورت وغیرہ تھی کہ وہ اگر چہ دین میں ہمارے مخالف ہیں دنیوی امور میں تو ہماری خیر خواہی کریں گے۔ تو اللہ عزوجل نے اس آیت سے انہیں اس مشورت وغیرہ سے روکا اور حکم فرمایا کہ کسی کافر کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ تو یہ ممانعت صرف یہود سے نہیں جمیع کفار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے اور اپنے دشمن کو یار نہ بناؤ۔

علامۃ الوجود حضرت سیدی ابو السعود علیہ رحمۃ ربہ الودود زیر آیت سوم فرماتے ہیں:

" بيان لخيبة رجائهم يطلبون بموالاة الكفرة العزة والغلبة، فإن العزة لله

---

(۱) [التفسير الكبير للامام الرازي. ۳۳۹/۳]

(۲) [سورة الممتحنة: ۱]

جمیعاً، تعلیل لبطلان رأیهم، فإن انحصار جمیع أفراد العزة في جنابه عز وعلا بحیث لا ینالها إلا أولیاءه۔"(۱)

یہ ان کی ناامیدی کا بیان ہے کہ کفار سے دوستی کر کے غلبہ اور عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں، بے شک عزت تو ساری اللہ کے لیے ہے، یہ ان کی رائے کے بطلان کی دلیل ہے، بے شک عزت کے جملہ افراد اللہ عزوجل کے حضور میں ہے، جسے صرف اس سے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ (مترجم)

وقال تعالی:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾(۲)

یقضی ببطلان التعزز بغیره واستحالة الانتفاع به۔(۳)

اور عزت اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے، (اللہ کا یہ فرمان) غیر اللہ سے حصول عزت ومنفعت کے بطلان اور استحالہ کا مقتضی ہے۔ (مترجم)

تفسیر لباب التاویل میں ہے:

"المعنی لا یجعل المؤمن ولایته لمن هو غیر المؤمن نهی اللّٰه المؤمنین أن یوالوا الکفار أو یلاطفوهم لقرابة بینهم أو محبة و معاشرة۔"(۴)

مطلب یہ ہے کہ مومن غیر مومن کو اپنا دوست نہیں بناتا، اللہ عزوجل نے مومنوں کو کافروں سے دوستی کرنے یا قرابت، محبت اور معاشرت کی کسی وجہ سے نرمی کرنے سے منع فرمادیا۔ (مترجم)

مدارک میں ہے:

"المراد إن اللّٰه تعالیٰ أمر المسلم أن لا یتخذ الحبیب والناصر إلا من المسلمین۔"(۵)

مراد یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنا دوست اور مددگار صرف مسلمانوں کو

---

(۱) [تفسیر أبي السعود: إرشاد العقل السلیم۔ سورة النساء، ۱۳۹۔ ۲/۲۴۴]

(۲) [سورة المنافقون:۸]

(۳) [تفسیر أبي السعود: إرشاد العقل السلیم۔ سورة النساء، ۱۳۹۔ ۲/۲۴۴]

(۴) [تفسیر الخازن: سورة آل عمران، ت ۲۸، ۱/۲۳۷]

(۵) [التفسیر الکبیر للرازي: سورة المائدة، ت ۵۵۔ ۱۲/۳۸۶]

بنائیں۔(مترجم)

نیز اسی میں ہے:

﴿لا تتخذوهم اولياء﴾أي: لا تعتمدوا على الاستنصار بهم، ولا تودّدوا إليهم۔(١)

انہیں دوست نہ بناؤ یعنی ان کی مدد پر بھروسہ نہ کرو، اور نا ہی ان سے دوستی کرو۔(مترجم)

تفسیر ابو السعود وفتوحات الٰہیہ میں ہے:

"نهوا عن موالاتهم لقرابة أوصداقة جاهلية ونحوهما من أسباب المصادقة والمعاشرة، وعن الاستعانة بهم في العزة وسائر الأمور الدينية۔"(٢)

مسلمانوں کو قرابت اور زمانۂ جاہلیت کی دوستی وغیرہ اسباب صداقت ومعاشرت کی وجہ سے ان لوگوں سے دوستی کرنے سے منع فرمادیا، اسی طرح تمام دینی عزت اور تمام دینی معاملات میں استعانت سے منع فرمادیا۔(مترجم)

ان آیات اور تفاسیر کی عبارات سے روشن کہ کسی کافر سے دوستی، بھائی چارہ، محبت، ان کو انصار ومددگار بنانا، ان کے حلیف بننا، ان سے مل کر غلبہ وعزت چاہنا، حتی کہ ان سے مشاورت وموانست، دینی امور نہیں دنیوی باتوں ہی میں سہی ان سے ملاطفت، ان سے مسلمانوں کی معاشرت سب حرام ہے۔ تو مرتد تو مرتد ہے، والعیاذ باللہ تعالیٰ، کافر سے میل کیسا، اس کی طرف ادنیٰ میل حرام ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:﴿وَلَا تَرْكَنُوٓا۟ إِلَى ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ فَتَمَسَّكُمُ ٱلنَّارُ﴾(٣)

ان کی طرف ادنیٰ میل نہ کرو جنہوں نے ظلم کیا، کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔

کافروں بلکہ فاسقوں سے مجالست کی ممانعت ہے۔

مولیٰ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ ٱلشَّيْطَٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ ٱلذِّكْرَىٰ مَعَ ٱلْقَوْمِ ٱلظَّٰلِمِينَ﴾(٤)

---

(١) [سورة المائدة:٥١] [التفسير الكبير:٣٧٥/٤]

(٢) [فتح البيان: في مقاصد القرآن، ٢١٤/٣]

(٣) [سورة هود:١١٣]

(٤) [سورة الأنعام:٦٨]

اور اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھ۔

تفسیرات احمدیہ میں ہے:

"الظالمین یعم المبتدع والفاسق والکافر، والقعود مع کلھم ممتنع."(١)

ظالمین عام ہے ہر بدعتی اور فاسق وکافر کو، لہذا ہر ایک کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ممنوع ہے۔ (مترجم)

حدیث میں فرمایا: ((لا تجالسوھم))(٢)

حدیث میں مبتدع کے بارے میں فرمایا:

((من أعرض عن صاحب بدعة بغضاً له ملأ اللّٰه قلبه أمنا وإيمانا، ومن انتهر صاحب بدعة آمنه اللّٰه تعالىٰ يوم الفزع الأكبر، ومن أهان صاحب بدعة رفعه اللّٰه في الجنة مائة درجة۔))(٣)

جس نے بدعتی سے روگردانی کی اللہ عزوجل اس کے دل کو امن وایمان سے بھردے گا، اور جس نے بدعتی کو جھڑکا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن محفوظ ومامون فرمائے گا۔ اور جس نے بدعتی کی اہانت کی اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے سو درجات بلند فرمائے گا۔ (مترجم)

ایک حدیث میں ہے:

((من سلم على صاحب بدعة أولقيه بالبشر أو استقبله بما يسره فقد استخف بما أنزل على محمد صلى الله تعالىٰ عليه وآله وصحبه وسلم۔"(٤)

جس نے بدعتی کو سلام کیا۔ یا اس سے خوش دلی سے ملا۔ یا خوش کن انداز میں اس کا استقبال کیا تو اس نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوئے (قرآن) کو ہلکا سمجھا۔ (مترجم)

اور حدیث میں ہے:

((إذا لقيتم صاحب بدعة فاكفهروا في وجهه۔"(٥)

---

(١) [التفسيرات الأحمدية: ص ٢٥٥]

(٢) [كنز العمال، كتاب الفضائل، حديث:٣٢٥٢٦: ١١/٢٤٦]

(٣) [كنز العمال: كتاب الأخلاق، حديث:٥٥٩٢- ٣/٣٨]

(٤) [تاريخ بغداد للخطيب البغدادي، حديث:٥٣٧٨: ١٠/٢٦٢]

(٥) [جامع الأحاديث: ٣٣/١٦٧ عن أنس بن مالك]

[كنز العمال: فصل في البدع، ۱/۳۸۸]

جب تم بدعتی سے ملو تو چہرہ ترش کر لو۔ (مترجم)

منافق کے لیے حدیث میں ارشاد ہوا:

((لا تقولوا للمنافق سيداً، فإن يكن سيد كم فقد اسخطتم ربكم))(۱)

منافق کو سید (سردار) مت کہو اگر منافق کو اپنا سردار بنایا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کر دیا۔ (مترجم)

تو منافق فاسق کی تعظیم حرام ہے۔ حدیث میں ہے:

((إذا مدح الفاسق غضب الرب واهتزلذلك العرش.))(۲)

جب فاسق کی تعریف کی جائے تو اللہ تعالیٰ غضب فرماتا ہے اور عرش الٰہی ہلنے لگتا ہے۔ (مترجم)

تو کسی مرتد کے ساتھ دوستی، محبت، اس کی اطاعت، اس کی نصرت، اس سے استعانت، اس سے مشاورت، اس سے موانست وملاطفت، اس سے خواہش غلبہ وعزت، اس کے ساتھ عوام نہیں، خواص مسلمین سے بھی بالا اخص الخواص کی سی معاشرت، اسے راز دار اور سربراہ کار بنانا ہی نہیں اس کے ہاتھوں پڑنا، اس کے ہاتھ میں اپنی گردنیں دے دینا، اسے والی وامام ماننا، کیسا اشد ظلم اور اشد حرام، انجث واشنع کام ہے۔ والعیاذ باللّٰہ تعالیٰ۔

آیات کریمہ واحادیث وتفسیر کے یہ ارشادات دیکھنے کے بعد سچے دل سے خدا کی طرف رجوع کر کے دل پر ہاتھ دھر کے کہو! کیا وہ جس نے کہا کہ ’’لوگ انبیاء کی وساطت سے قانون خدا کی تعمیل کرنے، اور ان کو ذریعہ علم سمجھنے کی بجائے ان کے پیچھے لگ گئے، فرقہ بند بن گئے، خدا کو تسلیم کرنے، مسلم بننے کے بجائے (إلیٰ قوله) محمدی بن گئے۔ ان کو سراہنا، ان کو اپنے افعال واعمال میں بت بنالینا، جزو دین جاننا‘‘۔

اسلام کو شرک ٹھہرا کر انبیا کی اطاعت ومحبت اور ان کے سراہنے کو بت بنالینا، اسے شرک سمجھ کر خدا کی تسلیم سے اسے انکار، اور سارے مسلمانوں کو نامسلم، مشرک، کافر صراحۃً بتا کر، خود کافر مرتد ہوا، یا نہیں؟ مبتدع نہیں فاسق کے متعلق اوپر حکم معلوم ہو چکا۔ تو خود بتاؤ کہ ایسے شخص کو والی وامام بنانے

---

(۱) [سنن ابي داؤد، كتاب الأدب، باب لا يقول الملوك، حديث: ۴۹۷۷: ۴/۲۹۵]

(۲) [مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب الاعتصام في الفصل الأول، حديث: ۴۸۵۹: ۲/۲۶۰]

والا کیسا ہوگا؟۔

کیا وہ جس نے نماز اور ارکان اسلام کے متعلق یہ کہا کہ ''صوم وصلاۃ، حج وزکاۃ کو رسماً عادتاً یا تعظیماً ادا کر لینا، یا کلمۂ شہادت کو بصحت تمام پڑھ لینا، میرے نزدیک قطعاً کوئی عبادت نہیں'' اور کہے ''قرآن کی الصلاۃ نوکر کا پنج وقتہ سلام ہے، (الیٰ قولہ) مگر عبادت قطعاً نہیں'' اور جس نے کہا کہ ''ص:۹ کام چور اور حرام خور نوکر کے لیے یہ ہر وقت سلام کرتے رہنا، یہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جانا، یا مؤدب سر وقد ہو جانا، پرلے درجہ کی بد معاشی ہے''۔ اور جس نے کہا ص:۱۱۲ ''جس طرح کسی آقا کی ملازمت میں وقت کی تخصیص نہیں ہوتی، اسی طرح عبادت بھی وقت سے حتماً بے نیاز ہے۔ الصلاۃ صرف ایک پنج وقتہ حاضری اور اسلام ہے، بجائے خود عبادت نہیں''۔ نیز جس نے کہا: ص:۹۹ پتھر کی رسمی پرستش، یا خدا کے آگے رسمی سجدے کر لینے سے کسی قوم یا فرد کے عابد خدا، یا عابد ماسوا ہونے کا فیصلہ نہیں ہوسکتا''۔ اس کے مشرک موحد ہونے کا معاملہ طے نہیں ہوسکتا''۔ نیز کہا ''اگر کوئی فرد یا قوم اپنے اعمال میں خدا کے احکام پر چل رہی ہے، لیکن رسماً یا عادتاً یا رواجاً کسی بت، کسی پتھر، کسی شمس وقمر کے آگے ماتھا ٹیک رہی ہے، تو وہ در حقیقت خدا کی عابد ہے''۔ نیز جس نے کہا: ص: ۱۵۰ ''مسلم کا خدا کو منہ سے ایک ایک جپتے رہنا، کلمے اور لاحول پڑھ کر جنت کا حق دار بننا، قرآن کا ایک ایک حرف پڑھ کر دس دس نیکیوں کا منتظر رہنا، پیروں کی پرستش، قبروں کی زیارت، پھونکا پھانکی، اور استنجاؤں کو دین سمجھنا وغیرہ فی الحقیقت ناکار براز اور بے دلیل باتیں ہیں، کہ ہر مسلم الذہن شخص کو ان سے اعراض کرنے کے سوا چارہ نہ تھا''۔

خود بتاؤ کہ یہ شخص بیخ کن اسلام، اشد مرتد بے لگام ہوا یا نہیں؟ اور جو ایسا ہوا خود سمجھو کہ اسے مطاع ٹھہرانا، اپنے سیاہ سپیدہ کا اختیار دینا کیسا ہے؟ کیا اسلام دشمنی، مسلم بیخ کنی، اس کے منہ سے ظاہر نہ ہو چکی، کیا اس نے جو کچھ اسلام اور ارکان اور شعائر دین اور سنن سید المرسلین کے متعلق کہا اس سے آشکار نہ ہوا کہ، اس نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا لیا؟ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اصرار بسیار، کہ بے اس کے کام نہ چلے گا، ایک کافر کو محرری کا عہدہ دینے پر راضی نہ ہوئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی: میرا ایک محرر نصرانی ہے۔ فرمایا: تمہیں اس سے کیا تعلق؟ خدا تم سے سمجھے۔ کیوں نہ کسی کھرے مسلمان کو محرر رکھا۔ کیا تم نے یہ ارشاد الٰہی نہ سنا: اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو یار نہ بناؤ، میں نے عرض کیا: اس کا دین اس کے لیے ہے۔ مجھے تو اس کی محرری سے کام ہے، اس پر صاف فرمادیا: کہ میں کافروں کو گرامی نہ کروں گا، جب کہ اللہ نے انہیں خوار کیا، نہ انہیں عزت دوں گا، جب کہ اللہ نے انہیں ذلیل کیا، نہ انہیں قرب دوں گا

جب کہ اللہ نے انہیں دور کیا۔"

جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر عرض کیا کہ: "بصرہ کا کام بے اس کے نہ چلے گا۔ اس پر فرمایا: "مات النصراني والسلام" یعنی فرض کرو کہ وہ نصرانی مر گیا، اب اس کے بعد کیا کرو گے، جو اس وقت کرو گے وہ اب کرو۔ کسی مسلمان کو مقرر کر کے اس سے بے پروہ ہو جاؤ۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری کو ایک فرمان بھی تحریر فرمایا تھا، جس میں ہے:

"ليس لنا أن نأتمنهم وقد خونهم الله، ولا أن نرفعهم وقد وضعهم الله، ولا أن نعزهم وقد أمرنا بأن يعطوا الجزية عن يدوهم صاغرون."(١)

ہمیں جائز نہیں کہ کافروں کو امین بنائیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ انہیں خائن بتاتا ہے۔ یا ہم انہیں رفعت دیں، حالانکہ اللہ نے انہیں پستی دی۔ یا انہیں عزت دیں حالانکہ ہم حکم فرمائے گئے کہ کافر ذلت وخواری کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جزیہ پیش کریں۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافر نصرانی کو باوجود اصرار، محرری نہیں دیتے۔ اسے حرام فرماتے ہیں۔ کہاں یہ، اور کہاں یہ کہ آج ایسے شخص کو جو اسلام ومسلمین کا بیخ کن ہے، ان کا ایسا دشمن پرفن ہے جس کے منہ سے دشمنی بار بار ظاہر وآشکار ہو چکی۔ جو اسلام کو کفر ٹھہراتا ہے۔ اسے اپنا والی، اپنی جانوں کا مختار بنانا چاہا جاتا ہے۔ کہ "اس کے عقائد سے بے زار ہیں۔ بے زار رہیں گے، مگر اپنی جانیں اس کے سپرد کیوں نہ کر دیں"۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔ ع۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔ اس کا جواب بھی حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد سے سمجھ لو۔ کہ اس کے عقائد سے ہم بے زار ہیں، بے زار رہیں گے۔ یعنی اس کے عقیدے اس کے لیے ہیں، ہمیں تو اس کی تحریک سے کام ہے۔ پھر لطف یہ کہ اس کی تحریک مذہبی تحریک ہے۔ جسے زبردستی یہ کہا جاتا ہے، کہ وہ مذہبی نہیں۔ اس کا انکار آفتاب کے انکار سے زیادہ بدتر ہے۔ اس کی کتابیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ یہ تحریک مذہبی ہے۔ اس نے ایک اسلام اور گڑھا ہے جسے رواج دینا چاہتا ہے۔ اور اس اسلام کو کفر ٹھہراتا ہے۔

بہت کثیر عبارات اس کی ایسی پیش کی جا سکتی ہیں، اس وقت صرف ایک ہی عبارت پیش کی جاتی ہے:

(جو بات بالکل واضح کرنا چاہتا ہوں، یہ ہے: کہ خاکسار تحریک خالص مذہبی تحریک ہے)

---

(١) [فتح الباري لإبن حجر: قوله باب كتاب الحاكم، ١٣/١٨٤]

اور اس نے اپنا دین، اپنا عقیدہ، اپنا مذہب بھی کھول کھول کر بتایا ہے۔ اور چوبیس (۲۴) اصول میں بھی اسے رکھا ہے، اگرچہ وہاں لفظ دین و مذہب و عقیدہ نہیں لکھا ہے۔ تحریک چودہ (۱۴) نکات سے بھی ایک عبارت پڑھ لیجیے:

(۲) قرن اول یا قرون اولیٰ کا عمل اسلام ہی صحیح اسلام ہے۔ خاکسار سپاہی رسول (خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے طریق عمل کے سوا کسی شی کو دین اسلام نہیں سمجھتا۔

(۳) مولوی کا آج کل کا بنایا ہوا راستہ غلط ہے۔ خاکسار سپاہی اس غلط مذہب کو صفحہ زمین سے مٹانے اور اس کی جگہ نبوی اسلام پھر رائج کرنے کے لیے اٹھا ہے"۔

کہیے۔ جب وہ تحریک مذہبی ہے، اور سپاہی اس کو رواج دینے کا پابند اور حلف نامہ یا عہد نامہ جو ہو وہ جب یہ سب کچھ دیکھ کر لکھے گا، تو کیوں کر اس کے دین و مذہب سے علاحدہ رہ سکے گا۔ اور اگر کوئی بالفرض بے دیکھے بھالے بے سوچے سمجھے دستخط کرے گا، تو بعد علم اگر رہے گا تو کیسے اس کے دین سے علاحدہ رہے گا۔ اس کا دین تو اسی عمل کا نام ہے، وبس۔ اس کی تصریحات بے شمار سے یہ آشکار۔ جو مشرقی کے گروپ میں شریک ہوگا شرع ہی کو پیٹھ نہ دے گا، بلکہ عقل سے بھی کوئی واسطہ نہ رکھے گا، جب کہ اس کے اقوال پر مطلع ہوکر شرکت کرے گا۔ کہ بیخ کن اسلام و مسلمین سے خدمت ایمان ومومنین کی امید باندھے، اور اسے بلکہ اسی کو اس کا اہل جاننے والے ایسے ہی ہیں جیسے پہلے گاندھی کی آندھی میں پتے کی طرح اڑتے پھرنے، اور اسے مربی بے کس، مسلمانوں کا حامی ویار و یاور و مسیحا۔ مردہ قوم کو جلانے والا۔ آب چشمۂ حیوان پلانے والا۔ فخر قوم، ایک خدا سے ڈرانے والا۔ رحمت خدا بن کر مبعوث من اللہ، نبی بالقوۃ، مسجود ملائکہ، کہنے اور یہ لکھنے والے:

ہمیں امید ہے ہم کامیاب ہوں گے ضرور۔ کہ ہیں ہماری مدد پر مہاتما گاندھی۔

بجائے خطبہ جمعہ گاندھی کی مدح کے گیت گانے والے، اسے مقدس ذات ستودہ صفات کہنے والے۔ اس کی مدح میں ایسے ہوش گمانے والے۔ حمد الٰہی کا مصرع اس کی مدح میں پڑھنے والے۔ یہ شعر گانے والے:

تعریف کوئی کرے ان کی یہ نادرست خاموشی از ثنائے تو حد ثنا تست

جب گاندھی کی آندھی کا گرد و غبار بکرم کردگار دفع ہوا، اور آنکھیں کھلیں، اور اپنی زبوں تر حالت اور سراسر نقصان نظر آیا، اور سمجھے کہ ہم بڑے عظیم جال میں پھانسے گئے تھے۔ اور ہمارے حلیف در اصل ہمارے حریف تھے۔ وہ برادران وطن نہ تھے، بلکہ ہمارے خون کے پیاسے تھے۔ جنہوں نے ہمیں سبز باغ

دکھلا کر اور طرح طرح بہلا کر ہمارا بھیجا ہی نہ کھایا، بلکہ سراپا ہمیں چوس کر جھنجھوڑی ہڈی کی طرح چھوڑا۔ جب بھیانک سیاہ رات کی تاریکی دور ہوئی اور خدا نے نور کا تڑکا کیا، اور آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اس رات ہماری عشق بازی کسی کالی بلا کے ساتھ رہی۔ جیسا جب بے نتیجہ افسوس یوں ہی اب آنکھیں بند کر کے اندھا دھند اتباع، اطاعت، محبت کا نتیجہ ہوگا۔ تاریکی دور ہونے دو، نور کا تڑکا ہونے دو، کچھ دیر جاتی ہے، کہ صبح ہوتی ہے، اور معلوم ہو جائے گا:

بوقت صبح شود ہم چو روز معلومت　　　که باکہ باختہ عشق درشب دیجور

اللہ مسلمانوں کی آنکھیں کھولے، اور اس فتنہ اور تمام فتنوں سے محفوظ رکھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

داڑھی شعار اسلام ہے اور پیغمبر کی حیثیت لیڈر کی بتانا کفر

مسئلہ: (۳۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ...

(۱) زید داڑھی منڈاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اگر محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اس زمانہ میں ہوتے وہ بھی داڑھی منڈانے کا حکم دیتے۔

(۲) تذکرہ میں یہ کہتا ہے کہ پیغمبر کی حیثیت ایک لیڈر جیسی ہے، کہ اس زمانہ کا گاندھی لیڈر، اپنے زمانہ کے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ایسے لیڈر تھے۔

(۳) زید مذکورہ بالا برج بھی کھیلتا ہے، یعنی تاش پر روپیہ کی بازی لگا کر کھیلا جاتا ہے، جس میں کافی روپیہ کی ہار جیت ہوتی ہے۔ آیا یہ برج شرعاً قمار یا جوا ہے، یا نہیں؟ اور زید مذکور ماہ رمضان المبارک میں بازار اور شارع عام پر سگریٹ پیتا ہوا نکلتا ہے اور پردہ کو غیر ضروری خیال کرتا ہے، نیز نماز کا بھی پابند نہیں ہے۔ اب ایسے شخص کو ممبری میونسپل بورڈ ڈسٹرکٹ بورڈ اسمبلی وغیرہ جس سے مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی اغراض وابستہ ہوں مسلمانوں کا نمائندہ بنا کر بھیجنا اور اس کو ووٹ دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب فقہ واحادیث نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ جواب مرحمت فرمایا جاوے۔ بینوا توجروا۔　　نینی تال مسئولہ قاضی ظفر اللہ خاں گھڑی ساز بڑا بزار ۱۹۴۱ء

الجواب

داڑھی شعار اسلام ہے، تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی سنت کریمہ ہے۔ زید نے وہ کلمہ

بکا، حضور علیہ التحیۃ والثنا پر افترا کیا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام ایسی چیز کے لیے اپنے پہلے حکم کے خلاف حکم دیتے، واڑھی منڈانا شعار کفار ہے، رکھنا شعار اسلام، شعار اسلام کو مٹانے اور وضع کفار کو اختیار کرنے کا حکم دیتے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ کفار کی وضع پسند فرماتے۔ ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ۔ اس نے دوسرا کلمہ شنیعہ فظیعہ خبیثہ لعینہ کفریہ بک کر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی توہین کی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اس پر اس عظیم جبل وبال کے ہوتے ہوئے، پھر اس کا دامن اور پتھروں کے نیچے دبا ہونے کا کیا ذکر۔ کہ وہ جوا کھیلتا ہے، ضرور وہ حرام جواہی ہے، رمضان المبارک میں شارع عام پر سگریٹ پیتا ہے، پردہ کو غیر ضروری خیال کرتا ہے، اور ان سب میں بڑھ کر یہ کہ نماز کا پابند نہیں۔ ما علی مثلہ یعد الخطاء۔ ایسے شخص کو دخیل کار، سربراہ کار بنانا حرام ہے۔

قال تعالیٰ:

﴿یٰأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَأْلُوْنَکُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ أَکْبَرُ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ إِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾(۱)

اے ایمان والو غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے ان کی آرزو ہے میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔

﴿یٰأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ أَوْلِیَاءَ﴾(۲)

تفسیر مدارک میں فرمایا:

"أي لا تتخذوهم أولياء تنصرونهم، وتستنصرونهم، وتواخونهم، وتعاشرونهم معاشرة المسلمين."(۳)

انہیں اس طرح دوست نہ بناؤ کہ تم ان کی مدد کرو، یا ان سے مدد چاہو اور ان کے ساتھ بھائی چارگی سے پیش آؤ اور ان سے مسلمانوں جیسے برتاؤ کرو۔ (مترجم)

---

(۱) [سورۃ آل عمران: ۱۱۸]

(۲) [سورۃ الممتحنۃ: ۱]

(۳) [التفسير النسفي: (۵۱)، ۱/۴۵۳]

تفسیر کبیر میں ہے:

"المراد أن الله تعالیٰ أمر المسلم أن لا يتخذ الحبيب والناصر إلا من المسلمين."(١)

مطلب یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے مسلمان کو حکم دیا کہ وہ دوست اور مددگار مسلمان ہی کو بنائے۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

"لا تتخذوهم أولياء أي: لا تعتمدوا على الاستنصار بهم، ولا تتوددوا إليهم."(٢)

انہیں دوست نہ بناؤ یعنی ان کی مدد پر بھروسہ نہ کرو، اور ان سے محبت نہ کرو۔ (مترجم)

تفسیر علامہ ابو سعود فتوحات الٰہیہ میں ہے:

"نهوا عن موالاتهم لقرابة أو لصداقة جاهلية ونحوهما من أسباب المصادقة والمعاشرة، وعن الاستعانة بهم في الغزو وسائر الأمور الدينية."(٣)

مسلمانوں کو قرابت، دور جاہلیت کی دوستی وغیرہ اسباب صداقت ومعاشرت وغیرہ کی وجہ سے تعلقات قائم رکھنے سے منع کر دیا گیا، اسی طرح جنگ اور تمام امور میں استعانت ومدد مانگنے سے روک دیا گیا۔ (مترجم)

نیز کبیر میں زیر آیۂ شریفہ:

﴿يَٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالاً وَدُّواْ مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الآيَٰتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ﴾(٤)

"إن المسلمين كانوا يشاورونهم في أمورهم، ويوانسونهم لما كان بينهم

---

(١) [تفسير الرازي: سورة المائدة: (٥٥)، ١٢/٣٨٦]

(٢) [تفسير الرازي: سورة المائدة، ت، (٥٢)، ١٢/٣٧٥]

(٣) [فتح البيان في مقاصد القرآن: ٣/٣١٤]

(٤) [سورة آل عمران:١١٨]

الرضاع والحلف ظناًمنهم أنهم إن خالفوهم في الدين، فهم ينصحون لهم في أسباب المعاش، فنهاهم الله تعالىٰ بهذه الآية عنه."اه(۱)

اے ایمان والو غیروں کو اپناراز دار نہ بناؤ، مسلمان کفار(یہودیوں) سے اپنے معاملات میں مشورہ لیتے تھے، اوران سے لگاؤ رکھتے تھے، اس لیے کے ان میں رضاعت اور حلف قائم تھے، اور مشورہ اسی خیال سے کرتے تھے کہ وہ اگر چہ دین میں ان سے مخالف ہیں لیکن وہ دنیاوی زندگی میں ان کے خیر خواہ ہیں، پس اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس عمل سے منع فرمادیا۔(مترجم)

ایسے شخص کو والی امور بنانا اس کے سپرد اپنے دینی، دنیوی کام کرنا حرام ہے۔

قال تعالیٰ:

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾(۲)

تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے۔

ایسا شخص تو ایسا شخص، فاسق مسلمان کی تعظیم وتقدیم بے عذر معقول ومقبول ناجائز۔

علما فرماتے ہیں:

"لو قدموا فاسقا يأثمون؛ لأن في تقديمه تعظيمه وقد وجب عليهم إهانته."(۳)

اگر انھوں نے فاسق کو آگے بڑھایا تو وہ گناہ گار ہوں گے اس لیے کہ اس کی تقدیم میں اس کی تعظیم ہے۔جب کہ لوگوں پر اس کی اہانت واجب ہے۔(مترجم)

شرعاً اسے ووٹ دینا اس کی مدد کرنا، اور یہ اس لیے ہے کہ اسے اپنا ناصر ومعین مددگار یار ویاور ٹھہرانا ہے، اور یہ سب حرام۔علمائے اعلام وائمہ کرام کی عبارت سے واضح۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) [التفسير الكبير للامام الرازي ۳/۳۳۹]

(۲) [سورة المائدة:۵۵]

(۳) [تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق : باب ، الأحق بالامامة ـ ۱/۱۳٤]

[رد المحتار على الدر المختار : باب الامامة ، ۱/٥٦٠]

حضور کا مرتبہ امام مسجد کے برابر یا اس سے بھی کم بتانے والا کافر ہے

(۳۹) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

(۱) زید امام مسجد ہے، اس کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ وہ بسم اللہ کی ترکیب بھی نہیں جانتا، اس کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ائمہ مساجد کا مرتبہ مجھ سے زیادہ ہے، اور اگر اتنا نہ جانو تو میرے برابر البتہ ان کو جانو۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس قول کے قائل نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کی یا نہیں؟ اور غیر نبی کو نبی کے مرتبہ سے برابر جاننا کفر ہے کہ نہیں؟ اور جو لوگ زید کو اس قول کا قائل جان کر اس کی حمایت کریں، اور اسے امامت سے معزول نہ کریں، اور اس کے پیچھے نماز پڑھیں۔ ایسے لوگوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور جو لوگ یہ کہیں کہ جن لوگوں نے زید کی بلا اجازت کہ جو امام مقرر ہے، اور دوسرے کو اپنا امام بنالیا، اور اس کے پیچھے جتنی نمازیں پڑھیں وہ نمازیں نہ ہوئیں۔ اس لیے کہ زید امام مقرر کی بلا اجازت دوسرے امام نے نمازیں پڑھائیں، ان لوگوں کا یہ قول شرعاً کیسا ہے؟ قابل قبول ہے یا مردود و باطل، اگر ان کا یہ قول مردود و باطل ہے تو شرعاً ان لوگوں پر کچھ الزام ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۲) زید اکثر اوقات نماز میں اپنے وعظ میں یہ قصہ بیان کرتا ہے کہ ایک بار سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پائے مبارک ورم کر گئے تھے، حضور علیہ الصلاۃ والسلام ایک پتھر کو آگ پر گرم کر کے ورم کو اس پتھر سے سینکتے تھے۔ پتھر نے بارگاہ رب العزت جل وعلا میں عرض کیا کہ الٰہی تیرا رسول مجھے اپنے فائدے کے لیے آگ پر بار بار گرم کرتا ہے، جس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ میں تیرا بدلا لوں گا۔ چناں چہ فرشتوں نے اللہ عزوجل کے حکم سے اس پتھر کو جبل احد کی طرف پھینک دیا۔ جنگ احد کے دن اسی پتھر کو حبشی نے لے کر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف پھینکا جس سے حضور کا دندان مبارک شہید ہو گیا۔ اس سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی توہین ہوتی ہے یا نہیں؟ ایسے بے علم شخص کو ہمیشہ کے لیے امام رکھنا باوجود اس کے کہ قوم آسودہ حال ہے، وہ بہتر سے بہتر دوسرا امام رکھ سکتی ہے۔ مگر پھر بھی زید کو امامت سے علاحدہ کیا نہیں جاتا، آیا ان لوگوں پر کچھ مواخذہ شرعی ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص سے وعظ کہلانا کہ جس سے گمراہی پھیل رہی ہے جائز ہے یا ناجائز؟۔

از ترسائی علاقہ کاٹھیاوار۔ مرسلہ مسلمانان اہل سنت وجماعت بتوسط حضرت مولانا مولوی محمود

جان صاحب جام جودھ پوری۔ ۲۶/ذوی القعدہ ۱۳۴۸ھ۔

الجواب

زید بے قید اپنے اس ملعون قول بدتر از بول کے سبب کافر ہو گیا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ ولاحول ولا قوۃ إلا باللہ العلي العظیم ۔ وہ سخت بے باک نہایت ناپاک جری ہے۔ اللہ کے حبیب سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مفتری ہے۔ ائمہ مساجد کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زائد مرتبہ والا کہنا، یا انہیں حضور کے برابر ٹھہرانا، دونوں یقیناً حضور کی توہین ہیں۔ اور توہین حضور علیہ الصلاۃ والسلام کفر۔ حضور پر عمداً افترا کفر ہے۔ ہر عاقل جانتا ہے کہ کسی غلام کو کسی حاکم سے برتر یا اس کے ہمسر کہنا حاکم کی توہین ہے۔ نہ کہ کسی ادنیٰ غلام کو بادشاہ عالی مقام کا ہمسر، یا اس سے برتر بتانا۔ احکم الحاکمین رب اکبر کے حبیب ومحبوب بادشاہ عرش پائے گا سلطان دارین، باعث تخلیق کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی ادنیٰ غلام کو ہمسر، ان سے برتر کہنا کیوں کر سخت، شدید، شنیع، اخبث توہین اور اشد تر کفر نہ ہوگا، اس پر توبہ ورجوع فرض ہے، اسے لازم کہ نئے سرے سے مسلمان ہو، از سر نو کلمہ اسلام پڑھے، اور اپنی بیوی سے اگر بیوی رکھتا ہو، نکاح جدید بمہر جدید کرے اگر وہ راضی ہو، اور عورت اگر راضی نہ ہو تو اسے اس پر کوئی دست رس نہیں رہی، وہ جس سے چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے، اور اپنا مہر جب چاہے اس کی چاند ٹھوک کر لے سکتی ہے۔

اس کے اس شنیع کلمۂ خبیثہ پر مطلع ہو کر جو اس کی حمایت کرتے ہیں سب توبہ کریں، اور سب تجدید ایمان اور تجدید نکاح بھی۔ اس کے پیچھے نماز باطل محض، امام مقرر وہ کب رہا جب کہ کافر ہو چکا، کیا کفر کے بعد بھی امام برقرار ہے۔ ولاحول ولا قوۃ إلا باللہ۔ اسے امامت سے معزول کرنا کیا معنی، معزول تو وہ کیا جائے جو بدستور قائم ہو، وہ تو معزول ہو چکا، وہ جو اسے بدستور اپنا امام مانتے جاتے ہیں کچھ عقل سے واسطہ رکھتے ہیں، اور اس جہالت کا کیا کہنا کہ امام مقرر کی بلا اجازت جو نماز کسی اور کے پیچھے پڑھی جائے وہ ہوگی ہی نہیں۔ احمق لوگ جو خود اپنی بے علمی اور جہالت سے بکتے ہیں، اسے فتویٰ شریعت جانتے ہیں:

حالانکہ حدیث کا ارشاد ہے:

"من أفتیٰ بغیر علم لعنته ملائکة السموات والأرض"(۱)

---

(۱) [کنز العمال، کتاب العلم، حدیث: ۲۹۰۱۴۔ ۱۰/۸٤]

جو بے علم فتویٰ دے اس پر ملائکہ زمین وآسمان لعنت کرتے ہیں۔ یہ تو اس کے لیے ہے جو بے علم فتویٰ دے اگرچہ صحیح، پھر اس کا کیا پوچھنا جو غلط و باطل بکے، اور اسے فتویٰ شریعت جانے، والعیاذ باللّٰہ تعالیٰ۔

یہ لوگ ارشاد حدیث: ((أفتوا بغير علم فضلوا وأضلوا))(۱)

انھوں نے بے علم فتویٰ دیا تو وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا،

کے مصداق ہیں، ان سب پر توبہ فرض ہے۔ واللّٰہ هو الموفق وهو تعالیٰ أعلم۔

(۲) یہ قصہ بھی نرا من گڑھت ہے، کہیں یہ روایت نہیں، نہ ہرگز کسی طرح معقول، اللہ اکبر ہر کافر تو پتھر سے یہ اور ہزار ہا طرح نفع لے سکے، مگر اللہ کا حبیب و محبوب اگر اسے اپنی عنایت سے نوازے تو وہ الٹا شاکی ہو، اور اللہ عز وجل اپنے محبوب کے لیے پتھر سے کام لینے کو ناروا ٹھہرائے، بدلہ کسی ظلم کا لیا جاتا ہے، تو معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پتھر پر ظلم کرنے والے ٹھہرے۔ والعیاذ باللہ۔ کیسا دریدہ دہن ہے۔ جلد بتائے کہ اس نے یہ قصہ کہاں سے، کس معتمد و معتبر کتاب سے اخذ کیا۔ ولا حول ولا قوة إلا باللّٰه العلي العظيم ۔ اور وہ ہرگز ثبوت نہ پیش کر سکے گا، وہ مفتری علی الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، سخت جھوٹا کذاب جری و بے باک ہے اور اس حدیث کا مصداق ہے:

((من كذب عليّ متعمداً فليتبوأ مقعده من النار))(۲)

جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا وہ جہنمی ہے۔ (مترجم)

صلاۃ کے بارے میں یہ کہنا کہ مردے کو پکارنا ہے، تو ایسا شخص دوبارہ کلمہ پڑھے

(۴۰) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

جو شخص صلاۃ پڑھنے میں اعتراض کرے، اور یہ کہے کہ معاذ اللہ مردے کو پکارتے ہیں، اس پر شریعت سے کیا حکم ہوتا ہے؟۔ بینوا توجروا۔

---

(۱) [مشكاة المصابيح، كتاب العلم، حديث:۲۰۶۔ ۱/۵۸]

(۲) [مشكاة المصابيح، كتاب العلم، حديث:۱۹۸۔ ۱/۵۷]

الجواب

ایسا شخص سخت بے ادب بدلگام ہے، بے ہودہ بکتا ہے، اس پر توبہ فرض ہے، اسے تجدید ایمان وتجدید نکاح بھی چاہیے، وہ بدنصیب شاید التحیات میں السلام علیک أیھا النبي بھی نہ پڑھتا ہوگا، غالباً یہ شخص وہابی ہے، اگر ایسا ہے تو وہابی تو اس سے زائد گستاخیاں کرتے ہیں، اس کی اس سے کیا شکایت، یا وہابی کی صحبت میں بیٹھنے والا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وہابیوں کا اولیائے کرام کی شان میں گستاخی کرنا کوئی ٹھیک بتائے تو اس پر توبہ لازم

مسئلہ: (۴۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید نے یہ الفاظ بولے کہ: وہابی ٹھیک کہتے ہیں کہ اولیا اللہ مزاروں سے چلے گئے اور کہا کہ میں نے خود دیکھا کہ مزاروں میں گڈھے پڑگئے ہیں۔ اولیا میں کچھ نہیں ہے وہ کچھ کرتے نہیں۔ ان الفاظ پر عمرو زید کو جواب دے رہا تھا۔ تو زید نے عمرو کو خاموش کیا کہ ٹھہرو اور سنو۔ عمرو نے زید کے خاموش کرنے پر ہاں کی اور ٹھہر گیا۔ تو عمرو پر سکوت ہاں کا حکم فرمایا جاے کہ: اس کے ایمان میں تو کوئی فرق نہ آیا۔ اور زید کے مذکورہ بالا الفاظ بحکم شرع کیسے ہیں، بعد میں جو عمرو نے جواب زید کو دیا وہ یہ کہ اکثر وہابی یوں ہی کہہ دیا کرتے ہیں، کہ: اولیا اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کچھ نہیں ہے کہ ان کے مزاروں پر قوالی ہوتی ہے مزامیر کے ساتھ اور عورتیں بھاگ جاتی ہیں، اور لوگ ان کو وہاں سے بھگا لے جاتے ہیں۔ غیر عورتوں کو تو اولیا اللہ کچھ نہیں کرتے اور نہ دیکھ رہے ہیں اور لوگ ان سے مرادیں عرض کرتے ہیں۔ یہ چاہیے ہے وہ چاہیے ہے۔ ان میں کچھ نہیں ہے صرف خدا سے مانگو۔ تو ان وہابی، عبدالوہاب نجدی کے پیروں کو یہ نہیں معلوم کہ یہ کام اچھے برے، حرام، شرک وکفران کو خدا کیا نہیں دیکھ رہا ہے۔ وہ کچھ نہیں کرتا تو اس معنی بقول وہابیوں کے ان کے خدا میں کچھ نہیں۔ اولیا اللہ کو چھوڑ کر صرف خدا ہی سے مانگو۔ اب مانگنا کیسا؟ جب ان کے بقول ان کے خدا میں کچھ نہیں۔ ہم تو اولیا اللہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے مراتب جانتے ہیں اور انہیں کے توسل سے مانگتے ہیں، یہ دنیا دورنگ ہے کہ جو جیسا کرے گا ویسا ہی بھرے گا کہ: اللہ جل شانہ نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی رحمت کے بہ سبب کافروں کو بھی عذاب سے دنیا میں مہلت دی کہ سزا، اور جزا سے خالی نہ جاے گا، کوئی عقبیٰ میں ہوگی، پھر کچھ نہیں کرتے اور نہ دیکھ رہے ہیں، کا سوال کیسا؟ یہ وہابی چاند

پر خاک ڈالتے ہیں۔ اپنی ہی آنکھوں میں لیتے ہیں۔ ملعون، خبیث، جہنمی، نکڑ گدھے سنیوں کو بہکاتے پھرتے ہیں۔ سنیوں کو ان سے بات بھی نہیں کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ ان دشمنوں سے سنیوں کو محفوظ رکھے آمین۔ تو یہاں عمرو کے سمجھانے میں کوئی امر خلاف شرع تو نہیں؟

الجواب

زید نے کہا وہابی ٹھیک کہتے ہیں اس سے توبہ کرے۔ ایسا خبیث قول بکنے والا جو اولیا اللہ کے لیے یہ بکتا ہے وہ حکیموں اور ڈاکٹروں کو خدا مانتا ہوگا، جب تو اپنے مریضوں کے لیے ڈاکٹروں حکیموں کو شافی الامراض دافع الکربات سمجھ کر پہنچتا ہے۔ اور کسی کو ان کے پاس جانے سے نہیں روکتا۔ عمرو نے روکنے سے اس وقت کچھ نہ کہا۔ رک گیا اگر رک جانا مصلحت تھا تو اس کا الزام نہیں، نہ رکنا مصلحت تھا اور رکا تو برا کیا۔ بہرحال اس نے اپنا فرض ادا کر دیا اور جو کچھ کہا ٹھیک کہا۔ جزاہ اللہ تعالیٰ. واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: (۴۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ...

(۱) چراغ کی بتی سنبھال کردہ ہاتھ دیوار سے یا لحاف گدے وغیرہ سے پوچھا؟

(۲) ایک چراغ سے دوسرا چراغ ملا کر روشن کرنا؟

(۳) سرس کی لکڑی کی کوئی چیز استعمال کرنا کہ جیسے اس کی لکڑی کے چوکھٹ کواڑ لگانا؟

(۴) دیوالی، دسہرہ کے دنوں جادو سے بچنے کے لیے سرس کی لکڑی یا ٹہنی دروازے پر لگانا یہ مذکورہ بالا امور شرعاً درست ہیں یا نہیں؟

الجواب

لحاف گدے دیوار کو صاف رکھنا چاہیے، کسی شی سے انہیں ملوث کرنا برا ہے، اور ناپاک چیز سے ملوث کرنا ناجائز ہے۔ تیل اگر پاک ہے تو انگلی پاک رہی۔ ناپاک تو انگلی ناپاک ہوگئی۔ صاف کرنے سے پاک نہ ہوگی۔ اسے پانی سے پاک کریں۔ ایک چراغ سے دوسرا چراغ ملا کر روشن کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ سرس کی لکڑی کی چیز استعمال کرنے میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔ جادو سے بچنے کو اگر لکڑی سرس کی مفید ہوتی ہو تو اسے لٹکا سکتے ہیں، مگر اس کے لٹکانے میں مشابہت ہنود نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شریعت کے لیے گستاخی کے الفاظ کہنے والا کافر و مرتد ہے

(۴۴) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

مکرمی معظم جناب قبلہ مولوی صاحب دام ظلکم

(۱) سائل نے ۶۹/۱/۱۷ کو جو سوال کیا اس کا جواب ۶/۷/۴۴ لکھا جس کا اصل پرچہ ساتھ میں لگانا شامل۔ اس فتوے کو کہا کہ ایسے فتوے اور شریعت میرے لوڑے پر ہیں، اور ہم اس شریعت کو نہیں مانتے، اور کئی فحش گالیاں بھی دیں، جو کہنے کے قابل نہیں، ہمارے گاؤں کی مسجد میں ایک امام صاحب دوسرے گاؤں کے نماز پڑھاتے ہیں انھیں گاؤں کی طرف سے غلہ بھی مل جاتا ہے، انھوں نے بھی آپ کے اس گاؤں کے فتوے پر کوئی غور نہیں کیا، امام صاحب نے جواب دیا کہ اگر میں اس فتوے پر عمل کروں اور شریعت پر چلوں تو میری روزی میں خلل آرہا ہے، امام صاحب کے یہ لفظ سنکر کہ شریعت پر چلوں تو روزی میں خلل آتا ہے، لوگوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دی۔

(۲) چند لوگ اس بارے میں آپ سے فتوی لے آئے، انھوں نے دوسری جگہ نماز پڑھی، ان امام صاحب کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، اوپر لکھے سوالوں سے مطلع کیا جائے۔

(۳) اس کے چند لوگ گواہ بھی ہیں: محمد بخش، حیدر علی، کرامت اللہ ولد شیر علی، پھول شاہ ولد نظیر علی شاہ۔

عاشق علی موضع سپنا ڈاک خانہ میر گنج بریلی شریف

الجواب

(۱) جس نے وہ خبیث کلمہ بکا، شریعت مطہرہ کی توہین کی، وہ اپنے اس قول بدتر کی بنا پر کافر مرتد خارج اسلام ہو گیا، اس کے کافر مرتد ہونے کو یہی کافی تھا جو اس نے بکا کہ ہم اس شریعت کو نہیں مانتے، اس پر توبہ فرض ہے، اور از سر نو اسلام لائے، اس کی بیوی اگر ہے تو وہ اس کے نکاح سے فوراً نکل گئی، وہ بالکل رخصت ہو گئی، آگے اس پر کوئی دست رس نہ رہی، وہ آزاد ہو چکی، بعد عدت جس سے اس کا نکاح جائز ہو اس سے نکاح کر سکتی ہے، اس شخص کے پاس رہنا حرام حرام حرام ہے، اگر یہ توبہ کرے، پھر سے مسلمان ہو تو اس سے نکاح جدید بہ مہر جدید کرے، تو اس کو رکھا جا سکتا ہے۔

(۲) اس امام پر توبہ لازم ہے، جب تک وہ توبہ نہ کرے اس کے پیچھے نماز سے احتراز کریں ـ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) ان لوگوں نے ٹھیک کیا، جب تک وہ توبہ نہ کرے اسے ہرگز امام نہ بنائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶/ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ

مسلمان نے کہا "میرا کوئی مذہب نہیں" اس سے مرتد ہو گیا

مسئلہ: (۴۴)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ایک عورت جو طوائف ہے اور بہت عرصہ سے ایک مسلمان قصائی کے گھر میں رہتی ہے، تقریباً چار سال پہلے وہ میونسپلٹی کے الکشن میں اچھوت سیٹ سے کھڑی ہوئی تو گورنمنٹ نے اس سے سوال کیا کہ تم تو مسلمان کے گھر میں ہو اور یہ سیٹ اچھوت کے لیے ہے، تو اس طوائف نے کہا کہ میرا مذہب کوئی نہیں، میں نٹ کی لڑکی ہوں اور میرے باپ کا نام ہیرا ہے جو نٹ ہے، لہذا اس کو اچھوت کی سیٹ سے الکشن لڑنے کی اجازت مل گئی، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی، اس کے مقابلے میں جو اچھوت کی سیٹ سے کامیاب ہوا تھا اس کو عیسائی ثابت کر کے خارج کرا دیا گیا، اب پھر ماہ فروری ۷۵ء الکشن ہوا جس میں وہی عورت پھر کھڑی ہوئی اور الکشن سے ایک دن پہلے کچھ لوگوں کے سامنے اس نے اپنے اس جرم سے توبہ کی، اور تجدید ایمان بھی کیا، لہذا اس کے توبہ کرنے پر اعلان ایک صاحب نے کیا کہ سب لوگ اس کی مدد کریں چوں کہ یہ توبہ وتجدید ایمان کر چکی ہے لہذا بہت سے لوگوں نے اس کی سپوٹ کی، مگر کچھ حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اس کو سپوٹ کرنا جائز نہیں تھا، چوں کہ وہ مرتدہ ہے، اور اس کی یہ توبہ لائق قبولیت نہیں جب کہ کچہری میں جا کر توبہ نہ کرے، وہی لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے اس کو ووٹ دیئے ہیں ان پر توبہ واجب ہے، لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کی یہ توبہ مان کر سپوٹ کرنا جائز ہے یا نہیں جب کہ دوسرے الکشن میں کھڑے ہونے والے کنڈی ڈیٹ کافر ہیں، اگر اس کو سپوٹ کرنا جائز نہیں تو ان پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور اگر سپوٹ کرنا جائز ہے تو نا جائز بتانے والوں پر جنھوں نے کافر کو ووٹ دیئے ہیں ان پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ مفصل جواب سے آگاہ فرمائیں۔ بینوا توجروا

المستفتی عزیز خاں تحصیل فرید پور ضلع بریلی شریف ۹/مارچ

الجواب

مسلمان کے گھر میں رہتی تھی اتنے سے وہ مسلمان نہ ہوگئی، جس کے گھر رہتی تھی وہ بتائے کہ وہ مسلمان ہوگئی تھی یا نہیں، اگر ہوگئی تھی تو بے شک وہ اس بیان سے جو کچہری میں دیا کہ میرا کوئی مذہب نہیں

وہ مرتدہ ہوگئی، اور اگر مسلمان نہیں ہوئی تھی تو وہ مرتدہ نہیں ہوئی اس قول سے، پھر اگر وہ دوسری دفعہ الکشن کے وقت توبہ کر کے مسلمان ہوگئی تھی تو جنھوں نے اسے یہ معلوم ہونے کے بعد مرتد کہا، مرتد سمجھ کر اس کا ساتھ نہ دیا وہ توبہ کریں۔ سوال میں لکھا ہے فقط تجدید ایمان۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ پہلے مسلمان ہوگئی تھی۔ جن لوگوں نے کہا کہ اس کو سپوٹ کرنا جائز نہیں، کیوں کہ مرتدہ ہے، اگر انہیں یہ معلوم ہوا تھا کہ اس نے توبہ کی، تجدید ایمان کے لیے کلمہ پڑھا تو وہ توبہ کرے، ان پر توبہ لازم ہے جنھوں نے کہا کہ اس کی توبہ لائق قبولیت نہیں جب تک وہ کچہری میں جا کر توبہ نہ کرے، ان پر بھی اس سے رجوع لازم ہے، توبہ علی الاعلان کافی ہے، یہ ضروری نہیں کہ جہاں وہ لفظ کہے وہیں جا کر توبہ کرے، جن لوگوں نے یہ کہا: اس کی توبہ تجدید ایمان معلوم ہونے کے بعد کہ جن لوگوں نے ووٹ دیے ہیں ان پر توبہ واجب ہے، غلط و باطل کہا، اس سے توبہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کفر کو کسی چیز پر معلق کر کے کہنا فی الحال کفر ہے

مسئلہ: (۴۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

جناب من بزرگوار مفتی اعظم السلام علیکم

مجھے امید ہے کہ میں کم پڑھا لکھا ہوں اور خدا کا گنہ گار بندہ ہوں، اس لیے میں آپ کو تکلیف دے رہا ہوں کہ میں تاریخ انگریزی ۲۵/۱۱/۷۸ء اور ۱۱ر شوال ۱۳۹۲ھ دن سنیچر کو وقت شام ۴ بجے عورت کے بڑبڑا اور کڑکڑانے سے کہ تم بہت کھانا کھاتے ہو، اور بستر میں پڑے رہتے ہو، یہ بات دو عورت سے کہا مگر میں عورت کو سمجھایا کہ میں رات نوکری کرتا ہوں، اور بہت کڑی نوکری کرتا ہوں، اور بہت چلتا بھی ہوں اور بندوق لے کر پریٹ بھی کرتا ہوں، اس لیے میرا خوراک زیادہ ہوگیا ہے، اور رات کو جگنے کی وجہ سے دن میں زیادہ سوتا ہوں مگر عورت کے طعنے سنتے سنتے میں قسم کھایا کہ آج کی تاریخ سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤں گا، اگر کھاؤں گا تو کافر ہوں گا، قسم وحدہ لاشریک تو آج تک میں نے کھانا پیٹ بھر کر نہیں کھایا، مگر جسم بہت کمزور ہوگیا ہے، اس لیے کیا حکم ہے، کیا پیٹ بھر کر کھا سکتا ہوں۔ جواب عنایت فرمائیں۔

سائل حیات قادری

الجواب

آپ اپنے خط کشیدہ قول سے توبہ کریں، تجدید ایمان وتجدید نکاح کریں، اور پیٹ بھر کر کھانا کھا کر دس مسکین کو دونوں وقت کھانا کھلائیں، جیسا کھانا آپ کھاتے ہیں یا دس مسکین کو کپڑا دیں۔ اگر ان دونوں میں سے کسی پر استطاعت نہ ہو تو مسلسل تین روزے رکھیں۔ والمولیٰ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ محمد طاہر حسین پورنوی غفرلہ ۲۲ر رجب المرجب ۹۳ھ

الجواب صحیح: بہت جلد توبہ کیجیے، بہت بری حرکت آپ نے کی، یہ کیا برا کلمہ بکا، تجدید ایمان کیجیے، تجدید نکاح کیجیے، پیٹ بھر کر کھانا ویسے بھی نہیں چاہیے کچھ پیٹ خالی رکھنا چاہیے، آپ پیٹ بھر نہ کھائیں تو اچھا ہے، اور اگر کھائیں تو کفارہ دیں جیسا جواب میں مذکور ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تنبیہ: وحدہ لاشریک لہ، ایسے لکھا کریں بولا کریں۔

فقیر مصطفےٰ رضا قادری غفرلہ

(۷) اعتقادیات و معمولات

کسی مسلمان ہونے والے کو فوراً کلمہ کی تلقین کرنا فرض ہے

(۴۶) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید ایک کافرہ کو جامع مسجد میں امام مسجد کی خدمت میں جو مولوی اور مفتی بھی ہیں مسلمان کرنے کی غرض سے لایا اور مسلمان کرنے کو کہا: امام صاحب نے فرمایا: بعد جمعہ مسلمان کروں گا، حالاں کہ جمعہ کی نماز میں اتنی تاخیر تھی کہ امام صاحب نے کچھ دیر بیٹھ کر بعدہ سنتیں پڑھیں اور نصف گھنٹہ وعظ فرمایا، پھر خطبہ پڑھا، زید نے کہا کہ کافرہ کو نہلا کر لایا ہوں، ابھی مسلمان کر دیجیے، تو وہ جمعہ بھی پڑھ لے، امام صاحب نے فرمایا: اسلام لانے کے بعد غسل اس پر فرض ہے، لہذا بعد جمعہ بہتر ہوگا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بعد اسلام تجدید غسل فرض ہے یا نہیں؟ نیز امام صاحب اس تاخیر کرنے میں حق بجانب ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

زید اور اس مولوی پر توبہ وتجدید اسلام وتجدید نکاح لازم۔ عورت نے زید سے جس وقت کہا تھا کہ

میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں اسی وقت زید پر لازم تھا کہ وہ اسے مسلمان کرتا۔ تفصیل سے تلقین اسلام پر اگر وہ قادر نہ تھا تو کلمۂ طیبہ تو پڑھا سکتا تھا۔ اللہ عزوجل کی توحید اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی رسالت کا اقرار تو لے سکتا تھا۔ یہ ایمان مجمل کی تلقین اس کے اسلام کو کافی تھی۔ اتنا کرنے کے بعد پھر عالم کے پاس لے جاتا کہ وہ مفصل تلقین کرتا۔ جتنی دیر اس نے اسے غسل کرایا پھر عالم کے پاس لے گیا اتنی دیر کا اس کے ذمہ رضا بہ بقاء الکفر کا الزام ہے۔ عالم کے پاس جب وہ پہنچی تھی، عالم پر فرض تھا کہ فوراً اسے مسلمان کرتا۔ زید نے تو ایک وجہ سے یہ تاخیر کی تھی مگر عالم پر حکم میں کوئی اختلاف نہیں معلوم ہوتا۔ اور عقلاً بھی اس پر الزام بشدت ہے کہ جاہل کے لیے جہل اگر چہ شرعاً عذر نہ ہو مگر عقلاً عذر ہو سکتا ہے۔ نماز اگر قائم ہوتی جب بھی قطع صلاۃ کی اس اہم کام کے لیے شرعاً اجازت تھی۔

خلاصہ پھر شرح فقہ اکبر علی قاری میں ہے:

"كافر قال لمسلم أعرض عليّ الإسلام فقال: اذهب إلى فلان كفر."(۱)

کسی کافر نے مسلمان سے کہا مجھ پر اسلام پیش کرو (کلمہ پڑھادو) تو اس نے کہا کہ فلاں کے پاس چلے جاؤ تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔ (مترجم)

شرح فقہ اکبر میں اس کی وجہ یہ لکھی:

"لأنه رضي ببقائه في الكفر إلى حين ملازمة العالم ولقائه، أو لجهله بتحقيق الإيمان لمجرد إقراره بكلمتي الشهادة، فإن الإيمان الإجمالي صحيح إجماعاً، وقال أبو الليث: إن بعثه إلى عالم لا يكفر؛ لأن العالم ربما يحسنه مالا يحسن الجاهل، فلم يكن راضياً بكفره ساعة، بل كان راضياً بإسلامه أتم وأكمل."(۲)

اس لیے کہ وہ عالم سے ملاقات کے وقت تک کافر کے حالت کفر میں باقی رہنے پر راضی ہے، یا اس کی تکفیر کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس امر سے جاہل ہے کہ محض اقرار شہادتین سے ایمان کا تحقق ہو جاتا ہے، اس لیے کہ ایمان اجمالی بالاتفاق درست ہے۔ اور فقیہ ابو اللیث کہتے ہیں کہ اگر اس نے کافر کو عالم کے پاس بھیجا تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ عالم بسا اوقات اس کام کو بہتر طریقہ سے کر سکتا ہے جسے جاہل بہتر طریقہ سے نہیں کر سکتا، لہٰذا وہ اس کے کفر سے ایک لمحہ کے لیے بھی راضی نہ ہوا، بلکہ اس کی

---

(۱) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري. ۲۱۸]

(۲) [شرح الفقه الاكبر للعلامة علي القاري. ۲۱۸]

مرضی یہ تھی کہ کافر اسلام کو اکمل واتم طریقے سے قبول کرے۔(مترجم)

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

"كافر جاء إلىٰ رجل وقال: أعرض عليّ الإسلام فقال: إذهب إلىٰ فلان يكفر، وقيل لا."(۱)

کوئی کافر کسی شخص کے پاس آکر بولا: مجھے مسلمان کرلے، تو اسنے کہا کہ فلاں کے پاس چلے جاؤ، تو اس کی تکفیر کی جائے گی، اور ایک قول یہ کہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔(مترجم)

نورالایضاح اوراس کی شرح مراقی الفلاح میں ہے:

"يجوز قطعها بسرقة يساوي درهماً أو طلب منه كافر عرض الإسلام عليه"(۲)

قطع ید جائز ہے ایک درہم برابر چوری کرنے پر اور اسی طرح اس صورت میں جب کافر نے اس سے اسلام میں داخل کرنے کا مطالبہ کیا ہو۔(اوراس نے اس کو کلمہ نہ پڑھایا ہو)(مترجم)

حاشیہ علامہ طحطاوی علی المراقی:۳۷۲ میں ہے:

"إنما أبيح له البقاء في الصلاة لتعارض عبادتين، ولا يعد ذلك راضياً ببقائه على الكفر، بخلاف ما إذا أخره عن الإسلام هو في غير الصلاة."(۳)

اسے نماز میں مشغول رہنا جائز قرار دیا گیا دونوں عبادتوں میں تعارض ہونے کی وجہ سے، اور اس کا یہ عمل بقاعلی الکفر سے رضا نہ ٹھہرے گا، برخلاف خارج نماز میں تاخیر کرنے کے۔(مترجم)

امام ابن حجر مکی "اعلام الاعلام بقواطع الاسلام" میں فرماتے ہیں:

"ومن المكفرات أيضاً أن يرضى بالكفر ولو ضمناً، كأن يسأله كافر يريد الإسلام أن يلقنه كلمة الإسلام فلم يفعل، أو يقول له أصبر حتى أفرغ من شغلي أو خطبتي لو كان خطيباً."(٤)

---

(۱) [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: باب الفاظ الكفر انواع، ۱/۶۹۰]

(۲) [نور الايضاح مع الطحطاوي: ۳۷۲]

(۳) [نور الايضاح مع الطحطاوي: ص: ۳۷۲]

(٤) [اعلام الاعلام بقواطع الاسلام، ص: ۱۹]

اور رضا بالکفر اگر چہ ضمنی طور پر ہو، اسباب کفر سے ہے، مثلاً کوئی کافر جو مسلمان ہونا چاہتا ہو، کسی سے کہے مجھے کلمہ اسلام پڑھاؤ تو یہ شخص نہ پڑھائے۔ یا اس سے کہے کہ تھوڑی دیر کو یہاں تک میں اپنے کام سے فارغ ہو جاؤں۔ یا اپنی تقریر سے فارغ ہو جاؤں اگر خطیب ہو تو۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

"لو قال كافر لمسلم أعرض عليّ الإسلام، فقال: حتى أرى، أو أصبر إلى الغد، أو طلب عرض الإسلام من واعظ فقال: إجلس إلى آخر المجلس كفر، وقد حكينا نظيرها عن المتولي"(۱)

اگر کسی کافر نے کسی مسلمان سے کہا مجھے مسلمان بنالو، تو اس نے جواب دیا کہ مجھے غور کرنے کا وقت دو۔ یا کہا کہ کل تک ٹھہرو۔ یا پھر اس نے واعظ سے اسلام میں داخل کرنے کی گزارش کی اس نے جواب دیا کہ اختتام مجلس تک ٹھہرو۔ تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔ تحقیق ہم نے متولی سے اس کی نظیریں پیش کر دیں۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

"قال له كافر أعرض علي الإسلام، فقال: لا أدري صفة الإيمان، أو قال: اذهب إلى فلان الفقيه (إلى قوله) ما ذكره في المسئلتين الأوليين هو المعتمد كما قدمته بما فيه لما مر أنه متضمن ببقائه على الكفر ولو لحظة، والرضا بالكفر كفر."(۲)

اگر کسی کافر نے مسلمان سے کہا کہ مجھ پر اسلام پیش کرو، تو اس نے جواب دیا کہ میں صفت ایمان سے واقف نہیں ہوں۔ یا کہا کہ فلاں فقیہ کے پاس چلے جاؤ۔ اس قول تک جو شروع کے دونوں مسئلوں میں مذکور ہوا، یہی معتمد ہے، جیسا کہ میں نے اس کا حکم پہلے بیان کر دیا کہ اس کے اس قول سے کافر کے لیے بقا علی الکفر ثابت ہوتا ہے اگر چہ لمحہ بھر کے لیے ہو، اور رضا بالکفر کفر ہے۔ (مترجم)

دونوں پر توبہ وتجدید ایمان وتجدید نکاح فرض ہے۔ کہ کفر متفق علیہ ومختلف فیہ کا اس بارے میں ایک ہی حکم ہے۔ مجمع الانہر میں فرمایا: "ما كان في كونه كفراً اختلاف يؤمر قائله بتجديد النكاح وبالتوبة والرجوع عن ذلك احتياطاً۔"(۳) والله تعالىٰ أعلم.

---

(۱) [اعلام الاعلام بقواطع الاسلام، ص:۲۸]

(۲) [اعلام الاعلام بقواطع الاسلام، ص:۲۸]

(۳) [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر كتاب السير والجهاد، باب المرتد: ۲/ ۳۲۵]

جس امر کا کفر ہونا مختلف فیہ ہو اس کے قائل کو احتیاطاً تجدید نکاح، توبہ اور رجوع کا حکم دیا جائے گا۔(مترجم)

کافر غیر جنبی اگر اسلام لائے تو بعد اسلام اسے غسل مندوب ہے اس پر واجب نہیں۔اور اگر جنبی تھا اور اسلام لایا تو بعد اسلام اس پر وجوب غسل میں اختلاف روایت ہے۔ایک روایت میں واجب اور ایک میں واجب نہیں۔

ملتقی الابحر اور اس کی شرح مجمع الانہر میں ہے:

"يجب على من أسلم جنباً في رواية عن الإمام يجب عليه الغسل إذا أسلم جنباً، ووجوبه بإرادة الصلاة وهو عندها مكلف فصار كالوضوء، ولأن الجنابة صفة مستدامة ودوامها بعد الإسلام كإفشائها فيجب الغسل والاندب، أي: إن أسلم ولم يكن جنباً فإن الغسل مندوب له"(۱)

کافر جنبی اسلام لائے تو اس پر غسل واجب ہے، امام صاحب کی روایت کے مطابق اس پر غسل واجب ہوگا، جب کہ وہ حالت جنابت میں اسلام لائے، اور غسل کا وجوب نماز کے ارادہ سے ہوگا کیوں کہ وہ ہمارے نزدیک مکلّف ہے لہذا یہ غسل وضو کی طرح ضروری ہوگا، اور اس لیے کہ جنابت صفت دائمی ہے لہذا اس کا دوام اس پر دلالت کررہا ہے کہ وہ بعد اسلام بھی باقی ہے، لہٰذا غسل واجب ہے ورنہ مستحب ہے یعنی اگر طہارت کی حالت میں اسلام لایا تو غسل اس کے لیے مستحب ہوگا۔(مترجم)

اور یہاں تو وہ عورت نہلا دھلا کر لائی گئی تھی، اب اس کے بعد بھی اس پر غسل فرض بتانا عجیب ہے۔**ولا حول ولا قوة إلا بالله**۔اس عالم پر کتنے ہی الزام ہیں سب سے توبہ ورجوع لازم۔**والله تعالىٰ أعلم**.

فقیر مصطفیٰ رضا غفرلہ

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم

جواب حق وصواب۔اور۔مجیب مصیب ومثاب ہے۔بلاشبہ صورت مستفسرہ میں جب کہ زید سے صاف کہہ دیا تھا کہ عورت کو نہلا کر مسلمان کرانے لایا ہے کہ نماز جمعہ بھی ادا کرلے، پھر کون سی وجہ اسلام سے روکنے اور محروم رکھنے کی تھی آہ! مفتی نے اتنی دیر اسے کفر پر رکھا اور کفر پر راضی رہا۔والعیاذ باللہ

---

(۱) [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الطهارة: ۱/ ٤١]

تعالیٰ۔ موت کا وقت معلوم نہیں، کوئی حادثہ بالکہ پیش آجاتا اور عورت مرجاتی، یا شیطان خناس کوئی وسواس اس کے دل میں پیدا کر دیتا تو عورت جہنمیہ ابدیہ ہو کر مرتی اور نعمت اسلام سے محروم ہو جاتی، اور یہ کفر زید اور مفتی صاحب کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا۔ ان مفت کے مفتی صاحب کو بفرض غلط اگر تلقین اسلام سے بھی کوئی اشد واہم کام تھا تو کلمۂ توحید کے دو حرف پڑھاتے کیا چھپن پہر لگتے تھے، کسی کے خواہش اسلام کے وقت تو نماز جیسی افضل واہم عبادت کا توڑ دینا اور اسے مسلمان کرنا حسب تصریحات فقہائے کرام جائز ہے۔ پھر مسجد میں معطل بیٹھے رہنا، اور سنتیں پڑھنا، آدھا گھنٹہ جمعہ سے پہلے وعظ گوئی میں گزارنا، کون اہم فریضہ تھا کہ دو حرف کلمۂ شہادت کے نہ پڑھائے گئے، اور پھر عذر بھی کتنا معقول کہ اسلام لانے کے بعد غسل اس پر فرض ہے، لہذا بعد جمعہ بہتر ہے۔

سبحان اللہ، اسلام بعد جمعہ بہتر ہے قبل جمعہ اچھا نہیں؟ أعوذ باللہ من همزات الشياطين وأن يحضرون. یہ عجیب منطق الطیر ہے۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔ غسل بالفرض اگر فرض تھا تو نماز کے لیے، نہ اسلام لانے کے لیے۔ بغیر غسل اتنا ہی تھا کہ نماز ترک ہوتی، کیا کلمہ پڑھنا بھی بے غسل کفر و حرام تھا؟ اور بعد اسلام اگر اس پر غسل فرض بھی ہو جاتا تو وہ فرض غسل ادا کرتی یا نہ کرتی مفتی صاحب پر تو اس تاخیر تلقین اسلام سے کفر لازم نہ آتا، اور نجاست کفر سے تو وہ پاک ہو جاتی۔ پھر اتنا وقت بھی تھا کہ وہ فریضہ غسل بھی ادا کر لیتی۔ لطف یہ کہ یہ مسئلہ ہی غلط کہ پاک ہو کر بھی کوئی اسلام لائے تو اس پر بھی غسل فرض۔ وہ عورت نہا کر پاک ہو کر قبول اسلام کے لیے بقصد نماز آئی تھی، اس پر کون حدث حکمی باقی تھا جس پر فرضیت غسل کا جبروتی حکم جڑ دیا گیا۔ عامہ کتب فقہیہ میں تصریح ہے کہ اسلام لانے سے پہلے اگر نہالیا اور پاک ہو کر قبول اسلام کیا تو وہ دوبارہ نہانا ہرگز فرض نہیں، صرف نظافت کے لیے نہالے تو اچھا ہے، محبوب ومندوب ہے فرض نہیں۔

(درمختار میں ہے: ''إن أسلم طاهراً فمندوب''(۱)

اگر طہارت پر اسلام لایا تو غسل مندوب ہے۔ (مترجم)

علامہ شامی نے فرمایا: ''أي من الجنابة والحيض والنفاس أي: بأن كان اغتسل أو أسلم صغيراً فتأمل''(۲)

---

(۱) [الدر المختار۔ كتاب الطهارة. مطلب في رطوبة الفرج: ۱/۲۷۶]

(۲) [ردالمحتار كتاب الطهارة، مطلب في رطوبة الفرج: ۱/۲۷۶]

یعنی جنابت، حیض اور نفاس سے پاکی کی حالت میں مثلاً وہ غسل کر چکا تھا، یا بچپن میں اسلام لایا۔(مترجم)

پھر علامہ عبدالغنی نابلسی نے تصریح فرمائی اور در بارۂ اغتسالات اربعہ مذکورہ میں فرمایا:

"حاصله أنهم صرحوا بأن هذه الاغتسالات الأربعة للنظافة لا للطهارة."(۱)

اس سے حاصل یہ ہے کہ فقہا نے تصریح کر دی ہے کہ یہ چاروں غسل نظافت کے لیے ہیں حصول طہارت کے لیے نہیں۔(مترجم)

یعنی نہا کر اسلام لانے اور پورے پندرہ برس کا ہو کر بالغ ہونے اور نماز جمعہ و نماز عیدین کے لیے غسل بتصریح ائمہ محض نظافت کے لیے، نہ بضرورت طہارت، علمائے کرام نے سولہ چیزیں گنائیں، جن کے بعد غسل مستحب فرمایا: ایک انہیں میں یہی قبول اسلام بہ طہارت ہے۔ اور تصریح فرمادی کہ یہ سب غسل بغرض نظافت ہیں نہ بہ ضرورت۔

مراقی الفلاح اور نور الایضاح میں ہے:

"ويندب الاغتسال في ستة عشر شيئاً، لمن أسلم طاهراً الخ."(۲)

مسئولہ مواقع پر غسل مندوب ہے، مثلاً وہ شخص جو طہارت پر اسلام لائے۔

اسی پر علامہ شرنبلالی نے فرمایا:

"من أسلم طاهراً أي: عن جنابة وحيض ونفاس للتنظيف عن أثر ما كان منه"(۳)

یعنی جو جنابت، حیض اور نفاس سے طہارت پر اسلام لائے تو اس کے لیے غسل مستحب ہے سابق اثر سے پاکیزگی کے لیے۔(مترجم)

تو طہارت تو اسے حاصل تھی پھر کیوں اسے کلمہ نہ پڑھا کر جھوٹے حیلہ بہانوں سے شریک عبادت نہ ہونے دیا گیا۔ کیا بہ نیت اسلام جو غسل ہوا اس سے ازالہ حدث حکمی نہیں ہوتا؟۔ جنابت وحیض ونفاس سے طہارت نہیں ہوتی، نماز اس سے حرام ہے؟۔ لاحول ولاقوة إلا بالله العلي العظيم.

---

(۱) [رد المحتار على الدر: سنن الغسل، ۱/۱۶۹]

(۲) [مراقی الفلاح ونور الایضاح، کتاب الطهارة:۱۰۸]

(۳) [مراقی الفلاح ونور الایضاح، کتاب الطهارة:۱۰۸]

بالجملہ ظاہراً قبول اسلام کے بعد ہر گز غسل فرض نہیں، مفتی وخطی امام مرتکب حرام اور مستحق آثام۔ اس پر اور زید پر توبہ وتجدید نکاح وتجدید اسلام کا حکم ضروری، صحیح وصواب، بلا شک وبلا کلام۔ واللہ الموفق المنعام واللہ تعالیٰ أعلم۔

فقیر محمد حامد رضا خاں قادری نوری غفرلہ

اہل سنت اعتقادیات ومعمولات میں افراط وتفریط سے پاک ہیں

(۴۷) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ایسی کتاب کے بارے میں جس کا مصنف اپنے کو عالم اہل سنت و جماعت کہتے ہوئے مندرجہ ذیل خیالات وعقائد کا اظہار کرے اور صحابہ کے متعلق یہ الفاظ استعمال کرے اور ان پر مصر ہو؟۔

(۱) ''حق یہ ہے کہ ابو البشر کی اولاد میں حضرت علی جیسی صفات حسنہ مجتمعہ کا انسان پیدا ہی نہیں ہوا، اس امر میں تو کوئی شبہہ نہیں کیا جاسکتا کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اہل بیت تمام صحابہ سے افضل واعلیٰ تھے۔ اہل بیت کا انحصار موافق حدیث وتشریح آیت تطہیر وآیت مباہلہ جناب امیر وحضرت فاطمہ وحضرات حسنین میں ہے۔ اہل بیت کے بعد یقینی وقطعی خلفائے ثلثہ تمام صحابہ سے افضل واعلیٰ تھے''۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالفین خصوصاً حضرت سیدنا معاویہ اور ان کے ساتھیوں کو ہر بد سے بد فعل کو خالصاً لوجہ اللہ ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف رہنا مقتضائے سنیت دے لیا گیا ہے۔

(۳) حضرت معاویہ نے سمجھ لیا کہ قیس دام میں نہ آئیں گے، یہ جناب امیر کے سچے ہمدرد اور مطیع ہیں، تب دوسرا جال پھیلایا، ان کے بعد عمرو بن عاص کی چال بازیوں نے خوب ترقی کی۔

(۴) حضرات طلحہ وزبیر کی شرکت نے آتش فتنہ وفساد کو اور بھی مشتعل کر دیا۔ آں حضرت کی صحبت حضرت معاویہ کو کم نصیب ہوئی تھی، اور ان کے فیض سے مستفیض ہونا یہاں بالکل مفقود تھا۔

(۵) حضرت امام حسن کی شہادت میں بھی مروان ملعون درمیانی ہے، یہ ذہنیت بجز معاویہ کے اور کسی کی نہیں ہوسکتی۔ اگر معاویہ سے زائد مبتلائے معاصی کوئی شخص معاویہ کی جگہ پر ہوتا تب بھی امام حسن اس کو خلافت سپرد کر دیتے، معتبر تاریخیں معاویہ کے معائب سے بھری معلوم ہوتی ہیں۔ غرض کہ معاویہ کی دنیا طلبی نے دین سے چھڑا کر تمام رعایا کو دنیاوی خواہشات میں مبتلا کر دیا۔ مسلمانوں کو ان کے حال سے عبرت کرنا چاہیے اور خدا سے پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔ جو واقعات جناب امیر کی خلافت میں پیش آئے اس

میں معاویہ کی خواہش حکومت میں جذبۂ انتقام بھی پنہاں تھا۔اس قدر مسلمانوں کا خون معاویہ نے محض حکومت حاصل کرنے کی خواہش میں کرایا تھا''۔

الجواب

وہ شخص باوصف ادعاے سنیت، نہ سنیت بلکہ پیشوائی اہل سنت ایسے بے ہودہ اقوال رکھتا ہے جنہیں مذہب رفض کی جان کہا جائے تو بجا، جو روافض کا دین و ایمان ہیں۔اس شخص پر ان اقوال سے توبہ ورجوع لازم۔اس کے اس قول نے کہ''ابوالبشر کی اولاد میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی صفات حسنہ مجتمعہ کا انسان پیدا ہی نہیں ہوا''حضرت سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کو تمام صحابہ ہی نہیں جمیع انبیا بلکہ خود سرور عالم سید اعظم مولاے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی بڑھا دیا۔ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ، کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام ہی سید الانس والجان ہیں اور از اولاد کرام حضور ابو البشر علیہ الصلاۃ والسلام۔اور اس قول میں ہے کہ''مولیٰ علی جیسی صفات حسنہ مجتمعہ کا ابوالبشر کی اولاد میں کوئی انسان پیدا ہی نہیں ہوا''تمام صحابہ سے حضرات شیخین کریمین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اکبر و حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم بھی ہیں،حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کو افضل بتانا ہی تضلیل بہ تفضیل کو کافی۔تو یارب!ایسا قول جس میں ان کی تمام انبیا پر بھی تفضیل نکلے اس کے ساتھ کیا کچھ حکم ہوگا۔اس پر کیا حکم رب جلیل ہوگا؟پھر ایسے سے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ،نیز حضرت سیدنا طلحہ و حضرت سیدنا زبیر و حضرت سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تبرا کی کیا شکایت؟یہ شخص مدعی سنیت ہے اور نہیں جانتا کہ اہل سنت حضرات صحابہ کے ساتھ کیسا ادب رکھتے ہیں،ان کے آپس کے مشاجرات میں اپنی کیا روش رکھتے ہیں۔

بحمدہ تعالیٰ ارباب سنت افراط وتفریط دونوں بلاؤں میں مبتلا نہیں،دونوں سے پاک ہیں۔نہ وہ حضرت مولیٰ علی کی اسے محبت جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب،حضرت سیدنا مولیٰ علی کے احباب سے کسی کی تنقیص کریں کہ مولیٰ علی کا دامن تھامنے کے مدعی بنیں اور اوروں کو چھوڑ کر لقب رافضیہ اختیار کریں۔نہ اوروں کی اس میں محبت مانتے ہیں کہ معاذ اللہ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی اہانت کریں اور دائرۂ مذہب مہذب سے قدم باہر رکھ کر خارجی کہلائیں۔

حسن سنی ہے پھر افراط وتفریط اس سے کیوں کر ہو ادب کے ساتھ رہتی ہے روش ارباب سنت کی

باپ چچا کی لڑائی میں باپ کی طرف ہو کر چچا کے ساتھ گستاخی کرنے والا،چچا کو گالیاں دینے والا،کسی ذی عقل کے نزدیک راہ صواب پر نہیں ہوسکتا،اگرچہ چچا خطا پر ہو،خصوصاً ایسا جس کی پیدائش سے قرنوں پہلے جنگ ہو چکی ہو،جس کے حالات،جس کے وجوہ وعلل واسباب سے یہ محض بے خبر ہو،قطعی طور

پر کوئی خبر اسے نہ پہنچی ہو، نہ پہنچ سکتی ہو، یہ محض اپنے تعلق کی بنا پر باپ کو مظلوم، چچا کو ظالم، باپ کو حق پر، چچا کو ناحق پر بتائے، چچا کو گالیاں سنائے۔ یا محض اس لیے کہ اکثر لوگ باپ کو حق پر بتاتے ہیں، چچا کو خطا پر، چچا کی نیت پر حملہ کرے اور برا کہے، تو ان ائمہ دین واعاظم ملت کے باہمی مشاجرات میں کسی ایک طرف ہو کر دوسرے سے تبری، ایک جانب ہو کر دوسرے پر تبرا کیوں کر روا ٹھہرے گا اور کیوں کر سخت تر تبرا نہ ہو گا۔ کیا اللہ عزوجل معاذ اللہ ان کے مشاجرت سے واقف نہ تھا جس نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمالیا جو قبل فتح ایمان لائے، اور جو بعد فتح۔ کہ فرمایا:

﴿وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾(۱) اور سب سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔

جس نے ارشاد کیا:

﴿رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (۲)

اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی۔

وہ عالم الغیوب والشہادۃ عزجلالہ جب ان کی تمام کیفیات، سارے حالات، معاملات، مشاجرات، ان کی نیات وخطرات سب سے واقف ہے، اور جو کچھ جس نیت سے جس سے ہوا اس سب سے سب کا عالم ہے، اور پھر فضل صحبت کی بنا پر اپنے فضل وکرم سے ان سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا ہے، تو پھر کسی کو ان پر نکتہ چینی کا کیا موقع ہے، ان کے اعمال پر اعتراض کرنے کا کیا منہ ہے۔ صحابہ کو معصوم کون کہتا ہے۔ معصوم نہ حضرت معاویہ تھے، نہ اور حضرات، نہ مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ یا یہ مدعی پیشوائے اہل سنت حضرت مولیٰ علی کو روافض کی طرح معصوم جانتا ہے، اور حضرت معاویہ وغیرہ کو غیر معصوم۔ اگر ایسا ہے تو اس کا سنی ہونا معدوم۔ اس تبرا کو تو کسی طرح اس پر محمول کرلیا جاتا کہ ناواقفی سے ایسے کلمات لکھ دیے، روافض کی صحبت، ان کی کتابوں کے مطالعہ کا یہ نتیجہ ہوا، مگر اسے کا ہے پر محمول کیا جائے؟۔

اللہ اللہ! نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ارشاد فرمائیں:

((اللّٰه اللّٰه في أصحابي لا تتخذوهم غرضاً من بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، من آذاهم فقد آذاني، ومن آذاني فقد اذى اللّٰه، ومن اذى اللّٰه تعالىٰ فيوشك أن يأخذه.))(۳)

---

(۱) [سورة الحديد: ۱۰] (۲) [سورة المائدة: ۱۱۹]

(۳) [مشكاة المصابيح. باب: مناقب الصحابة الفصل الثانی ۳/۱۶۹۶]

میرے بعد میرے صحابہ کونشانہ نہ بنانا، تو جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کے سبب ہی ان سے محبت کی۔ اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ہی بغض رکھا۔ جس نے ان کو ستایا اس نے مجھے ستایا اور جس نے مجھے ستایا اس نے رب کو اذیت پہنچائی اور جو اللہ کو اذیت دے قریب ہے کہ اللہ اس کا مواخذہ فرمائے۔ (مترجم)

اور یہ مدعی پیشوائے اہل سنت امیر معاویہ وحضرت طلحہ وغیرہ سے یہ بغض رکھیں۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ارشاد فرمائیں:

((من سب أصحابي فعليه لعنة اللّٰه والملائكة والناس أجمعين))(۱)

جس نے میرے صحابہ کو گالی دی اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرشتے اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔(مترجم)

نیز فرمائیں: ((من سب أصحابي جلد))(۲)

جس نے میرے صحابہ کو گالی دی اس کو کوڑے لگائے جائیں۔ (مترجم)

اور یہ عالم اہل سنت کہلانے والے اجلہ صحابہ کو یوں گالیاں دیں۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو فرمائیں:

((لا تسبوا أحداً من أصحابي فإن أحد كم لو أنفق مثل أحد ذهباً ما أدرك مد أحدهم ولا نصيفه.))(۳)

میرے کسی صحابی کو گالی مت دو کیوں کہ اگر تم میں کوئی آدمی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے (راہ خدا) میں تو بھی ان کے رتبہ یا اس کے نصف کو نہ پہنچ سکے گا۔ (مترجم)

نیز حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہوا:

((لا تسبوا أصحاب محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فلمقام أحدهم ساعة (مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) خير من عمل أحد كم أربعين سنة))(٤)

---

(۱) [كنز العمال، كتاب الفضائل، حديث: ۳۲٤۷٤-۱۱/۲٤۲]

(۲) [مجمع الزوائد للهيثمي: ٦/۲٦]

(۳) [صحيح مسلم. كتاب: فضائل الصحابة، ٦٥۸۰-۲/۳۱۰]

(٤) [سنن ابن ماجه. المقدمة، كتاب السنة، فضل أهل بدر، حديث: ۱٦۲-۱/۷۷]

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کو برامت کہو، کیوں کہ ان کی سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ساعت کی صحبت تمہاری چالیس سال کی عبادت سے بہتر ہے۔(مترجم)

ایک روایت میں حضرت امام وکیع سے ہے:

((خیر من عبادۃ أحد کم عمرہ.))(۱)

تمہاری عمر بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔(مترجم)

اور یہ مدعی صاحب ایک حضرت معاویہ ہی نہیں اور بھی کتنے صحابۂ عظام پر تبرابازیاں کریں۔

ع: ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

حضرات اہل بیت طہارت واصحاب سرکار رسالت علیہ الصلاۃ والتحیۃ سے ہماری محبت ان کی ذوات ونفوس کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ وہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے اہل بیت واصحاب ہیں، تو ہمارے نزدیک جو محبّ وجاں نثار سرکار ہوگا وہ ان سب کا محبّ ودوست دار ہوگا، اور جو ان میں کسی سے بغض رکھے گا ظاہر ہوگا کہ وہ اس سرکار ابد قرار علیہ الصلاۃ والسلام ہی سے بغض رکھتا ہے۔ یہ میں نہیں کہتا ابھی خود ارشاد حدیث سے معلوم ہو چکا، تو جو حضرت سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی محبت وعظمت کا اظہار کرتا ہے اور حضرت امیر معاویہ وغیرہ سے سوء رکھتا ہے وہ نہ حضرت علی کی ذات بابرکات سے محبت کا مدعی ہے، نہ مولیٰ علی ابن ابی طالب کا دوست دار ہے اور نہ مولیٰ علی اخ الرسول کا. وھذا معنی قول المولوي مولانا جلال الدین الرومي. قدس سرہ: في المثنوي:

اے گرفتار ابوبکر وعلی   تو چہ دانی سر حق کہ غافلی

اے حضرات ابوبکر وعلی کی محبت وعداوت میں گرفتار تو راز خداوندی کو کیا جانے۔(مترجم)

کما في المستند المعتمد لشیخنا المجدد سندنا الوالد الماجد قدس سرہ۔

جیسا کہ والد گرامی مجدد عصر شیخ امام احمد رضا قدس سرہ کی کتاب "المستند المعتمد" میں ہے۔(مترجم)

عجب اس عالم اہل سنت کہلانے والے بزرگ سے جسے نہ مذہب اہل سنت کی خبر نہ مسلک اہل سنت معلوم۔ مولیٰ علی کی تعریف پر آئے تو انہیں برخلاف مذہب اہل سنت بے شبہہ تمام صحابہ سے مطلقاً افضل واعلیٰ بتادیا کہ دائرۂ مذہب اہل سنت سے نکل کر مذہب تفضیلیہ میں قدم رکھ دیا، بلکہ اس قول نے

---

(۱) [شرح الطحاویۃ : باب واللہ یغضب ویرضیٰ، ۱/۴۷۸]
[الموسوعۃ العقیدیۃ: باب الادلۃ من کلام السلف، ۷/۲۸۸]

انہیں برخلاف اسلام سید الانبیا سے بھی بڑھا دیا۔ حضرت امیر معاویہ پر نزلہ گرا تو انہیں کیا اور کیا کہہ ڈالا۔ مروان کو تو ملعون تک کہا۔ کیا سنیوں کا یہی مذہب ہے اور کیا سنیوں کا یہی مسلک ہے؟ کوئی مسلمان کیسا ہی فاسق و فاجر ہو سنی مسلمان کے نزدیک تو اس پر لعنت جائز نہیں، بلکہ کسی خاص کافر کو بھی ملعون کہنا نہ چاہیے سوا ان کفار کے جن کا کفر پر خاتمہ قطعاً معلوم ہولیا، جیسے ابو جہل۔ یہ تو جو کچھ تھا مگر۔ ع

پتھر کے تلے دبا ہے دامن

حضرت امیر معاویہ پر جو طعن اچھل اچھل کر کیے گئے ہیں، پھر حضرت سیدنا امام حسن، ان طاعن صاحب کی عنایات وطعن سے کیوں کر بچ سکتے ہیں کہ انہوں نے ایسے اور ایسے کو خلافت دے دی۔ اور معاذا للہ، اسلام و مسلمین کے ساتھ خیانت کی، بلکہ خود حضور تک یہ طعن پہنچے گا کہ حضور نے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تفویض امامت بامیر معاویہ کو پسند فرمایا۔ معاذ اللہ ایسے بدافعال، مفتن، مفسد، عیبی، فریبی، دھوکہ باز، حیلہ ساز، مبتلائے معاصی، دنیا طلب، خود مطلب، اپنے مطلب کے لیے مسلمانوں کے خون بے دریغ بہانے والے مسلمانوں کو دین سے چھڑا کر دنیاوی فاحشات میں مبتلا کرنے والے کو امام حسن نے خلافت دی اور حضور اسے پسند فرماتے ہیں۔ ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم۔

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر   اپنا بےگانہ ذرا پہچان کر

ان صاحب مدعی اہل سنت نے تو صاف کہہ دیا کہ اگر حضرت معاویہ سے زائد مبتلائے معاصی کوئی شخص معاویہ کی جگہ پر ہوتا تو تب بھی امام حسن اس کو خلافت سپرد کر دیتے۔ یہ مدعی صاحب اسے امام حسن کے حق میں تبرا نہ جانیں مگر زمانہ تو اسے تبرا ہی جانے گا کہ اتنی عظیم امانت، ایسا عظیم مرتبہ، مسلمانوں کی جانوں تک کا فیصلہ، اسلام کا بڑے سے بڑا، چھوٹے سے چھوٹا، نازک سے نازک معاملہ، اہم سے اہم فیصلہ، ایک خائن، ایک فاسق، ایک فاجر، اور چنیں و چناں کے سپرد کر کے خود چین کی زندگی گذارنے، سکھ کی نیند سونے کو سبک دوش ہوں۔ ایک فاسق کی ذرا زبان سے مدح کرنے، یا کسی طرح کوئی تعظیم کرنے پر تو حدیث میں فرمایا:

((إذا مدح الفاسق غضب الرب واهتز لذلك العرش.))(١)

جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو رب تعالیٰ غضب فرماتا ہے اور عرش ہلنے لگتا ہے۔ (مترجم)

---

(١) (شعب الايمان : باب حفظ اللسان، ٦/٥١١

[مشكاة المصابيح: باب حفظ اللسان، الفصل الثالث، ٣/ ١٣٦٣]

یارب اس قدر اعظم عزت وعظمت، ارفع مرتبت دنیا، مسلمانوں کی سب سے اعظم سیادت، نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیابت وخلافت بخشنا یہ کیوں کر کس طرح روا ہوسکتا ہے؟ خصوصاً امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک، وہ اسے اپنے لیے کیوں کر جائز رکھتے۔

اور پھر اس الزام کا کیا جواب ہوگا کہ بڑے بھائی نے باوجود قوت وشوکت وشش ماہہ خلافت یہ کیا کہ خود پناہ بخدا ایک ایسے ویسے کو خلیفہ کر بیٹھے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور چھوٹے بھائی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اور اپنے بچوں اور عزیزوں سب کی جان پر بنوالی مگر یزید کی بیعت ہی نہ کی۔ اب دونوں میں سے ایک پر تو مدعی صاحب ضرور الزام رکھیں گے۔ ان کے نزدیک جب امام حسن حضرت معاویہ سے زائد کو دے سکتے تھے، اور حضور نے امام حسن کی اس بات پر کہ انھوں نے خلافت حضرت معاویہ کے سپرد کر دی ان کی تعریف فرمائی، تو امام حسین کو یہی راہ چلنا تھی جس کی حضور نے تعریف فرمائی تھی، خصوصاً ایسی حالت میں کہ وہ ایک آن کو بھی خلیفہ نہ ہوئے تھے، اور یہ ظاہری شوکت وقوت کے سامان نہ رکھتے تھے۔ اس میں وہ اور ان کے بچے اور اہل خاندان اور مسلمان ہمراہی سب محفوظ رہتے۔ کاہے کو اپنے ہاتھوں یہ مصیبتیں اپنے سر لیں، اور اگر امام حسین نے جو کچھ فرمایا وہی انہیں کرنا تھا۔ وہی ان کی شان رفیع کے لائق تھا۔ ایک فاسق فاجر سے ان کی بیعت دین میں رخنہ ہوتی۔ بیعت نہ کرنے پر اپنی اور اپنے بچوں اور ہمراہیوں کی جان ومال پر بنی جو بنی، بیعت کر لیتے تو جان دین وایمان پر بڑی بن جاتی۔ تو امام حسن نے کیوں عندالمدعی ایک فاسق فاجر کو خلافت سونپ دی؟ وہ بھی لڑنے کی پوری قوت رکھتے ہوئے۔ یا حضرت شاہزادہ گلگوں قبا مظلوم کربلا سیدنا امام حسین شہید جور وجفا، ایک بے نظیر شجاع، بے مثل جری ودلیر، نہایت بلند پایہ اعلیٰ درجہ کے بہادر تھے۔ اور معاذ اللہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ..... تھے۔ واستغفر اللہ العلي العظیم۔

ان دونوں شہزادگان کے عمل در آمد ہی نے فیصلہ کر دیا کہ یزید علیہ ما علیہ فاسق فاجر مرتکب کبائر تھا اور نالائق ونااہل خلافت۔ اور حضرت سیدنا امیر معاویہ خلافت کے اہل۔ یوں ہی حضرت شہزادۂ کلاں نے ان کے سپرد فرما دی اور شہزادۂ خورد نے یزید کے ہاتھ پر بیعت بھی اپنے لیے جائز نہ رکھی۔ مدعی صاحب اگر ان صاحبزادگان سرکار ذیشان کے اس عمل ہی پر نظر غور وتامل کریں تو گریبان میں منہ ڈالیں کہ انہوں نے کس پر تبرا کیا ہے اور کس عظیم کو کیا کیا کہا ہے؟ ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ. یہ مدعی صاحب جور وافض سے سیکھ کر حضرت امیر معاویہ وغیرہ کبار صحابہ پر تبرا کی بوچھار کر رہے ہیں کیا خارجیوں کے مطاعن کے جواب کو بھی تیار ہیں۔ جیسے بے ثبوت دعوے انہوں نے کیے ہیں وہ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الاسنی

کے لیے انہیں کو دہرا دیں گے تو کیا جواب ہوگا؟ کیا وہ نہیں کہہ سکتے کہ قتل حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پناہ بخدا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے مشورہ سے ہوا، انھوں نے ہی ساری کاروائی کرائی، دل سے حکومت کے طالب رہے اور اس کے لیے یہ کچھ کیا، مگر زبان سے تقیۃً انکار ہی کرتے رہے۔ یوں ہی ہر ہر بات اگر خارجی حضرت مولیٰ علی کے لیے بکے تو اس کی زبان کون روک لے گا؟۔

رہا ثبوت تو جیسے تم اس سے بے نیاز بنے ہوا ایسے ہی وہ بھی، تم نے اٹکل پچو کچھ جھوٹے دعوے کر دیے اور حضرت امیر معاویہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جو سوء رکھتے ہو اس کی کچھ بھڑاس نکال لی۔ یوں ہی وہ بھی یہ بے سروپا باتیں اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کو کہہ بھاگا۔ اے پیشوائے اہل سنت کے مدعی مذہب و مسلک اہل سنت پہلے تو معلوم کر لیا ہوتا، پھر ہی عالم اہل سنت کا جلیل لقب اختیار کیا ہوتا۔ تمام کتب اہل سنت دیکھ جایئے، تمام صحابہ کا تزکیہ کرتے ہیں، سب کو عدول بتاتے ہیں، اور اس تزکیہ صحابہ کو اپنا مذہب ٹھہراتے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ان صاحب کو علم دے اور اس پر عمل کی توفیق، اور سچا سنی عالم بنائے۔ آمین۔ واللہ ھو الموفق۔

سوال نمبر ایک میں جو اس کی عبارت نقل کی گئی ہے وہ صراحۃً مولیٰ علی نیز تمام اہل بیت کو خلفا سے افضل و اعلیٰ بتارہی ہے۔ یہ شیخین پر حضرت مولیٰ علی کو جو تفضیل دی عجب کہ وہ کیوں کر مدعی پیشوائے اہل سنت ہو سکتا ہے، وہ روافض کا پیشوا اگر اپنے آپ کو کہے تو بجا ہے۔ اہل سنت کے نزدیک تو یہ تفضیل کھلی گمراہی اور رفض کی پہلی سیڑھی ہے، وہ کتاب ہرگز کسی سنی کے مطالعہ کے قابل نہیں، اسے تو رافضی ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ مولیٰ عزوجل سنیوں کو اس تبرا کی پوٹ سے محفوظ رکھے۔ واللہ الھادي وھو تعالیٰ أعلم۔

مہتر قوم کے لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور وہ کفری عقیدہ نہیں رکھتے تو مسلمان ہیں

مسئلہ: (۴۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

قوم مہتر جن کے یہاں حسب ذیل پیشہ و نام و کام ہوتے ہیں اور طریقہ و رسوم اجرا ہیں۔

(۱) شہنائی بجانے کا کام ہوتا ہے۔

(۲) ڈکٹر بجانے کا کام ہوتا ہے۔

(۳) جونک لگانے کا کام ہوتا ہے۔

(۴) حرام چمڑے کی تانت بنائی جاتی ہے۔

(۵) حرام تانت سے سوپ وغیرہ بنایا جاتا ہے۔

(۶) ان کے گھروں کی عورتیں جملہ اقوام یعنی مسلم وغیر مسلم کے یہاں پاخانہ کماتی ہیں وغلیظ پھینکتی ہیں۔

(۷) ان کے گھروں کی عورتیں علاوہ مسلمان کے دیگر اقوام کے یہاں کھانا جائز اور ناجائز ہر قسم کا لاتی ہیں اور سب اس کو کھاتے ہیں۔

(۸) شہنائی وڈ کٹر بجانے کے سلسلہ میں مندروں کا چڑھاوا وپوجا وغیرہ کی چیزیں لاتے ہیں، اور استعمال کرتے ہیں۔

(۹) ان کے یہاں مردوں کو غسل دینے کے لیے کوئی مسلمان حجام نہیں جاتا۔

(۱۰) ان کے یہاں کسی نذر ونیاز یا فاتحہ خواہ محفل میلاد وغیرہ نہیں ہوتی۔

(۱۱) ان کے یہاں کبھی قرآن خوانی نہیں ہوتی۔

(۱۲) کسی مسلمان کے یہاں ان کی یا ان کے یہاں کسی مسلمان کی آمد ورفت یا شرکت نہیں ہوتی۔

(۱۳) ان کی برادری میں سے جو شخص داخل اسلام ہو پیشہ اپنا ترک کرتا ہے اس سے یہ لوگ کھانا پینا چھوڑ دیتے ہیں۔

(۱۴) ان کے یہاں مردوں کے نام بچو۔ڈھونڈے۔بکریدہ۔جوکرن۔ چمرو۔رجب۔ بھگیلو۔بینگو۔پلو۔تلوا وغیرہ اور عورتوں کے نام جگیا۔مانکی۔مولیا۔سکونتی۔وغیرہ ہیں ان کل امورات وواقعات کے قائم اجرا رہتے ہوئے کیا وہ قوم مہتر مسلمان کہے جا سکتے ہیں، اوران کی آمد ورفت فرش مسجد پر ہوسکتی ہے اور وہ مسجد کے بدھنے اور پانی وغیرہ کو چھو سکتے ہیں، اور وہ مسلمان نمازیوں کی صف میں شانہ ملا کر نماز پڑھ سکتے ہیں؟۔

از: بنارس رام نگر مسئولہ جناب محمد رضا خاں صاحب، ۱۸/ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ۔

الجواب

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔اگر فی الواقع وہ لوگ یہاں کے سے بھنگی نہیں، لال گرو کے پیرو، لال کتاب کے ماننے والے نہیں، محض گائے کا گوشت کھانے پر اپنے

آپ کو ہندو نہیں سمجھتے ،مسلمان کہتے ہیں، بلکہ واقعی وہ تمام ضروریات دین اسلام پر ایمان اور سچے مسلمان کے سے عقائد رکھتے ہیں،اور کسی حرام قطعی کو حلال نہیں جانتے ،حرام شئی کو حرام سمجھ کر کھاتے ہیں،مسلمان ہونے پر اعتراض نہیں کرتے ،تو وہ مسلمان ہیں اور پاک صاف ہوکر مسجد میں جماعت میں حاضر ہونے کا ہر مسلمان کی طرح حق رکھتے ہیں،کوئی انہیں اس سے نہیں روک سکتا، جو روکے گا وہ خود شرع کا مجرم گنہ گار ہوگا۔ مسجد بیت اللہ ہے کسی کی ملک نہیں ،اس میں ہر مسلمان آئے گا مگر اس طرح جس طرح شرعاً حاضر ہوسکتا ہے، ناپاک یا بدبو کی چیز لے کر کوئی اس پاک طاہر بقعہ میں قدم نہیں رکھ سکتا، اگر چہ سلطان ہی کیوں نہ ہو، اگر چہ قوم کا سید ہی کیوں نہ ہو۔ ہینگ بیچنے والا پٹھان، یا مٹی کا تیل فروخت کرنے والا مسلمان، جو بھی کسی قوم کا بھی ہے اگر مسجد میں بایں حال داخل ہو کہ اس کے کپڑوں سے ہینگ یا مٹی کے تیل کی بدبو آرہی ہے اسے مسجد سے روکا جائے گا، اور یہ مہتر جو مسلمان ہے اگر صاف کپڑے پہن کر آیا ہے مسلمانوں کے برابر کھڑا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

سوال میں جو امر مذکور ہیں ان میں سے کوئی کفر نہیں ہے۔ ہاں نمبر ۷ میں اس وقت حکم کفر ہوسکتا ہے جب کہ یہ ثابت ہو کہ وہ کسی حرام قطعی کو حلال جان کر کھاتے ہیں۔ اور نمبر ۱۳ میں اس وقت جب کہ یہ ثابت ہو کہ وہ مسلمان ہونے کو معیوب جانتے اور جرم قرار دیتے ہیں، مگر یہ کیوں کر معقول جب کہ وہ خود اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ وہ نام مسلمان سے نہ چڑتے ہوں، گائے کا گوشت کھالینے کو مسلمان سمجھتے ہوں۔ واقعی مسلمان ہونے کو برا جانتے ہوں اگر معاذ اللہ ایسا ہے تو بے شک وہ مسلمان نہیں۔ جیسے ملکانے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مسلمانوں کے نام بھی رکھتے ہیں اور سچا مسلمان ہونے کو سخت عیب جانتے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ. واللہ تعالیٰ أعلم۔

ہنود کے میلوں میں تماشائی بن کر جانا حرام

(۴۹) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

(۱) ہنود کا وہ مشرکانہ میلہ جو بتوں کی پرستش کے لیے ہوا کرتا ہے۔ جیسے دسہرہ، جنم اشٹمی، درگا پوجا، کالی پوجا وغیرہ جس میں مراسم کفریہ وشرکیہ کے علاوہ ہر قسم کے ناچ تماشے اور دیگر لہو ولعب ہوتے ہیں، اور رنڈیاں بھی منگائی جاتی ہیں، ان میلوں میں اکثر ضرورت وغیر ضرورت کی اشیا ملتی ہیں، اور ان

میلوں کی زینت زیادہ تر مسلمانوں ہی سے ہوتی ہے،چوں کہ یہی زیادہ تر خریدار وتماشہ میں ہوتے ہیں،ان میں بیشتر دوکانیں ہنود ہی کی ہوتی ہیں۔ایسے میلوں میں مسلمانوں کا بحیثیت تماشائی یا بغرض خرید وفروخت شریک ہونا کیسا ہے؟

(۲)بعض جاہلوں کا یہ طریقہ کہ ایام دسہرہ میں نئی دلہن کے لیے اس کے مناسب حال چیزیں مٹھائیاں خرید کر سسرال بھیجنا ونیز سسرال والوں کا یہ فعل کہ اشٹمی دسہرہ منانے کی غرض سے نوشہ کو نذرانہ دینا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

(۳)دسہرہ وغیرہ کا میلہ بلاضرورت بطور رسم جانا،اور میلہ سے بطور تحفہ چیزیں خرید کرلانا،ونیز مٹھائیاں وغیرہ خرید کر بطور ہدیہ احباب کے یہاں بھیجنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

از پورنیہ علاقہ بائسی مرسلہ مولوی محمد غیاث الدین صاحب موجیبی مدرس مدرسہ قمر گنج۔

الجواب

ایسے میلوں میں بحیثیت تماشائی جانا حرام حرام حرام،اشد حرام،بہت اخبث نہایت ہی اشنع کام، بحکم فقہائے کرام معاذ اللہ کفر انجام ہے۔

حدیث کا ارشاد ہے:((من كثر سواد قوم فهو منهم))(۱)

جس نے کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کیا تو وہ انہیں میں سے ہے۔(مترجم)

خزانۃ الروایات میں ہے:

"في الفصول قال الشيخ ابو بكر الطرخاني: من خرج الى السدة فقد كفر ؛ لأن فيه إعلان الكفر، وعلىٰ قياس مسئلة السدة الخروج الى نيروز المجوس والموافقة معهم في ما يفعلونه في ذلك اليوم.

اسی میں ہے: كذلك الخروج في ليلة التي يلعب فيها كفرة الهند بالنيران والموافقة معهم في ما يفعلون تلك الليلة، فيلزم أن يكون كفرا، و كذا الخروج إلىٰ لعب كفرة الهند في اليوم الذي يدعوه الكفرة، والموافقة معهم من تزئين البقور والأفراس والذهاب إلىٰ دور الأغنياء يلزم أن يكون كفراً. "(۲)

---

(۱) [نصب الراية لأحاديث الهداية، كتاب الجنايات: ٤/٣٤٦]

(۲) [مجمع الأنهر: فصل الفاظ الكفر أنواع، ١/٦٩٨]

فصول میں ہے، شیخ ابوبکر طرخانی فرماتے ہیں کہ جو شخص میلہ (دسہرہ) میں گیا تو وہ کافر ہوگیا، اس میں اعلان کفر ہے، اور (دسہرہ/میلہ) کرتے ہوئے مجوسیوں کے نیروز میں جانا اور ان کے اس دن کے معمولات میں شریک ہونا بھی کفر ہوگا، اسی طرح اس رات میں جانا (نکلنا جس میں ہندوستانی کافر آگ سے کھیلتے ہیں اور ان کے اس رات کے معمولات وکھیل کود) میں ساتھ دینا یہ کفر ہوگا۔ اسی طرح ہندوستانی کافروں کے اس دن کے کھیل میں شریک ہونا جس دن وہ صرف کافروں کو بلاتے ہوں، اور ان کے معمولات میں ان کا ساتھ دینا، مثلاً گائے اور گھوڑے آراستہ کرنا اور مالداروں کے گھر جانا یہ بھی کفر قرار پائے گا۔ (مترجم)

ان لوگوں پر توبہ، تجدید ایمان، تجدید نکاح لازم۔ جو لوگ تجارت کے لیے جاتے ہیں، انہیں مجمع کفار سے علاحدہ قیام چاہیے۔ اول تو جانا ہی نہ چاہیے، اور جائیں تو وہاں سے دور رہیں، اس قدر دور کہ ان سے ان کے مجمع میں اضافہ ہو کر اس کی شوکت نہ ہو۔ ان کی دوکانوں سے اس کی زینت نہ ہو۔ ان کے آگے اعلان کفر نہ ہو۔ مجمع کفار محل لعنت ہے، خصوصاً ایسا مجمع جو اظہار و اعلان کفر کا ہو۔ محل لعنت سے یوں بھی تو بچنا ضروری ہے اگرچہ اس وقت اظہار کفر نہ ہو۔ تجارت کے لیے اگر جاتے ہیں مجمع کفار سے بالکل علاحدہ جہاں سے ان کی کفری باتیں دیکھ سن نہ سکیں، راہ میں رہیں۔ مقصد تجارت یوں بھی حاصل ہوگا، اگر وہ لوگ خریدنا چاہیں گے راہ میں خریدیں گے، نہ خریدنا چاہیں گے، وہاں بھی نہ خریدیں گے۔ آج کل تو یہ نری ہوس خام ہے۔ کفار تو مسلمانوں کا بائیکاٹ کر چکے ہیں، ان سے وہ ضرورت پر تو خریدنا روا نہیں رکھتے۔ میلے میں بے ضرورت اور گراں ان سے خریدیں گے؟ میلوں میں ہمیشہ چیز گراں بکتی ہے۔ وہ مسلمانوں کو میلوں میں آنے کے روادار نہ ہوتے، وہ ممانعت نہیں کرتے کہ مسلمان میلوں میں آئیں، اور انہیں موقع ڈھونڈھ کر خوب لوٹیں، برسوں سے متعدد مواقع پر ایسا ہو رہا ہے، مگر مسلمانوں کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ لٹتے ہیں، مارے جاتے ہیں اور پھر پہونچتے ہیں۔ نہ دین کا لحاظ نہ دنیا کا۔ خدا ان کی آنکھیں کھولے۔ واللہ تعالیٰ هو الموفق وهو الهادي. وهو تعالیٰ أعلم.

(۲)(۳) دسہرہ منانے والے سوال میں جو مذکور ہے ایسا کرنے والے از سرنو کلمہ اسلام پڑھیں، ان پر تجدید ایمان وتجدید نکاح لازم ہے، یہ لوگ اگر باز نہ آئیں، تجدید ایمان اور تجدید نکاح نہ کریں تو ان سے تا توبہ، مقاطعہ کیا جائے، سلام، کلام، میل جول، نشست برخاست یک لخت موقوف کیا جائے۔

فتاویٰ صغیری میں ہے:

"من اشترى يوم النوروز شيئا ولم يكن يشتريه قبل ذلك إن أراد به تعظيم

النوروز کفر"(۱)

جس نے نیروز کے دن کچھ خریدا جب کہ وہ اس سے پہلے اس شی کو خریدنے کا عادی نہ تھا، پس اگر اس کا مقصد نیروز کی تعظیم کرنا تھا تو وہ کافر ہو گیا۔ (مترجم)

شرح فقہ اکبر میں ہے:

"من أهدى يوم النيروز إلى إنسان شيئاً وأراد به تعظيم النوروز كفر"(۲)

واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

جس نے نیروز کے دن تحفہ دیا اور اس سے اس کا مقصد نیروز کی تعظیم تھی، تو اس کی تکفیر کی جائے گی (مترجم)

مفتی کو دھوکہ دے کر اس سے اپنے مطلب کا فتویٰ لینا حرام ہے

(۵۰) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ایک شب میں مسمیٰ چھدا کے مکان پر برادری کے لوگ جمع ہوے، باہم گفتگو ہو رہی تھی، اتنے میں مسمیٰ نھو ولد محمد عیوض نے ملا کفایت اللہ صاحب کو فحش الفاظ کہے۔ چوں کہ ہماری برادری میں ملا کفایت اللہ صاحب مذکور معزز بزرگ ہیں، سب ان کا ادب کرتے ہیں، بدیں وجہ نھو ولد محمد عیوض مذکور کو برادری پنچایت سے خارج کر دیا، دوسرے روز صبح کو چھدا مذکور کے مکان پر چھدا مذکور کی لڑکی کی شادی تھی، کل برادران کا شادی کا بلاوا تھا چھدا مذکور کے مکان پر سب برادری کے لوگ جمع ہوئے وہاں پر نھو مذکور جو برادری سے خارج کر دیا گیا تھا، وہ بھی موجود تھا۔ لہٰذا چھدا مذکور سے برادروں نے کہا کہ نھو مذکور یہاں کیوں موجود ہیں؟ کیوں کہ یہ برادری سے خارج ہے، اس کے ہمراہ ہم لوگ کھانا نہیں کھائیں گے۔ اس پر مسمیٰ اتواری نے کہا کہ خدا کے واسطے آپ سب صاحبان میرے مکان پر کھانا کھا لیجیے۔ چوں کہ مسمیٰ اتواری چھدا مذکور کا چچا ہے، اتواری کے کہنے پر مسمیٰ ولی اللہ نے اتواری سے کہا کہ ایسی ذرا ذرا سی باتوں پر خدا کا واسطہ نہیں دینا چاہیے، اور یہ ڈانٹ کر کہا کہ آپ اس کا جواب دیجیے کہ آپ ہم لوگوں

---

(۱) [منح الروض الأزهر في شرح الفقه الأكبر: ۴۹۹]

(۲) [منح الروض الأزهر في شرح الفقة الأكبر: ۵۰۰]

برادروں کو کھانا کھلانا چاہتے ہو، یا صرف نتھو کو؟ اس پر چھدا نے یہ کہا کہ میرے چچا اتواری نے جو کہا ہے کہ خدا کے واسطے سب صاحب میرے یہاں کھانا کھا لیجیے وہی میں بھی کہتا ہوں۔ اس پر ولی اللہ نے جواب دیا کہ آپ لوگ ایسے موقع پر نہ سمجھتے ہوئے، ایسی معمولی باتوں پر خدا کا واسطہ دیتے ہو، یہ بات شریعت مطہرہ سے منع ہے، آپ ان باتوں کا جواب دیجیے، کہ آپ ہم لوگوں کو کھانا کھلانا چاہتے ہو یا نتھو کو؟ اگر آپ کو نتھو مذکور کے ساتھ ہمدردی ہے تو نتھو کا معاملہ طے کرا دیجیے تب ساتھ میں کھانا کھا سکتے ہیں، ورنہ نہیں کھائیں گے۔ کچھ عرصہ بعد حاجی نبی بخش صاحب تشریف لائے، انہوں نے نتھو برادران کے معاملہ کو معلوم کیا اور نتھو کا قصور ثابت ہوا، لیکن نتھو نے بیان کیا میں نے فحش الفاظ کوئی نہیں کہا، اگر میں نے کہا ہو تو خدا مجھ کو غارت کر دے، نتھو کے اس کہنے پر حاجی نبی بخش صاحب نے نتھو مذکور کے ایمان پر معاملہ ختم کر دیا ،لہذا معاملہ طے ہونے پر کل برادران و نتھو نے باہم مل کر کھانا کھایا۔ اب کچھ نزاع باقی نہیں رہا۔

اس قضیہ کے چند ایام بعد نتھو کی لڑکی کی شادی تھی، نتھو نے چند حرکتیں خلاف قواعد اصول پنچایت وخلاف شریعت کیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) یہ کہ تقریب شادی میں و دیگر معاملات برادری میں برادری کا اصول ہے کہ برادران کے بلا مشورہ کوئی کام نہ ہو، اور ہر کام میں سرداران قوم کو ضرور بلایا جائے، لیکن نتھو نے اس کی خلاف ورزی کی۔

(۲) یہ کہ ایک شخص ابن ولد کلن نے اپنی منکوحہ بی بی کو طلاق دے کر کچھ عرصہ بعد بلا حلالہ کیے ہوئے اسی مطلقہ بی بی کو دوبارہ اپنی زوجیت میں استعمال کر لیا، جو کہ شرع کے قطعی خلاف ہے۔ بدیں وجہ جمیع برادران نے ابن مذکور کو قطعی برادری سے خارج کر دیا تھا جس کو عرصہ تین سال کا ہوا۔ تعلقات قطعی منقطع کر لیے۔ لیکن برخلاف برادری کے حکم کے نتھو و کلن والد ابن ہر دو نے ابن ملزم مذکور سے تعلقات قائم رکھے۔ اس پر برادران نے نتھو و کلن ہر دو کو برادری سے خارج کر دیا، ان سے بھی تعلق منقطع کر دیے، اور ملا کفایت اللہ و ولی اللہ نے ہر دو اشخاص کو برادری سے خارج کرنے میں زیادہ کوشش کی، ان کی رائے پر کل برادری نے اتفاق کر کے ہر دو کو برادری سے خارج کر دیا، ان دونوں ملزمان نے بوجہ رنجش کے غلط سوال قائم کر کے فتویٰ حاصل کر لیا، جن صاحب سے فتویٰ حاصل کیا ہے وہ صاحب پیلی بھیت کے باشندہ نہیں ہیں باہر کے ہیں۔ سوال و جواب حسب ذیل ہیں:

(۵۱) **مسئلہ:** بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

مسمیٰ چھدا کے یہاں تقریب شادی میں برادری کے لوگ جمع تھے، برادرانہ اتفاق پر کچھ گفتگو

ہورہی تھی جس میں وقت بہت گزر گیا،لہذا مسمیٰ چھدا صاحب خانہ نے چودھری وکل برادران سے عرض کیا کہ اب سب لوگ خدا اور سول کے واسطے پہلے کھانا کھالیجیے گا،اس پر ولی اللہ وکفایت اللہ نے ڈانٹ کر کہا کہ خدا ورسول کا واسطہ نہیں مانا جائے گا،بات طے ہوجاوے،دوبارہ کچھ دیر بعد مسمیٰ اتواری نے خدا ورسول کا واسطہ دیتے ہوئے کھانا کھانے کے واسطے کہا تو انہیں دونوں شخصوں نے پھر یہی جواب دیا کہ ہر وقت خدا اور سول کا واسطہ نہیں مانا جاتا ہے۔جس کے لوگ گواہ حسب ذیل ہیں:شرع شریف کی رو سے اس مسئلہ پر کیا حکم ہے،اہل محلہ و چودھری صاحب سے حلفیہ اس کی تصدیق ہوسکتی ہے۔گواہ:نھو ولد قادر بخش،گواہ نھو و محمد عیوض وکلن ولد کریم بخش وفدا حسین ولد چھدا،عبدالرزاق واتواری ولد کلو واحمد حسین ومحمد عیوض وچھدا ولد عبداللہ چھوٹے ولد...

از پیلی بھیت محلہ ڈریمن گنج،دوکان حاجی نبی بخش صاحب حاجی صوفی صفی اللہ صاحب سوداگران تمباکو۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں ولی اللہ وکفایت اللہ دونوں بحکم جمہور فقہائے کرام خارج از اسلام ہوگئے،دونوں پر ازسرنو کلمہ پڑھ کر توبہ کرکے اسلام لانا فرض اور ہر فرض سے بڑھ کر اہم فرض ہے،پھر اگر اپنی بیوی کو رکھنا چاہیں تو ان کی رضا سے جدید مہر نیا نکاح کریں،اور اگر وہ معاذ اللہ اس حکم شرعی پر عمل نہ کریں تو برادری والوں پر فرض ہے کہ ان سے میل جول،سلام کلام،حقہ پانی بند کردیں۔یہاں تک کہ وہ توبہ کریں۔خدا ورسول۔جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔کا واسطہ ہر بات پر نہیں دینا چاہیے،اگر کوئی ضروری بات ہورہی تھی جس کا طے کرنا پہلے مقدم تھا،تو اس کو روکنے کے لیے خدا ورسول کا واسطہ ہرگز نہیں دینا چاہیے تھا،جب واسطہ دیا گیا تو اس کے جواب میں یوں کہنا تھا کہ خدا ورسول کا واسطہ برحق ہے،مگر اس ذریعہ سے ایک اہم بات چھوڑی نہیں جاسکتی،مگر جو کلمہ سوال میں مذکور ہے،بہت شنیع وقبیح ہے،بہر حال توبہ وتجدید ایمان فرض ہے۔واللہ اعلم۔

اب ازروئے شرع شریف جواب طلب حسب ذیل امور ہیں:کہ شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۱) یہ کہ غلط سوال قائم کرکے جواب لینا جس سے ولی اللہ وملا کفایت اللہ کو دلی صدمہ وروحانی تکلیف پہنچی اور توہین ہوئی۔

(۲) کہ ابن ملزم جس نے اپنی عورت منکوحہ کو طلاق دے کر بلا حلالہ کیے ہوئے دوبارہ اپنے پاس رکھ لیا جس کو برادری نے خارج کیا اور تعلقات قطع کرلیے تھے،اس سے نھو ولد محمد عیوض وکلن والد ابن ملزم سے ہر دو اشخاص نھو وکلن کا تعلقات قائم رکھنا۔

(۳) کہ چھدا کا اپنے یہاں ابن ملزم کو بلانا و معمولی بات پر بے موقع خدا کا واسطہ دینا و برادری کو ایسے اہم ملزم کے ہمراہ کھلانے کی کوشش اس کے شر کا و شریک ہمنوا یعنی نتھو وکلن کی کرنا۔

(۴) یہ کہ یہاں ایک مولوی صاحب کو یہ سوال و جواب دکھلایا گیا، مولوی صاحب نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ جواب غلط ہے، ایسی صورت میں غلط جواب لکھنے والے پر از روے شرع شریف کے کیا حکم ہے؟ جملہ برادران قوم شہر پیلی بھیت و سرداران قوم؟

الجواب

دھوکا دینا، فریب کرنا شدید بد کام ہے ہی۔ خصوصاً مفتی کو فریب دے کر اپنے حسب منشا جواب لینا۔ حدیث میں ہے:

((لیس منا من غشنا))(۱)

جھوٹ بولنا، افترا کرنا، دھوکا دینا، یہ مسلمان کا کام نہیں۔ تحریف کلام یہود کا کام ہے۔

﴿یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ﴾(۲)

جنہوں نے یہ شنیع حرکت کی توبہ کریں، اور جن پر الزام کے لیے کی ان سے معافی بھی چاہیں، وہ لوگ حق اللہ اور حق العباد میں گرفتار زیاں کار گنہ گار ہوے۔ واللہ اعلم۔

(۲) جس نے اپنی مطلقہ بطلاق مغلظہ کو بے حلالہ رکھ لیا اسے بے حلالہ اپنے تصرف میں لایا زانی ہے، اور وہ نابکار عورت زانیہ۔ ان سے تا توبہ قطع تعلق کا حکم، برادری کا حکم نہیں، حکم شریعت ہے۔ برادری نے حکم شریعت پر عمل کیا اور عمل کرنا چاہا جس نے نہ مانا اس نے برادری ہی کا جرم نہ کیا شریعت کے حکم محکم سے سرتابی روگردانی کی۔ حکم شرع مقدس کو پیٹھ دی۔ شرع مطہر کا مجرم ہوا۔ اس سے بھی برادری نے قطع تعلق کیا اچھا کیا، یہی کرنا تھا۔ جب تک یہ لوگ توبہ نہ کریں انہیں برادری سے بند رکھا جاے، اور جو ان کا ساتھی ہو اسے بھی یہی سزا دی جاے۔

(۳) جن لوگوں کو برادری نے بحکم شرع بند کیا تھا، چھدا نے انہیں اپنے یہاں بلایا برا کیا۔ بلایا تھا تو ان سے توبہ و رجوع کے لیے کہتا، جب وہ توبہ کر لیتے، تو برادری سے کہتا کہ انہوں نے ہمارے سامنے توبہ کر لی، اب ان کی بندش کھول دی جاے، برادری اپنے سامنے توبہ کا اقرار لے کر بندش کھول دیتی۔ ان

---

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الایمان باب بیان غلط تحریم النمیمة:۱/۷۰]

(۲) [سورة المائدة:۱۳]

مجرموں کو بلایا، پھر اتنا ہی نہیں ان کا جرم اسی طرح رہتے ہوے برادری سے مل لینے کی کوشش وہ بھی خدا کا واسطہ دے دے کر۔ جن شرعی مجرموں کو بحکم شرع بند کیا تھا ان کو خدا کا واسطہ دینا یہی ہے کہ خدا کے واسطے یہ خلاف شرع کرو۔ ولاحول ولاقوۃ إلاباللہ۔

خدا کے لیے شریعت کا اتباع کیا جاتا ہے، یا معاذ اللہ مخالفت شرع خدا کے واسطے کی جاتی ہے؟ کسی سے مخالفت شرع کرانا گناہ ہے، اور اس پر خدا کا واسطہ دینا تو اور بھی اشد حرام ہے۔ اگر اس خلاف شرع کو خلاف شرع سمجھتے ہوے خدا کا واسطہ دیا جب تو معاذ اللہ بہت اشد تر الزام ہے۔ ایسے شخص پر توبہ، تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم ہوگا۔ حقیر بات پر خدا کا واسطہ دینا نہ چاہیے، اور جو دے تو جسے دے پسندیدہ یہ ہے کہ وہ بات نہ کرے۔

درمختار میں ہے:

"في المختارات قال ابن المبارك: سأل لوجه الله أو بحق الله يعجبني أن لا يعطيه شيئاً؛ لأنه عظَّم ما حقَّر الله تعالىٰ."(١)

مختارات میں ہے کہ ابن مبارک نے فرمایا: جس نے خدائے پاک کا واسطہ دے کر مانگا تو مجھے یہ پسند ہے کہ واسطے دینے والے کو کچھ نہ دیا جائے، اس لیے کہ اس نے اللہ عزوجل کی حقیر کردہ شی کو بڑھا وا دیا، عظیم سمجھا (مترجم)

کسی ایسی بات پر خدا کا واسطہ دینے سے اس کا کرنا لازم نہیں ہو جاتا جو جائز ہو۔ جب حقیر بات پر خدا کا واسطہ دینے پر نہ کرنا پسندیدہ ٹھہرا تو کسی ناجائز بات پر خدا کا واسطہ دینے اور مان لینے والے کا حکم ظاہر۔ ناجائز بات کا کرنا تو گناہ تھا ہی، اس پر خدا کا واسطہ اور گناہ بالائے گناہ ہوا۔

ایسے ہی مسائل کے لیے جو ناحق پر خدا کا واسطہ دے،

حدیث میں ارشاد ہوا:

((ملعون من سأل بوجه الله۔ رواه الطبراني بسند صحيح رجاله رجال الصحيح عن أبي موسىٰ رضى الله تعالىٰ عنه))(٢)

خدا کا واسطہ دے کر سوال کرنے والا ملعون ہے۔ اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (مترجم)

---

(١) [الدر المختار: فصل في البيع، ٦/٣٩٧]

(٢) [مجمع الزوائد للهيثمي، باب فيمن سأل بوجه الله تعالىٰ: ٣/١٠٣]

اسی حدیث کا آگے کاٹکڑا یہ ہے:

((وملعون من سأل بوجه الله فمنع سائله مالم يسأل هجراً))(۱)

اور ملعون ہے وہ شخص جو خدائے تعالیٰ کے واسطہ سے سوال کرے پھر اس کے سائل کو منع کیا گیا جب تک کہ وہ قبیح کا سوال نہ کرے۔(مترجم)

حدیث سے جہاں یہ واضح ہوا کہ جس شخص نے ناجائز بات ماننے کے لیے خدا کا واسطہ دیا وہ بحکم حدیث مذکور ملعون ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ برادری نے جو یہ واسطہ نہ مانا اچھا کیا، اسے یہ واسطہ ماننا جائز نہ تھا۔ یہ لوگ ملعون نہیں کہ ان سے سوال قبیح کا تھا جس پر خدا کا واسطہ دیا گیا تھا۔ قبیح پر خدا کا واسطہ دینا ہی ملعون کا کام ہے۔

(۴) عفا الله عن المفتي ۔مفتی نے فتویٰ دینے میں عجلت کی اور غور و تامل سے کام نہ لیا، خدا و رسول کا واسطہ ماننے سے انکار دیکھ کر وہ حکم لگا دیا، سائل نے مفتی کو دھوکا بھی دیا، مگر مفتی اگر تامل کرتا تو یہ حکم نہ دیتا، اللہ اسے معاف فرمائے۔ والله تعالیٰ أعلم۔

''اللہ تعالیٰ پھر اس کا رسول چاہے تو ایسا ہو جائے'' یہ کہنا قطعاً جائز ہے

مسئلہ: (۵۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زید نے کہا کہ اگر اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے چاہا تو فلاں کام ہو جائے گا، یہ سن کر بکر نے کہا کہ توبہ کرو۔ یہ شرک فی صفات الباری تعالیٰ ہے۔ اس کی مشیت میں کوئی شریک نہیں۔ وہ فاعل مطلق ومختار ہے، ایسا نہیں کہنا چاہیے۔ زید اس پر ہے کہ میں نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ خدا کی مشیت کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرضی وابستہ ہے، لہذا اس پر حکم شریعت کیا ہے۔ براہ کرم اس کا جواب بالتفصیل مع حوالہ جات کتب معتبرہ مرحمت فرمایا جاوے۔

مسئولہ مولوی شمس الحسن صاحب محلہ ذخیرہ بریلی۔ ۱۷/ذی قعدہ، ۵۷ھ

---

(۱) [مجمع الزوائد للهيثمي، باب فيمن سأل بوجه الله تعالىٰ: ۱۰۳/۳]

الجواب

ایسا کہنے سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے یہود کے اعتراض کرنے اور شرک کا چرک لگنے پر ممانعت فرمائی۔ تو جس چیز سے حضور نے ممانعت فرمادی اس سے باز رہنا چاہیے۔

قال تعالیٰ:

﴿مَانَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (۱)

جس سے منع فرمائیں باز رہو۔ (مترجم)

اگر کہیں تو یوں کہیں اللہ پھر اس کے رسول۔ جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ چاہیں یہود تو اللہ اور آپ چاہیں پر موبھ آئے تھے۔ مگر یہودی صفت نجدی مت لوگ اس پر بھی شرک شرک بکیں گے حالانکہ ایسا کہنا حضور نے خود تعلیم فرمایا۔

ابن ماجہ باب النبی أن یقال ماشاء اللہ وشئت میں یہ دو حدیثیں لائے:

((حدثنا هشام بن عمار، حدثنا عيسىٰ بن يونس، ثنا الاجلح الكندي عن يزيد بن الأصم، عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إذا حلف أحدكم فلا يقل ماشاء الله وشئت، ولكن ليقل ماشاء الله ثم شئت.

حدثنا هشام بن عمار، حدثنا سفيان بن عيينة، عن عبد الملك بن عمير، عن ربعي بن حراش، عن حذيفة بن اليمان أن رجلا من المسلمين رأى في النوم أنه لقي رجلا من أهل الكتاب فقال: نعم القوم أنتم، لولا أنكم تشركون، تقولون: ماشاء الله وشاء محمد۔ وذكر ذلك للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: أما والله إن كنت لأعرفها لكم، قولوا ماشاء الله ثم شاء محمد (عليه الصلاة والسلام))(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ جب تم میں کوئی قسم کھائے تو وہ یہ نہ کہے کہ جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں، بل کہ کہے جو کچھ رب چاہے پھر میں چاہوں۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک کتابی شخص سے ملا، تو اس نے کہا کہ تم بہت اچھے لوگ ہو، کاش تم نے شرک نہ کیا ہوتا، تم کہتے ہو جو

---

(۱) [سورۃ الحشر: ۷]

(۱) [سنن ابن ماجہ، باب النھی أن یقال: ماشاء اللہ وشئت، حدیث: ۲۱۱۷ : ۲/۶۷۶]

کچھ اللہ اور محمد۔ جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ چاہیں۔ اور اس شخص نے اس خواب کا تذکرہ نبی کریم۔ جل و علا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ سے کیا تو آپ نے فرمایا: ہاں قسم خدا کی میں بھی تم سے یہ جملہ سنتا تھا، اب تم یوں کہا کرو! جو کچھ اللہ چاہے اور پھر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاہیں۔ (مترجم)

نسائی شریف کے باب الحلف میں یہ حدیث ہے:

((أخبرنا یوسف بن عیسی، عن امرأة من جهینة أن یهودیاً أتی النبي صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم فقال: إنکم تنددون وإنکم تشرکون، تقولون: ماشاء اللّٰه وشئت، وتقولون: والکعبة، فأمرهم النبي صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم إذا أرادوا أن یحلفوا أن یقولوا: ورب الکعبة ویقول أحد: ماشاء اللّٰه ثم شئت۔))(۱)

ایک جہنی عورت سے مروی ہے کہ ایک یہودی سرکار کے پاس آیا، اور بولا تم لوگ اللہ کا ہم سر ٹھہراتے ہو، اور تم شرک کرتے ہو، تم کہتے ہو جو کچھ اللہ چاہے اور آپ چاہیں اور کہتے ہو کہ قسم ہے کعبہ کی، تو سرکار نے اپنے امتیوں کو حکم دیا کہ جب تم میں سے کوئی قسم کھانا چاہے تو کہے قسم ہے رب کعبہ کی۔ اور کوئی کہے تو یوں کہے: جو اللہ چاہے پھر آپ چاہیں۔ (مترجم)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ صحابہ بارگاہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام میں عرض کیا کرتے تھے کہ اللہ اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاہیں، اللہ اور آپ چاہیں حضور نے اول اسے نہ روکا۔ پھر اس سے ممانعت فرمائی۔ اگر یہ یہودیوں وہابیوں کا شرک ہوتا تو کیا ایک آن بھی وہ ماحی شرک و کفر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر صبر فرماتے۔ جب ممانعت فرمادی تو یوں کہنا ممنوع ہوگیا۔

ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایسا کہنے والے صاحب سے (بطور تغلیظ) یہ بھی ارشاد ہوا کہ کیا تم نے مجھے اللہ کا مماثل ٹھہرایا۔ بغیر میری مشیت کے کہو: ماشا اللہ، اس حدیث میں بھی یہ نہیں کہ حضور نے اس پر حکم شرک فرمایا ہو اور ان سے توبہ لی ہو۔

طریقۂ محمدیہ اور اس کی شرح حدیقہ ندیہ میں ابن ماجہ سے حدیث نقل کی ہے:

((عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما أنه جاء رجل إلی النبي صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم فکلمه في بعض الأمر، فقال الرجل للنبي صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: ماشاء اللّٰه وشئت، وقال صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: أجعلتني للّٰه تعالیٰ عدیلاً(أي :

---

(۱) [مسند احمد: حدیث حذیفة، ۳۸/۳۹۶]

معادلا مماثلا)قل : ماشاء الله وحده.))(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص سرکار علیہ السلام کے پاس آیا، اور اس نے آپ سے کسی مسئلہ میں گفتگو کی، تو اس شخص نے نبی اکرم سے کہا جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے اور آپ چاہیں، اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے مجھ کو اللہ عز وجل کا مماثل اور برابر کر دیا، تم کہو جو کچھ اللہ وحدہ لاشریک چاہے۔(مترجم)

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے جب اس سے روکا ہے تو ایسا ہرگز نہ کہا جائے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) [الحديقة النديه شرح الطريقة المحمدية:۲/۱۸۵]

کتاب الطہارۃ

ابواب

کتاب الطهارة

(۱) پانی کا بیان

بغیر دھوئے قلیل پانی میں بے ضرورت ہاتھ ڈال دیا تو پانی مستعمل ہوگیا

(۱) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

صاحب بہار شریعت نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر حوض دہ دردہ سے چھوٹا ہے اور کسی شخص نے اس حوض میں بلا دھوئے ہوئے ہاتھ ڈال دیا، تو اس پانی سے وضو درست نہیں ہوگا، مگر زید کہتا ہے کہ، مسئلہ مذکورہ بالا صاحب بہار شریعت نے غلط تحریر فرمایا ہے، اور فتاویٰ قاضی خان جلد اول وغیرہ سے عبارت مندرجہ ذیل صاحب موصوف کے خلاف اور اپنے دعویٰ کے اثبات میں پیش کرتا ہے:

(۱) فتاویٰ قاضی خان بھامش عالم گیریہ ص:۱۵:

”المحدث والجنب إذا دخل يده في الإناء للاغتراف وليس عليها نجاسة لا يفسد الماء، كذا إذا وقع الكوز في الحب فأدخل يده في الحب إلىٰ المرفق لإخراج الكوز لا يصير الماء مستعملاً.اه“(۱)

محدث اور جنبی نے چلو میں پانی لینے کے لیے اپنا ہاتھ پانی میں ڈالا جب کہ اس پر نجاست نہ ہو تو پانی فاسد نہ ہوگا، اسی طرح اگر ٹب وغیرہ یعنی بڑے برتن میں پیالہ گر جائے پھر وہ اپنا ہاتھ پیالہ نکالنے کی غرض سے کہنی تک ٹب میں ڈال دے۔ تو پانی مستعمل نہ ہوگا۔ (مترجم)

---

(۱) [الفتاویٰ الهندية كتاب الطهارة، الباب الثالث في المياه:۱/۳۱]

پس التماس ہے کہ صاحب بہار شریعت حق پر ہیں۔یا زید کا دعویٰ حق ہے؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

از قصبہ سیواہی ضلع گورکھپور مرسلہ جناب مولوی ظہور الحق صاحب قادری مہتمم مدرسہ دار الاشاعت

الجواب

زید غلط کہتا ہے۔بہار شریعت میں مسئلہ صحیح لکھا ہے،فتاویٰ امام قاضی خان کی عبارت بہار شریعت کے مخالف نہیں۔بہار شریعت کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت دہ دردہ سے کم گھیرے ہوئے پانی میں ہاتھ ڈال دے گا تو مستعمل ہو جائے گا،اور فتاویٰ قاضی خاں کا مطلب یہ ہے کہ اگر ضرورت سے ڈالے گا تو مستعمل نہ ہوگا،یہ دونوں صحیح ہیں۔ایک دوسرے سے معارض نہیں۔اگر زید اس عبارت کے آگے یہ لفظ بھی دیکھ لیتا تو مسئلہ سمجھ جاتا،اور بہار شریعت کے مسئلہ کو غلط بتانے کی جرأت نہ کرتا،عبارت مذکورہ سوال کے آگے بالکل اس کے متصل ہی ہے:

”وكذا الجنب إذا دخل يده في البئر لطلب الدلو لا يصير الماء مستعملاً لمكان الضرورة.“

ایسے ہی اگر جنبی اپنا ہاتھ ڈول نکالنے کے لیے کنویں میں ڈال دے تو پانی مستعمل نہ ہوگا ضرورت کی وجہ سے۔(مترجم)

پھر کچھ آگے ہے:

”ولو أدخل يده أو رجله في الإناء للتبرد فإنه يصير الماء مستعملاً لعدم الضرورة“(۱)

اور اگر جنبی اپنا ہاتھ یا پاؤں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے برتن میں ڈال دے تو عدم احتیاج کی وجہ سے پانی مستعمل ہو جائے گا۔(مترجم)

اخراج کوز تو ضرورت ہی ہے،اغتراف بھی عاقل ضرورت ہی سے کرتا ہے کہ پانی نکالنے کا کوئی ظرف موجود نہیں،للاغتراف خود ضرورت بتا رہا ہے،اغترف نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا:أدخل يده في الإناء للاغتراف، تو خانیہ کے ان دونوں مسئلوں میں ضرورت ہے،اور بے شک ضرورت کے وقت محض ہاتھ ڈالنے سے حکم استعمال نہ ہوگا۔اسی مسئلہ اغتراف کو اگر عالم گیری میں دیکھا ہوتا تو وہاں:للضرورة

(۱) [الفتاى الهندية، كتاب الطهارة الباب الثالث في المياه:۱/۳۱]

مل جاتا۔عالم گیری میں یہ مسئلہ یوں لکھا:

"إذا أدخل المحدث أو الجنب أو الحائض التي طهرت يده في الماء للاغتراف لا يصير مستعملاً للضرورة كذا في التبيين"(۱)

محدث،جنبی یا وہ حائضہ جس کا حیض آنا بند ہوگیا چلو میں پانی لینے کے لیے پانی میں ہاتھ ڈال دے تو پانی مستعمل نہ ہوگا،اسی طرح تبیین میں ہے۔(مترجم)

خود امام قاضی خان نے دونوں مسئلوں کے بعد تحریر فرمایا ہے:"لمکان الضرورۃ"جس کا تعلق دونوں سے ہے نہ صرف صورت اخیر سے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

گول کنویں کی گولائی ساڑھے پینتیس ہاتھ کے قریب ہو تو دہ دردہ ہے

(۲) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ہمارے یہاں ایک بڑا کنواں ہے،جس کی گولائی پانی سے ۵/انگل اوپر ناپ لینے سے پونے چھتیس ہاتھ اور دوانچ ہوتی ہے۔اور اس کا وسط یعنی قطر گیارہ ہاتھ دوانگل ہے،اور یہ پانی کے ساتھ کی دیوار سے ناپ لیا ہے،جو ناپ لینے والے ہیں وہ اعتماد سے کہتے ہیں کہ گولائی میں اگر چہ ۵/انگل پانی کے اوپر سے لیا ہے،لیکن پانی کے ساتھ ناپ لیا جائے تو بھی قریب قریب وہی ناپ ہے جو مذکور کیا،جو ہاتھ گولائی اور وسط کے لکھتے ہیں،وہ ہاتھ کا ناپ اٹھارہ(۱۸)انچ کا ہے،مذکورہ کنواں دہ دردہ ہے یا نہیں؟اگر اس میں کوئی چوہا گرے اور پھٹ جائے تو اس میں سے پانی نکالنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟بینوا توجروا۔

از نبی پور ضلع بھروچ مرسلہ موسیٰ ابراہیم بخش صاحبان۔۲۰/جمادی الآخر ۵۲ھ

الجواب

اس کا دہ دردہ بلکہ اس سے زائد ہونا ظاہر ہے،چوہا یا کوئی جانور اس میں گر کر مرے اور پھولے پھٹے یا کوئی نجاست گرے،پانی اس وقت تک ناقابل استعمال نہ ہوگا جب تک اس نجاست کا اثر رنگ یا بو یا مزہ اس میں ظاہر نہ ہوں۔ہاں جب ان اوصاف میں سے کوئی وصف اس نجاست سے بدلے گا تو پانی

(۱) [الفتاویٰ الھندیۃ،کتاب الطھارۃ،الباب الثالث في المیاہ:۱/۳۱]

فاسد ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اعلیٰ حضرت سیدنا الوالد الماجد قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز نے اپنے رسالہ مبارکہ "الھني النمیر في الماء المستدیر" میں ثابت فرمایا ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ دور تقریباً ساڑھے پینتیس ہاتھ چاہیے، پینتیس اعشاریہ ۴۴۹ تو قطر پانچ گز ساڑھے دس گرہ، بلکہ دس گرہ ایک انگل یعنی ۲۸۴ء۱۱، ہاتھ۔ تو یہاں تو دور پونے چھتیس ہاتھ سے بھی دوانچ زائد ہے، ہم نے حساب کیا تو اپنے حساب سے مسئلہ جواب لکھا، پھر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا فتاویٰ مبارکہ دیکھا بحمدہ تعالیٰ اس سے معلوم ہوا کہ پونے چھتیس نہیں ساڑھے پینتیس ہاتھ کے قریب بھی دور ہوتا ہے، تو بھی وہ دردہ ہوتا۔ جسے تفصیل درکار ہو وہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا رسالہ مذکور مطالعہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حوض کا اوپری حصہ دہ دردہ ہونا ضروری ہے

(۳) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

حوض اوپر سے دہ دردہ نہیں ہے، اندر سے ہے تو اس حالت میں وضو درست ہو سکتا ہے یا نہیں؟۔

الجواب

جب اوپر سے حوض دہ دردہ نہیں ہے تو بے وضو ہاتھ ڈالنے سے پانی مستعمل ہو جائے گا، ہاں اگر ہاتھ علاحدہ پانی سے دھو کر ڈالے اور ہاتھوں سے پانی لے کر وضو کرے مستعمل نہ ہوگا۔ اگر کوئی ظرف (برتن) وہاں نہیں ہے جس سے پانی نکال کر ہاتھ دھویا جائے تو اس صورت میں انگلیوں کو ملا کر ایک ہاتھ سے پانی نکال کر دایاں ہاتھ دھوئے اور اس کے بعد دوسرا ہاتھ دھو کر وضو کرے، مگر چلو سے پانی نکالتے وقت وضو کی نیت نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ از راج کوٹ کریم پورہ عبد المجید پیش امام

دہ دردہ حوض وہ ہے جس حوض کی مساحت ۱۰۰ ہاتھ یا ۲۵ گز، یا ۲۲۵ فٹ ہو

(۴) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

(۱) حوض دہ دردہ سے کیا مراد ہے؟ اور رائج الوقت گز یا فٹ کے حساب سے کتنی مساحت، اور

کتنا عرض وطول دہ دردہ کے لیے درکار ہے۔ بینوا بالکتاب، وتوجروا یوم الحساب۔

(۲) ایک حوض نقشہ ذیل کی مساحت کے مطابق موجود ہے، آیا یہ دہ دردہ کی حد میں شمار ہوگا یا نہیں؟ جواب دیجیے اور اجر اللہ تعالیٰ سے لیجیے۔ فقط۔
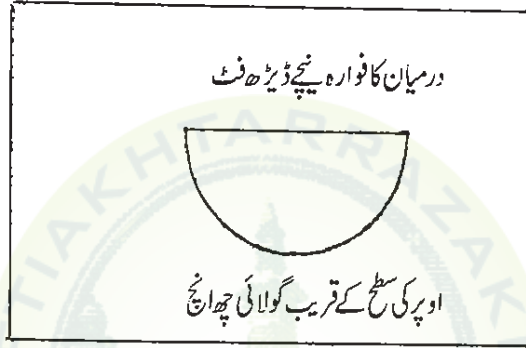
از بمبئی کھڑک پاے دھونی ۶۵ مرسلہ ایوب عبد الرحمٰن صاحب۔ ۲۱ محرم الحرام ۵۷ھ

الجواب

دہ دردہ وہ حوض ہے جس کی مساحت ہاتھ سے سو ہاتھ۔ گز سے ۲۵ گز۔ فٹ سے سوا دو سو فٹ ہو۔ مربع ہونا کچھ ضروری نہیں، اگر مثلاً سو ہاتھ طول ہو، ایک ہاتھ عرض، جب بھی دہ دردہ ہوگا، عمق اتنا ہونا چاہیے کہ لپ میں پانی لینے سے زمین نہ کھلے۔

"قال الإمام فقيه النفس قاضي خان: أدخله اللّٰه تعالىٰ دارالجنان وأدخلنا به وأمطر عليه شابيب الرحمة والرضوان. في الخانيه: خندق طوله مائة ذراع أو أكثر في عرض ذراعين، قال عامة المشايخ: لا يجوز فيه الوضوء. وقال بعضهم: يجوز إذا كان ماء الخندق كثيراً بحيث لو بسط يكون عشراً في عشراه. مختصراً۔(۱)

قال شيخنا المجدد سيدنا الوالد الماجد في فتاوٰه الشريفة "العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية "بعد نقل هذه العبارة، قلت: وهو المختار، درر عن عيون المذاهب والظهيرية، وصححه في المحيط والاختيار وغيرهما اه، واللّٰه تعالىٰ اعلم۔"

(۱) [الفتاوى الخانية مع الهندية. ۱/ ٦]

امام فقیہ النفس قاضی خاں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت نصیب فرمائے اور ان کے صدقے ہمیں بھی عطا فرمائے، ان پر رحمت وغفران کی بارش فرمائے، فرماتے ہیں: خانیہ میں ہے: ایسا خندق جس کا طول سو گز یا زائد ہو، اور عرض میں دو گز ہو، تو عام مشائخ فرماتے ہیں کہ اس سے وضو جائز نہیں ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے، جب کہ خندق کا پانی کثیر ہو اس طرح کہ دہ دردہ ہو۔

میرے والد گرامی مجدد عصر، شیخ امام احمد رضا نے ''فتاویٰ رضویہ'' میں یہ عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا: کہ میں کہتا ہوں کہ یہی مذہب مختار ہے، درر، عیون المذاہب اور ظہیریہ میں یہی مروی ہے، اور محیط اور اختیار وغیرہ میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (مترجم)

(۲) جواب سوال اول سے اس کا بھی جواب روشن کہ جب دہ دردہ سوا دو سوفٹ ہونا درکار ہے تو یہ تو تین سوفٹ چھ انچ ہے۔ دہ دردہ سے کہیں زیادہ۔ بیچ کا فوارہ جو ایک طرف تو فقط چھ انچ ہے، اور ایک طرف زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ فٹ، اس حوض کی دہ دردہ مقدار سے زیادہ مقدار کو بھی بہت کم نہیں کرتا، نہ کہ اسے دہ دردہ سے بھی کم کردے۔ ضرور وہ حوض اس فوارہ کے باوجود دہ دردہ سے زائد ہے۔ اور اگر فوارہ کا پایہ نیچے سے اتنا عریض بھی ہوتا کہ نیچے کی طرف حوض دہ دردہ سے کم ہو جاتا، جب بھی، جب کہ سطح بالا دہ دردہ سے زائد، یا دہ دردہ ہوتی، سطح بالا کا پانی نہ نجاست پڑنے سے ناپاک ہوتا، نہ وضو وغسل سے مستعمل، ہاں جہاں سے دہ دردہ سے کم ہوتا اس جگہ کا پانی نجاست سے ناپاک اور وضو وغسل سے مستعمل ہوتا۔

"في التجنيس أعلاه عشر في عشر وأسفله أقل وهو ممتل يجوز التوضي فيه والاغتسال فيه، وإن نقص لا۔" والله تعالىٰ أعلم۔

تجنیس میں ہے کہ اس کا اوپری حصہ دہ دردہ ہو اور نچلا حصہ کم ہو جب کہ وہ بھرا ہوا ہو تو اس سے وضو اور غسل جائز ہے، اور اگر کم ہو تو جائز نہیں۔ (مترجم)

کنویں کا نجس پانی نکالنے پر ہی کنواں پاک ہوگا

مسئلہ: (۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ایک کنویں میں چوہا گرا، اس کے چند روز کے بعد اس کنویں سے مٹی برآمد کی گئی، بعد نکالنے مٹی کے اس کنویں سے پانچ سو ڈول پانی پھینکا گیا، اور اس کنویں میں دس گیارہ ہاتھ پانی ہے جو کہ تقریباً دس گیارہ سو ڈول پانی ہے، اور اس کنویں کی یہ خاصیت ہے کہ جس قدر پانی نکالا جاتا ہے، اتنا ہی پھر

ہو جاتا ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کنواں پاک ہوا یا نہیں؟۔ اور چوہا جو نکلا تو وہ گلا ہوا تھا یہاں تک کہ گوشت پوست کنویں ہی میں رہ گیا تھا۔ زید کہتا ہے کہ جب کہ کنویں سے مٹی نکالی گئی، اور پانی پانچ سو ڈول پھینکا گیا تو کنواں پاک ہو گیا، یہاں تک کہ ۳۶۰ ڈول پانی نکلنا بھی کفایت کرتا، اس طرح چھپکلی یا مثل اس کے پھول پھٹ جائے تو کیا حکم ہے؟ فقط۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: ابو صالح محمد حاذق الفرقی کان اللہ تعالیٰ لہ ضلع مونگیر

الجواب

جس قدر پانی اس کنویں کا نجس ہوا سب جب تک نہ نکلے اس وقت تک کنواں پاک نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اس کنویں میں ہزار ڈول پانی ہے تو جب تک ہزار ڈول پانی نہ نکل جائے گا کنواں پاک نہ ہوگا۔ مٹی اور پانچ سو ڈول پانی نکل جانے سے جس نے کنویں کو پاک بتایا اس نے غلط بتایا، خدا معاف فرمائے۔ تین سو ڈول پانی کا اندازہ جہاں کے کنوؤں کے لیے ہے، یہ حکم وہاں کے لیے ہے، عام نہیں کہ جہاں پانچ چھ سو، جہاں ہزار بارہ سو ڈول پانی ہو وہاں بھی تین سو ساٹھ ڈول نکال دینا کافی ہو۔ بغداد مقدس کے کنوؤں میں تقریباً اتنا ہی پانی ہوتا تھا کہ تین سو ساٹھ ڈول نکالنے سے ٹوٹ جاتا تھا، وہاں کے لیے یہ حکم فرمایا گیا۔ جیسے امام اعظم نے کوفہ کے کنوؤں کے لیے سو ڈول کا حکم فرمایا۔ ظاہر ہے کہ جب وقت وقوع نجاست ہزار ڈول پانی کنویں میں ہے تو یہ سارا ہی پانی نجس ہے۔ تو پانچ سو یا کم و بیش ہزار سے کم نکالنے پر سارا نجس پانی نہ نکلا، اور جب سب نجس پانی نہ نکلا تو کنواں کیوں کر پاک ہوا۔ مٹی اگر بالکل نہ نکلتی اور ہزار ڈول پانی نکلتا تو کنواں پاک ہوتا، کہ مٹی نکلنا واجب ہی نہیں ہے۔ پانی بالکل نکالا جاتا، اور مٹی جتنی نکال دی گئی اس سے بہت زیادہ نکال دی جاتی تو بھی کنواں پاک نہیں ہوتا۔ عبارات علما سے سب روشن ہے۔

غنیۃ ص: ۱۶۱ میں فرمایا:

"إن كانت البير معيناً لا يمكن نزحها إلا بعسر وحرج عظيم أخرجوا مقدار ما كان فيها من الماء وقت ابتداء النزح، ثم إن المشايخ اختلفوا كيف يقدر ما كان فيها اذ ذاك. قال بعضهم تحفر حفرة مثل عمق الماء وطوله وعرضه وتجصص، فينزح الماء حتى تملأ الحفرة۔ وقال بعضهم: يرسل فيها قصبة ويجعل لمبلغ الماء علامة ثم ينزح منها عشر دلاء مثلا، ثم تعاد القصبة فينظر كم نقص، فينزح لكل قدر منها عشر دلاء۔ وهذان القولان مرويان عن أبي يوسف۔ وعن أبي حنيفة ينزح حتى يغلبهم الماء. وقال بعضهم: وهو رواية عن أبي حنيفة

أيضاً يحكم ذوا عدل من أهل البصارة بالماء، فينزح منها بحكمهما، فإن قالا: إن ما فيها ذلك الوقت ألف دلو مثلا نزح ذلك، قال صاحب الهداية: وهذا أي: الأخذ بقول العدلين أشبه بالفقه۔ قال في الكافي: إنه الأصح،إذ الرجوع إلىٰ أهل البصيرة أصل في كثير من الصور كما في الحكمين والشاهدين وتقويم المتلف۔ قال الله تعالى:﴿ فاسئلوا أهل الذكر ان كنتم لا تعلمون﴾الخ "(۱)

اگر کنواں جاری ہو اس کا پانی نکالنے میں دشواری اور حرج عظیم ہو،تو اتنا پانی نکال دیں جتنا کہ پانی نکالنے کے شروع میں کنواں میں تھا، پھر مشائخ کا اس میں اختلاف ہے کہ کیسے اندازہ کریں کہ اس میں اس وقت کتنا پانی تھا۔ بعض فقہا کہتے ہیں کہ پانی کے طول وعرض وعمق کے برابر ایک گڑھا کھودا جائے اور اس میں گچ کردیا جائے، پھر اتنا پانی نکالا جائے کہ گڑھا بھر جائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس میں بانس ڈالا جائے اور پانی کی انتہا پر ایک نشان لگالیا جائے، پھر دس ڈول پانی نکالا جائے مثلاً۔ پھر دوبارہ بانس ڈالا جائے اور دیکھا جائے کہ کتنا پانی کم ہوا، پھر کل پانی ان دس ڈول کے حساب سے نکال دیا جائے۔ یہ دونوں قول امام ابو یوسف سے مروی ہیں۔ اور امام اعظم سے مروی ہے کہ اتنا پانی نکالا جائے کہ نکالنے والوں کو پورا پانی نکل جانے کا غلبۂ ظن ہو جائے۔ اور بعض فقہا کا قول ہے اور یہی ایک روایت امام اعظم سے بھی ہے کہ پانی سے متعلق معلومات رکھنے والے دو عادل آدمی پانی کی مقدار کا فیصلہ کریں، پھر ان دونوں کے فیصلے کے مطابق پانی نکال دیا جائے، پس اگر وہ کہیں کہ اس میں اس وقت دو سو ڈول ہیں تو اتنا پانی نکال دیا جائے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ان دو عادل شخصوں کے قول پر عمل کرنا فقہ سے قریب تر ہے، کافی میں کہا کہ یہی صحیح تر ہے، کیوں کہ اہل بصیرت کی طرف رجوع کرنا یہ بہت ساری صورتوں اصل قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ حکمین کے معاملے میں، شاہدین کے سلسلہ میں اور فوت شدہ مال کی قیمت لگانے میں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: علم والوں سے پوچھ لو اگر تم کو علم نہ ہو۔ (مترجم)

اسی کے ص:۱۶۲ میں ہے:

"وروي عن محمد أنه قال: ينزح منها مائتا دلو إلى ثلث مائة دلو، وإنما أجاب بذلك بناء علىٰ كثرة الماء في آبار بغداد كذا في المبسوط. والمروي عن أبي حنيفة أنه إذا نزح منها مائة دلو يكفي، وهو بناء علىٰ آبار الكوفة لقلة الماء فيها كذا في

(۱) [غنية المستملي شرح منية المصلي فصل في البير، ص۱٤۳]

الكفاية، فعلى هذا لا ينبغي الفتوى بالمأتين ونحوها مطلقاً، بل ينظر إلىٰ غالب آبار البلد، وهو الأيسر على الناس. والأول: وهو اعتبار مقدار الماء في كل بئر علىٰ حدة أحوط."(۱)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: کہ دوسو سے تین سو ڈول تک پانی نکال دو، اور آپ نے یہ جواب بغدادی کنووں کے پانی کی کثرت پر بنا کرتے ہوئے دیا تھا، اسی طرح مبسوط میں ہے۔ اس بنیاد پر دوسو ڈول وغیرہ پر مطلقاً فتویٰ نہ دیا جائے، بل کہ شہر کے اکثر کنووں کو دیکھا جائے گا، اور لوگوں پر یہی ایسر ہے، اور پہلا قول یعنی ہر کنویں میں پانی کی مقدار کا علاحدہ علاحدہ اندازہ کرنا، اسی میں زیادہ احتیاط ہے۔ (مترجم)

فتاویٰ خانیہ میں فرمایا:

"أن يجاء بقصبة فيرسل فيها ويجعل علىٰ رأس الماء علامة، ثم ينزح منها دلاء، ثم ينظر كم انتقص، فنزح الباقي بحساب ذلك، ولا يجب نزح الطين لمكان الحرج."(۲)

ایک بانس لایا جائے اور وہ کنویں میں ڈالا جائے، اور سرے پر نشان لگا کر اس سے کچھ ڈول پانی نکالا جائے پھر دیکھا جائے کہ کتنا کم ہوا۔ پھر باقی پانی اسی حساب سے نکال دیا جائے، اور حرج کی وجہ سے مٹی نکالنا واجب نہیں۔ (مترجم)

عالم گیریہ میں ہے:

"انتفخ حيوان أو تفسخ ينزح جميع مافيها صغر الحيوان أو كبر، هكذا في الهداية"(۳)

جانور پھول کر پھٹ گیا تو کنویں کا تمام پانی نکالا جائے گا خواہ حیوان چھوٹا ہو یا بڑا۔ ہدایہ میں اسی طرح ہے۔ (مترجم)

---

(۱) [غنية المستملي شرح منية المصلي فصل في البير. ص۱٤٤]

(۲) [الفتاوى الخانية مع الهندية. ۱۱/۱]

(۳) [الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطهارة، الباب الثالث في المياه: ۲۷/۱]

اسی میں ہے:

"إذا وجب نزح جميع الماء ولم يمكن فراغها لكونها معيناً ينزح مائتا دلو كذا في التبيين، وهذا أيسر كذا في الاختيار شرح المختار، والأصح أن يؤخذ بقول رجلين لهما بصارة في أمر الماء ،فأي مقدار قالا:إنه في البئر ينزح ذلك القدر، وهو أشبه بالفقه، كذا في الكافي وشرح المبسوط للإمام السرخسي والتبيين"(١)

جب تمام پانی کا نکالنا واجب ہو لیکن کنواں خالی کرنا پانی جاری ہونے کی وجہ سے ممکن نہ ہو تو سو ڈول نکال دیے جائیں، تبیین میں اسی طرح آیا ہے، اور یہ کام آسان ہے جیسا کہ اختیار شرح مختار میں ہے ،اور اصح یہ ہے کہ پانی کے دو تجربہ کار ماہر لوگوں کی بات مان لی جائے ،تو وہ پانی کی جتنی مقدار کنویں میں بتائیں اتنی مقدار میں پانی نکال دیا جائے اور یہ فقہ کے زیادہ مناسب (مشابہ) ہے جیسا کہ کافی اور امام سرخسی کی کتاب مبسوط اور تبیین میں ہے۔(مترجم)

اور درمختار میں ہے:

"إن تعذر نزح كلها لكونها معيناً فيقدر مافيها وقت ابتداء النزح، قاله الحلبي۔ يؤخذ ذلك بقول رجلين عدلين لهما بصارة بالماء، به يفتي۔ وقيل: يفتي بمائتين إلىٰ ثلث مائة، وهذا أيسر وذاك أحوط"(٢)

اگر پورے کنویں کا پانی نکالنا کنویں کے جاری ہونے کی وجہ سے دشوار ہو تو آغاز نزح میں پانی کی مقدار کا اندازہ کر لیا جائے، امام حلبی نے ایسا ہی کہا۔ اور اس بارے میں دو ایسے لوگوں کے قول کا اعتبار ہوگا جن کو پانی کے سلسلہ میں تجربہ اور مہارت ہو، اسی پر فتویٰ ہے، اور کہا گیا ہے کہ دو سو سے تین سو ڈول پانی نکالنے پر فتویٰ دیا جائے گا، یہ بات زیادہ آسان ہے، لیکن پہلے قول میں زیادہ احتیاط ہے۔(مترجم)

ردالمحتار میں ہے:

"قوله: وقيل: ضعّف هذا القول في الحلبية وتبعه في البحر بأنه إذا كان الحكم الشرعي نزح الجميع، فالاقتصار على عدد مخصوص يتوقف علىٰ دليل سمعي يفيده، وأين ذلك؟ بل المأثور عن ابن عباس وابن الزبير خلافه حين افتيا

---

(١) [الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطهارة، باب الثالث في المياه: ٢٧/١]

(٢) [الدر المختار، كتاب الطهارة، فصل في البئر: ٣٣٠/١]

بنزح الماء كله حين مات زنجي في بئر زمزم (الى قوله مرويأتي) إن مسائل الآبار مبنية على اتباع الآثار، على أنهم قالوا: إن محمداً أفتى بماشاهد في آبار بغداد فإنها كثيرة الماء، وكذا ما روي عن الإمام من نزح مائة في مثل آبار الكوفة لقلة مائها فيرجع إلى القول الأول؛ لأنه تقدير ممن له بصارة وخبرة بالماء "في تلك النواحي، لا لكون ذلك لازماً في آبار كل جهة."(۱)

حلبہ میں اور اس کی موافقت بحر میں اس قول کو ضعیف کہا گیا، اس لیے کہ جب حکم شرعی تمام پانی نکالنے کا ہے تو مخصوص عدد پر اکتفا کرنے کے لیے نقلی دلیل کی ضرورت ہے جو اس کا افادہ کرے، اور یہ دلیل کیا ہے بل کہ ابن عباس اور ابن زبیر سے اس کا عکس و خلاف منقول ہے، جب انہوں نے چاہ زمزم میں حبشی کے مرنے پر پورا پانی نکالنے کا حکم دیا تھا، اور کنوؤں کے مسائل آثار کی اتباع پر موقوف ہیں۔

علما فرماتے ہیں: امام محمد نے بغدادی کنوؤں میں اپنے مشاہدہ پر فتویٰ دیا تھا اس لیے کہ وہ بہت پانی والے کنویں تھے، اسی طرح امام اعظم سے مروی ہے کہ کوفہ کے کنوؤں میں مثلاً سو ڈول پانی نکالنے کے بارے میں کہ ان کنوؤں میں پانی کم ہوا کرتا تھا، لہٰذا اول قول کی طرف رجوع کیا جائے گا، اس لیے کہ یہ اس شخص کا اندازہ ہے جس کو مہارت اور پانی کا تجربہ ہو ان علاقوں میں، نا یہ کہ یہ حکم ہر ایک جہت کے کنوؤں کے لیے لازم ہے۔ (مترجم)

چھپکلی یا جو دموی جانور مر کر پھول پھٹ جائے، سب پانی نکلے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کنویں کا بیان

(۲) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

جس کنویں کے پاس فضلات اور سنڈاس کا پانی جانے کے لیے ہضم سیفٹک ۵،۶ ہی فٹ کے فاصلہ پر بنا ہوا ہو، اس کنویں کا پانی کیا سمجھا جائے گا، یہاں کی زمین نرم ہے، کنویں میں پانی ادھر ادھر سے ہی آکر جمع ہوتا ہے، زمین کے نیچے پتھر سے پانی نہیں نکلتا، زمین ہی کے پانی سے کنواں بھر جاتا ہے، برسات کے دنوں میں زمین کے سطح سے تین یا چار ہاتھ ہی نیچے تک کنواں بھر جاتا ہے، برسات کے

---

(۱) [الدر المختار، کتاب الطهارة، فصل في البئر: ۱/ ۳۳۰]

موسم میں قبرستان میں قبر کھودنے سے قبر میں پانی آجاتا ہے۔لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ سنڈاس کے ہضم کے سبب کنویں کے پانی کا حال کیسا ہے؟اور ہضم سیفٹک کو بند کرنا چاہیے،یا نہیں؟

راقم خادم عثمان عبداللہ عفی عنہ

الجواب

کنویں کے پاس جو چوبچہ ہے،اگر نجاست اس سے کنویں تک سرایت کرے کہ کنویں میں اس کا اثر رنگ،یا مزہ،یا بو ظاہر ہو تو کنواں ناپاک ہوجائے گا اگر چہ وہ چوبچہ کنویں سے کتنے ہی فاصلہ پر ہو،صورت متذکرہ بالا میں اگر کنویں میں ہضم کا ناپاک پانی سرایت کرآتا ہے کہ کنویں میں اس کا اثر،رنگ،یا مزہ،یا بو،ظاہر ہوئی،تو کنویں کا پانی ناپاک ہے،ورنہ نہیں۔لیکن زمین جب کہ بہت نرم ہے اور پانی میں سرایت کرنے کا واقعی اندیشہ ہے،ہضم سے کنویں میں پانی آنے کا،یا اس کی نمی ہی پہنچنے کا قوی احتمال ہے،لہذا چاہیے کہ ہضم کنویں سے اتنی دور ہو کہ اس سے پانی آنے کا احتمال جاتا رہے۔

درمختار میں ہے:

((البعد بين البئر والباعة بقدر مالا يظهر للنجس أثر))(۱)

ردالمحتار میں ہے:

((في الخلاصة والخانية التعويل عليه وصححه في المحيط))(۲)

اسی میں ہے:

((في رواية خمسة أذرع ، وفي رواية سبعة والحاصل أنه يختلف بحسب رخاوة الأرض وصلابتها ، ومن قدره اعتبر حال أرضه))(۳)

کتبہ:عبدالرحمٰن مظفر پوری

الجواب صحیح:

اگر نجس پانی پہنچ جانے کا بے اس کے رنگ ومزہ وبو بدلے یقین ہوجائے تو بھی اس کنویں کے پانی کے نجس ہوجانے کا حکم ہوگا،چوبچہ کنویں کے قریب ہے،اوراس کے پانی کو کنویں کے پانی میں سرایت

---

(۱) [الدر المختار، کتاب الطھارۃ:۱/۳۳۸]

(۲) [ردالمحتار کتاب الطھارۃ:۱/۳۳۸]

(۳) [أيضاً:۱/۳۳۸]واللہ تعالیٰ اعلم

کرتے دیکھا، یا اس کی دیوار جونجس پانی سے نم ہوئی وہ کنویں کے پانی سے نم لگی تو کنواں نجس ہو جائے گا۔

فقیر مصطفیٰ رضا قادری غفرلہ

ٹونٹی سے پانی بہہ جائے تو وہ بھی پاک ہو جائے گی

(۷) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

اگر لوٹا ناپاک ہو گیا، اور اس کی ٹونٹی اندر سے دھوئی نہیں جاسکتی، اس صورت میں لوٹا پاک ہو جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

از شہر کہنہ از مکان مصطفیٰ علی خاں۔ بریلی۔

الجواب

الجواب:۔ٹونٹی میں سے لوٹا ابالنے سے جب پانی بہہ جائے گا، تو اثر نجاست نہ رہے گا، ٹونٹی بھی پاک ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

ناپاک رنگ کے کپڑے پاک کرنا لازم ہیں

(۸) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

عورتیں جو رنگین کپڑے پہنتی ہیں، ان کو کیا لازم ہے کہ رنگین کپڑوں کو پاک کر کے نماز پڑھیں؟

الجواب

نہیں۔ ہاں ناپاک رنگ میں رنگیں تو اپنے آپ ہی پاک کرنا ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) وضو

باتیں کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا

(۹) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

وضو کرنے کے بعد نماز سے قبل بات کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا وضو کرتے میں بات کرنے

سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

الجواب

نہیں۔مگر وضو کرنے میں اوراس کے بعد نماز سے قبل دنیا کی باتیں کرنا نہ چاہیے، مستحب یہ ہے کہ دنیوی باتیں نہ کرے، وضو کرتے میں وضو کی مسنون دعائیں پڑھے، اور بعد وضو تحیۃ الوضو وغیرہ نماز میں مشغول ہو۔فقط۔و اللہ تعالیٰ اعلم۔

سر کا مسح اس طرح اولیٰ ہے کہ سر کے آگے سے پیچھے کو ایک بار کرے

(۱۰) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

اگر سر پر بال ہوں (زلفیں) تو مسح کرنے کی حالت میں ہتھیلیوں کو پشت سر کی جانب سے واپس پیشانی کی طرف لانا چاہیے یا نہیں؟

الجواب

بال ہوں یا نہ ہوں، اگر مسح اس طرح کرے گا کہ ہر ہاتھ کی تین تین انگلیاں مقدم راس پر رکھ کر دو دو انگلیاں اور ہتھیلیاں اٹھاتے ہوئے گردن تک ان تین تین انگلیوں کو لے جائے گا، تو پورے سر کا مسح صحیح جب ہی ہوگا جب کہ ہتھیلیوں سے سر کے دونوں جانبوں کا مسح کرے گا، اور اگر مسح اس طرح کرے گا کہ تین تین انگلیاں اور ہتھیلیاں مقدم راس سے اس طرح جانب گردن لے جائے گا کہ سر کے دونوں جانب بھی پوری پوری ہتھیلیوں کے نیچے آتی جائیں گی، تو اس صورت میں یوں ہی پورے سر کا مسح ہو گیا، پیچھے سے آگے لانا بے کار ہے۔اور اولیٰ یہی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

بے ستر وضو ہو جاتا ہے

(۱۱) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید نے نیکر پہن کر وضو کیا اس کے بعد پائجامہ پہنا اور نماز پڑھی، بکر نے کہا کہ فرض کھلے ہوئے تھے، وہ وضو نماز کے لیے کفایت نہ کرے گا، دوبارہ وضو کرنا ضروری تھا، اس پہ کہا گیا کہ غسل خانہ میں جو

فرض کھلے ہوئے وضو کیا جاتا ہے تو کیسے نماز ہوتی ہے، احکام شرعیہ سے مستفیض کیجیے گا اور یہ بھی فرمائیے گا کہ غسل خانہ کے بغیر کیا ہوا ہونے نہ ہونے کی تفصیل کیا ہے، فرق فرمایئے گا۔ بینوا توجروا

احمد رضا خاں بقلم مورخہ ۹ رستمبر ۱۹۶۸ء ساکن بشارت گنج بریلی شریف

الجواب

وضو جو ستر کھولتے کیا ہو گیا، اس وضو سے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، ستر کے ساتھ [illegible] چاہیے۔ وضو ہوا اور ستر کھلا تو پھر وضو کرنا ضروری نہیں، اچھا ہے، غسل خانہ میں بھی کپڑا باندھ کر غسل [illegible] چاہیے۔ غسل خانہ پٹا ہوا ہو تو اچھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) غسل

غسل بغیر نیت بھی ہو جاتا ہے

مسئلہ: (۱۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

غسل کی نیت کیا ہے، اور غسل کرتے وقت کیا پڑھا جاتا ہے۔ غسل تہبند باندھ کر افضل ہے یا برہنہ۔

الجواب

غسل بہ نیت طہارت کریں مگر طہارت حاصل ہونے کے لیے نیت ضروری نہیں۔ یوں ہی اگر پانی سارے جسم پر بہا لیں گے طہارت ہو جائے گی، غسل پھر از سر نو نیت طہارت کر کے کرنا لازم نہ ہوگا۔ غسل خانہ میں جانے سے پہلے ستر کھولنے سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھ لیں۔ غسل خانہ میں جا کر کوئی دعا پڑھنا نہ چاہیے۔ تہبند باندھ کر غسل بہتر ہے۔ مگر احتیاط کریں کہ سارے جسم پر پانی بہہ جائے، اس طرح تہبند جسم سے علاحدہ کر کے پانی ڈالیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) حیض

حیض ونفاس کی حالت میں عورتوں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا جائز ہے

(۱۳) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

جن عورتوں کو حیض ونفاس ہوتا ہے جب تک وہ پاک نہیں ہوتیں تب تک بعض بعض شخص ان کے ہاتھ کا کھانا اور ان کے ہاتھ کا چھوا پانی کھانے پینے میں بڑے اعتراض کیا کرتے ہیں، کیا ایسا ہی حکم شریعت میں ہے؟ بینوا توجروا۔

ازرائے بریلی مرسلہ شیخ چھدا صاحب، ۲۵ر محرم الحرام ۵۸ھ۔

الجواب

جو لوگ ایسا کرتے ہیں ناجائز وگناہ کے مرتکب ہوتے ہیں، اور مشرکین عنود، یہود بے بہود اور مجوس نامسعود کی رسم مردود کی پیروی کرتے ہیں۔ بحالت حیض ونفاس صرف شرم گاہ سے استمتاع ناجائز ہے۔ بس اس سے احتراز لازم۔ مشرکین و یہود و مجوس کی طرح حیض ونفاس والی عورت کو بھنگن سے بھی بدتر سمجھنا بہت ناپاک خیال، نرا ظلم عظیم وبال ہے۔ یہ ان کی من گھڑت ہے۔

﴿مَا أَنزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ (۱)

اللہ نے اس پر کوئی دلیل نہ اتاری۔

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ﴾ (۲)

اور وہ تم سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمادو گندگی ہے پس حیض میں عورتوں سے الگ رہو۔

اس آیت کا شان نزول ہی یہ ہے کہ مشرکین عرب و یہود و مجوس ایسی عورت کے ساتھ کھاتے پیتے رہتے بستے نہ تھے۔ اس حالت میں عورت کو گھر میں نہ رہنے دیتے، نکال کر باہر کرتے تھے۔ ان کی طرف دیکھنے کو روا نہ رکھتے۔ ان سے بات کرنے کو حرام ٹھہراتے تھے۔ اور نصرانی اس کے برعکس اس حالت میں ان کے ساتھ زیادہ اختلاط کرتے، اور ان سے بہ اکراہ وطی کرنا چاہتے تھے۔ یہ آیۂ کریمہ حضرت ثابت بن

---

(۱) [سورۃ النجم: ۵۳] (۲) [سورہ البقرۃ: ۲۲۲]

دحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سوال پر کہ یارسول اللہ جاڑا سخت ہے اور کپڑے کم۔ تو کیا ہم عورتوں کو اپنے ساتھ کپڑوں میں کرلیں، اور (حائضہ) عورتوں کے ساتھ کیا سلوک برتیں؟ اس پر آیت اتری، یعنی تم اسی کا حکم کیے گئے ہو کہ ان کے ساتھ جماع نہ کرو، جب وہ حائضہ ہوں۔ اور تمہیں خدا اس کا امر نہیں فرماتا کہ انہیں گھروں سے باہر کردو۔ یعنی افراط وتفریط سے بچو۔ نہ یہود کی سی تفریط کرو۔ نہ نصاریٰ کا سا افراط۔

تفسیرات احمدیہ میں ہے:

"نقل في نزوله أنه كانت العرب لم يؤاكلوا الحائض ولم يشاربوها ولم يساكنوها، كفعل اليهود والمجوس، فسأل ثابت بن الدحداح عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم وقال: يا رسول اللّٰه! البرد شديد، والثياب قليلة، لا يسع إلا أحداً منا، فنجمعهن في ثياب، وبأي وجه نسلك بهن، فنزلت هذه الآية. يعني إنما أمرتم أن تعزلوا مجامعهن إذا حضن، ولم يأمركم بإخراجهن من البيوت۔ وقيل: إنه لما كانت اليهود ينافرون من نساء هم في حالة الحيض غاية التنافر بحيث لا ينظرون إليهن، ولا يأكلون معهن، ويحرمون الكلام بهن، وكانت النصارىٰ علىٰ عكسهم يبالغون في الإختلاط ويقصدون الوطي بهن بالإكراه، فنزلت هذه الآية .يعني افعلوا الاقتصار في النساء الحيّض، وكفوا عن الإفراط والتفريط."(۱)

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں منقول ہے کہ عرب حائضہ عورتوں کے ساتھ کھاتے پیتے نہیں تھے اور نہ ہی ان کے ساتھ رہتے جیسا کہ یہود ومجوس کا عمل تھا، تو ثابت بن دحداح نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا، اور کہا: یارسول اللہ! سردی بڑی شدید ہے اور ہمارے پاس کپڑے کم ہیں جو ہم میں سے کسی ایک کی کفایت کرسکتا ہے، تو کیا ہم ان عورتوں کو اپنے ساتھ کپڑوں میں سلالیں، اور کس طرح ہم ان کے ساتھ برتاؤ کریں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، یعنی تمہیں ان سے جماع سے منع کیا گیا ہے حالت حیض میں۔ اوران کو گھروں سے نکالنے کا تمہیں حکم نہ دیا گیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہود حالت حیض میں اپنی عورتوں سے بہت زیادہ نفرت کرتے تھے، یہاں تک ان کی نہ دیکھ بھال اور نہ ان کے ساتھ کھاتے پیتے، اور ان سے بات چیت حرام سمجھتے اور اس کے برعکس نصرانی اس حالت میں ان

(۱) [التفسيرات الاحمدية :پ:۲۔ ص ۸۰]

سے بہت زیادہ اختلاط رکھتے، اور بہ اکراہ ان سے وطی کرنا چاہتے تھے، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ حائضہ عورتوں سے میانہ روی اختیار کرو، اور افراط وتفریط سے بچو۔ (مترجم)

مسلمانوں پر لازم ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں انہیں سمجھائیں، اور یہود و مجوس وہنود عنود کی اس ناجائز موذی رسم کی پیروی سے روکیں، اگر وہ جہالت پر جمیں، اپنی ہٹ پر اڑیں، ضد پر رہیں تو ان سے برادرانہ تعلقات چھوڑیں، یہاں تک کہ وہ توبہ کریں۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

کتاب الصلاۃ

ابواب

اذان کا بیان

اذان مسجد کے اس کنارہ میں ہو جدھر آبادی زیادہ ہو

(۱) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

اذان محراب سے داہنی طرف پڑھی جاوے یا بائیں طرف؟۔

الجواب

جدھر مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہو۔ واللہ تعالی اعلم۔

مسجد کے اندر اذان نہیں دے سکتے

(۲) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

بارش کثرت سے ہو رہی ہے، اس حالت میں اذان مسجد کے اندر یا حجرہ کے اندر پڑھنا درست ہے؟ یہ بھی تحریر کر دیجیے کہ مسجد کے اندر پڑھے یا حجرے کے اندر پڑھے؟

الجواب

مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے، چھتری لگا کر خارج مسجد اذان دیں، اور اگر بیرون مسجد کوئی جگہ ایسی ہو جہاں بارش سے بچے، وہاں دے۔ حجرے یا دالان کے اندر گھس کر اذان دینے میں خصوصاً بارش کے وقت میں باہر آواز بھی کافی طور پر نہ پہنچے گی، اور اذان کا مقصد ہی حاصل نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فاسق کی اذان مکروہ مگر اذان ہو جائے گی

(۳) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

داڑھی منڈے کو مسجد میں اذان وصلاۃ وتکبیر کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو دوسرے نمازیوں کی پچھلی نمازوں کے متعلق کیا کرنا چاہیے، وہ دوبارہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

الجواب

مؤذن عاقل بالغ صالح متقی عامل بالسنہ، مواظب علی الاذان، اوقات صلاۃ کا عارف، بلند آواز، اس کا خیال کہ کون جماعت میں داخل نہ ہوا، اور کیوں نہ ہوا، جو لوگ بے عذر ترک جماعت کرتے ہیں انہیں زجر کرنے والا باا ثر مولوی ہونا چاہیے۔

عالمگیری میں ہے:

"أهلية الأذان تعتمد بمعرفة القبلة والعلم بمواقيت الصلاة كذا في فتاوىٰ قاضي خان۔ وينبغي أن يكون المؤذن رجلاً عاقلاً صالحاً تقياً عالماً بالسنة كذا في النهاية۔ وينبغي أن يكون مهيباً ويتفقد أحوال الناس ويزجر المتخلفين عن الجماعات كذا في القنية۔ وأن يكون مواظباً على الأذان هكذا في البدائع والتتارخانية۔ وأن يكون محتسباً في أذانه كذا في النهر الفائق"(۱)

اہلیت اذان کا دارومدار قبلہ اوقات نماز کی معرفت پر ہے، یوں ہی فتاوی قاضی خاں میں ہے، مناسب یہ ہے کہ مؤذن مرد، عاقل، نیک، پرہیزگار اور سنت کا جان کار ہو، اسی طرح نہایہ میں مذکور ہے۔ اور اس سے بہتر یہ ہے کہ وہ بارعب اور لوگوں کے حالات سے باخبر ہو، اور جماعت سے پیچھے رہنے والوں کو تنبیہ کرتا ہو، یوں ہی قنیہ میں ہے، ساتھ ہی اسے مناسب ہے کہ وہ اذان پر دوام اختیار کرتا ہو، بدائع اور تاتارخانیہ میں اسی طرح ہے۔ اس سے بہتر یہ کہ وہ بلا اجرت اذان دیتا ہو۔

(مترجم)

داڑھی منڈانا حرام ہے، داڑھی منڈا فاسق، فاسق کی اذان مکروہ، مگر اذان دے تو ہو جائے گی۔

عالمگیری میں ہے:

"يكره أذان الفاسق ولا يعاد هكذا في الذخيرة."(۲)

فاسق کی اذان مکروہ ہے لیکن اس کا اعادہ ضروری نہیں ہے۔ (مترجم)

---

(۱) [الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة الباب الثاني في الأذان: ۱/۷۰]

(۲) [الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة الباب الثاني في الأذان: ۱/۷۰]

اس کی اذان واقامت کے سبب یہ نہیں کہ نماز ہی نہ ہوگی۔ پچھلی نمازیں ہوگئیں، اذان واقامت اگر بالکل نہ ہوتی جب بھی نماز ہو جاتی، ان نمازوں کے اعادہ کا حکم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اذان مسجد کے اندر مکروہ ہے

(۴) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

حکیم قاری رفیق احمد صاحب پیلی بھیتی مقیم بستی ہیں اور مسلک اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عامل ہیں، مگر کسی مصلحت کی بنا کر جمعہ کی اذان ثانی باہر نہیں کراتے ہیں، کیا اس بنا پر ان سے سنیوں کو مقاطعہ کرنا چاہیے، یا نہیں۔ بینوا توجروا۔ نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ حضور مفتی اعظم ہند قبلہ حکیم صاحب موصوف سے اس بنا پر ناراض ہیں۔

الجواب

اذان جمعہ ہو، یا کوئی اور اذان مسجد کے اندر مکروہ، خلاف سنت ہے، باہر ہی ہونا سنت ہے، لیکن اس مسئلہ پر عمل کرانے میں کبھی شدید فتنہ وفساد کا اندیشہ ہوتا ہے اس لیے جب تک حالات سازگار نہ ہو جائیں، اس مسئلہ کو موقوف رکھیں، کہ کوئی بڑا فتنہ نہ ہو جائے اور اگر بے مصلحت شرعی وہ مسجد کے باہر اذان نہیں کراتے ہیں تو ان کا یہ فعل بہت برا ہے ان کو اس سے احتراز کرنا چاہیے، مگر مقاطعہ پھر بھی نہ کریں کہ وہ سنی صحیح العقیدہ ہیں اور اپنوں سے ہیں، اور اپنوں سے مقاطعہ کرنے میں بھی فتنہ ہوتا ہے، اس قسم کی باتوں کی بنا پر حضور مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم العالیہ تو داڑھی منڈھوں سے بھی بہت ناراض ہیں، کیا آپ داڑھی منڈھوں سے مقاطعہ کریں گے؟ مقاطعہ کے بجائے ان کو سمجھائیں، برابر سمجھانے کی کوشش جاری رکھیں، ضرور ان شاء اللہ تعالیٰ ہر مسئلہ ان کی سمجھ میں آجائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: محمد اعظم غفرلہ ۱۲۹۷ھ

واقعی اس بنا پر مقاطعہ جائز نہیں ہو سکتا۔ ھو الھادی وھو تعالیٰ اعلم۔ مجھے کوئی شکایت حکیم رفیق احمد صاحب سے نہیں ہے۔

فقیر مصطفیٰ رضا قادری غفرلہ

اذانِ خطبہ کے مباحث کا خلاصہ

مولانا مفتی عبدالحق رضوی مصباحی

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

مفتی اعظم، شہزادہ اعلیٰ حضرت، تاجدار اہل سنت، مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں، قادری نوری قدس سرہ العزیز کی ذات گرامی ان نفوس قدسیہ میں سے ہے جن کی علمی شوکت وجلالت، عظمت و بزرگی، تقویٰ وطہارت کا اعتراف اپنے تو اپنے بیگانے بھی کرتے ہیں اور آپ کے فضائل وکمالات، علم وتقویٰ کا ڈنکا سارے عالم میں بج رہا ہے۔

الحمدللہ میری زندگی کے انتہائی مبارک ومسعود وہ ایام تھے کہ اس حقیر کو اپنے مرشد گرامی شہزادہ اعلیٰ حضرت کی معیت میں کامل دس شب وروز رہنے کا اتفاق ہوا۔ اور بہت قریب سے آپ کے معمولات دیکھنے اور ارشادات سننے کا موقع ملا۔ بلاشبہہ آپ کی پوری زندگی شریعت وسنت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔

میں نے اپنی زندگی میں جن چند بزرگوں کی زیارت کی اور ان کے ساتھ زندگی کے کچھ قیمتی لمحات گزارے ہیں اور جن کی ولایت و بزرگی کی قسم کھائی جاسکتی ہے اس مبارک جماعت اولیا کے سرخیل وسردار سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان تھے۔

اپنے دور کے علماومشائخ میں بلاشبہہ آپ کی ذات ملجائے خواص وعوام اور مرجع اصاغر واکابر تھی۔

بخاری ومسلم میں صاحب اسرار حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ ہم لوگ امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے پاس تھے۔ حضرت عمر نے مجھ سے اور مجلس میں موجود دیگر صحابہ کرام سے پوچھا کہ فتنے کے تعلق سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کس کو یاد ہے؟ تو حضرت حذیفہ نے عرض کیا مجھے زیادہ یاد ہے؟ اس کے بعد کچھ فتنوں کا آپ نے تذکرہ کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا: فتنوں سے ہماری مراد وہ فتنے نہیں جو آپ بیان فرمارہے ہیں بل کہ میری مراد وہ فتنے ہیں " التی تموج کموج البحر " یعنی جو سمندر کی طرح موجیں ماریں گے تو حضرت حذیفہ نے عرض کیا کہ آپ کو کیا ضرورت ہے کہ ان فتنوں کے بارے میں سوال کی زحمت فرمائیں؟ آپ کے اور ان فتنوں کے درمیان دروازہ بند ہے۔ فاروق اعظم نے پوچھا دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا؟ تو حضرت حذیفہ نے کہا نہیں بل کہ توڑا جائے گا۔ تو اس پر فاروق اعظم نے کہا کہ تب تو فتنوں کا دروازہ کبھی بند نہ ہو سکے گا۔

حضرت مسروق نے حذیفہ بن یمان سے دروازے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ دروازہ عمر بن خطاب ہیں۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والوں پر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ امیر المومنین فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی ذات والا صفات اسلام اور مسلمانوں کی نصرت وحمایت اور حفاظت وصیانت کے لیے ایک عظیم سپر اور چٹان تھی اور دورِ فاروقی اسلام اور مسلمانوں کی شوکت وعروج کا انتہائی روشن وزریں دور تھا جس کی اقوام وملل کی تاریخ میں شاید ہی کوئی مثال مل سکے۔ لیکن فاروق اعظم کی شہادت کے بعد سے بتدریج فتنوں کا جو دروازہ کھلا ہے وہ آج تک بند نہ ہو سکا۔

جن حضرات کے سامنے سوادِ اعظم اہل سنت وجماعت کے ماضی قریب کے تقریباً نصف صدی کے حالات ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ سرکار مفتی اعظم، تاجدار اہل سنت کی ذات گرامی بلاشبہ جماعت اہل سنت کے لیے ایسی بافیض اور بابرکت ذات تھی کہ آپ کی حیات تک جماعتی تمام فتنوں کا دروازہ بند تھا۔ آپ کے دور کے اصاغر ہوں یا اکابر، عوام ہوں یا خواص کسی کے اندر یہ جرات نہیں تھی کہ علم بغاوت بلند کر سکے، جس سے جماعت میں افتراق وانتشار ہو اور اپنے لوگ مختلف گروپوں میں بٹ جائیں۔

اہم سے اہم فقہی، دینی، ملی مسائل میں آپ کا ارشاد سند کا درجہ رکھتا تھا اور آپ کا حکم حرف آخر ہوتا تھا۔

یقیناً حضور مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ کی ذات، جماعت اہل سنت کی شیرازہ بندی اور فتنوں سے تحفظ فراہم کرنے میں فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پرتو اور عکس جمیل تھی اور ماضی قریب کے علما اور مشائخ میں تاجدار اہل سنت کا مبارک لقب آپ ہی کے فرقِ اقدس پر زیب دیتا ہے اور آپ کی ذات بابرکت کے سوا دوسرے لوگوں کے لیے اس مبارک لقب کا استعمال، لفظ کا بے جا استعمال اور زیادتی محسوس ہوتی ہے۔

ناشر سنیت، محب رضویت الحاج محمد سعید نوری صاحب زید مجدہم کے ممنون ہیں کہ انھوں نے مرشد برحق، تاجدار اہل سنت پر مضمون لکھنے کی دعوت دے کر احسان فرمایا حالاں کہ ہم غلاموں پر تو ویسے ہی لازم وضروری تھا کہ سرکار مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ایک حلیہ جمال اور آپ کے فضل وکمال کو جہاں تک ہو سکے، امت مسلمہ کے سامنے پیش کریں تاکہ مسلمانوں کی ہدایت ورہنمائی کا کام انجام پا سکے اور قوم مسلم بارگاہِ سرکار مفتی اعظم سے مسلسل اکتساب فیض کرتی رہے۔

احیاے سنت اور خانوادہ اعلیٰ حضرت:

اذان خطبہ کا صحیح محل ومقام کیا ہے: اعلیٰ حضرت، مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ سے اس کا استفتا ہوا۔ آپ نے اپنی تحقیق کے موافق جواب دیا۔ یہ اذان مسجد میں مکروہ اور سنت کے خلاف ہے۔

بہت سے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلے میں بھی علماے دیوبند نے اعلیٰ حضرت کے خلاف کیا، علماے اہل سنت میں بھی متعدد لوگوں نے آپ کی مخالفت کی۔ خاص طور سے علما بدایوں اور علماے رام پور سے اذان خطبہ کے معاملے میں شدید ٹکراو رہا۔ علماے بدایوں نے اذان خطبہ کے مسئلے کو اپنی عزت ووقار کا مسئلہ بنالیا۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا موقف اس قدر مدلل اور مستحکم تھا کہ آپ کے دلائل کے سامنے مخالفین کے شبہات کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس سے زچ ہوکر مخالفین خاص طور سے علماے بدایوں نے آپ کو تکلیف پہونچانے میں حتی المقدور کوئی کمی نہیں اٹھا رکھی۔ جہاں تک میری معلومات ہے، اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی میں جتنی تکلیف علماے بدایوں نے پہونچانے کی کوشش کی ہے اتنی تکلیف شاید کسی نے بھی نہ پہونچائی ہو۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا جب پیمانہ صبر لبریز ہوگیا تو آپ نے دشمنوں اور حاسدوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کیا۔ آپ عرض کرتے ہیں:

عدو بد دین مذہب والے حاسد
تو ہی تنہا کا زور دل ہے یا غوث

حسد سے ان کے سینے پاک کردے
کہ بدتر دق سے بھی یہ سل ہے یا غوث

غذاے دق یہی خوں استخواں گوشت
یہ آتش دین کی آکل ہے یا غوث

دیا مجھ کو انھیں محروم چھوڑا
مرا کیا جرم حق فاصل ہے یا غوث

عطائیں مقتدر غفار کی ہیں
عبث بندوں کے دل میں غل ہے یا غوث

دونوں طرف سے متعدد رسائل اور کتابوں کا تبادلہ ہوا، انھیں رسائل میں اذان من اللہ، وقایۃ اہل السنۃ، حق نما فیصلہ، سلامت اللہ لاہل السنۃ، ازاحۃ العار، تعبیر خواب، سد الفرار وغیرہا رسائل شائع ہوئے جن میں تھانوی صاحب بشمول علماے رام پور پر ڈیڑھ ہزار اور علماے بدایوں پر ساڑھے تین سو کے قریب ایرادات و اعتراضات ہیں۔ اس علمی وقلمی جہاد میں اعلیٰ حضرت کے دونوں شہزادے حضرت حجۃ الاسلام اور سرکار مفتی اعظم رحمہما اللہ تعالیٰ آپ کے شریک کار رہے اور اس مسئلے کو ان حضرات نے اس قدر مدلل اور مبرہن فرمادیا ہے کہ جس میں نہ تو موافق کے لیے زیادتی کی گنجائش ہے اور نہ مخالف کے لیے مجال دم زدن۔ جس کا جی چاہے اس موضوع پر ان مطبوعہ رسائل وکتب کا مطالعہ کرکے اس بات کی تصدیق حاصل کرسکتا ہے۔

فیصلہ کن نکات:

اذان خطبہ کہاں ہونی چاہیے اور اس کا صحیح محل کیا ہے؟ اس کے تصفیے کے لیے مندرجہ ذیل نکات بنیادی حیثیت رکھتے ہیں جو شخص بھی اس مسئلہ کو کما حقہ سمجھنا چاہے، اسے ٹھنڈے دل سے ان پر غور کرنا چاہیے اور ہمیں امید ہے کہ جو بھی عصبیت اور عناد سے خالی ہو کر غور کرے گا حق اس پر واضح ہو جائے گا اور وہ یقیناً ہمارے موقف کی تائید و توثیق کرے گا۔ درج ذیل نکات اعلیٰ حضرت اور سرکار مفتی اعظم اور دیگر علمائے اہل سنت کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

اوّل: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں یہ اذان مسجد کے باہر دروازہ پر ہوتی تھی جب حضرت عثمان غنی کے زمانے میں لوگوں کی کثرت ہوئی تو انھوں نے ایک اذان کا اضافہ مقام زوراء پر فرمایا۔ پہلی اذان کے اضافے کے بعد بھی اذان خطبہ دروازہ مسجد پر باہر ہوتی رہی۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اسے گھسیٹ کر منبر کے سامنے نہیں لائے۔ وہیں رہنے دیا۔

حدیث شریف میں ہے:

کان یوذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد و ابی بکر و عمر۔ رواہ ابوداود عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ وامام الائمۃ ابن خزیمۃ فی صحیحہ۔

(ابوداود شریف، ج۱/۱۵۵۔ باب نداء یوم الجمعہ)

جمعہ کے دن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی تھی، یوں ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں ہوتی رہی۔

ثانی: فقہا نے فرمایا ہے:

لا یوذن فی المسجد۔ مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے۔

(خلاصہ، خزانہ، خانیہ، البحر الرائق، فتح القدیر، ہندیہ، شرح نقایہ)

الاذان انما یکون علی المئذنۃ او خارج المسجد والاقامۃ فی داخلہ۔

اذان صرف مئذنہ پر یا مسجد کے باہر ہو اور اقامت مسجد کے اندر

(غنیۃ المستملی: ص ۲۷۷)

لکراھۃ الاذان فی داخلہ۔ کیوں کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔

(فتح القدیر ثانی: ص ۲۹)

یکرہ ان یوذن فی المسجد۔ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔

(نظم امام زندویشی، قہستانی، طحطاوی علی المراقی/۱۹۷)

ان ارشادات میں نہ اذان پنج گانہ کی تخصیص ہے اور نہ اذان خطبہ کا استثنا اس لیے یہ اپنے اطلاق اور عموم کی وجہ سے اذان خطبہ کو بھی شامل ہے۔ لہٰذا پنج گانہ اذانوں کی طرح اذان خطبہ بھی مسجد کے اندر دینا ممنوع اور مکروہ ہے۔

ہر طالب حق مخالفین کی پوری کتاب پڑھ جائے۔ مخالفین کہیں ان نصوص میں تخصیص یا اذان خطبہ کے استثنا پر ایک بھی کسی فقیہ کا قول پیش نہیں کر سکے۔ اور نہ قیامت تک پیش کر سکتے ہیں۔

ثالث: یہ تو مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد مبارک میں اور خود حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوائل عہد میں یہ اذان مسجد کے باہر دروازے پر ہوتی تھی اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے کوفے میں یہ اذان مسجد کے باہر مسجد کے دروازے پر دلوائی۔

اور کہیں کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی ایک دو بار بھی یہ اذان مسجد کے اندر دلوائی ہو۔ اگر اس اذان کا مسجد کے اندر دلوانا جائز ہوتا تو کبھی ایک دو بار ہی سہی بیان جواز کے لیے یہ اذان مسجد کے اندر دلواتے۔

اہل علم پر روز روشن کی طرح یہ بات عیاں ہے کہ اذان خطبہ بیرون مسجد دینے کی سنت مردہ ہو چکی تھی۔ اللہ عزوجل نے اپنے حبیب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس سنت کو زندہ کرنے کی توفیق مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اور آپ کے دونوں شہزادوں کو مرحمت فرمائی اور حسب فرمان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: من تمسك بسنتي عند فساد امتي فله اجر مائة شهيد۔

(مشکوٰۃ شریف، ص ۳۰، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، مجلس البرکات، مبارک پور)

جو شخص میری امت کے فساد کے وقت ہماری سنت اختیار کرے گا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ لہٰذا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ اور آپ کے دونوں صاحبزادگان اس بشارت کے مستحق ہوئے۔ اور احیائے سنت کرنے والوں کو کیوں سو شہیدوں کا اجر و ثواب نہ ملے۔ شہید تو ایک مرتبہ تکلیف اٹھا کر دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اور احیائے سنت و نکایت بدعت کرنے والا تو مسلسل طعن و تشنیع کے نیزوں سے زخمی ہوتا رہتا ہے۔ نہ صرف زندگی میں بل کہ بعد موت بھی۔ اس لیے احیائے سنت کرنے والوں کے لیے سو شہیدوں کا ثواب عین تقاضائے عدل و حکمت ہے۔ ذالك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذوالفضل العظيم

رابع: سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی اذان کا اضافہ کیا اور اسے زوراء پر دلایا یہ تو ثابت ہے مگر اذان خطبہ وہاں سے ہٹائی جہاں عہد رسالت اور حضرات شیخین کریمین کے زمانہ سے ہوتی آئی تھی؟ اس

بارے میں کوئی ضعیف سے ضعیف روایت نہیں اور نہ کوئی صاحب قیامت تک پیش کر سکتے ہیں اور اصل ابقاء ما کان علی ما کان ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ انھوں نے اذان خطبہ اسی جگہ رہنے دی جہاں عہد رسالت اور حضرات شیخین کریمین کے زمانے سے ہوتی آئی تھی اور اس پر نص زرقانی علی المواہب کی درج ذیل عبارت ہے۔

لما كان عثمان امر بالاذان قبله على الزرواء ثم نقله هشام الى المسجد اى امر بفعله فيه و جعل الآخر الذى بعدجلوس الخطيب على المنبر بين يديه بمعنى انه ابقاه بالمكان الذى يفعل فيه فلم يغيره بخلاف ما كان بالزوراء فحوله الى المسجد على المنار ـ

(امام محمد بن عبد الباقی الزرقانی، ج ۷/ص ۴۲۵)

جب حضرت عثمان غنی خلیفہ ہوئے اذان خطبہ سے پہلے ایک اذان بازار میں زوراء پر دلوائی۔ پھر اس پہلی اذان کو ہشام نے مسجد کی طرف منتقل کر دیا۔ یعنی اس کے مسجد میں ہونے کا حکم دیا۔ اور دوسری جو خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی تھی، وہ خطیب کے مواجہہ میں رکھی یعنی جہاں ہوا کرتی تھی وہیں باقی رکھی۔ اس اذان ثانی میں ہشام نے کوئی تبدیلی نہیں کی بخلاف بازار والی اذان اول کے کہ اسے مسجد کی طرف منارے پر لے آیا۔
اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين ـ

(الترغیب والترہیب للمنذری، حدیث: ۵۸، دار ابن حزم، بیروت)

میری اور میرے خلفاے راشدین کی پیروی اور اتباع تم پر لازم ہے۔ اسی سے مخالفین کا یہ خیال اور نکتہ آفرینی باطل ہوگئی کہ اذان اعلام غائبین کے لیے ہے جو پہلی اذان سے حاصل ہو چکا۔ دوسری اذان حاضرین کے چپ کرنے کے لیے ہے۔ ان حضرات کو اس کا بھی خیال نہ رہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل اور خلفاے راشدین اور صحابہ کرام کے اجتماعی عمل کے مقابلے میں نکتہ آفرینی کر کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و جملہ صحابہ کے عمل اور فقہا کے ارشاد کو رد کر رہے ہیں اور یہ بھی ہوش نہ رہا کہ یہ اذان ہے اور ہر اذان غائبین کے اعلام کے لیے ہے آج تک کسی فقیہ نے یہ نہ لکھا کہ یہ حاضرین کے انصات کے لیے ہے اس لیے کہ پھر یہ اذان ہی نہ رہے گی۔

خامس: پہلے یہ بات ذہن میں اچھی طرح بیٹھا لیجیے کہ اذان خطبہ اعلام صلاۃ کے لیے ہے جیسا کہ علامہ علاء الدین حصکفی نے درمختار میں اور علامہ محمد ابن عابدین شامی نے ردالمحتار میں فرمایا:

ولم يقل بدخول الوقت ليعم الفائتة و بين يدى الخطيب

(جلد اول ص ۲۵۶ علی ہامش ردالمحتار)

(اذان اعلام مخصوص ہے) دخول وقت کی قید نہیں لگائی تا کہ فائتہ اور اذان خطبہ کو عام ہو جائے اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:

ای اعلام بالصلوٰۃ ای نیعم الاذان اذان الفائتۃ و الاذان بین یدی الخطیب(ایضاً)

اذان نماز کا اعلام ہے ۔(دخول وقت کی قید نہیں لگائی) تا کہ فائتہ اور خطبے کی اذان کو بھی عام ہو جائے ۔ جب فقہاے کرام نے اذان کی تعریف اعلام کے ساتھ کی ہے اور تعریف کا ہر جز معرف کا رکن ہوتا ہے تو ثابت ہوا کہ اعلام اذان کا رکن ہے۔

اور اگر اذان میں اعلام نہ ہو تو وہ اذان ہی نہیں ۔اس کی تائید ردالمحتار کی اس عبارت سے ہوتی ہے ۔ای لا یسمی اذاناً شرعا لعدم الاعلام اصلاً ۔ (جلد اول ص ۲۵۶)

اس کا اذان نام نہیں رکھا جائے گا کیوں کہ اس میں بالکل اعلام نہیں ۔لہٰذا اذان خطبہ کو اعلام غائبین کے لیے نہ ماننا صرف اعلام حاضرین کے لیے جاننا ہٹ دھرمی اور تغییر سنت ہے ۔ اوپر معلوم چکا ہے کہ عہد رسالت سے اول عہد عثمانی غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک یہی ایک اذان تھی تو یقیناً اعلام غائبین ہی کے لیے تھی ۔ایک اذان مزید اعلام کے لیے اضافہ ہوئی ۔اس نے اذان خطبہ کا مقصود نہ بدل دیا اور مسجد میں اذان دینے سے اعلام غائبین نہ ہوگا اور جو شی اپنے مقصود سے خالی ہو جائے باطل ہو جاتی ہے ۔ مسجد کے اندر کی اذان اذان ہی نہیں ۔امام محمد بن الحاج نے مدخل میں نہی عن الاذان فی المسجد کی خاص ایک فصل قائم کی ہے ۔فرماتے ہیں:

فصل :فی النہی عن الاذان فی المسجد و قد تقدم ان للاذان ثلثۃ مواضع المنار و علی سطح المسجد و علی بابہ و اذا کان ذلک کذلک فیمنع من الاذان فی جوف المسجد بوجوہ۔ احدھا انہ لم یکن من فعل من مضی الثانی ان الاذان انما ھو نداء للناس لیاتوا الی المسجد و من کان فیہ فلافائدۃ لندائہ لان ذلک تحصیل حاصل و من کان فی بیتہ فانہ لا یسمع من المسجد غالباً و اذا کان الاذان فی المسجد علی ھذہ الصفۃ فلا فائدۃ لہ و ما لیس فیہ فائدۃ یمنع ۔ الثالث ان الاذان فی المسجد فیہ تشویش علی من ھو فیہ یتنقل او یفعل غیر ذلک من العبادات التی بنی المسجد لاجلھا و ما کان بھذہ المثابۃ فیمنع لقولہ علیہ الصلاۃ و السلام لاضرر ولا ضرار ۔اہ مختصراً۔ (ج ۲۔ص ۳۴۶، مکتبہ دار التراث، القاہرہ)

اندرون مسجد اذان سے ممانعت کے بیان میں یہ فصل ہے ۔اور ماقبل میں گزر چکا کہ اذان کے لیے تین جگہیں ہیں ۔(۱) مینار (۲) سطح مسجد (۳) دروازہ مسجد ۔اور جب معاملہ ایسا ہے تو اندرون مسجد اذان دینا چند

وجوہ سے ممنوع ہوگا۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اندرون مسجد اذان دینی اسلاف میں سے کسی کا فعل نہیں ہے۔
دوسری وجہ یہ ہے کہ اذان لوگوں کو نماز کے واسطے مسجد کی طرف پکارنے اور بلانے کے لیے ہے اور جو لوگ مسجد کے اندر پہلے سے موجود ہیں تو ان کو پکارنے میں کوئی فائدہ نہیں بل کہ وہ تحصیل حاصل ہے اور جو لوگ اپنے گھر میں ہیں وہ عموماً اندرون مسجد ہونے والی اذان کو سن ہی نہ پائیں گے اور جب اذان اندرون مسجد اس طور پر ہے تو اس اذان سے کوئی فائدہ نہیں اور جس چیز میں کوئی فائدہ نہ ہو وہ ممنوع ہوگی۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اندرون مسجد اذان دینے سے ان لوگوں کو۔ تشویش میں بتلا کرنا ہے جو مسجد میں نفل وغیرہ پڑھ رہے ہیں یا ایسے کاموں میں مشغول ہیں جن مقاصد کے لیے مسجد کی تعمیر کی گئی ہے اور جس چیز کی یہ شان ہو اس کو روک دیا جائے گا اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ ضرر دوسرے کو دو اور نہ دوسرا تمھیں ضرر پہنچائے۔

سادس: مخالفین کے سارے استدلال کی بنیاد اس مغالطہ عامۃ الورود پر ہے کہ اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہیں۔ صرف اعلام حاضرین کے لیے ہے، اس لیے کہ پہلی اذان سے اعلام غائبین کا مقصد پورا ہو گیا تو اب اذان خطبہ صرف اعلام حاضرین کے لیے ہی رہی۔ اگر چہ بنظر دقیق یہ بھی ہمیں مضر نہیں اس لیے کہ دنیا کی دو چار مساجد کے علاوہ کسی بھی مسجد کے اس خارجی حصے میں اذان دی جائے جو مسجد کے متصل ہو تو آواز پوری مسجد میں پہونچ جائے گی اور سب حاضرین کو اعلام ہو جائے گا۔ اور جب خطبہ کی اذان جو خارج مسجد اعلام غائبین کے لیے ہوتی ہے، اعلام حاضرین کے منافی نہیں ہے تو اس اذان کو لا یوذن فی المسجد۔ یکرہ ان یوذن فی المسجد کے اطلاق وعموم سے خارج ہونے کی دلیل بتانا۔ سفاہت اور مکابرہ نہیں تو اور کیا ہے؟

اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے، اس پر ہمارے علمائے کرام نے متعدد وجوہ سے استدلال کیا ہے۔

(۱) مقصد اذان فقہا کی تصریحات کے مطابق اعلام غائبین ہے اور جب مطلق اذان کا مقصد اعلام غائبین ہے اور اذان خطبہ بھی اذان ہے تو اس کا مقصد بھی اعلام غائبین ہوگا کیوں کہ جو حکم مطلق کے لیے ہے وہی اس کے ہر ہر فرد کے لیے ثابت ہونا ضروری ہے مگر یہ کہ کچھ افراد کا استثنا اسی درجے کی دلیل سے ہو جس درجے کی دلیل سے مطلق کا حکم ثابت ہے، مطلق اذان اعلام غائبین کے لیے ہے۔ اس پر فقہاء کا اجماع ہے اور اذان خطبہ کا استثنا کسی فقیہ نے کہیں نہیں کیا ہے۔ مخالفین اپنی تمام تر کوشش کے باوجود کسی فقیہ کا کوئی قول نہیں دکھا سکے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے۔

(۲) اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے۔ اس پر روشن دلیل البحر الرائق کی درج ذیل عبارت ہے۔

تکراره مشروع كما فى اذان الجمعة لانه لاعلام الغائبين فتكراره مشروع لاحتمال سماع بعض دون بعض۔ (البحر الرائق جلد اول، ص ۲۷۸)

اذان کی تکرار مشروع ہے جیسا کہ اذان جمعہ میں ہے اس لیے کہ یہ اعلام غائبین کے لیے ہے تو اس کی تکرار مشروع ہے کیوں کہ یہ احتمال ہے کہ پہلی اذان کچھ لوگوں نے نہ سنی ہو۔

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لیے ہے اس لیے کہ اعلام غائبین تکرار کے مشروع ہونے کی علت ہے۔ اور انتفاے علت انتفاے معلول کو مستلزم ہے تو اگر اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہ ہو تو لازم کہ سرے سے مشروع ہی نہ ہونا جائز وممنوع ہو۔

(۳) اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے اس پر دلیل تنویر الابصار اور درمختار کی یہ عبارت ہے۔

ھو شرعا اعلام مخصوص للصلوٰۃ ولم یقل بدخول الوقت لیعم الفائتۃ وبین یدی الخطیب۔ (درمختار، ج ۱۔ ص ۲۵۲)

اذان شریعت میں اعلام مخصوص ہے یعنی نماز کے لیے، یہ نہیں کہا دخول وقت کے لیے تاکہ فائتہ اور خطیب کے سامنے والی اذان کو بھی عام ہو جائے۔

اعلام کا متعلق محذوف ہے یعنی یہ مذکور نہیں کہ کس کے اعلام کے لیے ہے۔ مگر دین سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا جانتا ہے کہ غائبین کے اعلام کے لیے ہے اور یہ تعریف مطلق اذان کی ہے۔ علامہ حصکفی نے اس میں اذان خطبہ کو بھی داخل مانا تو ثابت کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لیے ہے۔

(۴) اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لیے ہے اس کی دلیل ہدایہ۔ بدائع صنائع کی یہ عبارت ہے۔

واذن الموذنون بین یدی المنبر (ہدایہ اولین ص ۱۵۱، بدائع صنائع، ج ۱۔ ص ۲۷۰)

اور چند موذن منبر کے سامنے اذان دیں۔

ردالمحتار میں علامہ شامی نے اسے بدعت حسنہ کہا۔ عنایہ کفایہ میں اس کا فائدہ یہ بتایا۔

لتبلیغ اصواتھم الی اطراف المصر الجامع۔

(برحاشیہ فتح القدیر، ج ۲۔ ص ۳۹)

چند موذن اس لیے اذان دیں تاکہ ان کی آوازیں شہر کے تمام اطراف میں پہنچ جائیں۔

اگر اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہ ہو تو شہر کے اطراف میں آواز پہونچانے کی کیا حاجت؟

(۵) اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کے دن اذان جمعہ ہوتے ہی جمعہ کے لیے سعی واجب ہے یعنی خرید وفروخت سب دینوی کام چھوڑ کر نماز جمعہ کے لیے چل دینا۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ﴾ (سورہ جمعہ ۶۲/۹)

جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف تیزی سے چلو اور خرید وفروخت

علما کا اس میں اختلاف ہے۔اس خصوص میں اذان اوّل کا اعتبار کیا جائے یا اذان ثانی کا؟ دونوں قول ہیں۔امام الفقہا والمحدثین امام ابوجعفر طحاوی، امام شیخ الاسلام، امام ملک العلما ابوسعود کا شانی کا مختار یہ ہے کہ اذان خطبہ کا اعتبار ہے۔امام سرخسی اور جمہور فقہا کا مختار یہ ہے کہ اذان اول کا اعتبار ہے۔فریق اول کی دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شیخین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے عہد مبارک میں صرف اذان خطبہ تھی اس لیے۔ارشاد باری اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ سے اس کا مراد ہونا متعین ہے۔

فریق ثانی کی دلیل یہ ہے کہ اگر اذان اول ہوتے ہی لوگ جمعہ کے لیے نہ چلیں تو ان کی سنتیں فوت ہو جائیں گی اور خطبہ بھی کچھ حصہ بل کہ خطرہ ہے کہ کل خطبہ بل کہ نماز بھی نہ ملے۔اس دلیل کی بنیاد لوگوں کے ساتھ رفق وسہولت پر ہے۔

فریق اول کی بات دلیل کی رو سے بہت باقوت ہے اس لیے کہ جب عہد رسالت میں صرف اذان خطبہ ہی تھی تو ارشاد ربانی اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ سے اس کا مراد ہونا متیقن ہو گیا اور جب عہد نبوی میں قرآن مجید کے کسی کلمہ کی مراد متعین ہو جائے تو اسی کو مراد لینا ضروری ہوتا ہے۔
رہ گیا ہمارے جمہور ائمہ احناف کا قول ثانی کو اختیار کرنا عوام کی آسانی اور ان کے ساتھ رفق کی وجہ سے ہے۔

اس استدلال کا ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ وجوب سعی میں اذان خطبہ کو معتبر مانتے ہیں ان کے نزدیک بلا کسی تردد کے اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے ہے ورنہ وجوب سعی میں اس کا اعتبار لغو ہوگا۔رہ گئے جمہور فقہا جو اذان اول کو معتبر مانتے ہیں ان کے نزدیک بھی یہ اذان اعلام غائبین کے لیے ہے۔اس لیے کہ اگر ان کے نزدیک یہ اذان اعلام غائبین کے لیے نہ ہوتی تو قول مخالف کی تزئیف میں یہ فرماتے کہ وجوب سعی میں اذان خطبہ کا کیسے اعتبار ہوگا؟ وہ تو مسجد کے منبر کے متصل خطیب کے سر پر ہوتی ہے۔یہ اعلام حاضرین کے لیے ہے، یہ اعلام غائبین کے لیے ہے ہی نہیں کہ مسجد سے غائب لوگ اسے سن کر مسجد میں آئیں۔اپنے مذہب مختار کی ترجیح میں فرمایا تو یہ فرمایا۔

اگر اذان خطبہ کا اعتبار ہوگا تو سنتیں چھوٹ جائیں گی اور بسا اوقات خطبہ بل کہ جمعہ بھی فوت ہو جائے گا۔اس طرح دونوں قول پر اذان خطبہ کا اعلام غائبین کے لیے ہونا ثابت۔اور جب بہ دلائل شرعیہ ثابت ہو گیا کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لیے ہے اور کسی بھی اذان کا مسجد کے اندر دینا مکروہ وممنوع۔تو یہیں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ ہمارے فقہائے کرام کے ارشاد لایوذن فی المسجد مسجد میں اذان نہ دی جائے یکرہ ان یوذن فی المسجد مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ لکراھۃ الاذان فی المسجد

اندرون مسجد اذان کے مکروہ ہونے کے باعث۔ یہ ارشادات اذان خطبہ کو بھی ضرور عام اور پنج گانہ اذانوں کی طرح اذان خطبہ بھی اندرون مسجد دینا بلاشبہہ مکروہ و ممنوع۔

سابع: مخالفین اس پر بہت زور دیتے ہیں کہ اذان خطبہ کا مسجد کے اندر ہونا وہ بھی منبر کے متصل خطیب کے سر پر متوارث ہے۔ اس پر گزارش یہ ہے کہ توارث وہی حجت ہے جو عہد صحابہ اور مجتہدین سے الی یومنا ہٰذا ہو۔

ردالمحتار خاص باب الجمعہ میں فرمایا:

لا عبرة بالعرف الحادث اذاخالف النص التعارف انما يصلح دليلا على الحل اذا كان عاما من عهد الصحابة والمجتهدين كما صرحوا به۔

(ج ۳۔ ص ۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

عرف حادث کا اعتبار نہیں جب نص کے مخالف ہو۔ رواج اسی وقت جواز کی دلیل ہے جب زمانہ صحابہ و مجتہدین سے عام طور پر چلا آیا ہو جیسا کہ علما نے تصریح فرمائی ہے۔

مسجد کے اندر اذان خطبہ دینے کا رواج نہ عہد رسالت میں تھا نہ عہد صحابہ میں نہ عہد تابعین میں اور آج بھی پوری دنیا کے مسلمانوں میں اس کا رواج نہیں۔

ابوداود شریف کی حدیث جو حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے جس کو شروع مقالہ میں نقل کر چکا ہوں، اس سے ثابت کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے زمانے میں یہ اذان مسجد کے باہر مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی اور بعد میں بھی یہ اذان وہیں ہوتی رہی۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پہلی اذان زوراپر دلوائی مگر یہ اذان وہیں رہنے دی، جہاں پہلے سے ہوتی تھی۔

ابوداود شریف کی حدیث کے آخری کلمات یہ ہیں۔

فثبت الامر على ذلك۔

(باب النداء یوم الجمعہ، حدیث ۱۰۸۳۔ ص ۱۹۳/ دار احیاء التراث الاسلامی، بیروت)

لہٰذا اس سے ثابت کہ زوراپر اذان اول کے اضافے کے باوجود یہ اذان خطبہ دروازہ مسجد پر ہوتی رہی اور جب یہ ثابت ہوا کہ اذان خطبہ مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی تو جب تک اسی درجہ کی دلیل سے یہ ثابت نہ ہو کہ دروازے سے ہٹا کر منبر کے متصل اس کو کر دیا گیا، یہی ثابت رہے گا کہ یہ اذان اپنی جگہ رہی۔ اصل کے خلاف دلیل ضروری ہے۔

اور بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اذان خطبہ کی جو جگہ اور مقصد (یعنی اعلام غائبین) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین کریمین سے ثابت اور مستمر ہو اس کو تبدیل کرنے کی جرات حضرت عثمان غنی رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کریں؟ ایک خلیفہ راشد کے سر اتنا بڑا الزام واتہام سخت جرات و بے باکی ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ زوراء پر اذان کے اضافے کے بعد بھی یہ اذان وہیں رہی جہاں عہد رسالت سے ہوتی آئی تھی۔ مسجد حرام شریف میں یہ اذان آج بھی کنارہ مطاف پر ہوتی ہے اور مسجد حرام پہلے مطاف ہی تک تھی۔

اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس اذان کا محاذاۃ امام میں بھی ہونا ضروری نہیں بل کہ یہ بھی دوسری اذانوں کی طرح وہیں دی جائے جہاں سے پڑوسیوں کو زیادہ سنائی دے مثلاً منارے پر اسی کے مطابق بلاد مغرب میں یہ اذان مناروں پر ہوتی ہے۔ (تفصیل کتب مالکیہ میں مذکور ہے(

اس سے ثابت کہ پوری دنیا کے مسلمانوں کا یہ عمل نہیں کہ یہ اذان منبر کے متصل دی جائے اس لیے توارث کو اس کی دلیل بنانا باطل۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کا اجماع رہا کہ یہ اذان مسجد کے باہر ہونی چاہیے۔ اب اگر بفرض محال آپ یہ ثابت بھی کر دیں کہ اس کے بعد اس پر اجماع ہوگیا کہ یہ اذان منبر کے متصل ہو تو پھر اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

اعلیٰ حضرت اور احیاے سنت:

اس بحث کے اختتام پر ختام المسک کے طور پر مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی ایک عبارت ہدیہ قارئین ہے۔

اب ہم ایک حدیث صحیح ذکر کریں جس سے اس بین یدیہ کے معنی بھی آفتاب کی طرح روشن ہو جائیں اور اس ادعاے توارث کا حال بھی کھل جائے۔ سنن ابی داود شریف میں بسند حسن مروی ہے

حدثنا النفیلی ثنا محمد بن سلمة عن محمد بن اسحاق عن الزهری عن السائب بن یزید رضی الله تعالیٰ عنه قال کان یوذن بین یدی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد و ابی بکر و عمر۔ (ج۱۔ص ۱۵۵، باب النداء یوم الجمعه)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب روز جمعہ منبر پر تشریف فرما ہوتے تو حضور کے روبرو اذان مسجد کے دروازہ پر دی جاتی اور یونہی ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں۔ اس حدیث جلیل نے واضح کر دیا کہ اس روبروے امام پیش منبر کے کیا معنی ہیں؟ اور یہ کہ زمانہ رسالت وخلفاے راشدین سے کیا متوارث ہے؟ ہاں یہ کہیے کہ اب ہندوستان میں یہ اذان متصل منبر کہنی شائع ہو رہی ہے مگر نص حدیث سے جدا، تصریحاتِ فقہ کے خلاف، کسی بات کا ہندیوں میں رواج ہو جانا کوئی حجت نہیں۔ ہندیوں میں ایک یہی کیا اور وقت کی اذانیں بھی بہت لوگ مسجد میں دے لیتے ہیں، حالاں کہ وہاں تو ان تصریحات ائمہ کے مقابل بین یدی

وغیرہ کا بھی دھوکا نہیں۔ پھر ایسوں کا فعل کیا حجت ہوسکتا ہے؟

الحمدللہ یہاں اس سنت کریمہ کا احیا رب عزوجل نے اس فقیر کے ہاتھ پر کیا، میرے یہاں موذنوں کو مسجد میں اذان دینے سے ممانعت ہے۔ جمعہ کی اذان ثانی بحمداللہ تعالیٰ منبر کے سامنے دروازہ مسجد پر ہوتی ہے جس طرح زمانہ اقدس حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفاے راشدین رضی اللہ عنہم میں ہوا کرتی تھی۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم والحمدللہ رب العالمین۔

(اوفی اللمعۃ فی اذان یوم الجمعۃ ص ۷)

حدیث ابوداؤد اور مفتی اعظم کی نکتہ آفرینی:

ماقبل میں گزر چکا کہ اذان خطبہ کے تعلق سے جو شدید قلمی جنگ رہی۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی حیثیت اگر سالار جنگ کی رہی تو آپ کے دونوں شہزادے میمنہ اور میسرہ کے سنبھالنے والے سردار کی تھی۔ اذان خطبہ کے موضوع پر سرکار مفتی اعظم کے متعدد رسائل اور فتاوے ہیں۔ اختصار کی وجہ سے آپ کی کتاب نفی العار من معایب المولوی عبدالغفار (ص ۶۱) سے ایک اقتباس ہدیہ قارئین کر رہا ہوں۔

ثالثاً۔ اصل بات یہ ہے کہ ائمہ نے بین یدیہ اور علی باب المسجد دونوں حدیث ابن اسحاق ہی سے لیے کہ اوروں کی احادیث میں نہ یہ ہے نہ وہ، لیکن علی باب المسجد کا مقصود صرف اس قدر تھا کہ کنارہ پر بیرون مسجد ہو اور یہ حکم سب اذانوں کے لیے عام تھا۔ کچھ تخصیص اذانِ جمعہ کی نہ تھی لہٰذا اسے ائمہ نے باب الاذان میں ذکر فرمایا کہ لا یوذن فی المسجد تا کہ تمام اذانوں کو شامل رہے۔ خاص باب جمعہ میں اس کے ذکر کی وجہ نہ تھی کہ یہ حکم اذان جمعہ سے خاص نہ تھا۔ رہا بین یدیہ وہ اس اذان جمعہ کا خاص حکم تھا اور کسی اذان کے لیے نہ تھا۔ لہٰذا ائمہ نے صرف اسے خاص باب الجمعہ میں ذکر فرمایا۔ ناواقف نادان لوگ کہ باب الجمعہ میں صرف ایک دیکھتے، دوسرا نہیں پاتے، اپنی جہالت یا کم فہمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ علمانے ان دونوں قیود سے بین یدیہ اختیار فرمائی اور علی باب المسجد ترک کی حالاں کہ دونوں اپنی اپنی جگہ مذکور ہیں۔ جاہل کہتے ہیں خاص اذان جمعہ کے لیے لا یوذن فی المسجد دکھاؤ اور نہیں جانتے کہ یہ حکم خاص اس کا نہیں، عام اذانوں کا ہے تو عام ہی کے باب میں عموماً مذکور ہوگا نہ کہ ایک ایک خاص کا نام لے کر کہ ظہر کی اذان مسجد میں نہ ہو عصر کی نہ ہو جمعہ کی نہ ہو۔ اسے وہی طلب کرے گا جو محض نافہم ہے یا نراہٹ دھرم۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ مسلمان اس تقریر کو یاد رکھیں کہ بہت سی جہالتوں کی بیخ کن ہے وللہ الحمد۔

مفتی اعظم کا ایک اہم فتویٰ:

حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں ناسک مہاراشٹر سے ایک استفتا آیا۔ جس میں اذان خطبہ کا صحیح محل اور مقام پوچھا گیا تھا۔ نیز [illegible]

کے نزدیک سنت ہے، ترک سنت سے اذان مکروہ تحریمی ہو جاتی ہے۔ترک سنت پر اصرار اور خلاف سنت فعل کو عین سنت سمجھنے والوں کے حق میں کیا وعید آئی ہے؟اس کے جواب میں ایک مفصل فتویٰ سرکار مفتی اعظم نے تحریر فرمایا۔جس کے سطر سطر سے الولد سر لابیہ کی جھلک دکھائی دے رہی ہے۔اس فتوے کی تلخیص ہدیہ قارئین ہے:

الجواب :(ا) بسم الله الرحمن الرحیم ، -اللهم انی اعوذبك من ترك السنن وانتهاکها ۔ اذان خطبہ ہی وہ اذان ہے جو عہد کریم نبی روف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں پیش خطیب خارج مسجد دی جاتی تھی۔اور زمانہ خلافت شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں بھی ایک ہی اذان اسی طرح دی جاتی رہی جب زمانہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مدینہ طیبہ کی آبادی زائد ہوگئی تو حضرت نے ایک اذان، اذان خطبہ سے قبل مقام زوراء میں اور اضافہ فرمائی اور اذان خطبہ بدستور خارج مسجد رکھا۔ہشام کے زمانہ میں وہ زوراوالی اذان بھی مسجد کی طرف منتقل ہو آئی اسی لیے ہمارے تمام علمائے کرام ائمہ فخام قاطبۃً اپنی تصنیفات عالیات میں برابر کھلی تصریحات فرماتے آئے کہ خارج مسجد اذان مسنون ہے۔

مسجد بمعنی موضع صلاۃ میں اذان مکروہ ہے، داخل مسجد اذان نہ دی جائے۔

علامہ ابراہیم غنیۃ میں فرماتے ہیں:

الاذان انما یکون فی المئذنة او خارج المسجد والاقامة فی داخله۔

(ص۳۷۷،فصل فی السنن،سہیل اکیڈمی،لاہور)

علامہ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں قہستانی اور وہ نظم سے ناقل:

یکره ان یوذن فی المسجد۔

(ص۱۱۷،باب الاذان،مصطفیٰ البابی،مصر)

اسی میں فتح القدیر سے ہے:

فان لم یکن ثمة مکان مرتفع للاذان یوذن فی فناء المسجد ۔

قہستانی میں ہے۔

لا یوذن فی المسجد فانه مکروه اه

عامہ کتب میں ہے:

لا یوذن فی المسجد ۔ نیز

یکره الاذان فی المسجد

فتح القدیر میں امام ابن الہمام فرماتے ہیں:

قولہ: والمکان فی مسئلتنا مختلف یقید کون المعھود اختلاف مکانھما و کذلک شرعاً والاقامة فی المسجد ولابداما الاذان فعلی المئذنة فان لم یکن ففی فناء المسجد و قالوا لا یوذن فی المسجد امام اتقانی غایة البیان۔

(ص ۲۵۰، کتاب الصلاۃ، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

اور امام محقق علی الاطلاق ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا فتح القدیر میں خاص باب الجمعہ میں فرماتے ہیں:

ھو (ای الاذان) ذکر اللہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراھة الاذان فی داخلہ اھ۔ (ج ۶۔ص ۵۶/ مرکز اہل سنت برکات رضا، پوربندر)

فقہائے کرام کے باب الاذان میں یہ ارشادات کہ یکرہ الاذان فی المسجد اور لا یوذن فی المسجد ہر سمجھ والے کے نزدیک عام ہیں کہ ہر ایک اذان کو شامل ہیں مگر بعض ہٹ دھرم زبردستی یہاں یہ کہتے ہیں کہ یہ اذان پنج گانہ کے لیے ہے۔ اذان خطبہ اس سے مستثنیٰ ہے مگر ان دونوں جلیل اماموں نے خاص باب الجمعہ میں یہ فرما کر ان معاندوں کی دہن دوزی فرمادی اور اس ہٹ دھرمی کی پوری خبر گیری رسائل اہل حق میں کافی طور پر کی گئی جس کے اعادہ کی یہاں حاجت نہیں ہے۔ مسجد میں اذان یقیناً مکروہ خلاف سنت ہے، مدخل امام محمد بن الحاج میں نہی عن الاذان فی المسجد کی خاص ایک فصل قائم فرماتے ہیں:

فصل فی النھی عن الاذان فی المسجد و قد تقدم ان للاذان ثلثة مواضع المنار وعلی سطح المسجد و علی بابه واذا کان ذلك کذلك فیمنع من الاذان فی جوف المسجد بوجوه احدھا انه لم یکن من فعل من مضی الثانی ان الاذان انما ھو نداء للناس لیاتوا الی المسجد و من کان فیه فلافائدة لندائه لان ذلك تحصیل حاصل ومن کان فی بیته فانه لا یسمع من المسجد غالباً و اذا کان الاذان فی المسجد علی ھذه الصفة فلا فائدة له وما لیس فیه فائدة یمنع الثالث ان الاذان فی المسجد فیه تشویش علی من ھو فیه یتنفل او یفعل غیر ذلك من العبادات التی بنی المسجد لاجلھا وما کان بھذه المثابة فیمنع لقوله علیه الصلاة والسلام لا ضرر ولا ضرار اھ مختصراً۔ (ج ۲۔ص ۲۴۶، مکتبہ دارالتراث، القاہرہ)

اذان اعلام غائبین کے لیے ہے۔ اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہ ماننا اعلام حاضرین کے لیے جاننا نری ہٹ دھرمی اور تغییر سنت ہے۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عہد رسالت سے اول عہد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک یہی ایک اذان تھی تو یقیناً اعلام غائبین کے لیے ہی تھی۔ ایک اذان مزید اعلام کے لیے اضافہ ہوئی۔ اس نے اس اذان خطبہ کا مقصود نہ بدل دیا۔ مسجد میں اذان سے اعلام غائبین نہ ہوگا۔ اور شی اپنے مقصود سے خالی باطل

ہو جاتی ہے۔ مسجد کے اندر کی اذان اذان ہی نہیں ابھی مدخل امام ابن الحاج سے گذرا :

اذا کان الاذان فی المسجد علی ھذہ الصفۃ فلافائدۃ لہ وما لیس فیہ فائدۃ یمنع۔

نیز علما فرماتے ہیں

اذا خلی الشئی عن المقصود بطل.

جو لوگ مسجد کے اندر اذان دلواتے ہیں۔ وہ یہی نہیں کہ خلاف سنت اور مکروہ کام کرتے ہیں بل کہ اذان ہی کو باطل کر دیتے ہیں جو لوگ ترک سنت کرتے ہیں یقیناً معاتب ہیں۔ اس وعید سے ڈریں من ترک سنتی لم ینل شفاعتی (جو میری سنت کو ترک کرے گا وہ میری شفاعت سے محروم ہوگا) ان کا یہ عذر مسموع نہ ہوگا کہ ہم خارج مسجد اذان کو سنت نہیں جانتے۔ داخل مسجد اذان کو سنت مانتے ہیں خصوصاً اس صورت میں کہ حدیث فقہ کے ارشادات سے انھیں بتا بھی دیا گیا، جہل عذر نہیں بل کہ وہ خود دوسرا وبال ہے اور جہالت کرنا اور شدید الزام جس نے حمایت سنت کی ہوا سے سو شہید کے اجر کا حدیث مژدہ دیتی ہے۔

من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شھید رواہ البیھقی فی الزھد عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عھنما۔ (مشکواۃ شریف ص ۳۰/ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

(جو میری امت کے بگاڑ کے وقت میری سنت پر قائم رہا اس کے لیے سو شہیدوں کا اجر ہے، اس حدیث کو امام بیہقی نے کتاب الزھد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے(

خارج مسجد اذان ہونا حدیث سے ثابت داخل مسجد اذان کی کراہت وممانعت فقہاے کرام کے ارشادات سے واضح برخلاف حدیث وفقہ یہ کہنا کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر منبر کے قریب ہاتھ دو ہاتھ کے فاصلہ سے دی جانا ہی سنت ہے۔ کیسا کھلا عناد اور سخت ہٹ دھرمی اور شدید جہالت ہے؟ اللہ عزوجل محفوظ رکھے۔ کیا اس کے قائل میں دم ہے کہ وہ کسی ایک ہی معتبر معتمد عالم سے اپنے کسی ایک دعویٰ کی تائید پیش کر سکے؟ الی آخرہ۔

(ا) مسجد کے اندر اذان مسجد کی بے ادبی اور بدعت ہے۔ بدعت کو سنت سمجھنا اور سنت کو بدعت سخت وبال عظیم ہے اور سنت کو مٹانا اور اس کے معارض فعل کرنا سنت سیۂ ہے۔ اور حدیث میں فرمایا من سن سنۃ سیئۃ عمل بہا من بعدہ کان علیہ وزرہا ووزر من عمل بہا لا ینقص ذٰلک من اوزارہم شئیا۔

(مسند امام احمد بن حنبل ج ۳۱۔، حدیث۔ ۱۹۲۰۰، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

اور ایسے شخص کو جو سنت مٹانے کے درپے ہوا سے حدیث میں ((من ترک سنتی لم ینل شفاعتی)) سے ڈرنا چاہیے۔ اوپر معلوم ہو چکا کہ جہل عذر نہیں۔

حدیث میں ہے من جادل فی خصومۃ بغیر علم لم یزل فی سخط اللہ حتی ینزع

(اتحاف السادۃ المتقین، ج ۷۔ص ۴۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

تیسیر میں اس حدیث کے نیچے فرمایا:

من جادل فی خصومة ای استعمل التعصب والمراء حتی ینزع ای ترك ذلك و یتوب منه توبه صحیحة۔

حدیث میں ہے:

فمن کانت فطرته الی سنتی فقد اهتدی ومن کانت فطرته الی غیر ذلك فقد هلك رواه الطبرانی فی معجم الکبیر و ابن حبان والحاکم باسناد هم کما فی الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة۔

(مسند امام احمد بن حنبل ج ۱۱، حدیث ۶۴۷۷، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

اور حدیث میں ہے: ما من امة ابتدعت بعد نبیها فی دینها الا اضاعت مثلها من السنة روی الطبرانی باسناده عن عفیف بن الحارث رضی الله تعالیٰ عنه

اور حدیث میں ہے:

قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ان الله حجب التوبه عن کل صاحب بدعة حتی یدع بدعته رواه الطبرانی باسناده عن انس رضی الله تعالیٰ عنه

اور حدیث میں ہے:

ابی الله تعالیٰ ان یقبل عمل صاحب بدعة حتی یدع بدعته رواه ابن ماجة باسناده عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما۔ والله تعالیٰ اعلم۔

(ص ۱۹، حدیث ۵۰، باب اجتناب البدع والجدل، دار احیاء التراث الاسلامی، بیروت)

آثار المبتدعین لإعدام حبل الله المتین

مصنفہ مولانا عبد الغفار خاں رام پوری

کے رد میں

رسالہ

مقتل کذب وکید

(۱۳۳۲ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مولوی عبدالغفار خاں صاحب رامپوری نے تو جھوٹی تعلّی سے مہلت دس سال کی ہمیں دی، یہاں بفضلہٖ تعالیٰ ان کے رسالہ "آثار المبتدعین لاعدام حبل اللہ المتین" (۱) کے رد میں ایک مہینہ سے کم میں دو رسالے مہیا ہو گئے،

اول "صیلم الدیان لتقطیع حبالۃ الشیطان (۲)"

مولوی صاحب نے اپنے دعوی پر جو مہملات سوسو بار کی مردودات پیش کیں،

ان پر ردقاہری دوم "سیف القھار علی العبید الکفّار" (۳)

مولوی صاحب نے اخیر میں جو فتوائے مبارکہ بریلی مطبوعہ تحفہ حنفیہ محرم ۲۲ھ پر اعتراضات میں کمال نافہمی کی داد دی یہاں تک کہ خود عبارت فتوی سمجھنا محال اور اعتراض کو تیار، اس کی پردہ دری اگر کی

۱۔ دائرہ میں جو نام لکھا جاتا ہے

اس طرح:

حبل اللہ المتین

لاعدام

آثار المبتدعین

اس میں اکثر قاعدہ یہ ہے کہ مہر کی طرح نیچے سے اوپر کو پڑھا جاتا ہے، خصوصاً جب کہ اخیر میں نام الٰہی ہو کہ اس کی تعظیم کے لیے اسے اوپر رکھا جاتا ہے، مولوی صاحب کا طریقہ ہمیں بہت پسند آیا کہ انہوں نے اپنے رسالے کا نام دائرہ مین رکھا تو اخیر جز کو جس میں نام الٰہی ہے، سطر بالا میں لکھا، حسب قاعدہ نیچے سے شروع کیجیے، پہلے آثار المبتدعین ہے پھر لاعدام حبل اللہ المتین۔ لہذا اصاف نام " آثار المبتدعین لاعدام حبل اللہ المتین " ہے، اور یہی ان کے لائق تھا۔

ع: آں چہ نصیب ست بہم می رسد، ۱۲ منہ

۲۔ یہ اس کا جواب ہے جو مولوی صاحب نے ص ۳۱ سطر ۱۰ و ۴۵ سطر ۱۶/ اور حاشیہ ص ۴۱ پر لکھا ۱۲۔

۳۔ مولوی صاحب کا...... "کفّار بالفتح "بڑا ناشکرا، مبتدع کہنا اس سے سخت تر ہے۔

جائے تو ان سے مولوی صاحب پر رد کا شمار تقریباً پونے دو ہزار، مگر کیا حاصل۔

''اذان من اللہ۔ وقایۃ اہل السنۃ۔ سلامۃ اللہ لاہل السنۃ۔ حق نما فیصلہ'' کا کس نے جواب دیا؟۔ ''نفی العار'' کا کون جواب دے۔ وہاں تو ٹھہر چکی ہے کہ لاکھ کھائیں اور ایک کا جواب لائیں، اور وہی مردودات پیش فرمائیں۔ یہ سلسلہ تو غیر متناہی ہے، اہل حق کہیں سے مفت کی خیراتی تنخواہ نہیں پاتے، مگر عوام کا خدا بھلا کرے، سمجھتے سمجھاتے خاک نہیں، ورقوں پر کچھ کالک لگی دیکھی اور غل مچادیا۔ اور اب کی تو ان بے چاروں کو یہ صریح بے (۴) ایمانی کا دھوکا دیا ہے کہ سو کتابوں سے ثبوت لکھا ہے۔ اس کا بھرم کھولنا مناسب، لہٰذا ان کے کمالات سے فی الحال ایک ہزار معروض، وہ تیس قسم پر منقسم ہیں، جن میں ستائیس قسمیں انعامی ہیں، میعاد کے اندر مولوی صاحب اپنی واقعی عہدہ برائی کر لیں، تو سات سو روپے حاضر کیے جائیں گے، اور اگر میعاد گزر جائے اور جواب نہ دے سکیں، جیسا تین بار کا تجربہ تو ان کا انعام ختم۔ اب ہر سنی مسلمان کو اتنی ہی میعاد دی جائے گی کہ اپنی کوشش سے اس مدت میں مولوی صاحب سے صحیح جواب لا دیں، سو روپے ان کی نذر کیے جائیں گے۔ مسلمانوں کو دینی مسئلہ میں سو کتابوں کا جھوٹا نام لے کر دھوکا دیا ہے، مسلمانوں کا حق ہے کہ ان سے جواب لیں (تفصیل میعاد)

اکثر باتیں واقعات سے متعلق ہیں، مثلاً مولوی صاحب نے عبارتیں دل سے گڑھ لیں، ان میں قطع برید یں تحریفیں کیں، سچی یقینی عبارت کو جھٹلا دیا، ترجموں میں ملونیاں کر دیں، مسئلہ دل سے تراش لیا۔ فقہا پر افترا، شریعت پر افترا، خود اپنے اوپر افترا، اپنی طرف مقابل پر افترا کہ یہ کہا ہے، حالاں کہ کہیں نہ کہا۔ کتاب کا جھوٹا نام لکھ دیا، کتب و عبارات و احادیث کی محض جھوٹی گنتیاں بڑھائیں، مردود باتوں کو بے رد جواب سامنے لائے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب باتیں نظر سے تعلق رکھتی ہیں۔ اگر یہ الزام واقعی نہیں لگتے تو مولوی صاحب دس گھنٹے میں ان کا خلاف دکھا سکتے ہیں۔ موجود چیز حاضر کرنے میں دن نہیں لگتے۔ مگر ہم مولوی صاحب کو دس دن کی مہلت دیتے ہیں، باقی امور کہ متعلق بہ فکر ہیں، ان کے جواب کو مولوی صاحب اپنی لیاقت دیکھ کر جتنی بھی مہلت چاہیں اس کی درخواست انہی دس دن کے اندر بھیج دیں۔ یہ عشرہ گزر جائے اور جواب نہ آئے تو دوسرا عشرہ واقعات کے صحیح جواب اور باقیات کے لیے درخواست مہلت لانے کا ہر سنی مسلمان کے لیے ہے۔ یوں بھی جواب نہ ملے تو اب انصاف مسلمانوں کے سر ہے۔ کیا حق کی تائید میں اہل حق کو ایسی شرمناک حرکات کی حاجت ہوتی ہے؟۔ کیا صاف نہ کھل گیا کہ اندرون مسجد اذان جمعہ ایسی ہی

۴۔ اس لفظ کا مطلب ہے جو........لکھا مولوی صاحب کو ہر جگہ آئینہ میں اپنا منہ نظر آیا۔

شدید باطل ہے جس کے بنانے کو کوئی سچی سند نہیں ملتی، ناچار ایسے جھوٹ اوڑھنے پڑے۔

مسلمانو! یہ دین ہے، اللہ و رسول کو منہ دکھانا ہے، اللہ توفیق انصاف بخشے۔ انعام اقسام پر غالباً بنظر اہمیت اور ہر قسم کے افراد پر بحصہ مساوی ہے۔ مولوی صاحب اگر بعض سے جواب دیں اس کا حصہ انعام پائیں گے، جب کہ باقی کی لاجوابی کا تحریری اقرار دیں، یونہی بعض کا جواب لانے والے کو ان کے حصہ کا ساتواں۔

مولوی صاحب ایک کتاب سے بھی سند نہ دے سکے اور بنالیں سو

آخر یہ کیوں کر؟۔ جی ہم سے سنیے: مولوی صاحب پر صدہا مطالبے چڑھ گئے، رسالے کے رسالے میدان مناظرہ میں اتر گئے، آٹھ مہینے ریاست کا کتب خانہ چھانا، نہ ایک حدیث پائی نہ کوئی روایت فقہ ہاتھ آئی، اور ادھر تقاضوں سے دم ناک میں، ناچار مولوی صاحب نے یہ جتن کھیلے جس کا نمونہ حاضر۔

قسم (۱) نری جھوٹی عبارت دل سے گڑھ لی

(انعام پچاس روپے)

(۱) ص ۱۷ صلاۃ مسعودی کے نام سے ایک عبارت تراشی کہ "اذان در مسجد مکروہ است مگر اذان برمنبر" حالاں کہ محض جھوٹ، صلاۃ مسعودی میں اس کا کہیں پتا نہیں، سچے ہیں تو اس میں یہ عبارت دکھائیں۔ (پچاس روپے انعام)

قسم (۲) عبارتوں میں خیانتیں، چوریاں، تحریفیں

(انعام ۳۰؍ روپے)

(۲) فتح الباری کی عبارت میں مولوی صاحب کی پانچ قطع برید یں "اذان من اللہ" نے گنائیں۔ فتح القدیر و غنیۃ کی عبارتوں میں مولوی صاحب کی دو شدید چوریاں "نفی العار" نے دکھائیں۔

ان کی اس چوتھی تحریر "آثار المبتدعین" کا نمونہ لیجیے:

ص ۲۹ "شیخ عبدالحق دوسری جگہ فرماتے ہیں: "حکم من ثبت عندہ التدلیس الخ"

مولوی صاحب نے اپنا پردہ رکھنے کو کتاب کا نام نہ لیا، یہ مقدمہ لمعات کی عبارت ہے، اور آغاز یوں تھا: "قال الشیخ: حکم من ثبت عنہ التدلیس الخ" یعنی شیخ ابن حجر (۱) شافعی المذہب نے کہا: مدلس کا یہ حکم ہے۔ مولوی صاحب نے "قال الشیخ" کتر لیا، اور اسے خود شیخ صاحب کا

مقولہ ٹھہرادیا، کیوں مولوی صاحب کیا یہاں "قال الشیخ" نہ تھا؟۔ (بیس روپے انعام)

اور اگر ان ساتوں چوریوں کے جواب دینا چاہو تو انہیں بھی ملالو، اب فی خیانت ڈھائی روپے، کل بیس۔

(ص ۳ تا ۱۲) فتوائے مبارکہ بریلی مطبوعہ تحفہ حنفیہ محرم ۲۲ھ میں خانیہ وخلاصہ وعالمگیریہ و برجندی کی چار عبارتوں میں تھا: "ینبغي أن یؤذن علی المئذنة أوخارج المسجد ولا یؤذن في المسجد" یعنی اذان کے لیے منارہ مناسب ہے یا بیرون مسجد، مسجد میں اذان نہ دی جائے، بحرالرائق وامام اتقانی وامام محقق علی الاطلاق وعلامہ برجندی نے صاف بتادیا تھا کہ "ویؤذن في المسجد" مستقل جملہ ہے، پہلے تینوں اکابر نے اتنا ہی نقل فرمایا اور چوتھے نے عبارت خلاصہ کو اسی پر دلیل ٹھہرایا کہ "فیہ اشعار بأنه لا یؤذن في المسجد، فقد ذکر في الخلاصة الخ" بایں ہمہ مولوی صاحب نے بیچ کے سب فقرے کاٹ لیے، اور" ینبغي أن" کو "لا یؤذن في المسجد" سے ملا کر ص ۳۵ پر فرمادیا: "یہ روایات ہیں جن کو مولانا صاحب اپنے فتوے میں لائے ہیں، "ینبغي أن لا یؤذن في المسجد" یہ نیو جما کر بولے: "فقہا تو "ینبغي" کے معنی مستحب لکھتے ہیں" مولوی صاحب! کیا یہ عبارت ان چاروں کتابوں میں یونہی ہے؟۔ کیا یہ چاروں عبارتیں فتوائے مبارکہ بریلی میں اس طرح ہیں؟۔ یہ آپ کے آٹھ کمال ہوئے، چار عبارات ائمہ میں تحریفیں، اور خود اپنے خصم پر چار افترا۔ اور اسی بنا پر اپنے خصم پر دو افترا اور فرمائے: ایک ص ۱۳ پر کہ "ینبغی" کے معنی مکروہ وممنوع کے لینا" دوسرا ص ۳۹ پر کہ "ینبغی" کا ترجمہ یہ گڑھا" کل دس افترا۔ دس روپے انعام، فی تحریف وافترا ایک روپیہ۔

قسم (۳) سخت ستم، صحیح عبارت کو نری سینہ زوری سے غلط بتانا، اور اپنی طرف سے جھوٹی عبارت گڑھ کر کایا پلٹ کردینا

(انعام سو ۱۰۰ روپے)

---

(۱) شیخ محدث نے اس مقدمہ کے آغاز سے پہلے دیباچۂ لمعات میں جہاں اپنی اصطلاحات بتائی ہیں کہ "شرح الشیخ" سے میری یہ مراد ہے، اور" بعض الشروح " سے یہ، اور" بعض الحواشي "سے یہ۔ وہاں صاف فرمادیا ہے کہ " قال الشیخ "میں میری مراد ابن حجر عسقلانی ہیں۔ ۱۲ منہ

(۱۳ تا ۱۵) فتح القدیر کا ارشاد جلیل کہ:

"في المسجد، أي: في حدوده لكراهة الأذان في داخله"(۱)

یعنی جمعہ کا خطبہ مثل اذان مسجد میں ذکر الٰہی ہونے سے مراد حدود مسجد میں ہونا ہے، اس لیے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ الحمد للہ اس میں خود اذان خطبہ مسجد کے اندر مکروہ ہونے کا صاف افادہ تھا، جس سے مولوی صاحبوں کو بھی تحریر دوم رامپور ص ۸ میں انکار کرتے نہ بنی۔ خدا دین و دیانت دیتا تو حق مسئلہ قبول فرمانا تھا۔ حیا و غیرت دیتا تو پردۂ سکوت میں منہ چھپانا تھا۔ مگر ہٹ دھرمی کا خدا برا کرے، وہ کیا چین لینے دے، مولوی صاحب نے تحریر دوم میں تو اس کا یہ علاج کیا کہ اس ارشاد جلیل کو فتح القدیر سے توڑ کر شرح منیہ کی عبارت ٹھہرایا کہ اس کی عظیم وقعت سے کچھ تو گھٹے، اور بے دھڑک مردود دونا معتبر کہہ گئے ،اور اس نئی چوتھی میں ص ۳۹ پر سب سے بڑھ کر یہ بے نظیر ڈھٹائی دکھائی کہ عبارت ہی یوں غلط ہے۔ "اصل عبارت یوں ہے: هو ذكر الله في المسجد، أي: في حدوده فصار كالأذان في داخله"(۲)

اور ص ۱۵/ پر یوں شوخ چشمی منائی کہ "غلطی سے کسی کاتب نے "فصار كالأذان" کی جگہ "لكراهة الأذان" لکھ دیا، وہی نقل ہونے لگا" یعنی فتح القدیر کے متعدد مطابع مصر کے نسخے، مطابع ہند کے نسخے، قلمی نسخے سب غلط ہیں، اور مولوی صاحب کا سفلی کشف صحیح، إنا لله وإنا إليه راجعون

مولوی صاحب! اگر ثبوت دے دو کہ یہ عبارت فتح کی نہیں غنیۃ کی ہے، تو (چالیس روپے انعام)۔ یا ثبوت دے دو کہ سب نسخے غلط ہیں، صحیح نسخہ آپ پر کسی پہاڑ سے اترا ہے تو فوراً سے پہلے اسے مع ثبوت صحت حاضر لائیں، (چالیس روپے انعام)۔ یا آریوں کی وید دیکھنے کو بہ ہزار دشواری مل سکیں، مگر آپ کے نسخے کا پردہ ٹوٹنا محال۔

(۱۶) مولوی صاحب کی تقدیر کہ یہی عبارت بعینہا اسی طرح "في المسجد، أي: في حدوده لكراهة الأذان في داخله"(۳)

غایۃ البیان امام اتقانی، دوسری شرح جلیل ہدایہ میں موجود۔ کیوں مولوی صاحب! وہاں بھی کاتب ہی نے

---

(۱) [فتح القدير كتاب الصلاة باب صلاة الجمعة: ۲/۶۵]

(۲) [فتح القدير كتاب الصلاة باب صلاة الجمعة: ۲/۶۵]

(۳) [فتح القدير لابن الهمام باب صلاة الجمعة: ۲/۵۸]

بنالی ہوگی، ثبوت دو (دس روپے انعام)۔

(۱۷) یہ تو کہیے کہ اس تقدیر پر "في المسجد، أي: في حدوده" سے تفسیر کرنے کی کیا ضرورت ہوئی، جب آپ کے لکھے خطبہ واذان دونوں جوف مسجد کے اندر تھے، تو کیا وجہ ہوئی کہ (مسجد میں) کہنے کو حدود مسجد سے تاویل کرنی پڑی۔ کیا جو چیز عین جوف مسجد میں ہوتی ہوا سے "في المسجد" کہنے کی ائمہ نے کبھی یوں بلا وجہ فضول بے معنی توجیہ کی ہے، ثبوت دو (دس روپے انعام)

ہے یہ کہ:

ع عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے

ایسی ہی چادر حیا اتار دی تھی تو "أي: في حدوده" کو بھی "أي: في جوفه" بنالیا ہوتا، یہ دن تو نہ دیکھنا ہوتا کہ کال بھی نہ کٹا۔

مسلمانو للہ انصاف! ایسی کارروائیوں سے کون سا باطل حق نہیں ٹھہر سکتا، اپنے مفید عبارتیں دل سے گڑھ لو، جو اپنے مضر ہیں ان کے تمام نسخے غلط بتادو، اور ان میں اپنی گڑھت ملادو۔

مسلمانو للہ انصاف! کیا کسی حق بات کے لیے ایسی جیتی مکھیاں (۱) نگلنی ہوتی ہیں، کیا صاف نہ کھل گیا کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر ہونا ایسا ہی شدید باطل ہے جس کے حامیوں کو اس قدر شرم ناک بددیانتیوں کی حاجت پڑی، جو اس پر بھی نہ سمجھے کیا قیامت کے دن سمجھایا جانا چاہتا ہے۔

قسم (۴) کتاب کا جھوٹا نام گنادیا اور عبارت غائب

(انعام ۵/روپے)

(۱۸) سو کتابوں کی فہرست دی بھرت پورا کرنے کو۔ نمبر ۵۸ میں "فتح حاشیہ مسکین" کا نام لکھ دیا، آثار المبتدعین کی عبارتوں میں کہیں اس کتاب کا نام تک دکھادیں (پانچ روپے انعام)

قسم (۵) بھرت پورا کرنے کو ایک ایک کتاب دو دو دفعہ گنائی

(انعام ۴ روپے)

(۱۹ تا ۲۲) فہرست دیکھیے:

شمنی الگ، کمال الدرایہ الگ، وجیہ الدین بر شرح وقایہ جلد اول، علوی بر شرح وقایہ جلد اول،

۱۔ یہ اس لفظ کا جواب ہے جو مولوی صاحب نے ص ۵۷ سطر ۷ میں لکھا۔

نقایہ علیحدہ، مختصر الوقایہ علیحدہ، مجمع الانہر اور شرح ملتقی۔ اور خود ہی ص ۳۰ و ۳۱ ر پر اقرار ہے کہ آپ کی سندوں میں شرح ملتقی وہی مجمع الانہر ہے، چار کتابوں کی آٹھ کرلیں (چار روپے انعام)۔

(قسم ۶) عوام کے دھوکے کو گنتی بڑھانے کے لیے متعدد گن دیے

(انعام ۴ر روپے)

(الف) ایک ایک عبارت دو دو دفعہ گنی، مثلاً:

(۲۳) ص ۵ر میں عبارت شمنی پر ۹ر کا نمبر، پھر دو سطر بعد بعینہا وہی عبارت بنام کمال الدرایہ ۱۲ر نمبر۔

(۲۴) اسی صفحہ میں شرح ملتقی کی عبارت ۱۳ر نمبر، پھر ایک ہی سطر بعد وہی عبارت دو لفظ چھوڑ کر بنام مجمع الانہر ۱۵ر نمبر۔

(۲۵) ص ۳۲ر پر کہا: ''تیسری روایت مختصر الوقایہ کی'' پھر دو سطر بعد ایک لفظ بڑھا کر اسی کو لکھا اور کہا ''چھٹی روایت نقایہ کی''۔

(۲۶) ص ۷ پر بحوالہ عینی ایک روایت مبسوط ۱۳۱ر نمبر، پھر ص ۱۸ر پر اسی کے دو ٹکڑے کر کے ۱۰۲، و ۱۰۵ر نمبر ایک روایت کی تین بنالیں۔

(۲۷) ص ۲۰ر پر عبارت حلبی ۱۱۹ر نمبر، پھر ص ۲۳ر پر وہی عبارت ۱۲۷ر نمبر۔

(۲۸) ص ۱۸ر پر عبارت امداد الفتاح ۹۹ر نمبر، پھر ص ۳۵ر پر وہی روایت دوسرے نمبر سے مکرر۔

(ب) ایک حدیث چار بار شمار۔

(۲۹ تا ۳۱) ص ۲۴ر پر ایک حدیث ام المؤمنین کہ نماز تہجد میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لیٹی ہوتیں۔ چار دفعہ گنی۔ فقہا کے نزدیک تغایر متن سے حدیث بدلتی ہے، محدثین کے نزدیک تعدد صحابی سے متعدد ہوتی ہے، مگر غفار خانی اصطلاح میں ایک ہی صحابی کی ایک ہی حدیث چار حدیثیں ٹھہرتی ہے۔ بخاری نے روایت کی، ایک حدیث ہوئی۔ مسلم نے روایت کی، دوسری ہوگئی۔ ابوداؤد کی روایت سے تیسری ٹھہر گئی۔ بلکہ امام بخاری کہ تقطیع حدیث کے عادی ہیں، انہیں اکیلے کی دوبار روایت دو حدیثیں۔

(۳۲) نہیں نہیں، اس سے صرف حدیث متعدد نہ ہوئی بلکہ اس کا قصہ ہی متعدد ہوگیا، کہ ان چالوں سے بیس گنا کی ص ۲۶ر پر بولے ''یہ بیس حدیثیں مختلف احکام وقصص کی پیش کیں'' خدا شرم دے۔

(ج) یوں بھی جی نہ بھرا تو گیارہ علی الحساب بڑھا لیے۔

(۴۳ تا ۴۳) ص ۳۸ / پر بولے "یہاں تک ۲۳۵ / روایات نقل کی ہیں" حالاں کہ تمام مہملات ومکررات سب ملا کر بھی ۲۲۴ / رہی ہیں۔

(د) ایک ایک مہمل اعتراض کئی کئی دفعہ گنا مثلاً:

(۴۴ و ۴۵) ص ۴۴ / پر پہلی، دوسری، چوتھی، تینوں غلطیاں بتانے کا حاصل ایک ہے کہ زمان کو مکان پر قیاس۔ ایک اعتراض کے تین کر لیے۔

(۴۶) چھٹی اور ساتویں کا حاصل ایک۔

(۴۷) دسویں اور گیارہویں کا مطلب ایک جس کی خدمت گزاری قسم ۱۵ / میں آتی ہے۔ لفظ بدل کر ایک ایک کے دو دو کر لیے۔

(۴۸ تا ۵۱) فتوائے مبارکہ میں حدیث ابوداؤد کو معنی بین یدیہ کا موضح بتایا، آپ ص ۴۵ / پر معترض ہوئے کہ وضاحت چار طور پر ہوتی:

اول خود بیان شارع یا صحابی۔

دوم بیان راوی دیگر۔

سوم اتفاق شراح حدیث۔

چہارم بیان بعض شراح۔

اور یہاں یہ چاروں نہیں، لہذا وضاحت نہیں۔ یہ اول تو جو دو مکابرہ ہے، یہاں خود صحابی کا بیان موجود ہے، کہ "علی باب المسجد بین یدیہ" ہے، پھر جمیع وجوہ وضاحت کا انتفا عدم وضاحت کی ایک وجہ واحد ہے کہ ایک کے انتفا سے انتفائے وضاحت نہ ہوتا، سب کے انتفا سے انتفا ہوگا کہ نہیں، چار وجوہ انتفا قرار دیا، اور پھر اس جہالت پر بھی کہ ایک کی چار بنالیں صبر نہ آیا، اور ایک اپنی طرف سے اور ملا کر ص ۵۲ / پر بولے "پانچ وجہیں وضاحت پر وارد کیں"۔

(۵۶) ص ۴۷ / سے ۵۲ / تک حدیثِ ابی داؤد شریف کے جاہلانہ رد چوبیس گنائے، اور ص ۵۲ / پر ایک علی الحساب بڑھا کر بولے "پچیس وجہیں استدلال پر وارد کیں"

غرض ہر جگہ جھوٹ پر مدار ہے۔

(۵۷ تا ۵۹) پھر وہ چوبیس بھی کس خوبی سے ہیں، ص ۴۷ / پر چھٹی وجہ یہ گڑھی کہ "علی باب المسجد" اس حدیث میں مخترع ابن اسحاق کا ہے" مخترع ابن اسحاق ہونے کو لازم تھا کہ نہ قول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہو، نہ قول صحابی، نہ قول تابعی، نہ اور روایت میں مروی۔ ان چاروں کے اجتماع

سے اختراع ثابت ہوتا، آپ نے چاروں کو الگ وجہ گنا کر چھٹی کے بعد دسویں شروع
تینوں ہضم، ایک وجہ کی چار کرلیں۔

(۶۰) پھر اس پر بھی صبر نہیں، اسی اپنے اختراعی اختراع کو اسی بنا پر کہ ابن اخو
نہیں ص ۴۸ ر پر مکرر ملا کر سترہویں وجہ بنایا۔

(۶۱ تا ۶۴) فقہ حنفی میں اس قید "علی الباب" کا نہ لینا کہ محض جہالت مولوی
کارد" سلامة اللہ" میں موجود ہے، اگر ہوتا وجہ واحد ہوتا، اسے دسویں سے چودھو
، بھلے سے مولوی صاحب کو فقہائے حنفیہ کی فہرست نہ ملی ورنہ اسے ہزاروں وجہ بنا لیتے۔

(۶۵) شذوذ ونکارت متباین ہیں، ص ۴۸ ر میں دونوں کو ملا کر پندرہویں او
غرض دس بڑھا کر پندرہ مہملات کو پچیس گنایا۔

(۶۶ تا ۷۰) کلام جلابی کے "فی المسجد" کو فتوائے مبارکہ میں "في حـ
سے تفسیر فرمایا اور اس پر کلام امام محقق علی الاطلاق سے استناد فرمایا، کہ جس طرح انھوں
"فی المسجد" کی تفسیر "فی حدوده" فرمادی، ظاہر ہے کہ کام تفسیر لفظ سے ہے
سے، تو اسے ص ۵۴ ر پر یہ قرار دینا کہ امام ابن الہمام نے خاص اس عبارت میں یہ تفسیر ک
اسے ابن الہمام پر افترا بتانا صراحۃً اپنے خصم پر افترا۔ پھر اگر تفسیر ہوتا بھی تو قول جلا
الہمام سے مقدم ہیں نہ کہ نقل قہستانی ناقل کی، تو یہ گمان اور بھی بے عقلی۔ تین تو آپ پر
کہ اسی ایک جاہلانہ اعتراض کو آٹھ، نو، دس، تین غلطیاں بنالیا۔

(۷۱ تا ۸۱) فتوائے مبارکہ میں تھا کہ...

"اگر بانی مسجد نے تمام مسجدیت سے پہلے مسجد کے اندر اذان کے لیے منارہ
کراہت یہاں نہ ہوگی، جیسے مسجد میں وضو جائز نہیں، مگر پہلے سے اگر کوئی محل بانی نے وضـ
اس میں وضو جائز ہے"

قیاس تھا بلکہ ائمہ کی دلالۃ النص سے استدلال، کہ فقہائے کرام اگرچہ مسجد
فرماتے ہیں، مگر مسجد میں وضو کی مثل تو نہ ہوگا کہ اس کا پانی مستقذر بلکہ امام کے نزدیک نجـ
تمام مسجدیت اس کے لیے ایک جگہ مسجد میں معین کرنا ائمہ نے جائز رکھا، تو اذان کے لـ
جائز ہوا، مولوی صاحب کی بے عقلی کہ اسے وضو پر قیاس سمجھے۔ پھر اس پر ص ۵۴ ر میں
اذان کو مستقذر ونجس چیزوں کے مانند مانا، یہ دوہری اشد بے عقلی۔ کہاں تو یہ کہ جب ایسی

مسجدیت سے پہلے محل بنانے کی اجازت ہے تو اذان کے لیے کیوں نہ ہوگی، اور کہاں یہ کہ اذان کو ان چیزوں کی مثل بتایا۔ پھر لطف یہ کہ اسی ایک جاہلانہ اعتراض کو دوسری غلطی سے دسویں تک لفظ بدل بدل کر گنایا، ایک ہی اعتراض کے نو کر لیے۔

غرض یہ ہے کہ: ع ماعلی مثله یعد الخطا

(۸۲تا۹۰) کلام جلابی کی دوسری توجیہ پر ص ۵۵ و ۵۶/میں جو جاہلانہ مزخرفات بکی ہیں جن کا رد قاہر "سیف القہار" میں ہے، ان میں پہلی اور دوسری ایک ہیں، ساتویں اور آٹھویں ایک ہیں، نو دس گیارہ بارہ ایک ہیں، تیرہ سولہ ایک ہیں، چودہ پندرہ اٹھارہ ایک ہیں، انیس بیس ایک ہیں۔

(۹۱تا۹۳) یونہی ص ۵۷/و ۵۸/میں توجیہ کلام قہستانی پر جو جہالتیں دکھائیں جن کا رد گزرا اور آتا ہے، ان میں دوسری تیسری ایک ہیں۔ چھ سات آٹھ ایک ہیں۔

(ہ) ایک ایک مہمل دلیل متعدد کرلی۔

(۹۴تا۹۷) ص ۴۰/تا ۴۳/جو دس مہملات بنام دلائل اذان خطبہ لکھیں ان میں ۳ و ۱۰/ واحد ہیں، ۵ و ۶/ واحد ہیں، ۳/ تکمیل دلیل سابق ہے نہ دلیل، ۷/ دلیل ۶/ پر موقوف ہے نہ مستقل۔ بالجملہ جاہلانہ اعتراضوں میں ۴۵/جھوٹ بڑھالیے، اور اپنی سندوں میں ۲۴/، جملہ ۶۹/۔ (سواستر ہ روپے انعام، فی تکرار چونی)۔

قسم (۷) نامعتبر و مجہولات سے بھرتی بھردی

(انعام ۵ روپے)

(۹۸تا۱۰۲) مثلاً برہنہ، رحمانیہ، زاد التقوی، نقشبندیہ، نور المصلین اور ان سے دونی اور ہیں، مولوی صاحب انہیں کے معتمد و مستند ہونے کا کلام علمائے معتمدین سے ثبوت دیں (پانچ روپے انعام، فی کتاب ایک روپیہ)۔

قسم (۸) کتاب بھر میں خصوصاً ۱۴۵/جگہ مہمل بعلاقہ عبارتیں بھر کر دھوکے دیے

(انعام مالعہ عہ۴)

(۱۰۳تا۱۸۷) مخالفین "بین یدیه" سے اس پر دلیل لاتے تھے کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر کے

برابر ہے، اسی لفظ کی بناپر توارث کی رٹ تھی، اسی کے بھروسے زمانہ رسالت پر اس کی تہمت تھی۔ علمائے اہل حق نے کتنا سکھایا کہ ''بین یدیہ'' کچھ ایسے ہی قرب سے خاص نہیں کہ اذان دروازہ پر ہو تو ''بین یدیہ'' نہ رہے۔ دیکھو صحاح ستہ سے سنن ابی داؤد شریف کی صحیح حدیث میں ''**علی باب المسجد**'' کے ساتھ ''**بین یدیہ**'' موجود ہے، کیا صحابی اہل زبان ''بین یدیہ'' کے معنی نہ جانتے تھے، بات تو یہیں ختم ہو چکی تھی، پھر زیادہ علاج نادانی کے لیے قرآن عظیم کی آیتوں، ائمہ لغت کی تفسیروں، ائمہ تفسیر کی تصریحوں سے قاہر ثبوت دیے کہ ''بین یدیہ'' اتنے ہی قرب سے خاص نہیں بلکہ منفصل، قریب، بعید یہاں تک کہ اتصال حقیقی سے پانسو برس کی راہ کے فاصلہ تک خود قرآن مجید میں موجود ہے، آٹھ ہزار برس کی راہ تک تفسیرات ولغت کی تفسیروں سے ثابت ہے، تو یہاں سے وہاں تک جس حد پر بولا جائے نہ ہمارے کچھ منافی نہ تمہیں کچھ مفید، کہ وہ ہمارے ہی دعوی کے ایک جز کا ثبوت ہے، نیز یہ بھی بتادیا کہ اس کا قرب باختلاف موقع مختلف ہوتا ہے، اور یہ کہ ''بین یدي المصلي'' میں اس کا موقع موضع سجود ہے، ان میں سے تمہیں کچھ نافع نہیں کہ تم مستدل ہو، تمہیں تو یہ لانا چاہیے کہ وہ ایسی ہی قرب سے خاص ہے کہ منبر ودروازہ کے فاصلہ پر باطل ہو جائے۔ یہ بحمد اللہ تعالیٰ نہ کوئی صاحب لا سکے نہ انشاء اللہ القدیر قیامت تک لا سکیں، اور کیوں کر لا سکیں کہ ائمہ لغت وائمہ تفسیر کی تفسیروں کے بالکل خلاف ہے۔ گھر سے کوئی نئی عربی تو گڑھ نہیں سکتے، لغت وتفاسیر درکنار کیا قرآن عظیم کے ارشادات غلط کر سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ سن سنا کر مولوی صاحب وہی قدیم اوندھی چلے، آخر ص ۱۹ر سے اول ۳۹ر تک دس ورق اس میں سیاہ کیے، بیس حدیثیں اور بیس فقہی روایتیں لائے، جن میں ''بین یدیہ'' ایک قرب کی حالت میں بولا گیا ہے، پھر'' مرور بین یدي المصلی'' کے متعلق پانچ حدیثیں ۲۸ر روایتیں، اور ص ۲۰ر پر مطلق قرب کی چھ عبارتیں، اور سب سے بڑھ کر کمال ذی ہوشی سے صراح وقاموس وراغب وتاج العروس کی عبارتیں، اور فقہا کا ایک قول، اور ترمذی کی ایک حدیث۔ یہ چھ حرف اس لیے کہ لفظ ''بین'' بمعنی ''درمیان'' ہے، اور ان میں کمال عقل کے گل کھلائے، جملہ پچاسی روایات ہوئیں۔

مولوی صاحب! ایمان سے کہنا: ان میں کون سا حرف ہے کہ ''بین یدیہ' اتنے ہی قرب سے خاص ہے کہ دروازہ ومنبر کے فصل پر باطل۔ (پچاسی روپے انعام فی روایت ایک روپیہ)

مسلمانو! یہ ہے وہ جسے بڑا بنا کر تمہیں ڈرایا جاتا ہے، خدا شرم دے۔ آگے چلیے:

(۱۸۸تا۲۲۹) جب کھل گیا کہ ''بین یدیہ'' تمہیں کچھ نافع نہیں، تو ص ۳۲ر سے ص ۳۸ر تک صرف اس کی بیس روایتیں کہ اذان ''بین یدیہ'' ہے، اور بیس اس کی کہ ''بین یدیہ'' متوارث ہے، اور دو

اس کی کہ متوارث حجت ہے، یہ بیالیس مہمل در مہمل فضول در فضول ہوئیں، (انھیں بیالیس روپے انعام)
بھلے مانس! یہ بھی نہ دیکھا کہ "بین یدیه" خود ہمارا مذہب، ہمارا عمل، ہمارا فتویٰ ہے، ہم خود اسے متوارث مانتے ہیں، یہ خود ہماری حدیث میں موجود ہے، جسے ہم مانتے ہیں اور تم منکر ہو۔ پھر ان کے بھرنے سے سوا اس کے کیا فائدہ ہوا کہ ناواقف عوام ڈر جائیں کہ..اُوہ! اتنی کتابوں سے اتنی روایتیں دی ہیں، شرم شرم شرم۔ ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

یہ ہے آپ کی سندوں کا بھاگ، یہ ہے آپ کا مکمل کا باگ، یہ ہے آپ کی کتابوں کی قطار، یہ ہے آپ کی روایتوں کی پکار، ع: شرم بادت از خدا واز رسول

جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اور سنیے:

(۲۳۰ تا ۲۴۷) "ینبغي" جو اوپر سے توڑ کر "لایؤذن" کے سر لا دھرا تھا، ص ۱۲ و ۱۳/ پر ۱۸/ عبارتیں اس کی بھریں کہ فقہا نے ان میں "ینبغي" بمعنی مستحب بولا ہے، اور وہ بھی کمال تمیز داریوں سے جن کا بیان "صلیم الدیان" میں ہے، اور بعض کا آئندہ آتا ہے۔ ہاں سہی، پھر "ینبغي أن لایؤذن في المسجد" تو آپ کی ساختہ ہے، کتب مذکورہ میں یہ عبارت یوں دکھا دو تو (سوا دو روپے انعام بالائے انعام فی روایت ۲/)

قسم (۹) مہمل در مہمل ذیل مہمل

(انعام ۳۷/ روپے)

(۲۴۸ تا ۲۸۴) "بین یدیه" میں مولوی صاحب کے اس اہمال پر خاک ڈالیے تو اب بھی آپ جس مطلب کے ثبوت کو وہ بیس حدیثیں بیس عبارتیں لائے، ان میں اکثر اس سے بے علاقہ ہیں، اس سے بڑھ کر اور اہمال کیا ہوگا کہ ع: خود گفتہ وخود ندانند کہ چیست۔

مولوی صاحب کی غرض یہ تھی کہ "بین یدیه" کا مفہوم اتنے قرب قریب میں منحصر کریں کہ مسجد سے باہر نہ جا سکے، اس کے لیے جاں کاہ محنتیں فرما کر دانتوں پسینے لا کر یہ چالیس روایتیں لائے، اور فرمایا ان میں کہیں خارج بیت کا مطلب نہیں بنتا (دیکھو ص ۲۶)

مگر الحمد للہ دونوں باتیں جھوٹ ہیں۔

اولاً: ان میں زیادہ مزہ دار وہ کثیر و بسیار روایات ہیں جن کو سرے سے اس قرب ہی پر دلالت

نہیں۔ جیسے روایت: ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۱۴، ۱۵، ۱۸، ۱۹، ۲۰ وحدیث ۱، ۲، ۴، ۵، ۱۰، ۱۷، ۱۸،

ان اٹھارہ میں صرف لفظ "بین یدیہ" ہے اس کے ساتھ دیگر روایات کی طرح کوئی قرینہ بھی نہیں کہ قرب مذکور پر دلیل ہو۔ تو حاصل استدلال یہ ہوا کہ ان روایات واحادیث میں لفظ "بین یدیہ" ہے، اور لفظ "بین یدیہ" غفار خانی گز ھت میں اس قرب سے مخصوص ہے، لہذا "بین یدیہ" ان میں اس قرب سے مخصوص ہے کہ یہ مصادرہ علی المطلوب نہیں تو کیا ہے؟۔

ثانیاً: ان میں بہت وہ ہیں کہ اگر مولوی صاحب وہ حد درجہ کی تنگ ڈیڑھ گز کی مقدار جس میں انہوں نے ص ۳۲ ر پر "بین یدیہ" کو گھیر دیا ہے، تسلیم کرلی جائے جب بھی خارج بیت کا مطلب قطعا درست ہے۔

مثلاً روایت ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، میں ہے: نمازی کے آگے تنور میں کراہت ہے، چراغ وقندیل میں نہیں۔

۷، ۸، ۹، ۱۰، میں سانپ بچھو سامنے سے گزرنے کا ذکر ہے۔

۱۱، ۱۲، میں کتاب وقرآن مجید سامنے ہونے کا۔

۱۵، ۱۶، میں تصویر کا۔

حدیث (۵) میں کہ بھٹی کسی کے سامنے رکھی تھی۔

حدیث (۱۱) میں کہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بیٹھا۔

حدیث ۱۳ ر میں کہ حضور اپنے کسی ہم نشیں کے سامنے پائے اقدس دراز نہ فرماتے۔

حدیث ۱۴ ر میں کہ حضور نے مجھے اس کے سامنے بٹھایا۔

حدیث ۱۵ ر میں کہ جب متخاصمین روبروئے قاضی بیٹھیں۔

کیا اگر دروازۂ قبلہ سے باہر متصل تنور ہو اور دروازہ کے اندر گز بھر کے فاصلہ سے نماز پڑھی تو کراہت نہ ہوگی؟۔ "بین یدیہ" ڈیڑھ گز تک مانا ہے۔ یا چراغ وقندیل کی روایت ہے۔ یا سانپ بچھو نمازی سے گز بھر دور، اس دروازے سے باہر گزریں تو اب اس کے قتل کی اجازت نہیں۔ یا کتاب یا قرآن مجید بیرون دروازے فصل سے ہو تو اس حکم میں نہیں۔ یونہی وہ لوگ دروازہ کے اندر گز بھر فصل سے تھے، اور بکری بیرون در متصل تو یونہی ابو ہریرہ اور یہ راوی۔ یونہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریب در تشریف فرما ہوں اور حاضر آنے والا باہر متصل۔ اسی طرح قاضی ومتخاصمین تو کیا یہ سامنے نہیں۔ یہ ۱۹ ر مکابرے ہوئے، جملہ ۳۷ ر ڈبل مہمل (۳۷ ر روپے انعام)۔

قسم (۱۰) جھوٹے ترجمے دکھا کر دھوکے دینا

(انعام ۸۷ روپے)

(۲۸۵ تا ۳۱۲) مولوی صاحب! "بین یدیہ" کی حقیقت تو آپ پر کھل گئی، اور آپ نے خود قبول دیا ہے کہ وہ قرب خاص پر بند نہیں جس کا بیان جناب کی خوبی قسمت کی شرح میں عنقریب آتا ہے۔ اب فرمایئے ص ۳۵ر سے ص ۳۸ر تک جو امداد الفتاح سے لے کر آخر تک کی عبارتوں میں "بین یدیہ" کے ترجمہ میں لفظ (مسجد میں) اپنی طرف سے ٹھونس لیا، امداد و حموی و نہر ہر ایک کے ترجمہ میں وہ دو جگہ اور بے چارے حاشیہ ہدایہ علامہ عینی کی اکیلی عبارت میں اکھٹا سات جگہ اور باقی پندرہ میں ایک ایک جگہ، یہ اٹھائیس افترا کس شریعت سے حلال کر لیے، دین و دیانت کا دعویٰ ہے تو فوراً سے پہلے بولیے کہ ان عبارات میں (مسجد میں) کون سے لفظ کا ترجمہ ہے، (اٹھائیس روپے انعام فی افترا ایک روپیہ)

خدا کی شان ان عبارات میں "فی المسجد" درکنار سرے سے مسجد کا نام تک نہیں اور ترجمہ ہو گیا کہ "اذان مسجد میں" ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مسلمانو! دیکھایوں دن دہاڑے تم پر اندھیری ڈال کر مسجد میں اذان منوائی جاتی ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

طرفہ یہ کہ ص ۴۱ر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جیتے افترا کرکے (جن کا بیان عنقریب آتا ہے) خود ہی قبول دیا کہ واقعی یہاں "مسجد میں" کسی لفظ کا ترجمہ نہیں، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افترا کرکے خود ہی ٹھونس لیا ہے، فرماتے ہیں: "اسی بنا پر ہم نے بین یدیہ کے یہ معنی لیے کہ قریب منبر کے مسجد میں"

ع: اس آنکھ سے ڈریے جو خدا سے نہ ڈری آنکھ

(۳۱۳ تا ۳۶۰) ص ۸ و ۹ ر پر ۱۴ر عبارتیں لائے کہ حجہ و تحریمہ و مغرب کی بالواسطہ سندیں ملا کر ۱۷ر ہوئیں، پھر فرمایا: "خلاصہ ترجمہ ان سب روایات کا یہ ہے" اس خلاصہ میں فرمایا: کہ...

"دوسری اذان مسجد میں قریب منبر کے واسطے احیائے سنت اور اعلام حاضرین کے"

مسلمان دیکھ لیں کہ ان میں سے کسی عبارت میں نہ (مسجد میں) کا ذکر ہے نہ "اعلام حاضرین کا" لفظ ہے۔ یہ ۳۴ر افترا ہوئے۔ لطف یہ کہ حجہ و ابراہیم شاہی و مستملی کے سوا کسی روایت میں خود اذان ثانی کا نام تک نہیں، اس کا "مسجد میں" یا "اعلام حاضرین کے لیے ہونا" درکنار۔ ۱۴ر افترا یہ ہوئے، جملہ

۴۸/ر۔ مولوی صاحب اٹھائیں (اڑتالیس روپے انعام فی افترا ایک)۔

(۳۶۱ تا ۳۷۱) فتوائے مبارکہ بریلی مطبوعہ تحفہ حنفیہ محرم ۲۲ھ میں خانیہ وخلاصہ وعالمگیریہ وبرجندی وطحطاوی علی مراقی الفلاح عن القہستانی عن النظم، اور دو دو عبارتیں فتح القدیر و بحرالرائق کی تھیں، جن میں سے چھ میں یہ تصریح تھی کہ اذان مسجد میں نہ دی جائے، اور چار میں یہ کہ اذان مسجد میں مکروہ ہے، اور ایک میں یہ کہ اذان منارے پر سنت ہے، اور تکبیر مسجد میں۔ یہ عبارت اس مسئلہ میں ہے کہ اذان وتکبیر کی جگہ شرعاً جدا ہے۔ مولوی صاحب ص ۴۰/ر پر ان گیارہ روایات کا مطلب یہ فرماتے ہیں:

''اولویت اذان کی ایسی محل میں کہ اسمع للجیران ہو خواہ منارہ ہو یا صحن مسجد ہو''

مسلمانو! نفی کا مطلب اثبات ٹھہرالینا ایسے ہی مولوی صاحب کا کام ہے، شاید مولوی صاحب۔

﴿لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا﴾ [سورۃ آل عمران: ۱۳۰] کا مطلب یہی سمجھتے ہوں کہ..

''حکم معاملہ کا ہے ایسے محل میں کہ انفع للانسان ہو خواہ بیع ہو یا سود ہو''

مولوی صاحب کہیں ان عبارات میں صحن مسجد کا لفظ تک ہے، یا مسجد میں ممانعت صحن مسجد میں اجازت کا نام تک ہے، (گیارہ روپے انعام فی افترا ایک روپیہ)

یہ ستاسی افترا استیاناسی افترا دل سے ترجمہ گڑھ کر کیے، اور اس پر یہ حیا کہ ص ۳۹/ر پر اپنے خصم کی نسبت ارشاد ہے:

''ترجمہ گڑھا، مولانا کو نہ خدا کا ڈر، نہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لحاظ، نہ اہل علم کا خیال کہ اپنی طرف سے معنی بنالیے''

ع: چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر

(قسم ۱۱) کمال ہذیان اور ائمہ پر بہتان

(انعام ۱۰/روپے)

(۳۷۲ و ۳۷۳ و ۳۷۴) ص ۱۹ سے ۴۳/ر تک تمام بحث ''بین یدیه'' کا نچوڑ یہ ہے کہ جو چیز حقیقۃً آدمی کے دونوں کف دست کے وسط میں ہو بس وہی ''بین یدیه'' ہے۔

ص ۲۱/ر ''بین یدیه'' کے کیا معنی ہوئے، درمیان دونوں ہاتھوں کے جب آدمی کھڑا ہو تو موضع قدم بین یدیه ہے، اگر ہاتھ آگے بڑھالے تو ایک گز آگے کو ''بین یدیه'' شامل ہو گیا، جب آدمی بیٹھ کر سجدہ میں ہاتھ زمین پر رکھے تو محل سجدہ ''بین یدیه'' ہوا، یہاں تک اطلاق حقیقی ''بین یدیه'' کا ہوا، اور

اگر وراس کے کو "بین یدیہ" کہیں تو مجاز ہوگا"

پھر کہا: "فقہا نے معنی حقیقی اس کے موضع سجود کے لیے ماورا کو حکماً اور مجازاً شامل کیا، کسی مصلحت سے"

اسی کا اعادہ ص ۴۰ و ۴۱ پر ہے۔ ص ۳۲ پر کہا: اس تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا کہ "بین یدیہ" کی مقدار تین ہاتھ ہے"

مولوی صاحب! ثبوت دو کہ فقہائے کرام نے کہاں فرمایا ہے کہ ڈیڑھ گز تک "بین یدیہ" حقیقت ہے آگے مجاز، کہاں فرمایا ہے کہ اس کے آگے کو ہم کسی مصلحت سے شامل کر رہے ہیں۔ (دس روپے انعام)

(۳۷۴) اس جہالت کا سارا منشا یہ ہے کہ مولوی صاحب "بین یدیہ" کے اجزائے ترکیبی کے معنی حقیقی لے بیٹھے، حالاں کہ مرکب کے معنی اجمالی بارہا ان کے سوا ہوتے ہیں، کشاف و مدارک و خطیب شربینی و فتوحات الٰہیہ و جامع الرموز وغیرہا نے تصریح کر دی، کہ یہاں "یدین" سے مراد دو جہت مقابل ہیں کہ دونوں بازوؤں کی سمت پر ہیں۔

(۳۷۵) مجھے نقل عبارات کی کیا حاجت۔ مولوی صاحب خود اسی بحث میں ص ۲۳ پر قہستانی کی عبارت نقل کر کے اپنی ساری چنائی ڈھا گئے کہ "بین یدیہ أي بین الجہتین المسامتتین لیمین المنبر أو للإمام ویسارہ قریباً منہ" اور خود ہی اس کا ترجمہ بھی فرما گئے کہ "بین یدیہ یعنی درمیان دونوں جہتوں یمین و یسار منبر یا امام کے، قریب منبر و امام کے"۔

(۳۷۶) جہالت اتنی کہ "مسامتتین" کے کچھ معنی نہ سمجھے۔

(۳۷۷) دیانت اتنی کہ جب سمجھ میں نہ آیا تو اسے ترجمہ سے اوڑا ہی گئے، اور یمین و شمال امام کی سمت پر جو دو جہتیں عبارت میں تھیں انہیں خود امام کے یمین و شمال بنالیا کہ پھر خاصہ وہی دونوں بازوؤں کا وسط آ گیا۔

(۳۷۸) بے عقلی اتنی کہ یہ مراد تھی تو أي کہہ کر تفسیر کی کیا حاجت تھی، یدیہ کون سا ایسا لغت تھا۔

(۳۷۹) پھر تفسیر بھی ہوئی تو یمین و شمال نہ کہ "جہتین مسامتتین للیمین والشمال" زہے ملائی۔

(۳۸۰) پھر یہ مراد ہوتی تو "قریباً منہ" کا کیا محل تھا، کیا دونوں ہاتھوں کے بیچ میں آ کر اور زیادہ قرب درکار تھا، یہ کہ سینہ یا شکم میں حلول کر جاتا، زہے دانائی۔ ہاں دونوں جہتیں لیں جو بازوؤں کی سمت

پر چلی گئی ہیں تو وہ تو عرش بریں کے منتہی تک ممدود ہیں، ان میں ضرور قید قرب کی ضرورت تھی۔

(۳۸۱) بہت اچھا، اب آپ اپنی گڑھت کی خبر لیں:

''جب ہاتھ آگے کو بڑھائے تو ایک گز آگے کو بین یدیہ شامل ہو گیا''

اور جب پیچھے کو بڑھائے تو کتنے کو شامل ہوا، ظاہر ہے کہ یوں پیچھے بھی جو کچھ فضائے ہر دو دست کے اندر آئے گا آپ کے طور پر بین یدیہ ہے، کیا خوب بین یدیہ وخلف کہ ازل سے متقابل تھے، قرآن عظیم میں ہر جگہ باہم مقابل رکھے گئے تھے، متحد ہو گئے۔ افسوس کہ جناب کو آگے پیچھے کی بھی خبر نہ رہی، اس سے بڑھ کر اور کیا ہذیان ہو گا۔

(۳۸۲) بہت اچھا، آگے کی قید اپنی طرف سے اب بڑھا لیجیے، اگر چہ لفظ میں اس کی گنجائش نہ رہی ہو، تو اب فرمائیں! یہ دونوں ہاتھوں کی فضا میں ہونا خاص اس وقت درکار ہے، یا جو چیز کبھی ایسی تھی اسے بھی شامل؟۔ برتقدیر ثانی نمازی کے پیچھے گزرنا بھی حرام ہو کہ جب وہ دروازے سے چل کر مسجد کے اس محل تک آیا، پیچھے کی سب زمین اس پر گزرتے وقت اس کے ہاتھوں کی حد میں آچکی تھی، برتقدیر اول نمازی قائم کے خاص موضع سجود میں گزرنا حلال ہو کہ اس وقت ہاتھوں کی حد میں نہیں، خود آپ ص ۲۱ و ۴۰ ر پر تقسیم مذکور کر چکے کہ

''کھڑا ہے تو موضع قدم بین یدیہ ہے، جب سجدہ کرتا ہے تو محل سجود بین یدیہ ہوا''

تو کھڑے کے آگے ماتھے سے شانہ رگڑ کر نکل جائے حلال ہو گیا۔ مولوی صاحب نے شریعت ہی پلٹ دی۔

(۳۸۳) نیز برتقدیر اول جب کہ خطیب منبر پر بیٹھا ہے تو اس کی رانیں بین یدیہ ہیں، مؤذن کہ اس سے الگ کھڑا ہے کیوں کر بین یدیہ ہوا، اس سے کہیے خطیب کی گود میں چڑھے، اس کی رانوں پر پاؤں رکھے کہ بین یدیہ ہو۔ برتقدیر ثانی خطیب بیرون مسجد سے مسجد میں گیا ہے تو بیرون مسجد بین یدیہ ہو لیا تھا، وہاں اذان ہو بین یدیہ ہو گئی، وللہ الحمد، اب تو مولوی صاحب نے نہ ایک چنائی بلکہ اپنا سارا ہی گھر ڈھایا، وہ تھا ہی ﴿عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ﴾

(۳۸۴) مولوی صاحب نے تین ذراع دیکھ کر ڈیڑھ گز بنا لیا، کیا دلیل ہے کہ یہاں ذراع سے مراد ذراع کرباس ہے، جو ہمارے گز سے آدھ گز ہے، ذراع مساحت کیوں مراد نہیں، جو ساڑھے تین فٹ ہے ''کما في الخانية والبحر وردالمحتار وغيرها'' بلکہ یہاں پیمائش فاصلہ زمین کا ذکر ہے، تو ذراع مساحت ہی مناسب تر ہے، اب تین ذراع ہمارے گز سے ساڑھے تین گز ہوا، نہ فقط ڈیڑھ

جومولوی صاحب کا ادعا ہے، مولوی صاحب نے تو بیٹھ کر سجدہ کو کہا تھا، لیٹ کر سجدہ کریں اوراس میں بھی ہاتھ سر سے اونچے پورے پھیلا دیں جب بھی پاؤں سے ہاتھوں تک ساڑھے تین گز فاصلہ نہ ہوگا، جو قامت انسانی کا دوچند ہے۔

(۳۸۵) طرفہ جہالت یہ کہ مولوی صاحب تو موضع سجود محل پیشانی کو لیتے ہیں کہ جب آدمی سجدے میں ہاتھ زمین پر رکھے تو محل سجدہ میں ''بین یدیہ'' ہوا، اور محل پیشانی محل سترہ نہیں ہوسکتا، کہ سترہ وہاں گڑا تو پیشانی وہاں کیسے رکھے گا۔ اور ص ۳۲ پر عبارت جو نقل کی وہ محل سترہ کے لیے ہے، اور ٹھہرالیا اسے موضع سجود کے لیے۔

(۳۸۶) یہیں مولوی صاحب نے اپنی منطق دانی دکھانے کو فرمایا تھا:

''چاہو اس کو شکل اول کی طرف راجع کرو اور کہو مقدار بین یدیہ مقدار موضع سجود'' کل مقدار موضع سجود ہ ثلثة اذرع. فمقدار بين يديه ثلثة أذرع'' ی ہ نتیجہ حاصل ہوا''

ہمارے بیان مذکور سے مولوی صاحب کی شکل بگڑ گئی کہ کبری غلط ہے۔

(۳۸۷ تا ۳۸۹) مزہ یہ کہ بین یدیہ کے حقیقی معنی ڈیڑھ گز گڑھے، اوراس کی سندوں میں ص ۲۳ / پر غنیۃ کی عبارت لاکر فرماتے ہیں:

''یعنی اگر تصویر موضع سجود کے پاس ہو جہاں نظر مصلی کی پڑتی ہے وقت موضع سجود دیکھنے کے''

ص ۲۹ / میں اس پر اور رجسٹری کردی کہ:

''تجنیس میں کہ صاحب ہدایہ کی ہے تصریح کردی، کہ موضع سجود سے مراد منتہائے بصر تک ہے''

اور دوسری کے خلاف کا بھی دروازہ بند کردیا کہ:

''علامہ شامی نے حاشیۂ بحر میں یہ تحقیق فرمائی'' کہ ''راجع دونوں قولوں کا واحد ہے، اختلاف عبارت ہے مراد ایک ہے''

یعنی جنہوں نے موضع سجود کہا ان کی مراد بھی یہی منتہائے بصر ہے۔ یہ تین دفعہ اپنی ساری چنائی ڈھائی۔ مولوی صاحب! کیا آپ کو اپنے موضع قدم سے ڈیڑھ ہی گز تک نظر آتا ہے، یوں ہے تو اپنی آنکھوں کا علاج کرانا آپ کے لیے مسئلہ علمی میں تحریر سے بہتر ہے۔

(۳۹۰) میں اس ڈیڑھ گز کی مقدار کو کہتا ہوں، مولوی صاحب نے تو بین یدیہ کا سارا گھر ہی ڈھایا۔ بین یدیہ تو یہ ٹھہرایا تھا کہ سجدہ کرنے میں جب زمین پر ہاتھ رکھے تو ہاتھوں کے بیچ میں جو جگہ ہے وہ بین یدیہ ہے۔ کیا مولوی صاحب! آپ ایسا سجدہ کرسکتے ہیں کہ منتہائے بصر تک آپ کے ہاتھ پھیل

جائیں؟۔غرض ہر جگہ "علی أھلھا تجنی براقش"

(۳۹۱) اب تو مولوی صاحب کی شکل بالکل ہی بگڑ گئی، صغری میں اگر موضع سجود سے مراد محل پیشانی ہے تو مولوی صاحب کی انہیں تین شہادتوں سے صغری باطل۔ بین یدیہ محل پیشانی نہیں، بلکہ منتہائے بصر ہے، اور اگر مراد منتہائے بصر ہے تو کبری میں بھی اگر یہی مراد ہے تو بداہۃً باطل ہے، منتہائے بصر ہرگز پاؤں سے صرف ڈیڑھ گز نہیں، اور اگر یہاں مراد محل پیشانی ہے، تو حد اوسط متکرر نہ رہا، بہر حال مولوی صاحب کی شکل بگڑ کر رہی۔

(۳۹۲) اس سے بڑھ کر لطف یہ کہ ص ۳۷/ پر بین یدی المصلی کی مقدار میں نو قول نقل کیے جن میں فقہائے کرام نے چالیس ہاتھ اور پچاس ہاتھ تک بین یدیہ لیا، اس پر مولوی صاحب کا عذر یہ کہ:

"لیکن خارج بیت اور مسجد کسی نے قول نہیں کیا"

جی وہ آپ کے حقیقی معنی صرف تین ہاتھ والے تو کوسی بُرد کر دیے، چالیس پچاس ہاتھ تک آدمی کے ہاتھ کیسے پھیل جائیں گے، کہیں یاجوج ماجوج تو نہیں دیکھ پائے، بین یدیہ کے معنی میں وسعت نہ ہوتی تو ائمہ میں یہاں تک اختلافات کیوں کر ہو سکتے، اب آپ کی حقیقت کی حقیقت کھل گئی، اپنی چنائی آپ ہی ڈھائی۔

(۳۹۳) اس سے مزہ دار تر یہ کہ وہیں اس پر امام ابن الہمام کا قول بھی نقل کر دیا کہ:

"منشا اختلاف کا سمجھنا معنی کا لفظ بین یدیہ سے، جو سمجھا اس کا اس نے قول کیا"

کہیے اپنی مجاز والی چنائی کیسی ڈھائی، فقہا موضع سجدہ سے آگے کو مجاز جانتے تو حقیقت چھوڑ کر مجاز کیوں کر لیتے، آپ ہی تو ص ۴۰/ پر فرما چکے

"جب تک حقیقت بر محل ممکن ہو مجاز ساقط"۔

(۳۹۴) اس پر طرفہ ہذیان مجاز واشتراک کا سانگ، حقیقۃً یہاں مجاز سے علاقہ نہ اشتراک کا ساجھا، بلکہ بین یدیہ کا مفہوم ایک امر عام ہے، یہ سب اس کے افراد ہیں، اور علمائے اہل حق بارہا افادہ فرما چکے کہ ایک فرد کی تعیین بقرینہ و مقام ہوتی ہے، اس قرینہ میں اختلاف ہوا، لہذا تعیین فرد میں اختلاف پڑا، جس کی بعض تفصیل بنایہ امام عینی میں ہے۔

وہ تھیں بین یدیہ میں مولوی صاحب کی احادیث و روایات، اور یہ ہیں اس میں ان کے دلائل واہیات، اور اس پر یہ غرہ کہ ص ۵۲/ پر فرماتے ہیں:

"مولانا اونٹ اپنے آپ کو بہت بڑا جامع ہے لیکن جب پہاڑ کے نیچے آتا ہے تو حقیقت کھلتی

ہے"

مولوی صاحب اپنا قد شریف (۱) دیکھ کر آپ یہ مثل لکھتے تو بہتر تھا، آئینہ آپ کے قد کا تو شاید نہ ملے کسی تالاب ہی میں ملاحظہ فرمالیا ہوتا، ورنہ ان عظیم جبال کے نیچے آکر تو سمجھ ہی جایئے گا۔

(قسم ۱۲) مولوی صاحب نے بت کے سامنے نماز پڑھنا حلال کرلیا

(انعام ۱۰/روپے)

(۳۹۵) قد آدم تصویر اگرچہ مجسم ہو نمازی نے اپنے قبلہ رخ دروازے سے باہر چوکھٹ سے ملا کر نصب کی، یا جانے دیجیے نصب تھی، اور خود اندر متصل در اگرچہ گز ہی بھر کے فاصلہ پر اس سمت کو نماز پڑھی کہ سجدہ کے وقت اس کے سر اور بت کی پاؤں میں بس ڈیڑھ گرہ کی چوکھٹ ہی حائل تھی، مولوی صاحب کے نزدیک یہ بلا کراہت جائز ہے کہ ان کے یہاں بین یدیہ وہ پردہ نشین ہے جسے دروازے سے باہر قدم نکالنا محال، ابھی فرما چکے کہ

"خارج بیت کسی نے قول نہ کیا"

ص ۲۱/ پر بولے: "خوبی یہ ہے کہ معنی مجازی بھی جو فقہا نے بین یدیه کے لیے ہیں وہ بھی محدود ہیں ساتھ داخل مکان کے خارج کا کہیں اعتبار ہی نہ کیا"

جب بین یدیہ دروازے سے باہر مجازاً بھی نہیں تو بت کو تو نہیں مگر اس کی سمت سجدہ میں مولوی صاحب کو کیا جائے عذر ہے کہ بیچ میں سد سکندر چوکھٹ فاصل ہے، مولوی صاحب بولیے (دس روپے انعام)۔إنا لله وإنا إليه راجعون.

یہ ہیں وہ ناپاک معنی جن کو کہتے ہیں کہ:

"حضور پرنور نے لیے، ائمہ عظام نے لیے، فقہائے کرام نے لیے، اُف اُف اُف، تف تف تف۔ ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم.

۱۔ شاید یہی وجہ ہوئی کہ اذان جوز مانۂ اقدس میں دروازہ محاذی قبلہ پر تھی مولوی صاحب نے منبر کے برابر کرلی، یعنی دروازہ سے قبلہ کو جو بھاگے تو منبر پر رکے، وہ تو خیر ہوگئی کہ منبر آڑے آگیا ورنہ خطیب کی کھوپڑی کی خیر مشکل تھی "أعوذ باللہ من شر الأعجمين السيل والبعير الصؤل۔ ۱۲ منہ

(قسم ۱۴) عناد ہٹ دھرمی مکابرہ بے شرمی

(انعام عہ ۴/ روپے)

(۳۹۶ تا ۵۲۲) ۱۲۷/ روایتیں کہ بین یدیہ کے معنی تراشنے کو لائے اگر ابتداء ہوتیں محض جہل (۱) واہمال ہوتیں، مگر اذان من اللہ، ووقایۃ اہل السنہ، وحق نما فیصلہ، وسلامۃ اللہ، میں روشن وقاہر، ظاہر و باہر بیانوں کو دیکھ کر آنکھیں بند کرنا اور وہی بارہا کی مردودات سامنے لانا، مہملات بھرنے کے ساتھ کیسا شدید مکابرہ وعناد ہے۔

(۵۲۳ تا ۵۳۱) حق نما فیصلہ وسلامۃ اللہ میں علی المنبر کے ایسے روشن جواب تھے کہ کور مادرزاد کی آنکھوں پر گزرتے تو انشاء اللہ القدیر روشن کر دیتے، انھیں دیکھ کر ص ۱۸ و ۱۹ / میں سات روایتیں "علیٰ" اور دو "بر" کی پیش کرنا کیسی ہٹ دھرمی ہے۔

(۵۳۲) طرفہ جہالت یہ کہ انہیں کے ساتھ دسویں روایت فتاوی برہنہ کی بھی نتھی کر دی کہ "چوں امام بر منبر نشیند موذن برابر استادہ اذان گوید"

اور فقط نتھی کرنا ہی نہیں بلکہ سمجھے ہی یہ کہ برابر کے معنی علی کے ہیں کہ انہیں روایتوں کو ص ۳۸ / پر فرماتے ہیں "دس علی المنبر کی" ہاں ٹھیک تو ہے، فارسی میں ایک "بر" کے معنی علیٰ کے ہوتے ہیں، یہ تو دو بر ہیں یعنی علی علی المنبر یعنی منبر کے اوپر سے بھی اوپر۔ یعنی خطیب کے سر پر چڑھ کر۔

(۵۳۳) فتاوی برہنہ اگر چہ محض نامعتبر کتاب ہے، مگر مولوی صاحب کی فارسی دانی دکھانے کو اس کا حال بھی برہنہ کر دیں، فارسی میں برابر جس طرح بمعنی مساوی ہے یونہی بمعنی مقابل ومحاذی ہے،

صراح میں ہے: "حذا برابر در جہت حاذاہ ای صار بحذاہ"

منتخب میں ہے: "محاذاۃ برابر ہم واقع شدن"

مرآۃ الاصطلاحات میں ہے۔ "برابر بروزن سراسر ساوی بمعنی مقابل وبالفظ دویدن کنایہ از پیشوا رفتن"

خواجہ نظامی:

زشادی دو منزل برابر دوید — بفرسنگ ہا فرش دیبا کشید

---

(۱)۔ جس حیثیت سے وہ قسم ۸ میں مذکور ہوئیں۔

خواجہ آصفی:

من بآئینہ برابر نکنم آن رورا حیف باشد کہ دراں دائرہ بینم اورا

افسوس کہ مولانا نظامی قدس سرہ السامی نے برابر کو بارہ بارہ چوبیس کوس تک پھیلا دیا، آپ خطیب کی چھاتی پر چڑھائی دیتے ہیں۔

(۵۳۴) مقام میں جب برابر بمعنی مساوی ہو تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ایک دوسرے سے آگے پیچھے نہیں، صف برابر کرو یعنی سب پہلو بہ پہلو ہو جائیں، کیا موذن خطیب سے یوں برابر کھڑا ہو؟۔ اسے نہ کہے گا مگر احمق، لاجرم بمعنی محاذی و مقابل ہے، یہ ہمارا عین مقصود ہے۔

(۵۳۵) سلامۃ اللہ میں بتا دیا تھا کہ علی المنبر کہنے والے دلیل یہ لاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اذان علی المنبر ہی تھی، خود آپ تحریر سوم میں اسے نقل کر چکے ہیں، اور قطعاً معلوم ہے کہ موذن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ منبر اطہر پر ہرگز نہ چڑھتا تھا، تو علیٰ ہرگز بمعنی استعلا نہیں، لہٰذا مجبوراً آپ نے تحریر دوم میں اسے بمعنی عند لیا، یہ مجاز ہے۔ اور سلامۃ اللہ میں سن چکے ہو کہ علیٰ بمعنی لزوم حقیقت ہے، اور شک نہیں کہ یہ اذان ملازم منبر ہے، آپ حقیقت چھوڑ کر مجاز کی طرف بھاگتے ہیں، اور خود ہی اسی آثار المبتدعین ص ۱۶؍ میں نور الانوار سے نقل کر چکے ہیں کہ جب تک حقیقت بنے مجاز ساقط ہے، اور یہ کہ یہ ہم حنفیہ کا ایک بڑا قاعدہ ہے جس پر بہت سے احکام متفرع ہیں، اب اپنے داؤں کو نہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل سے کام، نہ حنفیہ کے قاعدۂ عظیمہ پر عمل، اور دوسروں کو یہ کہو کہ

”نجد کو چلا جائے۔ یا نذیر حسین کی قبر کی مجاورت کرے“

سبحٰن اللہ، آپ تو اس قابل بھی نہ رہے، صرف قواعد حنفیہ ہی چھوڑتے تو نجد یا نذیر حسین کی قبر میں آپ کو جگہ ملتی، آپ تو حنفیہ کے ساتھ حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وطریقہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی چھوڑے ہوئے ہیں۔ نجدی و نذیر حسین اگرچہ خود بھی ایسے ہی ہیں مگر وہ زبان سے تو حدیث حدیث رٹتے جاتے ہیں، آپ کی گزران میں بھی نہ ہوگی، لہٰذا کسی دار الحرب کو چلے جائیے یا چکڑالوی کی گور پر جاروب کشی فرمائیے، جو نہ حقیقت مانتا تھا نہ حدیث۔

(۵۳۶ تا ۵۴۶) فتوائے مبارکہ مطبوعہ محرم ۲۲ھ میں صاف تنبیہ فرما دی تھی کہ....

”متعلقات مسجد میں اذان کو یونہی تعبیر کرتے ہیں کہ مسجد میں اذان ہوئی، منارہ بیرون مسجد پر اذان کہی جائے تو ہر شخص یہی کہے گا کہ مسجد میں اذان ہوگئی، نماز کو چلو، یوں کوئی نہیں کہتا کہ مسجد کے باہر

اذان ہوئی نماز کو اٹھو"

پھر اسے کلام امام محقق علی الاطلاق سے روشن فرمایا تھا کہ :

"في المسجد أي: في حدوده، لكراهة ؛الأذان في داخله"(۱)

یہ دیکھ کر بھی ص ۱۵و۱۶ر میں وہی گائے، اور گیارہ روایات بے حاصل لائے۔ ارشاد امام کا یہ چارہ کیا کہ عبارت ہی یوں غلط ہے، ان پر جو کوہ کیلاس سے اتری۔ "فصار كالأذان" ہے، محاورۂ عامہ پر ص ۵۳ر میں یہ ریز کہ....

"ہندیوں کا عرف عام دلیل عربی پر"

مولوی صاحب کبھی حج کو جانا نصیب ہو تو دیکھ لینا کہ منارے بیرون مسجد ہیں، ان پر اذان ہوتی ہے اور سب اسے "أذان في المسجد" ہی کہتے ہیں "قوموا فقد أذن خارج المسجد" کوئی نہیں کہتا۔

خیر آپ کو تو انکار بدیہیات کا مرض ہے، وہ جو "اذان من اللہ" میں روشن طور پر ثابت کر دیا تھا کہ شرع میں مسجد کے دو اطلاق ہیں، دونوں قرآن عظیم میں ہیں، مسجد کے دروازے، فصیل، دیوار، وغیرہا پر اذان مسجد، بمعنی اول سے خارج ہے اور اسی قدر اسے درکار ہے۔ اور مسجد بمعنی ثانی کے اندر ہے، اور اس میں اصلا حرج نہیں، خود زمانہ اقدس میں دروازہ پر ہوتی تھی، دیوار پر ہوئی، کنارہ سقف پر ہوئی، یہ سب کچھ دیکھ کر پھر ۱۲و۵۳و۵۴ر پر مجاز کی رٹ لگانا کیسا صریح عناد ہے، کیوں مولوی صاحب رب عزوجل نے جو فرمایا: ﴿وَمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیۡهَا اسْمُ اللّٰهِ کَثِیۡرًا﴾(۲)

کیا یہاں مساجد سے مسجدیں مراد نہیں، بلکہ غیر مسجد کو اللہ تعالیٰ نے مجازاً مساجد کہہ دیا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کا کلام بھی آپ کی انوکھی عربی پر دلیل نہیں ہو سکتا؟۔

ع: شرم بادت از خدا و از رسول۔ جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(۵۴۷تا۵۵۲) ص ۱۴۱ر پر

"اذان خطبہ تمام عالم عرب وعجم، ہندوافغانستان، خراسان وافریقہ، تمام امصار و دیار اہل اسلام میں قریب منبر مروج ہے، ایضاً تعامل اہل اسلام کا تمامی دیار و امصار ایضاً اجماع امت ہے"

---

(۱) [فتح القدير كتاب الصلاة باب صلاة الجمعة: ٢/٦٥]

(۲) [سورة الحج: ٤٠]

ص ۳۸ پر بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ ص ۴۲/ ایک طریقہ مومنین

''اذان خطبہ مسجد میں سلف وخلف سے برابر چلا آتا ہے''

یہ سب دعوے صریح کذب بھی ہیں اور شدید عناد بھی، ان کے روشن رد ''وقایہ وسلامۃ اللہ وحق نما فیصلہ'' میں بارہا کردیے، مگر ہمیشہ سننا اور بہرا بننا سمجھ لیا ہے۔

(۵۵۳ تا ۵۵۶) ص ۴۶/ یہ مکابرہ کہ:

''علی باب المسجد قول حضرت سائب بن یزید کا نہیں''

اور اسکی تین جاہلانہ وجہیں، سب کی خدمت گزاری وقایہ اہل السنہ وغیرہا میں کردی تھی۔

(۵۵۷ تا ۵۶۱) ص ۴۷/ پر فقہ حنفی میں " علی باب المسجد" کی قید نہ لینے کو جودسویں سے چودھویں تک پانچ وجہیں کرلیا ہے، سلامۃ اللہ میں اسکے واضح رد تھے۔

(۵۶۲) ص ۴۹/ پر "ماراٰہ المسلمون حسنا"(۱)

(۵۶۳) ص ۴۲/ پر "لاتجتمع أمتی علی الضلالۃ"(۲)

ان کے کیسے روشن جواب سلامۃ اللہ ص ۳۵ و ۳۳ میں تھے۔

(۵۶۴) ص ۴۸/ شیعی ہونا ابن اسحٰق کا۔

(۵۶۵) قدری ہونا ابن اسحٰق کا۔

ایک ایک بات کے کتنے کتنے رد وقایہ سے سلامۃ اللہ تک کردیے، بقول مولوی صاحب اور ان کے تمام موافقین عجب مخلوق ہیں جن کو سو سو بار کے تازیانۂ تنبیہ کافی نہیں ہوتے، ایک بین یدیہ ہی کو کہ سو بار روشن کردیا ہے، جواب ایک حرف کا نہیں دے سکتے مگر سارے کے سارے اب تک اسی کو پیٹے جاتے ہیں۔

یہ ۱۶۴/ عناد ہیں، اور انصافاً..... آخر تک نہ فقط مولوی صاحب بلکہ ان کو سب موافقین سارے کے سارے ضد وحسد کے چوکھے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں، اس پر کہاں تک انعام بڑھائیں، خیر سو ادس روپے انعام سہی، فی عناد ار

---

(۱) [مرقاۃ المفاتیح، کتاب الإیمان. باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ: ۱/ ۲۲۴]

(۲) [مشکاۃ المصابیح کتاب الإیمان باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ: ۱/ ۳۰]

قسم (۱۴) تناقض اپنی چنائی آپ ہی ڈھائی

(انعام ۳۲؍روپے)

اس کی آٹھ نظیریں رد ہذیانات میں گزریں، بعض باقی یہ ہیں:

(۵۶۶) مولوی صاحب نے آٹھ مہینے کتب خانہ چھانا، بین یدیہ میں ۱۲۷؍روایتیں لائے جن میں کیا کیا، خوب انصاف کیا، اب وہ حق کا ناحق خود سر پر چڑھ بولتا ہے، اہل حق کی آیات قرآن عظیم سے جوابِ کا وقت آتا ہے، یہاں جو جو حرکات مذبوحی فرمائی ہیں ان کی تفصیل تو ''سیف القہار'' میں ہے مگر ٹیپ کا بند تو یہ ہے کہ ص ۴۴؍ پر بولے:

''ایک جگہ استعمال ایک لفظ کا ایک معنی میں ہو تو لازم ہے، سب جگہ اس لفظ کے وہی معنی لیے جائیں؟۔ یعنی لازم نہیں۔

(۵۶۷) ص ۴۵؍ پر بولے:

''یہاں استعمال معنی میں مستلزم ہے کہ دوسری جگہ بھی وہی معنی مراد ہوں''

یہ عبارت ''آثار المبتدعین'' میں یونہی لکھی ہے، مولوی صاحب کی فصاحت و بلاغت تو آپ کی تحریروں سے آشکار۔ اور یہ بھی محتمل کہ شاید یہاں کاتب سے کچھ الفاظ رہ گئے ہوں، بہر حال مولوی صاحب قرآن عظیم کا یہ جواب دیتے ہیں کہ آیات میں ''بین یدیہ'' کے معنی اس قرب کے نہیں، کسی میں ہزار برس سے بھی بہت زیادہ، اور کسی میں لاکھوں برس لاکھوں منزل کے فاصلہ پر بین یدیہ فرمایا ہے، اس سے یہ کب لازم ہے کہ دوسری جگہ یعنی مسئلہ اذان میں بھی وہی معنی مراد ہوں، ممکن کہ وہاں وہی قرب خاص مراد جو منبر و دروازہ کے، مثلاً دس گز فاصلہ پر باطل ہو جائے''

یہ تو ہر تھوڑے علم والا بھی دیکھ لے گا کہ مخالفین بین یدیہ سے اس قرب خاص پر دلیل لاتے ہیں تو ان کو محتمل کیا کام دے گا، مگر اتنی تو ہمارے عوام بھائی بھی سمجھ سکیں گے کہ مولوی صاحب نے دونوں معنی بین یدیہ کے مورد مانے: ایک وہ قرب تنگ۔ دوسرا اس درجہ عظیم و وسیع، اور یہ بھی مانا کہ یہاں ایک معنی مراد ہوں تو ضرور نہیں کہ دوسری جگہ بھی وہی مراد ہوں، اب وہ دس ورق کی ساری چنائی ﴿عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ﴾ [سورۃ التوبۃ: ۱۰۹] ہوگئی یا نہیں؟۔ چالیس نہیں چالیس سو جگہ تنگ قرب میں بولا گیا سہی، مگر کیا ضرور کہ مسئلہ اذان میں بھی وہی معنی مراد ہوں، ممکن کہ وہاں دوسرے ہوں۔

الحمد للہ قرآن عظیم خصوصاً عذاب شدید کی آیت نے مولوی صاحب کو مجبور کیا کہ بین

یدیہ کے معنی میں بڑی وسعت عظیم مانیں، اور جو تنگیاں کی ہیں انھیں مردود و باطل جانیں، دیکھیے یہ وہی بات ہے کہ اہل حق کہتے تھے، اور آپ نہ مانتے تھے۔ الحمد للہ کہ حق کی سطوت عذاب شدید کی آیت نے آپ کو بلواہی چھوڑا، قبولوا ہی چھوڑا، والحمد للہ

(۵۶۸ تا ۵۶۹) امام شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ غزی مصنف تنویر الابصار قدس سرہ نے تعریف اذان میں اور اکابر کی طرح ''اعلام بدخول الوقت'' نہ فرمایا۔ علامہ مدقق محمد بن علی صاحب درمختار رحمہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح شارحین متون کے نکات بیان کرتے ہیں اس میں یہ نکتہ بتایا کہ تعریف اذان، اذان ثانی جمعہ و اذان نماز قضا کو شامل ہو۔ اس پر جو مولوی صاحب نکھر نے بیٹھے ص ۳ سے ص ۵ تک اکیس روایتیں جوت لائے، جن میں شمنی و مجمع الانہر کی ایک ایک کو دو دو بنا کر ۲۳ ر بنا ئیں۔ اور صاحب درمختار کو مخالف غرض شارح و مخالف عقل و نقل کا خطاب دیا، اور حقیقۃً خود بے عقل۔ صاحب درمختار کی اس توجیہ کا منشا ہی یہ ہے کہ اورا کابر نے ''بدخول الوقت'' کہا، مصنف نے جو نہ کہا اس میں نکتہ یہ ہے، نہ یہ کہ ان کو خبر نہ تھی کہ اوروں نے ''بدخول الوقت'' کہا ہے کہ آپ انہیں روایتیں سنانے بیٹھیں۔ طرفہ یہ کہ ان میں وہ روایات بھی لائے کہ وقت سے پہلے اذان منع ہے، یعنی یہ مسئلہ بھی صاحب درمختار کو معلوم نہ تھا، اب مولوی صاحب انہیں سکھائیں گے۔

خیر یہ تو مولوی صاحب کی اکیس بے عقلیاں ہیں، یہاں گزارش طلب وہ ہے کہ اپنی چنائی آپ ہی ڈھائی۔ علمائے اہل حق عبارت درمختار اس مطلب واضح کے واضح کرنے کو لائے تھے کہ باب الاذان کے احکام اذان ثانی جمعہ کو ہی شامل ہیں، دیکھو صاحب درمختار نے فرمایا: '' لیعم بین یدی الخطیب '' آپ صاحب درمختار پر نکھرتے نکھرتے ٹیپ کا بند پھر وہی بولے جس سے ساری محنت گاؤ خورد کو سی برد۔ ص ۶ پر فرمایا: ''محققین نے اس کو رد کیا، علامہ شامی فرماتے ہیں الخ''

قطع نظر اس سے کہ علامہ شامی کا یہ قول ''لقائل ان یقول '' سے شروع اور ... پر ختم ہے جس میں اول کو آپ سمجھے نہیں اور آخر کو اڑا گئے، یہ تو دیکھیے کہ علامہ شامی نے یہاں فرمایا کیا، یہ کہ ''لو صرح لغیرہ بالوقت لم یرد ماذکر'' یعنی اگر مصنف علام بھی اور اکابر کی طرح ''بدخول الوقت '' کی قید لگاتے، جب بھی اذان خطبہ و اذان فائتہ داخل ہی رہتیں، تو یہ مطلب اہل حق پر رجسٹری ہوگئی اور آپ کی محنت عدم آباد کو گئی، وللہ الحمد۔

(۵۹۰) طرفہ یہ کہ بین یدیہ کے حقیقی معنی وہ لیے کہ جو چیز فضائے بردودست کے وسط میں ہو اور خود ہی تقسیم کی کہ:

''کھڑا ہو تو موضع قدم بین یدیہ ہے، سجدہ میں ہاتھ زمین پر رکھے تو محل سجدہ بین یدیہ ہوا''

اور ص۳۲ر پر وہ حقیقت و تقسیم سب توڑتا فرمایا جاتا ہے کہ:

''بین یدیہ حقیقۃً قدم سے ڈیڑھ گز تک ہے، اس سے ظاہر ہو گئے معنی قول فقہا کے ''یؤذن بین یدیہ الخطیب'' یعنی اذان دی جائے قدم خطیب سے ڈیڑھ گز تک''

کیوں جناب سیدھے بیٹھے کے قدم سے ڈیڑھ گز تک ہاتھ کہاں ہیں، اب وہ حقیقت بگڑ کر یہ نئی حقیقت کدھر سے نکلی، وہ جو تقسیم میں ساجد کے حصے میں تھی قسمت توڑ کر جالس کو کیسے دی؟۔ کوئی حرف بھی ٹھکانے کا ہے۔ اگر کہیے فقہا نے نماز میں اسی کو حقیقت قرار دیا ہے کہ اس میں سجدہ ہے، اور سجدہ تین ذراع تک ہے، تو جناب خطیب تو نماز میں نہیں، اگر کہیے پڑھے گا، تو یہ باعتبار مایؤل إلیہ ہوا، اور وہ مجاز ہے، حقیقت بہر حال اڑ گئی، بلکہ نمازی کے لیے بھی غیر وقت سجود میں باعتبار ما کان ہے یا باعتبار اول؟۔ اور دونوں مجاز ہیں، کہیے آیا سمجھ شریف کے اندر کے بیچ میں یا نہیں؟۔

(۵۹۱) ص۲۳ر پر منتہائے نظر مصلی کی عبارت کو معنی حقیقی بین یدیہ کی سولھویں سند گنا، ص۳۱ر پر فرمایا: ''موضع نظر کو مجازاً حکم بین یدیہ کا دیا گیا''

(۵۹۲) نمبر ۳۸۷ر میں سن چکے کہ منتہائے نظر مصلی تک بین یدیہ ہونے پر کیسی کیسی رجسٹری کی۔ س۲۸ پر جو دو قول راجح بتائے تھے باقی مرجوح دونوں کا حاصل یہی قرار دیا، اور واقعی ہے بھی یہی۔ بایں ہمہ ص۲۷ر پر بولے ''خارج بیت کسی نے قول نہ کیا'' ص۲۱ر پر یہ کہ ''مجازاً بھی فقہا نے خارج کا کہیں اعتبار ہی نہ کیا'' جب تمام اکابر کا قول صحیح و معتمد یہ ہے کہ منتہائے نظر مصلی تک اس کا بین یدیہ ہے، تو خارج بیت یقیناً معتبر ہوا جب قبلہ رخ دروازہ کھلا اور یہ اس کے قریب نماز پڑھ رہا ہو یقیناً نظر باہر پہونچے گی، تو یقیناً خارج بیت جہاں تک منتہائے نظر ہو بین یدیہ ہوا،

(۵۹۳) نہ سہی آپ وہ ڈیڑھ گز والا ہی لیجیے، چوکھٹ کے پاس باہر کو منہ کر کے بیٹھے، اب اپنی موضع قدم سے ناپ تو لیجیے ڈیڑھ گز باہر گرتا ہے، یا اندر؟۔ خارج بیت کو مطلقاً خارج کرنے نے ڈیڑھ گز کا ڈیڑھ ہی گرہ رکھا کہ چوکھٹ کی عرض پر ختم ہو گیا۔

(۵۹۴) ص۲۵ر پر عبارت امام محقق علی الاطلاق نقل کر کے اپنے تناقض پر رجسٹری کر دی، جب مسجد کا بقعہ واحدہ ہونا بعید کو قرب نہیں کرتا، آپ کی چوکھٹ سے اندر باہر کا دو بقعہ ہونا قریب کو بعید کیسے کر دے گا۔ منتہائے نظر تک قریب رہے گا، باہر پڑے خواہ اندر۔

(۵۹۵) تحریر دوم میں کریمہ ﴿جَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا﴾ [سورۃ یٰس:۹] سنداً لا کر بین

یدیہ کو اتصال حقیقی میں حصر کیا تھا، اب موضع سجود بلکہ منتہائے بصر تک پھیلا گئے۔

(۵۹۶) تحریر دوم میں بین یدیہ کو مسجد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نصف طول تک مانا تھا کہ ''منبر شریف و دروازہ شریف کے درمیان میں اذان خطبہ ہوتی تھی'' اب ڈیڑھ گز تک سمیٹ لی، کیا مسجد اقدس صرف تین چار ہی گز تھی۔

(۵۹۷) تحریر دوم میں تھا: ''اس قدر طویل مسجد شریف اس وقت نہ تھی کہ دروازہ سو قدم پر منبر شریف سے ہوتا''، اب چوتھی تحریر میں ایمان لائے کہ ''جب آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو مسجد شریف بنائی سو در طویل''۔

(۵۹۸) جب مسجد شریف کا یہ طول تھا، اور اذان آپ نے منبر اطہر و دروازۂ انور کے وسط میں مانی تو منبر سے تقریبا اڑتالیس ذراع کے فاصلہ پر ہوئی، یہاں ص ۵۸ پر منبر سے بیس گز فاصلہ بھی محال مانا بلکہ ان کی وہ برہان ہندی پوری ہو تو گز بھر فاصلہ بھی نہ ہو سکے، جس کا بیان مولوی صاحب کی ہندسہ دانی کھولنے میں آتا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ

(۵۹۹) تحریر دوم میں تھا ص ۹ ''عالمگیریہ میں علی المنبر اذان خطبہ کہا جانا فرمایا ہے جو ''علی'' بمعنی ''عند'' ہے''، بلکہ ص ۳ پر تھا ''یہاں مراد عند المنبر ہے نہ کہ منبر کے اوپر'' اور اس چوتھی ص ۱۹ر میں ہے ''فقہا و ائمہ نے قید علی المنبر کی لگائی یعنی منبر پر کھڑے ہو کر اذان دی''۔

(۶۰۰) ائمہ پر یہ افترا بھی یاد رہے، ائمہ نے کہاں حکم دیا ہے کہ منبر پر کھڑے ہو کر اذان دی۔

(۶۰۱) یہ عناد بھی یاد رہے، سلامۃ اللہ و حق نما فیصلہ میں کتنا سمجھا دیا کہ حکایت حکم نہیں ہوتی۔

(۶۰۲) تحریر دوم میں تھا ص ۵ر ''علی باب المسجد کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں'' چوتھی میں فرمایا: ص ۷۴ر ''قید علی باب المسجد مخترع ابن اسحاق کا ہے'' یعنی اب نیا الہام اترا کہ وہ سرے سے ہی نہیں، امام ابن اسحاق کی گڑھت ہے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

(۶۰۳) امام ابن اسحاق کو واضع حدیث اور حدیث صحیح سنن ابی داؤد شریف کو موضوع کہنے کا مکابرہ بھی قابل لحاظ ہے۔

(۶۰۴) اذان فی المسجد پر گیارہ مہمل دلیلیں لائے جن کا ذکر رد عناد میں گزرا، ان میں گیارہویں حدیث ابن ماجہ ص ۱۶ر پر ہے۔ ''من ادرک الأذان في المسجد'' (۱)

---

(۱) [سنن ابن ماجہ: کتاب الأذان، باب إذا أذن وأنت في المسجد فلا تخرج: ۲/۷۳۴ـــــ۱/۲۴۸]

ظاہر ہے کہ یہ ان گیارہ سے مستدل ہیں، اور ص ۴۰ پر اس کا اقرار بھی کر دیا کہ:

''اب اپنے استدلالات کو مجملاً بیان کرتے ہیں، اولاً آٹھ روایات تین حدیثیں''

فتوائے مبارکہ میں جو حدیث مذکور ابن ماجہ سے استدلال کا رد فرمایا، ص ۱۷ پر جھٹ بدل گئے کہ: ''آپ مستدل ہیں''۔

(۶۰۵) انہیں گیارہ کو ص ۱۵ پر یوں شروع کیا: ''اب ہم چند روایات لاتے ہیں جن سے صراحۃً بعبارۃ النص اذان پنج وقتہ مسجد میں ثابت ہے''

ص ۱۷ پر جب وہ رد قاہر سنا تو کیا فرماتے ہیں: ''دوسرے تیسرے احتمال کی نفی نہ ہوئی'' چلیے وہ صراحۃً عبارۃ النص تین تین احتمالوں کی محتمل ہوگئی۔

(۶۰۶) اور تین سطر بعد جو پلٹا کھائیں تو پھر وہی بانگ کہ: ''تین حدیثیں آٹھ روایات سے بعبارۃ النص ثابت ہے'' زبان ہے کہ منٹ منٹ میں گرگٹ کے سے رنگ بدلتی ہے۔

(۶۰۷) تحریر دوم تک اقرار تھا کہ: ''مسجد میں اذان کہنے سے جو فقہائے کرام نے منع فرمایا، وہ اذان پنج گانہ و اذان اول جمعہ کے لیے ہے''

ہاں ص ۱۵ و ۴۰ پر ان کے جواز فی المسجد کی بھی دلیلیں تراشی جارہی ہیں، یعنی اب سرکلر جدید آگیا۔

(۶۰۸ تا ۶۱۱) ص ۵۹ و ۶۰ پر بولے: ''اس تحریر میں ہم نے ردان اعتراضوں کا بھی کر دیا وہ چون ہیں'' اور ایک ہی صفحہ پہلے کہہ چکے تھے ''ہم نے فقط چھ سوالوں کا جواب دیا ہے'' اس کا زیادہ بیان مولوی صاحب کے افترا برخود میں آتا ہے۔

(۶۱۲ و ۶۱۳) یہاں اقرار ہے کہ چون اعتراضوں کا رد لکھا، نیز ص ۵۸ کے حاشیہ پر بولے: ''پہلے چھ سوالوں کا جواب دیا ہے اور ان کے جوابوں کا رد'' اور ص ۲ پر فرما چکے تھے ''اللہ اور اس کے حبیب پر روشن ہے کہ میرا ارادہ کسی کے رد کا نہیں''

﴿وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ﴾ (۱)

البتہ ان دو تناقضوں کا یہ جواب بہت صواب ہے کہ مولوی صاحب نے ارادہ کی قسم کھائی، اور

---

(۱) [سورة البقرة: ۲۰۴]

آثار المبتدعین ساری کی ساری افعال غیر ارادیہ سے ہے کہ ہذیان (۱) اپنے اختیار سے نہیں ہوتا۔ بتیس تناقضوں پر بتیس روپے انعام، فی تناقض ایک روپیہ۔ دیکھیے یہ وَن روپی فنڈ آپ کے لیے کیسا لگا دیا ہے، احسان تو نہ مانیے گا۔

قسم (۱۵) ہبنقہ پر گوئے سبقت لے جانا

(انعام ۱۸ روپے)

(۶۱۴) بچہ بچہ جانتا ہے کہ بین یدیہ سے مخالفین دلیل لائے، اور اس سے مسجد کے اندر ہونے کا ثبوت چاہا۔ مولوی صاحب ضرورت سے زیادہ گھبرا کر یہ سمجھ بیٹھے کہ گویا اہل حق بین یدیه سے دلیل لاتے ہیں، اور اس سے بیرون مسجد ہونا ثابت کیا ہے، جا بجا آپ کا کلام، اسی وہم تراشیدہ کا غلام۔ ص ۴۴ ر آیہ کریمہ: ﴿یعلم مابین أیدیهم﴾ [سورة البقرة: ۲۵۵] کے رد میں فرماتے ہیں:

"تیسری غلطی مولانا نے معین نہ کیا کہ یہ معنی بین یدیه کے حقیقی ہیں یا مجازی"

اہل حق نے قرآن عظیم سے استعمال ثابت کیا، اور آپ مان چکے کہ حقیقت اصل ہے، اثبات مجازیت ذمہ مستدل تھا نہ کہ الٹا مانع سے مطالبہ۔

(۶۱۵) "پانچویں غلطی: ایک جگہ استعمال ایک معنی میں ہو تو لازم ہے کہ سب جگہ وہی معنی لیے جائیں" یہ وہی اینٹ ہے جس نے ساری چنائی، تحت الثری پہنچائی۔

(۶۱۶) "دسویں غلطی: یہ ثابت نہ ہوا اس سند سے کہ خاص خارج میں اذان ہو" مولوی صاحب! کاہے سے کھائی تھی؟۔

۲۔ اس قسم میں ۴۸ رنمبر ہیں جن میں اکیس بے عقلیاں تھیں، اور تین افترا برفقہا، عناد و مکابرہ باقی ۲۴ ر، اور دو دفعہ اپنی چنائی آپ ڈھائی کہ اس پر بھی انعام نکلا تھا کل بتیس۔ ۱۲

(۶۱۷) "گیارہویں غلطی: اگر مؤذن اذان مسجد میں دے تو اس کی نفی کی مثبت یہ سند نہ ہوئی" مولوی صاحب ہوش میں آ کر کہیے ہوش میں۔

(۶۱۸ تا ۶۲۱) ص ۴۵ ر پر آیہ کریمہ: ﴿لہ مابین أیدینا﴾ [سورة مریم: ۶۴] کے رد میں

۱۔ بلکہ یہ سبھی اعتراضوں کا جواب ہے کہ آدمی حالت ہذیان میں جو کچھ بَرائے اس پر کیا اعتراض۔ ۱۲ منہ

فرمایا: ’’وہ گیارہ غلطیاں یہاں بھی ہیں‘‘۔

(۶۲۲) آیہ کریمہ: ﴿بین یدیه عذاب شدید﴾ کے رد میں بولے:

’’یہاں استعمال معنی میں مستلزم ہے الخ‘‘ وہی قہری پتھر سارے گھر کا گھروندا گر۔

(۶۲۳) ص ۷۵/ ’’دوسری غلطی یہ سمجھ لینا کہ یہ معنی متدعی ہیں خارج مسجد کو۔

(۶۲۴) تیسری غلطی عام معنی لے کر بلا وجہ تخصیص خارج کرنا‘‘

سچ ہے انسان میں حواس ہی چیز ہیں۔

(۶۲۵) ص ۷۱/ ’’آپ متدل ہیں‘‘۔

(۶۲۶) ’’دوسرے تیسرے اخ ۔ کی نفی نہ ہوئی‘‘

وہی ان کی فاحشہ جہالتیں کہ تناقض میں ذکر کی گئیں۔

(۶۲۷ تا ۶۳۱) بین یدیہ کا بعض جگہ موارد قرب خاص میں مستعمل ہونا جس پر ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ۱۲۷ ار مہملات بے علاقہ روایات لائے تھے، ص ۴۶/ پر ان کے نتیجہ میں پانچ ہنقیت دیتے ہیں، فتوائے مبارکہ میں جو بیـن یـدیـه کا قرب خاص میں منحصر نہ ہونا آیات قرآنیہ سے ثابت فرمایا تھا اس پر بولتے ہیں کہ:

’’یہ معنی خلاف ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے، استعمال فقہا کے، لغت کے، شراح حدیث کے، تصریح فقہائے حنفیہ کے‘‘

کلام کے اصل تیور تو یہ ہیں کہ مولوی صاحب قرآن عظیم کی تغلیط کر رہے ہیں، کیا اس نے جو معنی ارشاد فرمائے مـعـاذ الله غلط ہیں، اور ادنیٰ درجہ یہ کہ اس کی ارشادات کو حق ماننا اور اپنے خصم کے لیے ناکافی جانا کہ ان روایات سے دوسرے معنی ثابت ہیں تو بات محتمل ہوگئی، اور بیـن یـدیه سے بیرون مسجد ہونے پر خصم کا استدلال باطل ہوا، یہ وہی ہنقیت ہے، مولوی صاحب کو یاد نہ رہا کہ متدل وہ ہیں نہ کہ ان کے خصم۔ جب معنی قرآن مجید اور یہ معنی دونوں ثابت ہیں بات محتمل ہوگئی، اور بیـن یـدیـه سے داخل مسجد ہونے پر آپ اور آپ کے سب موافقین کا استدلال باطل ہوگیا، وللہ الحمد۔

اور اس کے ساتھ ہی تو ارث کی رٹ کو سی برد کہ اس کا جوش اسی کے بل پر تھا، ولله الحمد

اٹھارہ ہنقیوں پر اٹھارہ روپے انعام۔ ہنقہ بے چارے کو تو یوں دھوکا ہوا کہ اس کے گلے کا ہار دوسرے نے پہن لیا، آپ کو کیا دھوکا لگا کہ متدل سے مانع بن بیٹھے۔ مانع کو متدل سمجھ لیے۔ ہنقہ کو اس تبدیل پر بھی تردد رہا کہ اپنے گلے کا ہار بھائی کے گلے میں دیکھ کر کہا ’’یا أخي أنت أنت أم أنت أنا‘‘

بھائی تو تو ہے یا تو میں؟۔ مولوی صاحب جزم کر بیٹھے کہ میں میں نہیں، میں تو ہوں۔ زہے ملائی۔

قسم (۱۶) بدقسمتی کہ سند میں وہ لائیں جوان کا ہی گھر ڈھائیں

(انعام ۱۱ روپے)

(۶۳۲) مخالفین کا بڑا غل مؤذنان حرمین شریفین سے استناد ہے، اس چوتھی میں بھی ص ۱۸ و ۲۱ پر اس سے استناد ہے، اور دوسری میں تو وہ زور شور تھے کہ مؤذن لوگ نبی یا فرشتہ معصوم بنا لیے، دیکھو ''نفی العار''۔ اس چوتھی میں بدقسمتی، جو رد پر آئے ص ۴/ پر ہدایہ کا وہ قاہر قول نقل فرما گئے جو ''حق نما فیصلہ'' نے سنایا تھا کہ دیکھو ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ کے اہل حرمین تابعین وتبع تابعین کا توارث نہ مانا اور فرمایا حدیث ودلیل ان پر بھی حجت ہے، اور ان کے توارث سے سند لانے والوں پر بھی۔

(۶۳۳ تا ۶۳۷) شروع آثار المبتدعین سے ص ۱۰ تک یہ جوشش عقل ہے کہ اذان خطبہ سرے سے اذان ہی نہیں، یہ اول تو مکابرہ ہے، خلاف اجماع ہے، خود بھی اسے اول سے آخر تک اذان ہی کہا ہے، اور ہر مسلمان اسے اذان ہی کہتا، اذان ہی جانتا ہے، پھر جا بجا خود اسے اذان ثانی کہا، جب وہ اذان ہی نہیں اول کی ثانی کیسے ہوئی۔ یہ تناقض ہے جیسے کہا جائے کہ مولوی عبد الغفار خاں صاحب رام پوری اور اشرفعلی تھانوی کہ رام پوری نہیں ان دونوں رامپوریوں میں کس کا گھر کوسی سے قریب ہے۔ پھر اس کی سند میں جو عبارات لائے ان میں ص ۷/ پر ''زاد التقویٰ'' سے ہے۔ ''اذان ثانی وقتیکہ برائے خطبہ الخ'' بجا ہے، یعنی وہ اذان کہ اذان نہیں، اس وقت دیں۔ نیز ترغیب الصلاۃ سے ہے: ''درعہد امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ منارہا شد وبانگ مکرر شد'' مولوی صاحب یہ کیا نقل کی جب وہ اذان ہی نہیں مکرر کیا شد۔

(۶۳۸) اس عظیم جلیل اذان کو کہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی اذان سے خارج کرنے کا یہ حیلہ گڑھا کہ وہ اعلام حاضرین کے لیے ہے، اس کے لیے عبارات علما پر کتنے افترا کیے کہ قسم ۱۰/ میں مذکور ہوئے۔ شک نہیں کہ اذان خطبہ شرعاً اذان ہے، کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ جو اذان خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی اور زمانہ اقدس میں صرف وہی تھی اور قرآن عظیم میں اسی کا ذکر ہے، وہ اذان شرعی نہ ہو۔ اب مولوی صاحب کی قسمت دیکھیے ص ۵/ پر مان گئے کہ ''اذان شرع میں نام اعلام غائبین کا ہے،'' اور اس پر مستخلص کی عبارت بھی نقل کر لائے، تو بے شک اذان خطبہ اعلام غائبین ہے۔ خود ہی اپنی ساری چنائی ڈھائی جو سترہ ۱۷/ روایتوں پر افترا کر کے بنائی کہ اذان خطبہ اعلام حاضرین ہے۔

(۶۳۹) ائمہ دین نے جواذان کو مسجد میں مکروہ بتایا ص۱۰ ر سے ۱۳ ر تک اس کے یہ معنی گڑھے ''اذان ایسی جگہ ہونا جہاں سے ہمسایوں کو آواز زیادہ پہنچے، پھر زور دیا کہ یہ امر صرف مستحب ہے، اسی بنا پر ص۴۰ ر میں وہ کہا جو قسم ۱۰ ر میں گزرا کہ:

''روایات مولانا سے اولویت اذان کی ایسے محل میں کہ اسمع للجیران ہو''

غرض ائمہ کے حکم کراہت کو صرف ترک مستحب کی طرف پھیرا اور ساتھ ہی جو بد قسمتی زور کرے ص۱۱ ر پر بحر الرائق کی عبارت نقل کر لائے (لایلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ)(۱) اور ترجمہ بھی فرمادیا ''نہیں لازم آتا ترک مستحب سے ثبوت کراہت'' ائمہ کے مکروہ بتانے کو ترک مستحب کی طرف پھیرنے کا خود ہی رد کر دیا، اپنی چنائی آپ ہی ڈھائی۔

(۶۴۰) ص۱۰ ر پر ابطال حق کو اپنا زور اجتہاد لے کر چلے کہ:

''درایۃً کوئی وجہ کراہت وممانعت کی قائم نہیں''

اور بد قسمتی ص۱۱ ر پر بحر الرائق سے نقل کر لائے کہ :(الکراھۃ لابد لھا من دلیل خاص)(۲) خود ہی ترجمہ کیا ''واسطے ثبوت کراہت کے ضرور ہے دلیل خاص'' جب ائمہ حکم کراہت فرمارہے ہیں اور ثبوت کراہت بے دلیل خاص ناممکن تو قطعاً معلوم ہوا کہ شرعاً دلیل کراہت قائم ہے گو آپ کی ناقص عقل میں نہ آئے۔

(۶۴۱) ص۳۴ ر پر مراقی الفلاح کی عبارت لائے ''والأذان بین یدیه جری به التوارث کالاقامة''(۳)

اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ مطلب گڑھنا چاہا کہ جس طرح تکبیر مسجد میں ہے یونہی یہ اذان۔ ہر شخص کہ مراقی الفلاح دیکھے گا بداہۃً سمجھ لے گا کہ یہ تشبیہ سنت ہونے میں ہے، یعنی اذان خطبہ سنت ہے جیسے اقامت۔ اس کا بیان وافی ان شاء اللہ تعالیٰ مولوی صاحب کی قسم جہالت میں آئے گا۔ مگر بد قسمتی کا بھلا ہو ساتھ ہی صاحب مراقی الفلاح رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح کبیر امداد الفتاح کی عبارت بھی ص۳۵ ر پر نقل کر دی کہ ''والأذان بین یدیه کالاقامة سنة'' یعنی اس کے سامنے اذان بھی اقامت کی طرح سنت

---

(۱) [البحر الرائق شرح کنز الدقائق: الجھر بالتکبیر فی العید، ۲/۱۷۶]

(۲) [البحر الرائق شرح کنز الدقائق: الجھر بالتکبیر فی العید، ۲/۱۷۶

(۳) [مراقي الفلاح شرح نور الایضاح: باب صلاۃ الجمعۃ:۱/۱۹۶]

ہے جس نے کھول دیا کہ تشبیہ سنت ہونے میں ہے۔

(٦٤٢) فیصلہ حق نما وغیرہ میں علمائے اہل حق مجمع البحار کی عبارت سے سند لائے تھے کہ "فعلت بین یدیک أي : بحضر تک "یعنی بین یدی کا اتنا مفاد ہے کہ حاضر ہو غائب نہ ہو۔ خوبی قسمت سے مولوی صاحب بھی ص ٢٠/ پر اسے نقل کر لائے اور الٹی سمجھے کہ وہ اس تنگ قرب کی دلیل ہے جسے ڈیڑھ گز سے آگے تین ہاتھ پیرا تا ہے۔

(٦٤٣ و ٦٤٤) اپنے اس چاک کارفو صراح وغیرہ کی عبارت سے چاہا تھا کہ "حضرت نزدیکی" اور اسی لفظ قرب پر جا بجا عقل سے بعد لیا ہے، یہیں جو عینی وحلبی کی عبارات اور ص ٢٣/ پر جامع الرموز کی عبارت میں قرب کا لفظ لے آئے تھے ص ٤٦ میں ان پر پھولے اور معنی ارشاد فرمودۂ قرآن عظیم کو "مخالف تصریح فقہائے حنفیہ" کا لقب دیا، یہ اول عناد تھا۔ "حق نما فیصلہ وسلامۃ اللہ" میں کیسا کھول کر دکھایا تھا کہ قرب امر اضافی ہے، اللہ عزوجل نے قیامت بلکہ حساب کتاب کو قریب فرمایا ہے، پھر بدقسمتی جو رنگ لائی ص ٤٥/ پر صحیحین کی حدیث "بعثت انا والساعة کھاتین ویقرن بین اصبعیه السبابة والوسطی" (١) لے آئے جسے اپنے قصور نظر سے صرف مسلم کی طرف نسبت کیا جس میں حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا، میری بعثت اور قیامت ایسی نزدیک نزدیک ہیں جیسے یہ دو انگلیاں۔ یہ انگلیاں خود ہی نزدیک تھیں، انھیں بھی باہم ملا کر ارشاد فرمایا، اب نزدیکی وقرب کا حال کھل گیا، جب بعثت شریف وقیامت اس درجہ قریب ہیں حالاں کہ ساڑھے تیرہ سو برس گزر نے آئے اور ہنوز دقت باقی ہے، تو منبر وکنارۂ مسجد کا فاصلہ کیا ایسا ہے کہ نزدیکی وقرب وبین یدیہ نہ رہے۔ ساری چنائی آپ ہی ڈھائی۔

(٦٤٥) بین یدیہ پر کیا کیا جوش خروش تھا، کن کن عنادوں فسادوں سے اس کے معنی وہ تراشے جو اسے دروازہ مسجد تک ہرگز نہ جانے دیں، بلکہ ڈیڑھ گز سے آگے نہ بڑھنے دیں، پھر خوبی قسمت جو زور لگائے ص ٢١/ پر بولے "صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کلام واستعمال ہمارے واسطے سند ہے، عالم کے فصحا سے ان کو ہم افضل جانتے ہیں" کیوں حضرت کیا سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما صحابی ابن صحابی عربی النسل عربی الوطن آپ کے نزدیک صحابی اور فصحائے مابعد سے افضل نہیں جو اذان خطبہ کو "بین یدیه علی باب المسجد" فرما رہے ہیں۔

---

(١) [صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ، باب صفة خطبة: ١٩٦٠/١:٧٣٠]

(۶۴۶) طرفہ تر یہ کہ اسی حدیث سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر صفحہ ۴۵ رمیں بہت اچھل کود تھی کہ ''معنی بین یدیہ کے اس حدیث سے ہرگز واضح نہیں'' اور وہیں وہیں اسی منہ میں بدقسمتی نے جوزور کرے فرما گئے: ''قاعدہ ہے کہ جب لفظ حدیث کے معنی خود شارع علیہ السلام یا صحابہ کرام بیان فرمادیں اول مرتبہ وضاحت کا یہ ہے'' کہیے جب سائب صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بین یدیہ کے معنی خود بیان فرمارہے ہیں کہ ''علی باب المسجد'' تو اول مرتبہ اعلیٰ درجہ کی وضاحت ہوئی یا نہیں۔ شاید مولوی صاحب نے آثار المبتدعین حالت سرسام میں لکھی۔ ان گیارہ بدقسمتیوں پر گیارہ روپے انعام۔

(قسم ۱۷) بے تمیزی

(انعام ۸ روپے)

(۶۴۷) فہرست میں گناتے ہیں ''فتاوی مغرب'' مولوی صاحب کو اتنی بھی تمیز نہیں کہ مغرب ہو یا معرب دونوں لغت کی کتابیں ہیں، ان کو فتاوی کہنا شاید آپ نے رامپور کے فتاوی غیاث اللغات یا فتاوی خالق باری میں دیکھا ہوگا۔ بتائیے تو فتاوی مغرب کون سا فتاوی ہے۔

(۶۴۸) فہرست میں کتب فقہ کے نیچے گناتے ہیں ''عینی شرح بخاری'' بہت ٹھیک اور فتاوی عالمگیری کو شروح حدیث میں کیوں نہ گنا۔

(۶۴۹) ص ۳۰ ر ''امام محمد عطف تفسیری بین یدیہ کا ساتھ موضع سجود کے کرتے ہیں: إن محمداً رحمه الله تعالیٰ جعل جلوس الإمام في المحراب وهو مستقبل له بمنزلة بين يديه وموضع سجوده'' (حمیدیہ حاشیہ هدایہ)(۱)

جناب یہ امام محمد سے حکایت حکم ہے یا روایت لفظ؟۔ عبارت حمیدیہ کی ہے یا امام کی۔ عطف تفسیری حمیدیہ نے کیا، یا امام نے؟۔ زہے ملائی۔

(۶۵۰) اسی کے بھروسے ص ۴۶ ر پر بولے ''امام محمد نے بین یدیہ کے معنی بیان فرمائے'' تمیز بشرح صدر۔

(۶۵۱) شاید جس طرح لغت کی کتاب کو فتاویٰ سمجھ لیا، حمیدیہ کتاب فقہ کو لغت سمجھ بیٹھے، ورنہ ایسی تفسیرات علما تفسیر مراد محل ہوتی ہیں نہ کہ تفسیر لفظ متداول، تو حاصل اتنا کہ یہاں یعنی مسئلہ مرور میں بین

---

(۱) [البحر الرائق شرح كنز الدقائق: باب الأكل والشرب في الصلاة، ۱۷/۲]

یدیہ موضع سجود ہے، نہ یہ کہ لفظ بین یدیہ کے معنی خود موضع سجود ہیں، یا وہ کہ موضع سجود سے متجاوز نہ ہو۔ زہے تمیز۔

(۶۵۲) ص ۳۰ ر ’’فقہانے تصریح کی کہ مرور جو ممنوع ہے وہ مرور بین یدیہ موضع سجود میں ہے

’’والممنوع هو المرور بين يديه موضع سجوده‘‘ حاشیہ مولانا الہداد بر ہدایہ‘‘

جناب بین یدیہ عام تھا، موضع سجود سے اس کی تخصیص کی۔ یوں کہیے فقہا نے تصریح کی کہ جس بین یدیہ میں مرور ممنوع ہے وہ بین یدیہ موضع سجود ہے۔ آپ سمجھ بیٹھے کہ بین یدیہ موضع سجود میں منحصر ہے، آپ کو کہا جائے: مولوی ہندی رام پوری، اس سے کوئی احمق ہی سمجھے گا کہ ہندوستان رامپور میں محصور ہے، آپ کو تخصیص و تفسیر میں تو تمیز نہیں، تفسیر مراد و تعریف لفظی میں کیا ہوتی۔

(۶۵۳) ص ۳۱ ر ’’في المحيط مقدار مايكره المرور بين يدى المصلى موضع سجود ولايكره ماورائه.(۱)

دیکھو صاحب محیط فرماتے ہیں: مقدار اس موضع کی جس میں مرور مکروہ ہے، وہ بین یدیہ موضع سجود ہے‘‘

بین یدی المصلی مرور سے متعلق تھا، اور مقدار کی خبر ’’موضع سجودہ‘‘۔ آپ نے ’’بین یدی المصلی‘‘ کو خبر بنا دیا اور ’’موضع سجودہ‘‘ کو اس کی تفسیر۔ مستدل صاحب عبارت کی ترکیب سیکھیے۔

(۶۵۴) آگے فرماتے ہیں:

’’اس روایت سے دو باتیں ثابت ہوئیں، ایک یہ کہ موضع سجود اور بین یدیہ ایک چیز ہے‘‘

جی بالکل ایک، جیسے رامپور اور ہندوستان۔

(۶۵۵) ’’دوسری بات یہ کہ مقدار بین یدیہ اور موضع سجود کی ایک ہی‘‘

بہت خاصے دونوں کو ایک مان کر اب دوسرا دقیق استنباط فرمایا جاتا ہے کہ اس شی واحد کی مقدار بھی واحد ہے، کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ ہے تو ایک چیز مگر مقداریں دو ہیں۔ الحق

ع: آدمی آدمی حواس سے ہے

(۶۵۶) اور اس پر استدلال کتنا نفیس ہے ’’اس لیے کہ حکم کراہت مرور کا بیان کیا ہے، اس کے واسطے محل چاہیے، محل ممنوع بین یدیہ اور موضع سجود سے اسی کی مقدار کا بیان ہے،‘‘

---

(۱)[المحيط البرهاني في الفقه : الفصل التاسع عشر في المرور بين يدي المصلي، ۱۰/۴۳۱]

اس ہذیان کا مزہ تو ہم اہل علم کے مذاق پر چھوڑتے ہیں، کیا نفیس دلیل ہے کہ افلاطون کے مٹکے سے ابھی برآمد ہوئی ہے، مگر یہ تو فرمایئے کہ بین یدیه اور موضع سجود تو وہ شی واحد ٹھری جس کی مقدار کا بیان منظور ہے، اور وہ بیان کدھر گیا، کیا مٹکے سے نکل کر پھر مٹکے میں گھس گیا، یا یوں کہیے کہ بین یدی المصلی مع اپنی تفسیر "موضع سجوده" کے تو مقدار کا مضاف الیہ ہوا کہ اس کی مقدار کا بیان ہے، یعنی یہ تفسیر و مفسر مل کر "مایکره المرور" کی تفسیر ہوئی، یہ تفسیر و مفسر مل کر "مقدار" کے مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، خبر کدھر گئی؟۔ زہے ملائی

(۶۵۷) آگے بولے "مراقی الفلاح وغیرہ میں قدم مصلی سے موضع سجود تک کی مقدار تین ذراع معین کرتے ہیں جہاں سترہ کا بیان ہے"

آپ کو موضع سترہ اور موضع سجود میں بھی تمیز نہیں، لکڑی نصب کر کے خاص اس جگہ جہاں لکڑی ہے، پیشانی رکھ کر تو دکھایئے۔ خیر اس جہالت کو تو ہذیانات والا میں ذکر کر دیا، مگر آپ کو کتاب اور اس کے حاشیہ میں تمیز نہیں، یہ عبارت مراقی الفلاح کی ہے۔ یا اس کے حاشیہ علامہ طحطاوی کی۔ ہاں شاید یہ اس وزن پر ہو کہ عبارت امام ابن الہمام سند اہل حق کو عبارت غنیۃ ٹھہرایا کہ وقعت گھٹا کر مردود نا معتبر ٹھہرا دیں، یہاں اپنی مہمل سند میں کلام محشی کو عبارت اصل بنالیا کہ کسی طرح قدرے وقعت بڑھالیں۔

(۶۵۸) اور سنیئے تو! یہ "وغیرہ" تو بتایئے کون ہے جس نے "والظاهر اعتبار هذاالمقدار من قدمه" کہا۔ یا یہ بھی وقعت بڑھانے کو جھوٹ کہہ دیا۔

(۶۵۹) علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کہ تیرہویں صدی کے فضلا سے ہیں، ان کا "الظاہر" فرمانا ہی بتا رہا ہے کہ یہ تین ذراع قدم سے لینا انہوں نے کسی عالم سے مصرح نہ پایا، نہ خود انہیں اس پر وثوق، جب تو فرماتے ہیں: ظاہر یہ ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رسالہ ذبیحہ میں فرماتے ہیں: ظاہر کہنے والا خود اس بات کا قائل نہیں ہوتا بلکہ اس میں اسے شک ہے، حیث قال "دریں عبارت لفظ ظاہر دلالت بوقوع شک می کند ولا قول للشاک" لہٰذا اس پر آپ کا فرمانا کہ:

"اس تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا کہ بین یدیہ تین ہاتھ ہے" عجب بے تحقیق ہے۔

(۶۶۰) نہ ایک مراقی الفلاح کہ عامہ کتب میں یہ تصریح فرما کر کہ نمازی سترہ بین یدیہ نصب کرے، پھر یہ حکم جدا لکھتے ہیں کہ سترہ سے نزدیک ہو۔ اس نزدیکی کی مقدار حلیہ وغیرہا میں تین ذراع بتائی، اگر خود بین یدیہ یہیں تک محدود ہوتا جیسا آپ کا زعم باطل ہے، تو یہ دوسرا حکم لغو، بلکہ معاذ اللہ جہل ہوتا کہ سترہ کا محل بین یدیہ ہے اور بین یدیہ صرف تین ذراع ہے، سترہ بھی تین ہی ذراع تک تھا، اس

میں نزدیکی ہوکر بھی اتنی کا اتنا ہی رہا۔ علما آپ کی جہل سے بری ہیں، یقیناً بین یدیہ زیادہ کو شامل ہے، جب تو اس میں نزدیکی ہو کر اتنا فاصلہ رہا۔ اپنے رد کو اپنی سند سمجھنا کیسی تمیز ہے۔

(۶۶۱) ص ۲۸ ر پر فتح القدیر کی عبارت نقل کی "ماصحح فی النھایة مختار فخر الاسلام ورجحه فی النھایة" (۱)

اور آگے "انتہی" لکھ دیا۔ یعنی فتح کی عبارت ختم ہوئی۔ باتمیز صاحب! اب عبارت کا مطلب تو کہیے وہ کہ: نہایہ میں جس کی تصحیح کی، نہایہ میں اسے ترجیح دی۔ ایسا حمل اولی آپ کے یہاں مفید ہوتا ہوگا، جیسے وہ جو نجو خان کے گھیر میں ہے، وہ کیا ہے نجو خان کے گھیر میں ہے۔ ائمہ کو اپنی تمیز داری سے معاف رکھیے۔ فتح کی عبارت یوں ہے:

"ورجحه في النهاية بأن المصلي إذا صلى على الدكان أيضاً الخ" (۲)

تو یہاں سے یہ بیان تھا کہ نہایہ نے اسے اس دلیل سے ترجیح دی، آپ نے "بأن المصلي" سے آخر تک ساری عبارت کاٹ کر "انتہی" لکھ کر اپنی تمیز کی انتہا کر دی، آپ کو یہ تو خبر ہی نہیں کہ فقرہ کہاں تمام ہوا، اور خالی نقالی کو بیٹھ گئے۔

(۶۶۲) ص ۲۰ ر پر فضول مہمل "بینَ" کے معنی کی بین بجائی۔ اس میں فرماتے ہیں:

"صاحب تاج العروس سند لائے کلام ہذلی سے"

تاج العروس کی عبارت یہ ہے: بین کے معنی راغب سے وہ نقل کیے جو مولوی صاحب یہاں اٹھا لائے پھر فرمایا: "قال الجوهري وهو ظرف وإن جعلته اسما أعربته تقول: لقد تقطع بينكم برفع النون كماقال الهذلي فلاقيته الخ" (۳)

کیوں مولوی صاحب یہ بین پر سند ہے یا اس پر کہ بین کو اسم کریں تو اعراب قبول کرتا ہے، آپ کو ایک حرف سے تو مس ہوتا نہیں اور فضول ع: روئے کاغذ سیاہ کرتے ہیں

اور سنیے! سمجھ یہ تھی تو اس اعراب کی سند میں تو اول انھوں نے آیہ کریمہ ﴿لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنُكُمْ﴾ پیش کی تھی، جس میں ایک قرأت متواترہ رفع نون ہے، آیت چھوڑ کر شعر پکڑنا طرفہ تمیز ہے۔۔

---

(۱) [فتح القدير لإبن الهمام: باب مايفسد الصلاة ومايكره، ۱/۴۰۶]

(۲) [فتح القدير لإبن الهمام: باب مايفسد الصلاة ومايكره، ۱/۴۰۶]

(۳) [تاج العروس: ۳۴/۲۹۶]

﴿أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾(۱)

(٦٦٣) ص ۱۲ اپر "ینبغی" بمعنی استحباب کی عبارت نقل کرنے کا جو جوش چڑھا یا "مجمع الانهر" کی عبارت اٹھالائے کہ "الوضوء للأذان مندوب فح ينبغي أن لايكون تركه مكروها"

مولوی صاحب آپ کو حکم و بحث میں تمیز نہیں، "ينبغي" جب فعل پر داخل ہو حکم ہے، اور حکم پر داخل ہو تو بحث۔ مکروہ نہ ہونا حکم ہے نہ کہ فعل۔

درمختار بحث نیت میں ہے: "في الأشباه ينبغي أن تكون عند غسل اليدين " (۲)

ردالمحتار میں فرمایا: "ينبغي أن تكون أي: النية ـ والذي رأيته في الأشباه يكون بالياء التحتية، أي: يكون وقتها ،فعلى الاول ينبغي بمعنى يطلب. وعلى الثاني هي مايستعملها العلماء في مقام البحث في مالانقل فيه وهو المتبادر من الأشباه"(۳)

آپ کو تو کیا نفع کی امید، مگر آپ کے رد میں جو علوم ظاہر کیے جارہے ہیں انشاء اللہ العزیز طالبان صادق ان سے فائدہ پائیں گے۔

(٦٦٤) بہت اچھا" ينبغی " بمعنی"يستحب "ہے، اور مستحب وہ جس کے فعل پر ثواب ہے، اور ترک پر کچھ نہیں، تو مطلب یہ ہوا کہ یہ جواذان بے وضو دینے کا مکروہ نہ ہونا ہے، اس مکروہ نہ ہونے کو جس نے کیا ثواب پائے گا، ورنہ کچھ نہیں۔ اس ہذیان کے کیا معنی ہوئے، شاید یہ سمجھے ہوں کہ مکروہ نہ ہونے کو کیا یعنی اس غیر مکروہ کو کیا، یعنی بے وضو اذان دی تو ثواب پائے گا، اور باوضو دی تو کچھ نہیں۔

(٦٦٥) ابھی مولوی صاحب کی تمیز کو بس نہیں کہ وہ تو غیر متناہی لاتقفی ہے، کبیری نے اجناس سے نقل کیا، "بنى مسجداً في أرض غصب لابأس بالصلاة فيه"(٤)

اور واقعات سے "بنى مسجداً على سور المدينة لاينبغي أن يصلى فيه لأنه حق العامة"(٦)

---

(۱) [سورة البقرة:٦١]۔

(۲) [الدر المختار: سنن الوضوء، ١٠٧/١]

(۳) [رد المحتار على الدر المختار: سنن الوضوء، ١٠٨/١]

(٤) [رد المحتار على الدر المختار: كتاب الصلاة، ٣٨١/١]

(٦) [رد المحتار على الدر المختار : كتاب الصلاة، ٣٨١/١]

اوران میں تطبیق دی کہ لاباس خلاف اولی بتاتا ہے، اوراسی پر" لا ینبغی "کاحمل بھی ممکن۔ پھر اس پر دوسری عبارت واقعات سے استدراک کیا کہ "لکن قول صاحب الواقعات لوفعله باذن الإمام ينبغي أن يجوز هذا لأن مراده بلاينبغي عدم الجواز" کبیری نے تو مفہوم مخالف سے استدلال کیا کہ جواز بشرط اذن امام کہا تو بے اذن عدم جواز ہوا۔ مگر آپ اس کا یہ مطلب فرماتے ہیں: ص ۱۳/ "کبیری میں واقعات کی عبارت نقل فرما کرافادہ فرماتے ہیں کہ "ینبغی" بمعنی "یجوز "ہے، تولا ینبغي لایجوز ہوا"۔

مولوی صاحب "یہ ینبغی بمعنی یجوز ہے" کبیری یاواقعات کے کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ ہاں ہاں واقعات میں تھاجو "ينبغي أن يجوز" دونوں لفظ ایک جملہ میں آگئے بس ایک دوسرے کی تفسیر ہوگیا، مولوی صاحب کچھ دنوں پڑھ لیا ہوتا۔

(٦٦٦) وہی حکم و بحث کی بے تمیزی۔ کلام واقعات میں "ینبغی ان یجوز" بحث ہے نہ حکم۔

(٦٦٧) ص ۴۷و۴۸/ پر حدیث امام ابن اسحٰق سے استدلال فاسد ہونے کی وجوہ میں فرماتے ہیں: "پندرہویں وجہ شذوذ بر تقدیر صحیح وحسن ہونے اس روایت کے" عقل کی پڑیا جب حدیث صحیح وحسن مان لی پھراس میں وہ شذوذ کہ مفسد استدلال ہو کدھر سے آیا، جیسے کہا جائے: مولوی صاحب بر تقدیر انسان ہونے کے جماد ہیں۔

(٦٦٨) خیر سے اس پر شرح نخبہ کی عبارت بھی پڑھ دی کہ: "زيادة راويهما أي: الحسن والصحيح مقبولة مالم تقع منافية لرواية من هو أوثق" (١)

انھوں نے تو یہ فرمایا تھا کہ حسن وصحیح کا راوی یعنی جیسا راوی ان میں شرط ہے کہ عدل ثقہ ضابط ہو وہ اگر اپنے سے ثقہ تر کے خلاف روایت کرے تو مقبول نہیں۔ آپ سمجھ لیے کہ خود حدیث حسن صحیح کو ایسا فرمارہے ہیں، مولوی صاحب کچھ دنوں مدرسہ منظر اسلام میں سبق لے لیا ہوتا۔

(٦٦٩) لفظ بين يديه کے معنی کی بحث تھی، مخالفین اسے قرب خاص پر لیتے تھے جس سے اذان مسجد کے اندر منبر کے برابر آجائے، فتوائے مبارکہ میں ارشاد ہوا کہ وہ تمہاری تنگی میں محصور نہیں، اس کے معنی میں بہت وسعت ہے، دیکھو فلاں فلاں آیات کریمہ نے کتنے کتنے وسیع فاصلوں پر اطلاق فرمایا کہ ﴿يعلم مابين أيديهم وماخلفهم﴾ [سورة البقرة: ٢٥٥]۔ اللہ عزوجل جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے

---

(١) [الشرح المختصر لنخبة الفكر زيادة الثقة والشاذ، ١/٢٥]

اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ علم الٰہی قریب پر محصور نہیں۔ آپ کی تمیز داری اسے قیاس سمجھی اور ص ۴۴ پر بولی: ''آٹھویں غلطی قیاس کرنا اذان موذن کو اوپر علم الٰہی کے۔ معنی یہ ہوئے کہ جیسے علم الٰہی شامل ہے سب اشیا کو، ایسے اذان دینا شامل ہے جمیع امکنہ کو جہاں اذان دے گا بین یدیہ ہوگی''۔

(۶۷۰) کریمہ: ﴿مَا بَیْنَ أَیْدِیهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾(۱) پر بولے ''وہ غلطیاں یہاں بھی ہیں۔

(۶۷۱) کریمہ: ﴿یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ﴾(۲) پر بڑے ناز سے بولے:

''بڑی بھاری غلطی سو غلطیوں کے برابر ایک غلطی۔ اللہ جل شانہ کی رحمت کے ہاتھوں پر خطبہ پڑھنے والے کے ہاتھوں کو قیاس کرنا ﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ﴾ آیا ہے، ایسے ہی یدی خطیب کو شامل جمیع امکنہ کو لینا''۔

(۶۷۲) کریمہ: ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ﴾ (۳) پر بولے: ''کیا بین یدی عذاب اور بین یدی الخطیب ایک چیز ہیں''

یہاں قیاس سے بھی گزر کر اتحاد تک پہنچے، ہر ادنی طالب علم جانتا ہے کہ بیان معنی لفظ کے لیے شاہد پیش کرنے کو ان ہذیانات سے کیا علاقہ۔

(۶۷۳) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سوالات نافع بن الازرق کے جوابوں میں معانی الفاظ کریمہ آیات کے شاہد جو اشعار فصحائے عرب سے پیش کیے، اگر ان کی تفصیل کر کے مولوی صاحب کو بتایا جائے کہ آپ کی ہذیانی سمجھ پر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کس کس چیز کو کیسی کیسی پر قیاس کیا، تو مولوی صاحب پر بکثرت ضربات بڑھ جائیں گی مگر ہمیں حکم ہے کہ: (إذا قتلتم فاحسنوا القتلة وإذا ذبحتم فاحسنوا الذبحة)(٤)

لہٰذا صرف ایک دکھائیں اور ان کی قسم گستاخی میں ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے اس ادعا سے قیاس وتمثیل کے مزے لیں۔

---

(۱) [سورة البقرة:٢٥٥]

(۲) [سورة النحل:٦٣]

(۳) [سورة سبا:٤٦]

(٤) [الدراية في تخريج أحاديث الهداية: كتاب الذبائح، ٢/٢٠٧]

نافع نے کریمہ: ﴿وَابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ﴾ (۱) کو پوچھا اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈھو، فرمایا وسیلہ حاجت کو کہتے ہیں۔ کہا کیا عرب اسے پہچانتے ہیں، یعنی یہ لفظ اس معنی پر بولتے ہیں، فرمایا: ہاں تو نے عنترہ کا شعر نہ سنا:

اِن الرجال لهم اِليك وسيلة   أن يأخذوك تكحلي و تخضبي(۲)

یعنی اے فلانی مردوں کو تیرے لینے کی حاجت ہے تو سرمہ لگا ہاتھ پاؤں میں مہندی لگا۔

کیوں مولوی صاحب! آیت میں وسیلہ اللہ عزوجل کی طرف تھا، اور شعر میں اس عورت کی طرف جسے مرد لینا چاہتے ہیں، اپنا قیاس یہاں لے کر دوڑ پئے تو، آپ کا ہذیان کیا مطلب بناتا ہے، خدا حیا دے پھر بھی میں تو آپ سے یہی کہوں گا کہ: ''إن الرجال لهم إليک وسيلة الخ''

(۶۷۴ تا ۶۷۶) یہ بھی یاد رہے کہ یہ اپنے خصم پر تین افترا فرمائے۔ فتوائے مبارکہ میں تھا: ''جہاں تک حائل نہ ہو'' اور آپ ہر جگہ فرما رہے ہیں اذان جمیع امکنہ کو شامل مانی، کہیں ہو ہر جگہ بین یدیہ ہے۔

(۶۷۷) اور بڑھ کر تمیز داری سنیے! ص ۴۴ ر:

''نویں غلطی سامنے کی قید لگانا سند کے خلاف ہے، اس لیے کہ علم الٰہی دہنے بائیں کو بھی شامل ہے''

مولوی صاحب! علم الٰہی ہر طرف کو شامل ہے، تو اس سے بین یدی بھی ہر سمت کو شامل ہو گیا، ایسا تھا تو آیہ کریمہ میں ﴿بين أيديهم﴾ کے بعد ﴿وما خلفهم﴾ معاذ اللہ لغو ہوا۔

گر ہمیں عقل وہمیں ملائی ست   طعن بر قرآن کند از فکر پست

(۶۷۸) بفرض باطل یہاں تو سند ہی کے خلاف تھا، مولوی صاحب اپنی خبر لیجیے بین یدیہ کے جو معنی آپ نے گڑھے وہ خود پیچھے کو شامل ہیں جیسا کہ گزرا، پھر آپ سامنے کی قید کس منہ سے لگائیں گے۔

(۶۷۹) ص ۴۸ ر پر حدیث صحیح سنن ابی داؤد شریف کے موضوع بنانے کو شاہ عبد العزیز صاحب کے ''عجالہ نافعہ'' سے علامات وضع حدیث میں نقل کیا:

''ششم آں کہ در حدیث قصہ از امر حسی واقع کہ اگر بالحقیقۃ می شد ہزاراں کس اور انقل می کردند''

---

(۱) [سورة المائدة:۳۵]

(۲) [العقد الفريد: قول الشعوبية وهم أهل التسوية، ۳/۳۵۴]

آپ کی تمیز نے اس کا یہ مطلب سمجھا کہ:

''ایک امر حسی میں ایک شخص کا نقل کرنا اور باوجودے کہ ہزاروں شخص اس موقعہ پر ہوں''

مولوی صاحب! آپ ایک سلیس فارسی عبارت تو سمجھ سکتے نہیں، اور مدارک علیہ میں دخل دینا ضرور، کہاں تو توفُر دواعی کا مسئلہ جسے شاہ صاحب بیان کرر ہے ہیں کہ وہ ایسی اہم بات ہو کہ اگر واقع ہوتی تو ہزاروں نقل کرتے، اور کہاں یہ کہ کیسی ہی بات ہو وہ ہزاروں کے موقع میں ہوئی، اس میں روایت آحاد موضوع ہے، **لاحول ولاقوۃ إلا باللہ العلی العظم۔**

(۶۸۰) مولوی صاحب! آپ نے تو نہ صرف سنن ابی داؤد بلکہ بخاری ومسلم بھی صدہا موضوعات اور جھوٹی گڑھی ہوئی حدیثوں سے لبریز مان لیں، جمعہ وعیدین وغزوات وعمرۃ القضا وحجۃ الوداع وغیرہا تمام مجامع کی ہزار ہا آحاد حدیثیں سب موضوع وافترا ہوگئیں۔**إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔** ان تیس بے تمیزیوں پر (ساڑھے سات روپے انعام فی بے تمیزی چونی)

قسم (۱۸) مسئلہ دل سے گڑھ لیا اور فقہا پر افترا

(انعام ۱۰/روپے)

(۶۸۱و۶۸۲) ص ۲۳/ میں بین یدیہ کی توسیع پر یہ ریز کی کہ:

''مولانا کے معنی نے تو سارعالم کی نمازیں مکروہ وتباہ کر دیں، کوئی نمازی نہیں نکل سکتا کہ اس کے سامنے تصویر نہ ہو، دنیا میں ہزار ہا مکانوں میں تصویریں ہیں، وہ سب اس کے سامنے بین یدیہ ہیں''

یہ اول تو خود اپنے خصم پر وہی افترا ہے کہ ہر جگہ اسی کے ارتکاب پر کلام کی بنا ہے، فتوائے مبارکہ میں تصریح تھی کہ: ''جہاں تک حائل نہ ہو'' پھر فقہا پر یہ سخت شدید جیتا افترا کہ ''تصویر کے مسئلہ میں رافع کراہت حائل کو نہیں گردانا'' مولوی صاحب کوئی ذی علم ہو تو اس سے کہا جاتا کہ محیط، خلاصہ، درایہ، شمنی، حلیہ، غنیۃ، بحر، نہر، تنویر الابصار، منح الغفار، درمختار، ردالمحتار، عجیمی علی الدرر، ابوالسعود علی الکنز وغیرہا دیکھیے کہ تصویر کپڑوں سے چھپی ہو تو کراہت نہیں، اگرچہ خود نمازی کے بدن یا لباس میں ہو۔

تنویر غزی وشرح علائی میں ہے: ''**لایکرہ (لو کانت تحت قدمیہ أو فی یدہ) عبارۃ الشمنی بدنہ ؛لأنہا مستورۃ بثیابہ**''(۱)

---

(۱) [الدر المختار وحاشیہ بن عابدین۔ فرع لابأس بتکلیم المصلي، ۱/۶۴۸]

اسی میں ہے:

"قال في البحر مفاده كراهة المستبين لا المستتر بكيس أوصرة أو ثوب آخر وأقره المصنف"(۱)

ردالمحتار میں ہے:

"في المعراج لاتكره اِمامة من فی يده تصاوير؛ لأنها مستورة بثياب"(۲)

ابن امیر الحاج میں ہے:

"لاتكره إمامته ؛لأنها مستورة بالثياب كذا في المحيط والخلاصة" (۳)

حسن عجیمی نے اسے محیط سے نقل کرکے فرمایا:"كذا في النهر"

یوں ہی فتح المعین میں:"في النهر عن المحيط" لکھ کر ذکر کیا۔

کبیری میں ہے:

"في الخلاصة إذا كانت في يده وهو يصلي فلابأس به ؛لأنه مستوربثيابه" (۴)

ہاں مولوی صاحب سے شکایت عبث ہے، پھر بھی ثبوت دیں (دس روپے انعام)

قسم (۱۹) محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر باسٹھ افترا

(انعام نامیسور)

(۶۸۳) حاشیہ ص ۱۴۱ پر کہا:"حضور پرنور نے فرمایا:أول من قاس "مولوی صاحب جلد بولو یہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہاں فرمایا ہے؟۔

یہ افترا آپ کو اس نے سکھایا جس کا نام آپ نے اس کے آخر میں چھپایا، اور حدیث متواتر"من كذب" کا خوف نہ آیا۔

(۶۸۴) مسلمانو! مدینہ طیبہ سے بیت المقدس شمال کو ہے، اور کعبہ معظمہ جنوب کو، رسول اللہ صلی

---

(۱) [الدر المختار: فرع لا بأس بتكليم المصلي، ۱/۶٤۸]

(۲) [رد المحتار: فرع لابأس بتكليم المصلي، ۱/۶٤۸]

(۳) [البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۲/۲۹]

(٤) [البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۲/۲۹]

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعد ہجرت ۱۷۔۱۸ ر مہینے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی، پھر کعبہ معظمہ کو منہ کرنے کا حکم آ گیا، خلاصۃ الوفا میں نقل کیا کہ جب تک نماز بیت المقدس کو ہوتی تھی مسجد اقدس کی جنوبی دیوار میں دروازہ تھا، جب اس طرف کو قبلہ ہو گیا وہ دروازہ بند کر کے اب شمالی دیوار میں دروازہ کھولا گیا۔ مولوی صاحب ص ۱۵ ر پر کمال بے باکی سے یہ دعوی کر بیٹھے کہ:

''وہ جنوبی دروازہ بند نہ کیا گیا، صرف آمد و رفت اس سے موقوف ہو گئی، مسجد شریف میں خاص قبلہ کی دیوار میں خاص محراب کی جگہ وہ دروازہ آخر تک کھلا رہا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی دروازہ پر بالائے منبر خطبہ فرمایا کرتے''

یہاں تک کہ بولے:

''یہ منبر کا رکھا جانا دروازہ پر حضور کے زمانے میں بعد تحویل قبلہ اور شیخین کے زمانے میں برابر جاری رہا''

مولوی صاحب! کوئی ثبوت بھی ہے یا محض اپنے زبانی ادعا سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر افترا۔

"أهل عندكم آثارة من علم أم على رسول الله تفترون"

کیا کسی حدیث کسی اثر کسی روایت میں دکھا سکتے ہو کہ زمانۂ اقدس میں مسجد کریم کی خاص دیوار قبلہ میں خاص محراب کی جگہ کھلا ہوا غیر مسدود دروازہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دروازۂ مسجد پر کھڑے ہو کر خطبہ فرماتے تھے۔ مولوی صاحب افترا یہی نہیں کہ جس بات کا نہ ہونا معلوم ہے اس کا ہونا مانو، بلکہ یہ بھی افترا ہے کہ جس کے ہونے کا ثبوت نہ ہو اپنی طرف سے اس کا دعوی کر دو۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (۱)

وقال تعالیٰ:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ (۲)

خصوصاً بات بھی ایسی خلاف قیاس کہ محراب مسجد میں خاص امام کے سامنے دروازہ۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

(۶۸۵) جب آمد و رفت کی بندش تھی تو دروازہ کس لیے باقی تھا، کیا اللہ و رسول عبث چیز کے روا

---

(۱) [سورۃ البقرۃ: ۸۰] (۲) [سورۃ الاسراء: ۳۶]

دار ہوتے ہیں، وہ بھی مسجد میں؟۔

(۶۸۶) تحویل قبلہ ہجرت شریفہ کے دوسرے سال ہوئی اور منبر اطہر آٹھویں سال بنا، تو آپ کا فرمانا کہ: ''منبر کا رکھا جانا دروازہ پر بعد تحویل قبلہ برابر جاری رہا'' یہ ڈبل افترا ہے۔

(۶۸۷) حدیث صحیح ابی داؤد شریف پر تو وہ لکھا تھا کہ:

''علامت کذب حدیث کی ایک یہ ہے کہ ایک امر حسی میں ایک شخص کا نقل کرنا باوجودے کہ ہزاروں شخص اس موقع پر ہوں''

اب یہ صریح کذب جو آپ بول رہے ہیں، یہ کیا لاکھوں نے نہ دیکھا، یہاں آپ کسی ایک کی بھی نقل نہیں دکھا سکتے کہ پیش روئے اقدس محراب کی جگہ غیر مسدود دروازہ برابر رہا اور صدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں بھی تھا، فقط آمد و رفت منع کرنے کو کوئی تختہ لکھ کر لگا دیا تھا، لاالہ الا اللہ۔

(۶۸۸) مزہ یہ کہ جن عالم مدینہ سید سمہودی قدس سرہ کے کلام سے پیش از تحویل قبلہ جنوبی دروازہ نقل کیا اس میں موجود ہے کہ بعد تحویل قبلہ مسدود فرما دیا گیا:

"لماحرفت سدالباب الذي كان خلفه وفتح هذاالباب حذاء ه أي: في محاذاة المسدود خلف المسجد أي: تجاهه كماقال المجد" (۱)

آپ کہتے ہیں: ''مراد مسدود سے آمد و رفت کا بند ہونا ہے''

مولوی صاحب! مردود، مغلق، مسدود، تینوں کا فرق کسی عربی داں سے پوچھیے، مگر عربی سے نہ پوچھنا کہ وہ خوش مزاج ہوا تو قہقہہ لگائے گا، اور بد مزاج تو......

(۶۸۹) یہ بھی دیکھا کہ سید علامہ نے اس مسدود کرنے پر تفریع کیا فرمائی، عبارت مذکور سے متصل فرمایا:

"فكان المسجد له ثلثة أبواب: باب خلفه، وباب عن يمين المصلى، وباب عن يسارالمصلى"(۲)

یعنی تو مسجد کے تین دروازے ہوئے: ایک پائیں میں، ایک نمازی کے داہنے، ایک بائیں، یہ دروازہ بھی مسدود نہ ہوتا تو چار ہوتے، کیا آپ دکھا سکتے ہیں کہ کسی معتمد نے زمانہ اقدس میں مسجد شریف

---

(۱)[خلاصة الوفاء بأخبار دارالمصطفىٰ: الأول في عمارته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:، ۲/۱۰]

(۲)[خلاصة الوفاء بأخبار دارالمصطفىٰ: الأول في عمارة صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:، ۲/۱۰]

کے چار دروازے بتائے۔

(۶۹۰) اپنی جہالت پر سید کے اس لفظ سے دلیل لائے: "أي هو في جهة القبلة اليوم" اوراس کا مطلب یہ گڑھا کہ:

"یعنی وہ دروازہ جو پہلے مقابل قبلہ تھا، بعد تحویل قبلہ آج کے دن وہ دروازہ جہت قبلہ میں موجود ہے" حالاں کہ کلام سید میں الیوم، جهة القبلة، کی طرف ناظر ہے، یعنی آج جس طرف قبلہ ہے قبل تحویل اس طرف دروازہ تھا۔ دلیل لانا تو مولوی صاحب سے قول ہار گیا ہے۔

(۶۹۱) طرفہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ افترا کرنے کو یہیں کہا ہے کہ:

"قرینہ لفظی حدیث میں موجود ہے نہ" على باب المسجد" بعد "إذا جلس" کے لائے، اگر تعلق "على باب المسجد" کا "يؤذن" کے ساتھ ہوتا تو یوں کہتے: "يؤذن بين يديه على باب المسجد"

عبارت سید میں یہ قرینہ بھی یاد نہ رہا الیوم بعد جهة القبلة کے لائے۔ اگر تعلق الیوم کا خبر محذوف سے ہوتا تو یوں کہتے "وهو اليوم في جهة القبلة" مگر عبدالغفار خاں را حافظہ نباشد

(۶۹۲) انہیں سید کا خود اپنا خلاصہ فرمانا دیکھا ہوتا کہ: "جعل قبلته إلى بيت المقدس وجعل له ثلثة أبواب: باب في مؤخر إلى جهة القبلة اليوم"(۱)

یہاں وہ آپ کا "ھو" کہاں ہے۔

(۶۹۳) ابن زبالہ نے "بطريق ابن جريج عن جعفر بن عمرو" روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد کریم دو بار بنائی، پہلے صد در صد سے کم تھی، جب دوبارہ بنائی "زاد عليه مثله في الدور" چاروں طرف سے اسے بڑھایا۔ جب مسجد شریف میں جانب قبلہ بھی اور زمین بڑھائی گئی تو وہ پرانی دیوار بھی نہ رہی جس میں دروازہ تھا مگر محراب قبلہ میں دروازہ رکھنا مولوی صاحب کی مت میں ایسا ضرور تھا کہ ہٹا کر جو دیوار بنائی اس میں بھی دروازہ (۱) نکال دیا۔ اور کاہے کے لیے اس لیے کہ آمد

۱۔ جب تو کہتے ہیں کہ زمانہ اقدس میں برابر جاری رہا اور زمانہ شیخین میں بھی رہا، شاید عثمان غنی کو اس لیے چھوڑ دیا کہ ان کی محراب قدیم سے کئی گز آگے اب تک موجود ہے، تو وہ دیوار قبلہ ان کے زمانہ میں نہ رہی جس میں دروازہ بتاتے ہیں، اور اس حدیث کی خبر نہیں جو بتا رہی ہے کہ زمانہ اقدس ہی میں وہ دیوار نہ رہی تھی۔ ۱۲ منہ

---

(۱) [خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفىٰ: الأول في عمارته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ۲/۱۰]

ورفت نہ ہو، زہے ملائی۔

(۶۹۴ تا ۶۹۹) اب میں ذرا آپ کے اس قرینہ لفظی کی بے قرینہ لفاظی کی بھی خبر لوں۔ آنکھیں کھول کر دیکھیے علما نے علی باب المسجد کس سے متعلق فرمایا ہے۔

(۱) تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی میں ہے:

"كان إذا جلس عليه الصلاة والسلام على المنبر أذّن بلال على باب المسجد، وكذا على عهد أبي بكر وعمر رضى الله تعالىٰ عنهما"(۱)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب منبر پر تشریف فرما ہوتے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ دروازۂ مسجد پر اذان کہتے اور اسی طرح ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں۔

(۲) کشاف میں ہے:

"وقد كان لرسول الله ﷺ مؤذن واحد، فكان إذا جلس على المنبر أذن على باب المسجد، فإذا نزل أقام للصلاة، ثم كان أبوبكر وعمر رضى الله تعالىٰ عنهما على ذلك"(۲)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مؤذن ایک تھے، جب حضور منبر پر جلوہ فرما ہوتے وہ مؤذن دروازہ مسجد پر اذان دیتے۔ یہی روش صدیق وعمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں تھی۔

(۳) بعینہ اسی طرح تفسیر علامہ نیشاپوری میں ہے۔

(۴) تفسیر خطیب شربینی ہے۔

(۵) پھر فتوحات الٰہیہ میں ہے: "كان له ﷺ مؤذن واحد إذا جلس على المنبر أذن على باب المسجد، فإذا نزل أقام الصلاة، ثم كان أبوبكر وعمر وعلي بالكوفة رضى الله تعالىٰ عنهم على ذلك"(۳)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مؤذن ایک تھے، جب حضور منبر پر جلوہ افروز ہوتے وہ موذن دروازۂ مسجد پر اذان کہتے پھر صدیق وعمر فاروق اور کوفے میں مولیٰ علی کے یہاں یہی طریقہ رہا۔

---

(۱) [تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی: ۵۴۲/۱۰]

(۲) [تفسیر الكشاف: ۵۲۰/٤]

(۳) [تفسیر فتوحات الٰھیه: ٦/٨]

رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

کشف الغمہ امام شعرانی قدس سرہ الربانی میں زمانۂ اقدس وزمانۂ شیخین کی نسبت فرماتے ہیں:

"وكان الأذان على باب المسجد" ان پاک زمانوں میں اذان مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی۔

مولوی صاحب! اب تو آپ کو اپنے افترا کا حال کھلا

ع: آنکھیں تو ملاؤ دم کہاں ہے

(۷۰۰) بین یدیہ کے وہ اپنے ساختہ معنی گڑھ کر ص ۴۱ پر بولے کہ:

"ہر مسلمان جان سکتا ہے کہ جو معنی بین یدیہ کے حضور پر نور نے لیے وہی صحیح ہیں"

ثبوت دو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہاں ارشاد فرمایا ہے کہ "بین یدیہ" کے معنی یہ ہیں، یہ نہیں کہ بے حصر آپ کا فائدہ نہیں جیسا کہ بارہا خصوصاً قسم ۸ میں ظاہر کر دیا گیا۔

(۷۰۱) ہاں ہاں آپ نری جہالت پر کیا اکتفا کریں، آپ نے صراحۃً ادعا کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بین یدیہ کو اسی قرب تنگ میں محصور جانتے تھے، جب تو اس کے معنی وسیع جو آیات قرآنیہ وتصریحات ائمہ لغت وتفسیر سے بیان کیے گئے، انہیں ص ۴۲ پر صاف فرما دیا:

"یہ معنی خلاف ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے"

لیکن ہر مسلمان جانتا ہے کہ جو معنی بین یدیہ کے قرآن عظیم نے لیے وہی صحیح ہیں، اور جو اس کی مخالفت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وائمہ عظام وفقہائے کرام کی طرف نسبت کرے وہ مفتری وکذاب ہے۔

(۷۰۲ تا ۷۲۵) اور سنیے تو جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کریمہ ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ﴾ (۱) اتری، اس وقت حضور نے بین یدیہ کے کیا معنی لیے؟۔

اسی طرح جب (۲) بقرۃ (۳) وطٰہٰ (۴) وانبیا (۵) وحج میں: ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ (۲) اترا۔

اور (۶) مریم میں: ﴿لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا﴾ (۳)

---

(۱) [سورۃ سبا:٤٦]

(۲) [سورۃ البقرۃ:٢٥٥]

(۳) [سورۃ مریم:٦٤]

اور (۷) بقرہ (۸) آل عمران (۹) ومائدہ (۱۰) ملائکہ (۱۱) احقاف میں: ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾(۱)

اور (۱۲) انعام میں: ﴿مُصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾(۲)

اور (۱۳) یونس (۱۴) ویوسف میں: ﴿تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾(۳)

اور (۱۵) سبا میں: ﴿وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾(٤)

اور (۱۶) حم السجدہ میں: ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾(٥)

اور (۱۷) آل عمران (۱۸) اور صف میں: ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰةِ﴾(٦)

اور (۱۹) احقاف میں: ﴿وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ﴾(٧)

اور (۲۰) اعراف۔ اور (۲۱) فرقان۔ اور (۲۲) نمل میں:

﴿بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ﴾(٨)

اور سبا شریف کی اور دو آیتیں نہ سننا کہ عقل ہبا ہو جائے گی۔

ایک (۲۳) ﴿مِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْ﴾(٩)

(الی قوله تعالیٰ) ﴿يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَّحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رّٰسِيٰتٍ﴾(١٠)

دوسری (۲۴) اس سے بھی بڑھ کر جس نے بین یدیہ کو پانسو برس کی راہ تک پھیلا دیا:

﴿أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَى مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾(١١)

آپ کے زعم میں ان چوبیس ۲۴ر آیتوں میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہی قرب تنگ، وہی ڈیڑھ گز والے معنی لیے۔ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر چوبیس ۲۴ر افترا ہوئے۔

---

(١) [سورة الأحقاف:٣٠]

(٢) [سورة الأنعام:٩٢]

(٣) [سورة يوسف:١١١]

(٤) [سورة سبا:]

(٥) [سورة فصلت:٤٢]

(٦) [سورة الصف:٦]

(٧) [سورة الأحقاف:٢١]

(٨) [سورة النمل:٦٣]

(٩) [سورة سبا:٢]

(١٠) [سورة سبا:١٣]

(١١) [أيضاً:٩]

(۷۲۶) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بعثت بين يدى الساعة" (۱)

اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بین یدی کے کیا معنی لیے؟۔ یہ احادیث کثیر و وافر ہیں، مگر چوبیس ۲۴ر آیتوں کے بعد کیا حاجت، اگر آیتیں ہی نافع نہ ہوئیں حدیثیں کیا کام دیں گی، ﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ﴾ (۲)

ثبوت دو کہ حدیث "إذا جلس بين يديک خصمان" (۳)

جو آپ نے پیش کی ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ مراد لیا ہے کہ جب مدعی مدعا علیہ قاضی کے پاؤں سے ڈیڑھ گز فاصلہ پر ڈٹیں، اس وقت کے لیے یہ حکم فرمایا ہے: کہ ایک طرف کی سن کر فیصلہ نہ کرے، اور اگر ایک گز نو گرہ کے فاصلہ پر ہوں تو اس وقت کا حکم اس حدیث میں مذکور نہیں، آپ عقل مند بہت ہیں، ذرا ہمارا کلام سمجھ کر بولنا، دو افترا یہ ہوئے۔

(۷۲۸ تا ۷۵۷) ص ۳۳ ر" اذان ثانی جمعہ مسجد میں قریب خطیب کے زمانۂ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے"

یہ افترا تو گھٹی میں پڑا ہے، اس کی تکرار روز اول سے ہے، اسی آثار المبتدعین میں بھی ۳۰ر جگہ ہے: ایک یہ، اور ص ۳۵ر سہ جا، ۳۶ر چار جا، ۳۸ر سہ جا، ۴۲ و ۴۳ و ۵۰ و ۵۱ و ۵۹۔ یہ ۱۸ر ہوئے مگر ۳۰ر کا پہلا گیارہ افترا ہے کہ گیارہ روایتیں گن کر کہا: "ترجمہ ان گیارہ کا یہ ہے کہ اذان خطبہ مسجد میں قریب خطیب زمانہ حضور پرنور سے ہے"

اور ص ۳۷ر کے پہلے دو دو افترا ہیں کہ وہاں کہا: "ترجمہ ان دو روایتوں کا اذان دی جائے مسجد میں قریب خطیب کے یہی جاری ہے توارث فعل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے"

پھر کہا: "ان دونوں روایتوں میں تصریح کر دی کہ فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذان دلوانا مسجد میں قریب جانتے ہیں۔

(۷۵۸) ص ۳۹ر پر اپنے اس مجموعہ افتراءات وا کاذیب کو فرماتے ہیں:

---

(۱) [نصب الراية لأحاديث الهداية كتاب الجنايات باب ما يوجب القصاص: ٤/٣٤٧]

(۲) [سورة الجاثية: ٦] (۷۲۷)

(۳) [نصب الراية لأحاديث الهداية، كتاب أدب القاضي: ٤/٦١]

''بمرضی حضور پرنور علیہ الصلوۃ والسلام یہ کام کیا گیا''

حاش للہ کہ اللہ و رسول۔ جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ دین میں ایسے فریبوں، دروغوں، افتراؤں، بہتانوں، ہٹ دھرمیوں، بے شرمیوں پر راضی ہوں، یہ صراحۃً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افترا ہے۔ مولوی صاحب ایسے بھرے کہ نماز پڑھتے پڑھتے جھومنے لگے، وعظ کہتے کہتے گھومنے لگے کہ ابھی حضور تشریف لائے تھے، تم نے نہیں دیکھی ابھی سواری آئی تھی۔

نرے بے عقل مان لیتے ہوں گے مگر جن کو اللہ عزوجل نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معرفت عطا فرمائی ہے ان کے سامنے موجب مضحکہ وارسال لاحول ہوتے ہیں۔

(۷۵۹) اسی بڑی بولی افترائی قول پر بنا کر کے یہیں بولتے ہیں:

''مولانا اس فقیر سے آپ کا تنہا مقابلہ نہیں بلکہ آپ کا مقابلہ اللہ جل شانہ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی ہے، ذرا سمجھ کے کام کرنا''

مولوی صاحب! کیا جو حضور رس ہوتے ہیں اتنے بدعقل کودن؟۔ یا ایسے بدمذہب بدظن ہوتے ہیں کہ فقہی، فرعی، ظنی مسئلہ میں اللہ و رسول۔ جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ سے مقابلہ کا حکم لگا دیں۔ بفرض باطل اگر آپ ہی حق پر ہوتے تو آپ تو ترک قرأت مقتدی میں بھی حق پر ہیں، کیا امام شافعی وغیرہ ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا آپ کے گمان میں اللہ و رسول سے مقابلہ ہے۔ جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(۷۶۰) خود یہی مسئلہ لیجیے: فرض کردم کہ مذہب حنفی میں اذان بیرون مسجد نہ ہو، آخر سیدنا امام مالک و جمہور ائمہ مالکیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسجد میں متصل منبر ہونا درکنار سرے سے اس اذان کے روبروئے خطیب ہونے ہی کو بدعت و مکروہ و ممنوع بتاتے ہیں۔ ان کا تو اللہ و رسول سے مقابلہ کیسا آپ کے دھرم میں مقاتلہ ہوگا۔ جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

انہیں خرافات پر یہ غرے ہیں کہ:

''مولانا یاد رکھنا قسم ہے عشق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی، قلم اٹھانا بھول جاؤ گے''

آپ ذرا ہم طلبہ ہی سے آنکھ ملایئے، ایسا قلم اٹھانا ہم بھول گئے کہ ہزار در ہزار قاہر وار آپ پر سوار ہوتے چلے جاتے ہیں، اور آپ ایک کا جواب نہیں دے سکتے،

حلفت فَجارِ لتُنسینّی حبّھا   حنثت بِیمینكِ یافَجارِ فكفّرِی

قسم (۲۰) اللہ عزوجل پر سات افترا اور قرآن عظیم کے معنی طرح طرح معاذ اللہ مہمل کر دینا (انعام نامقدار)

(۷۶۱) ابھی گزرا، اللہ جل شانہ سے مقابلہ ہے۔

(۷۶۲ تا ۷۶۴) اعراف وفرقان ونمل کی تینوں آیتیں: ﴿یُرۡسِلِ الرِّیٰحَ بُشۡرًا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِہٖ﴾(۱) اور ﴿یرسل الریح﴾ اور ﴿ومن یرسل﴾ تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ ان میں رحمت سے مراد مینھ ہے۔ آپ کی قیاس سمجھنے والے بے تمیزی کہ نمبر ۶۷۰ میں گزری (۱) اسے صفت الٰہی سمجھی اور جھٹ اس پر آیہ ﴿وَرَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ﴾(۲) پڑھ دی۔

کیوں مولوی صاحب! ہوائیں مینھ کے آگے چلتی ہیں یا صفت الٰہی کے آگے؟۔ ہوائیں مقدم ہوتی ہیں اور صفت الٰہی مؤخر؟۔ آدمیان گم شدند۔

(۷۶۵) جب آپ کے دھرم میں صفت رحمت ہواؤں سے پیچھے ہے تو صفت رحمت جمیع امکنہ کو کیسے شامل ہوئی، پیچھے کی چیز آگے نہیں ہوتی۔

(۷۶۶ تا ۷۶۸) ان تینوں آیتوں کا مطلب تعمیم زمانہ (۲) ٹھہرایا، یعنی ہواؤں کو کہا جائے گا کہ

۱۔ ظاہر ہے کہ تینوں آیتوں میں وہ الفاظ کریمہ مشترک ہیں اور سب میں ان کا مطلب ایک ہے اگرچہ فتوائے مبارکہ میں صرف آیت اولیٰ تلاوت کی۔ ۱۲ منہ

(۲) کریمہ ﴿یعلم مابین أیدیھم وماخلفھم﴾[سورۃ البقرۃ: ۲۵۵] پر اعتراض میں گیارہ جہالتیں ظاہر کیں جن کا مفصل رد ''سیف القہار'' سے لیجیے اور بعض اس رسالہ میں بھی مذکور، ان میں ایک غلطی یہ تھی کہ ''تعمیم زمانہ سے تعمیم مکان لازم نہیں'' اس اعتراض کا حاصل شاید یہ لیا ہوگا کہ علم الٰہی سب زمانوں کو شامل ہے، اس سے لازم نہیں کہ سب مکانوں کو بھی شامل ہو کہ اس اعتراض کا دو اعتراض سابق سے کہ ''دعوی ظرف مکان اور سند ظرف زمان، امکنہ کو ازمنہ پر قیاس'' جدا ہونا یونہی ہوگا، خیر وہاں بول کر ان آیات رحمت پر اعتراض میں کہا: ''وہ گیارہ غلطیاں ساتھ ہیں، یعنی ان آیتوں میں بھی زمانہ کی تعمیم ہے نہ مکان کی۔ ۱۲ منہ

---

(۱) [سورۃ النمل:۶۳] (۲) [سورۃ الأعراف:۱۵۶]

پانی کی خوش خبری دیتی چلیں اگرچہ ان کے بعد تمام دنیا خشکی سے ہلاک ہو جائے، اور دس کروڑ برس بعد پانی برسے بشارت ہوگئی کہ آیتوں میں زمانہ عام ہے، یہ صراحۃً معنی قرآن عظیم کی تبدیل ہے۔

(۷۶۹) یہ تو جو کچھ ہے مگر عذاب شدید کی آیت نے مولوی صاحب کو بہت دست پاچہ کیا۔ اللہ عزوجل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کریمہ بین یدی قیامت بتاتا ہے:

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ﴾ حالاں کہ ساڑھے تیرہ سو برس گزرنے آئے اور ہنوز وقت باقی ہے، تو بین یدی تمہاری تنگیوں میں کیوں کر گھرا۔

مولوی صاحب اس کے جواب میں سراسیمہ ہو کر آیت کریمہ کے ساتھ کیا کیا بازیاں کرتے ہیں، ص ۴۵ ر پر پہلے فرمایا:

''اگر بین یدی یہاں زائد ہو تو کیا سند ہوئی'' إنا لله و إنا إليه راجعون،

مولوی صاحب! بین یدی اڑا کر معنی کیا ہوئے اور ترکیب کیا۔ اس سے تو یوں کہا ہوتا کہ بین یدی میں سے یَن یَدَیْ زائد ہے تا کہ ب رہ جائے کہ نذیر سے متعلق ہو۔

(۷۷۰) اور سنیے تو! فقہا کے قول: "أذن ثانياً بين يديه" میں اگر بین یدی زائد ہو تو کیا سند ہوئی۔

(۷۷۱) پھر فرمایا: "بين يدى عذاب شديد" مجموعہ سے قیامت مراد ہو تو آپ کو کیا نافع'' جی بین تو ظرف ہے قائم مقام قیامت نہ ہوگا۔ یہ کہیے کہ ماھو موصول و مبتدا دونوں مقدر ہیں، اور مجموعہ سے مراد قیامت، پھر اس پر بھی معنی کیا ہوئے اور ترکیب کیا۔

مسلمانو یہ کھیل کھیلے جاتے ہیں آیات سے جب ان کا جواب نہیں بنتا۔

(۷۷۲) اور سنیے تو! فقہا کے قول مذکور میں بين يديه مجموع سے خطیب (۱) یا منبر مراد ہو تو آپ کو کیا نافع، منبر و خطیب کا باہم بین یدی ہونا مفہوم ہوا نہ کہ اذان کا۔ رہی ترکیب وہ وہاں بھی غلط تھی یہاں بھی سہی، کچھ سمجھے۔

---

(۱)۔ یعنی "بين يدى الخطيب" کہا تو منبر مراد ہو۔ اور "بين يدى المنبر" کہا تو خطیب۔ ظاہر ہے کہ منبر کے دونوں بازوؤں کے بیچ میں خطیب ہے، اور خطیب کے قدم سے ڈیڑھ گز تک بین یدی آپ لیتے تھے، یہ تو خاص متصل قدم ہے۔ ۱۲

(۳۷۷۳تا۳۷۷۷)ص۵۲/میں آیۂ کریمہ ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ﴾ کو کہا:

''یہ نص قطعی ہے اس بارے میں کہ اذان بھی اللہ جل شانہ کا ذکر ہے مساجد میں''

مولوی صاحب! آیت تو یہ فرماتی ہے کہ اس سے زیادہ ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نام الٰہی لیے جانے سے، جس کا ترجمہ آپ نے اپنی لیاقت سے یہ کیا ہے کہ:

''اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے کہ اللہ کی مساجد میں اللہ جل شانہ کے نام لینے کو منع کرے''۔

اولاً: یہ ''کون ہوسکتا ہے'' کا ہے کا ترجمہ ہے۔

ثانیاً: مساجد کو ذکر سے روک دینے اور مساجد میں ذکر کو منع کرنے میں آپ کو فرق نہیں۔

ثالثاً: امام عینی بنایہ میں تصریح فرماتے ہیں: کہ اذان ذکر خالص نہیں اور اس کے لیے بحر الرائق بلکہ وہ صلاۃ مسعودی بھی دیکھیے جس پر آپ نے افترائی عبارت گڑھی۔

رابعاً: آپ خود مان چکے ہیں کہ اذان اعلام غائبین ہے، اور اعلام غائبین بے آواز بلند ناممکن تو مسجد میں اذان سے منع ذکر سے منع نہیں، بلکہ رفع صوت بذکر سے منع ہے۔اور اس کی ممانعت درمختار وملتقط وبزازیہ وغیرہ میں مصرح، کیا یہ سب اکابر بھی آپ کے نزدیک اسی وعید شدید میں داخل ہیں کہ ان سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے۔

خامساً: سب جانے دیجیے وہ آیت پر اپنی افترائی جھلک لیجیے کہ

''آیت اس بارے میں کہ اذان مسجد میں ذکر الٰہی ہے، نص قطعی ہے''

قطعی ہونا بالائے طاق آپ کے کون سے حرف کو اس پر دلالت ہے کہ اذان مسجد میں ذکر الٰہی ہے؟۔آپ نے اس میں اپنی گلی رکھ لی ہے، مگر عوام جو اس سے سمجھیں گے کہ آہا مولوی صاحب نے آیت دکھادی جس میں صاف ارشاد ہے کہ اذان مسجد میں ہو۔ان کی اس افترائی سمجھ کا وبال کس پر ہوگا؟۔ فافهم

تنبیہ: ہم نے گزارش کی تھی کہ انعام بلحاظ اہمیت مقرر کریں گے، یہ دونوں قسم افترا علی الرسول وافترا علی اللہ۔جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔اس درجہ سخت ہیں کہ نہ ان کا وبال شدید محدود ومحصور، نہ ان کے رفع کا انعام ہمیں مقدور۔مولوی صاحب کو اپنی دیانت اپنی دینداری بنی رکھنی ہے تو ان قسموں کو اٹھائیں۔یا اپنی قبر اپنا حشر سنبھالنا ہے تو توبہ فرمائیں۔وباللہ التوفیق۔

قسم (۲۱) خود اپنے اوپر چوالیس افترا۔ بکف چراغی کی انتہا

(انعام ۱۱؍روپے)

(۷۷۸تا۸۲۱) مسلمانو! اس کمال حیاداری کو دیکھنا کہ آخر آثار المبتدعین میں فرماتے ہیں:

''اس تحریر میں ہم نے ردان اعتراضوں کا بھی کر دیا ہے جن کا نام مولانا نے سوالات قاہر رکھا وہ چون ہیں''

مسلمانو! یہ ''اذان من اللہ'' بھی موجود ہے اور یہ طومار دروغ ''آثار المبتدعین'' بھی۔ اذان من اللہ نے سلسلہ سوالات دس سوال سائل سے رکھا اور پانچ سوال عالمانہ حضرت مفتی علامہ کے۔ پھر مولوی صاحب پر اپنی طرف سے رد قاہر کے انتالیس ۳۹؍سوال۔

خدا لگتی کہنا آثار المبتدعین میں کہیں ان قاہرات کی طرف رخ بھی کیا ہے، رد کر دینے کی کیا ہستی ہے۔ رہے پہلے ۱۵؍، تو ص ۵۸؍ پر دس سوال سابق کی نسبت خود اقرار ہے کہ:

''ہم نے فقط چھ ۶؍سوالوں کا جواب دیا ہے''

اور مفتی علامہ کا پنجہ ان میں چار پر۔ ص ۵۹؍ میں وہ مہمل ریز کی کہ جاہل سا جاہل نہ کرے گا جس کا بیان ''سیف القہار'' میں ہے۔ اور بعونہ تعالیٰ کچھ یہاں بھی آئے گا، اور پندرھواں صاف کھا گئے اس کا ذکر بھی منہ پر نہ لائے، تو ۱۵؍ میں سے ۵؍ یہ بچے، اور ۳۹؍ وہ، جملہ چوالیس ۴۴؍ جھوٹ اُگلے۔ مولوی صاحب! بولیے (گیارہ روپے انعام فی سوال چونی)۔

(۸۲۲) اور اس کی پردہ داری تو دیکھیے کتنی معقول ہے کہ:

''جواب ضمن تحقیقات مسئلہ میں دیا ہے نہ اس طرح پر کہ بچے دیتے ہیں کہ پہلے اعتراض کا جواب ہوا، دوسرے کا ہوا''

یہ اس لیے کہ مسلمان پوچھیں گے کہ حضرت ان قاہر اعتراضوں کے جواب کس کھو میں ہیں، تو پیش بندی کر لی کہ ہم کہیں بچوں کی طرح تو نہیں دیتے، بوڑھوں کی طرح دینے کو تم کیا سمجھے، ہم نے حرفوں کی ٹٹی میں چھپا کر اوپر سے سطروں کی باڑ چن دی ہے کہ کسی کو سوجھیں نہیں۔ اف رے مکر:

مکار رہو عیار رہو جو آج ہو تم ہو
بندے ہو مگر خوف خدا کا نہیں رکھتے

(۸۲۳) اور سنیے تو! یہ جو اکابر ائمہ نے سوالوں اعتراضوں کے جواب نمبر وار دیے ہیں۔

مصنفین کو جانے دیجیے، حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے معترض کے اعتراضات سن کر ایک اعتراض ذکر کیا اور جواب دیا، پھر دوسرا ذکر فرمایا: اور جواب دیا، پھر تیسرا اور جواب دیا۔" رواہ الامام البخاری"

یہ آپ کے نزدیک طفلانہ حرکت ہوگئی؟۔خدا حیا دے، اوراس کا زیادہ تر آپ کی قسمِ گستاخی میں آتا ہے۔ انشاء الله تعالیٰ

بات یہ ہے کہ سوال ہی وہ قاہر تھے، جن کا نام لیے کلیجے دہلے بلکہ آپ کی تحریروں سے جو آپ کا مبلغ علم کھلا وہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ ہرگز ہرگز آپ سوالات سمجھے بھی نہ ہوں گے جواب کون دے، لہٰذا جان بچائی کہ جان بچانی فرض تھی، اور عوام کو یوں چال دکھائی کہ سوالوں کی آفت سر پر قرض تھی۔

مولوی صاحب، مولوی صاحب، ہاں ہاں عبدالغفار خاں صاحب! اب سوالوں کا ہولا نہ کھائیں ،دھوکا ہوا کہ آپ کو ذی علم سمجھ کر آپ سے مخاطبہ کیا، اب حال کھل گیا، توبہ ہے کہ آپ سے کوئی علمی سوالوں کا نام بھی لے:

توبہ ہے کہ اب عشق بتوں کا نہ کریں گے　　وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا نہ کریں گے

قسم (۲۲)　خود اپنے خصم پر تینتالیس ۴۳/افترا

(انعام ۱۲ اروپے)

اس قسم کے گیارہ افترا اوپر ذکر کیے گئے، باقی اور سنیے!

(۸۲۴) قسم ۲۰/نمبر ۷۶۶/میں سن چکے کہ آیہ ﴿بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ﴾ (۱) پر بھی جناب نے وہی تعمیم زمان ومکان والی ریز کی جو آیہ کریمہ ﴿يَعْلَمُ مَابَيْنَ أَيْدِيهِمْ﴾ (۲) پر کی تھی، یعنی یہ آیت بھی ان کے خصم نے ثبوت تعمیم میں پیش کی، یہ جیتا افترا ہے۔

فتوائے مبارکہ میں ﴿يَعْلَمُ مَابَيْنَ أَيْدِيهِمْ﴾ (۳) اور ﴿لَهُ مَابَيْنَ أَيْدِينَا﴾ (٤) دو آیتیں اثبات عموم بین یدیہ، اور ﴿بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ﴾ (٥) اور ﴿بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٌ شَدِيدٌ﴾ (٦) دو آیتیں خصوص معنی قرب کے لیے تلاوت فرمائی تھیں۔ارشاد ہوا تھا:

---

(١) [سورۃ النمل: ٦٣]　(٢) [سورۃ البقرۃ: ٢٥٥]　(٣) [سورۃ البقرۃ: ٢٥٥]

(٤) [سورۃ مریم: ٦٤]　(٥) [النمل: ٦٣]　(٦) [السباء: ٤٦]

''ہاں ایسی جگہ عرفاً بنظر قرائن حالیہ ایک نوع قرب ہر شی کے لائق مستفاد ہوتا ہے، نہ اتصال حقیقی کہ خواہی نخواہی وقوع فی المسجد پر دلیل ہو،

قال اللہ تعالیٰ: ﴿هُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ﴾(۱) میں ''بین یدی'' نے قرب مطر کی طرف اشعار فرمایا، مگر یہ نہیں کہ ہوائیں چلتے ہی معاً پانی اترے، بلکہ چلیں اور بادل اٹھے اور بوجھل پڑے اور کسی شہر کو چلے وہاں پہنچ کر برسے الخ مختصراً''

ہاں تعمیم زمانہ آپ نے لی کہ اسی نمبر میں مذکور ہوئی ''رمتني بدائها وانسلت''

(۸۲۵) مولوی صاحب نے اپنی آثار المبتدعین کے حاشیہ پر جابجا فتوائے مبارکہ کی عبارات نقل کی ہیں مگر اس تمام کو ہضم کر لیا کہ اپنا فریب نہ کھلے۔ خود کلام خصم میں قطع و برید۔

(۸۲۶) اسی ص ۴۵ رمیں ﴿بَيْنَ يَدَىْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ﴾(۲) پر بولے:

''یہ حدیث آپ کی نظر سے نہیں گزری: ((بعثت أنا والساعة كها تين))

مفسرین کا کلام دیکھا ہوتا تو یہ آیت سند میں نہ لاتے''

یہ اسی افترا علی خصمہ پر مبنی ہے کہ فتوائے مبارکہ میں یہ آیت بغرض تعمیم تھی جس پر آپ حدیث سناتے ہیں کہ دیکھو قرب کے لیے ہے، حالاں کہ فتوائے مبارکہ میں بعد عبارت مذکورہ ہے: ''وقال تعالیٰ: ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٌ شَدِيدٌ﴾(۳)

آیت نے قرب قیامت کا اشارہ فرمایا نہ یہ کہ بعثت کے برابر ہی قیامت ہے، اس کا قرب اس کے لائق ہے الخ''۔

(۸۲۷) یہ عبارت بھی اڑا گئے، یہ مولوی صاحب کی سترہویں قطع و برید ہوئی۔

(۸۲۸ تا ۸۵۷) آثار المبتدعین کے صفحات میں اپنے خصم پر تیس افترا اور ہیں جن میں اکثر کا صریح کذب قبیح، دروغ نرا بہتان شدید ہذیان ہونا۔ تقریرات گزشتہ سے آفتاب کی طرح ہر ذی انصاف مسلمان پر ظاہر اور بعض باقی کی تفضیح بعونہ تعالیٰ عنقریب آتی ہے۔ لہٰذا صرف ان کے شمار پر اکتفا کریں۔

(۱) ص ۲: ''مولانا نے تمام سلف وخلف کی مخالفت کی۔

(۲) ص ۱۹: ''جناب مولانا صاحب نے معنی بین یدیہ کے خود گھڑے نہ لغوی ہیں نہ اصطلاح فقہا۔

---

(۱)[سورۃ النمل:۶۳] (۲)[السباء:۴٦]

(۳)[سورۃ سبا:۴٦]

(۳) ص ۳۹: ''مقابلہ اللہ جل شانہ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے۔

(۴) ایضاً: اپنی طرف سے معنٰی بنالیے۔

(۵) ایضاً: فتح القدیر کی عبارت بلا سمجھے غلط نقل کردی۔

(۶) ص ۴۰: اذان خطبہ کا وہی حکم ہے جو اذان پنج وقتہ کا، اس میں مولانا نے بالکل اجتہاد کو دخل دیا ہے، دیانت فقیہ سے قطع نظر کرلی ہے۔

(۷) ایضاً ص ۴۰: گڑھنا معنی بین یدیہ کا، یہ معنی نہ لغوی ہیں نہ عرف خاص نہ عرف عام۔

(۸) ص ۴۲: ورثائے آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ بدگمانی کہ ایک عالم کو ضلالت میں دیکھا اور آنکھیں بند کریں۔

(۹) ص ۴۷: یہی گمان آپ کا علمائے ربانیین پر ہے، اپنے آپ کو متبع سنت بتانا اور ایک عالم کو جن میں سلف و خلف داخل ہیں جاہل پیر و بدعتی قرار دینا۔

(۱۰) ص ۵۴: قیاس محل اذان کو وضو کی نالی پر۔

(۱۱) ایضاً: اذان کو غسالہ پر۔

(۱۲) ایضاً: رینٹ تھوک پر۔

(۱۳) ایضاً: مستقذرات پر۔

(۱۴) ایضاً: نجس اشیا پر۔

(۱۵) ایضاً: اذان کو مثل ان اشیا کے سمجھنا۔

(۱۶) ایضاً: جرأت کہ اذان کو مسلمان پلید چیزوں کی طرح بتاوے۔

(۱۶) ص ۵۶: اپنے خیالات باطلہ کو مقابلہ میں روایات فقہیہ کے لانا۔

(۱۸) ایضاً: اپنی تاویلات فاسدہ کو ترجیح دینا روایت فقہیہ پر۔

(۱۹) ایضاً: اپنے زعم فاسد کو حق جاننا اور روایات فقہیہ کو باطل۔

(۲۰) ایضاً: باوجود متنبہ کرنے اہل علم کے متنبہ نہ ہونا۔

(۲۱) ایضاً: اصرار اور ہٹ دھرمی۔

(۲۲) ص ۵۷: یہ سمجھ لینا کہ یہ معنی من گڑھت مدعی ہیں خارج مسجد کو۔

(۲۳) ایضاً: بلاقرینہ مجاز اختیار کرنا۔

(۲۴) ص ۵۹: ہم نے روایات سے بعبارات راجحہ جواب نکالا ہے، مولانا نے باشارات بعیدہ

مرجوحہ۔

(۲۵) ایضاً: ہم نے صریح اختیار کیا مولانا نے محتمل بعید از قیاس۔

(۲۶) ایضاً: غیر مذہب والوں کی طرف رجوع کیا۔

(۲۷) ایضاً: لامذہبی اختیار کی۔

(۲۸) ایضاً: تمام سلف وخلف کا خلاف کیا۔

(۲۹) ایضاً: سبیل مؤمنین کے خلاف کیا۔

(۳۰) ایضاً: ایک بدعت کے موجد ہوئے۔

(۸۵۸تا۸۸۳) عرب کی مثل ہے: "رمتنی بدائها وانسلت" اپنا عیب مجھے لگا کر سٹک گئی۔ ہندی میں بھی اس معنی پر ایک مثل ہے، مولوی صاحب کی ناگواری کے خیال سے نہ لکھی، ورنہ وہ تو ہندی ہی مثل جانتے مانتے ہیں، جیسے ص ۵۴/ پر اونٹ والی بولے۔ ص ۵۳/ پر جاٹ والی لائے۔ مولوی صاحب کے ان مطاعن میں علاوہ اس کے کہ وہ سب کذب و دروغ، جھوٹ بہتان ہیں اکثر جگہ آئینہ میں اپنا ہی منہ نظر آیا ہے۔ اپنے عیب اپنے خصم کو لگا کر سٹک گئے ہیں، اور ایسا بہتان کمال شوخ چشمی اور ڈبل کبیرہ ہوتا ہے۔

رب عزوجل فرماتا ہے: ﴿وَمَن يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْماً ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئاً فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَاناً وَإِثْماً مُّبِيناً﴾ (۱)

جو آپ کوئی خطا یا گناہ کرے پھر کسی ناکردہ پر دھرے اس نے بے شک بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر اٹھایا۔

مولوی صاحب کے تیس مطاعن میں (۲، ۴، ۵، ۷، ۱۷ تا ۲۱/) یہ نو تو ان میں بداہۃً موجود ہیں کہ (۲، ۴، ۷) انہی نے بین یدیہ کے وہ ڈیڑھ گز والے دروازہ سے باہر قدم نہ رکھنے والے معنی گڑھے اور لغت وفقہ وحدیث وقرآن عظیم سب پر پانی پھیرا جس کی جلیل تشریحیں ہو چکیں۔

(۵) عبارت فتح القدیر جیسی دن دہاڑے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غلط بے سمجھے نقل کی اس پر ایک سیکڑے کے اشتہاری ہیں۔

(۱۷، ۱۸، ۱۹) حکم فقہ کہ مسجد میں اذان منع ہے، مکروہ ہے، اس پر کس کس طرح اپنے خیالات

---

(۱) [النساء:۱۱۲]

باطلہ کو ترجیح دی۔

(۲۰) صدہا تنبیہوں پر متنبہ نہ ہونا۔

(۲۱) اصرار ہٹ دھرمی کی کیا گنتی۔

(۶) یونہی روایات فقہیہ سے قطع نظر بھی عالم آشکار رہا،

اجتہاد اور (۲۷) لامذہبی۔ اس کا بیان بعونہ تعالیٰ عنقریب ان کی قسم بد مذہبی وگمراہی میں آتا ہے۔

(۱۰ تا ۱۶) قیامت کے جوراگ گائے ان کا حال بعون ذی الجلال مولوی صاحب کی قسم گستاخی میں دیکھیے گا کہ انہوں نے کیسے کیسے ناپاک قیاسوں کے ظلم جوتے ہیں۔

(۲۶) غیر مذہب کی طرف رجوع کی حالت ''اذان من اللہ حصہ دوم'' نے کھول دی کہ ابن حجر عسقلانی شافعی کی محض ایک اپنے خیال کے باعث تصریحات فقہ حنفی کو پیٹھ دے گئے اور اس آثار المبتدعین میں اس سے بھی بڑھ کر اس کے جلوے ہیں جن کا بیان بحولہ تعالیٰ ان کی قسم جہالات میں آتا ہے۔

(۲۴ و ۲۵) مفتی علامہ نے آخر فتوی میں اشارت وعبارت ومحتمل وصریح کا فرق ''عنـد وعلی ''ہی کے لیے پوچھا تھا، اور وقایہ وفیصلہ حق نما وسلامۃ اللہ لاہل السنہ نے کتنا کتنا واضح کر دیا کہ وہ حکایت ہے نہ حکم، اور پھر بھی مورد گوناگوں احتمالات بخلاف اس حکم صریح بعبارۃ النص کے کہ مسجد میں اذان نہ ہو۔ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔ پھر بھی اسی ''عند وعلی'' کا دامن پکڑا اور اپنا عیب اپنے خصم کے سر دھرا۔

(۳) پھر جو منصف ایمانی نگاہ سے ہمارا یہ رسالہ دیکھے گا جان لے گا کہ مولوی صاحب نے اللہ عزوجل پر افترا کیے، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بہتان اٹھائے، قرآن عظیم کی آیتوں سے کھیل کھیلے، اس میں ضرور انھوں نے اللہ جل شانہ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لڑائی ٹھانی۔

(۱، ۱۸، ۲۹) جھوٹی عبارتیں دل سے گڑھ لیں، جھوٹے ترجمے جی سے تراش لیے، سچی عبارتیں غلط بتادیں، قطع وبرید کیں، تحریفیں فرمادیں۔ کیا یہ اور وہ کہ اللہ ورسول وقرآن کے ساتھ کیا سلف وخلف کا طریقہ ہے؟۔ ان میں ضرور انھوں نے تمام سلف وخلف کی مخالفت کی، سبیل مؤمنین کا خلاف کیا۔

(۳۰) بت کی طرف سجدہ حلال کرلیا۔ اسے مولوی صاحب سمجھ لیں کہ وہ اس میں بدعت کے موجد ہوئے یا شرک ایجاد کیا؟۔ یہ تیس میں چھبیس ۲۶/ ان کے اپنے کوتک خبیث "رمتنـی بـدائهـا وانسلت"

(۸۸۴ و ۸۸۵) ابھی جو " عـنـد وعلی " کی نسبت گزارش ہوا رسائل میں اس پر متعدد تنبیہوں

کے بعد پھر عبارات وصرائح کے مقابل ان پر اصرار کیسا عناد ہے۔

(۸۸۶) سوال مفتی علامہ میں عبارت واشارت کا فرق بھی پوچھا تھا، اس سے گولی بچا گئے کہ اپنا بھانڈا نہ پھوٹے، یہ کیسی عیاری ہے۔

(۸۸۷) پھر جواب نہ دینا اور ص ۵۹ ر پر کہنا کہ ''یہ گیارھویں سوال کا جواب ہے'' کیسا کذب ہے۔ غرض ع: اے تو مجموعۂ خوبی زکدامت گویم

تنبیہ: یوں تو انھوں نے اپنے خصم پر یہ ۴۳ ر افترا کیے۔

(پونے گیارہ روپے انعام فی افترا چونی)

مگر یہ یادر ہے کہ یہاں انھوں نے ایک بات کو کتنی باتیں بنالیا ہے جس کا بیان قسم ۶ ر میں گزرا، لہذا مکرر پر انعام مکرر نہ ہوگا۔ اور اس گستاخی کو تو دیکھیے کہ اپنے اوپر تو چوالیس افترا اور اپنے خصم پر تینتالیس۔ خصم کا حصہ اپنے سے ایک کم رکھا۔ خیر:

ع: آں چہ زدوست می رسد نیکوست

قسم (۲۳) حضرت شیخ مجدد الف ثانی پر مولوی صاحب کی چوٹ

(انعام ۳ ر روپے)

(۸۸۸) مکتوبات جلد دوم مکتوب ۵۴ ر میں ہے: ''عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است وبظلمات بدعت آرام گرفتہ کرا مجال کہ دم از رفع بدعت وباحیائے سنت لب کشاید''

اس پر مولوی صاحب ص ۴۷ ر میں یوں نکھرتے ہیں

''سبحان اللہ کیا سمجھ ہے، کیسا تجدد ہے، یہی گمان آپ کا علمائے ربانیین پر ہے، اپنے آپ کو عالم متبع سنت بنانا اور ایک عالم کو جن میں سلف وخلف داخل ہیں جاہل پیرو بدعت قرار دینا''۔

ع: ایں کار از تو آید ومرداں چنیں کنند

(۸۸۹) اپنے ناقص تعامل کو سلف سے جاننے کا بھی ڈھوکا حضرت مجدد نے وہیں اٹھادیا، اس کے متصل فرماتے ہیں:

''علمائے ایں وقت رواج دہندہائے بدعت اند ومحو کنندہائے سنت، بدعتہائے پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ بجوز بلکہ باستحسان آن فتوی می دہند ومردم را بہ بدعت دلالت می نمایند ونمی دانند کہ تعامل دلیل استحسان نیست، تعاملے کہ معتبر ست ہماں ست کہ از صدر اول آمدہ است یا باجماع جمیع ومروج حاصل گشتہ''

اس پر مولوی صاحب ص۲۴۲ر پر یوں بکھرتے ہیں:

''علما پر یہ بدگمانی کہ انھوں نے ایک عالم کو بدعت وضلالت میں مبتلا دیکھا اور آنکھیں بند کرلیں، حضور نے ((کل بدعة ضلالة))(۱)

فرمایا: اور فرمایا میری امت ضلالت پر جمع نہیں ہوگی، جمع ہونا امت مرحومہ کا ضلالت پر لازم آگیا۔ جناب اس قول سے توبہ کرو، تکذیب مخبر صادق کی لازم آتی ہے، اس کا انجام براہے''۔

(۸۹۰) حضرت شیخ مجدد نے وہیں اس ادعائے اجتماع امت کی بھی قلعی کھول دی۔ فرمایا:

''شک نیست کہ علم بہ تعامل کافہ انام وعمل جمیع قری وبلدان از حیطۂ بشر خارج ست''

اس پر مولوی صاحب بگڑے کہ واہ آپ ایسے ہی کہتے ہیں، ہمارے علم کی آپ کو کیا خبر،

وہ دیکھیے ص ار کی تار برقی ''کہ تعامل اہل اسلام کا تمامی دیار وامصار میں ہے''

وہ دیکھیے دوسرا تفصیلی ٹیلیگرام ص ۱۴۱ر ''تمام عالم میں، عرب وعجم، ہند، افغانستان، خراسان، افریقہ، تمام دیار وامصار اہل اسلام میں ہے''

اور حالت یہ کہ خیر سے ہندوستان کی بھی خبر نہیں جس کا بیان ''نفی العار'' نے کردیا جبھی تو حضرت شیخ مجدد نے ''رواج دہندہائے بدعت ومحوکنندہائے سنت'' خطاب دیا۔

قسم (۲۴) اپنے استاد و پیر حضرت مولانا محمد ارشاد حسین سے کٹی چھنی

(انعام ۴ر روپے)

(۸۹۱تا۸۹۴) مولوی صاحب تحریر دوم سوم اور اس چوتھی ''آثار المبتدعین'' سب میں ابن اسحاق کے ''رمی بالقدر'' ہونے پر کیا کیا بکھرے۔ ''رمی بالتشیع'' پر کیا کیا ماتم کیے۔ حالاں کہ یہ مرتبہ خامسہ ہے، اور اس مرتبہ کی حدیث مردود نہیں، ایسی صدہا حدیثیں صحیحین میں ہیں، یہ تو آپ کی دو جہالتیں ہوئیں۔

اور ان دونوں کے رد میں حضرت مولانا ارشاد حسین علیہ الرحمہ کا ''انتصار الحق ص ۱۰ر'' میں یہ ارشاد ہے:

''حدیث مرتبۂ خامسہ کی مطلقاً متروک نہیں ہے، کما فی التقریب: الخامسة من قصر

---

(۱) [سنن ابن ماجة : باب اتباع سنة الخلفاء، ۱/۱۵]

عن الرابعة قليلاً وإليه الإشارة بصدوق سيء الحفظ وصدوق، أوله أوهام أويخطي أو تغيرباً خره ، ويلحق بذلك من رمي بنوع من البدعة كالتشيع والقدر والنصب والارجاء والتجهم ، انتهى

وقال في نخبة الفكر وشرحه: قيل: يقبل مالم يكن داعياً إلى البدعة وهذا أصح ، وقال ابن الصلاح: هذا أعدل المذاهب وأولاها وهو قول الأكثر من العلما"

نیز ۲۵ر پر فرمایا: ''یہ موجب ضعف کا نہیں (الی قولہ) مرتبۂ سادسہ تک کی ضعیف نہیں ہوتی تو مرتبۂ خامسہ کی کیوں کر ضعیف ہوگی''

کیوں مولوی صاحب! تم سچے یا تمہارے استاد و مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ؟۔

(۸۹۵) انتصار میں ص ۳۹۵ ر پر فرمایا: ''بلاشبہ بقول صاحب تقریب ان کو نسبت صرف تشیع کے کیا ہے لیکن نسبت تشیع سے حدیث ان کی ضعیف نہیں، اس لیے کہ تشیع سے جب روایت متروک ہوتی ہے کہ داعیہ ہو طرف بدعت کے یا مقویہ ہو اس کی''

یہاں تشیع ثابت ہونے پر بھی یہ حکم دیا۔

(۸۹۶) یہ بھی یادر ہے کہ مولانا ارشاد حسین صاحب نے ''رمی بالتشیع'' کا ترجمہ یہ فرمایا: ''ان کو نسبت طرف تشیع کے کیا ہے'' اب وہ آپ کو تحریر سوم میں اپنا جاہلانہ ترجمہ یاد ہو کہ ''چھوڑا گیا بوجہ شیعہ ہونے کے''۔

(۸۹۷و۸۹۸) تقریب میں امام ابن اسحاق کی نسبت ''رمی بالتشیع والقدر'' ہے اور اس قول اور ''شیعی قدری'' کہنے کا فرق اہل علم پر مخفی نہیں، نفی العار میں اس پر تنبیہ بھی کر دی ہے، تو ص ۴۸ر پر جو مولوی صاحب شیعی قدری فرما رہے ہیں دونوں جہالتیں ہیں۔ طرفہ یہ کہ وہیں عبارت تقریب نقل بھی کر دی کہ "رمی بالتشیع والقدر"(۱)

تا کہ بکف چراغی نہ چھوٹے۔

(۸۹۹تا۹۰۱) تدلیس وعنعنہ ابن اسحٰق پر بھی دوم سوم اور اس چوتھی آثار المبتدعین میں بہت زمین کاٹی۔ یہ اول تو عناد ہے، کتنی بار اس کی خدمت گزاری ہو چکی اور کھول کر دکھا دیا کہ ہمارے امام اعظم و امام ابو یوسف و امام محمد و جملہ ائمہ حنفیہ و جمہور ائمہ مالکیہ و حنبلیہ بلکہ دو سو برس تک صحابہ و تابعین رضی اللہ

---

(۱) [الطبقات الکبریٰ لابن سعد مقدمة: ۷۵/۱]

تعالیٰ عنہم اجمعین کا مذہب قبول مرسل ہے۔ عنعنہ مدلس میں تو صرف خوف واحتمال ارسال ہیں، جب ہمارے ائمہ کرام حقیقت مرسل کو قبول فرماتے ہیں خوف ارسال کیا مانع ہوسکتا ہے۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو شروع شرح مشکوۃ میں اصطلاح محدثین میں ایک مقدمہ مذہب محدثین ہی پر تحریر فرمایا ہے، جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ جہالات مولوی صاحب میں آتا ہے اس میں بھی شیخ نے لفظ خوف کی تصریح فرمائی تھی کہ: ''عنعنہ از خوف تدلیس مقبول نیست'' آپ نے چالاکی سے لفظ خوف اڑا کر عبارت ص ۴۹ ر پر یوں نقل فرمائی:

''شیخ عبدالحق محدث تحریر فرماتے ہیں: عنعنہ مدلس معتبر نیست''

تاکہ محدثین کے قبول نہ کرنے کی وجہ نہ کھلے کہ اس کے کھلتے ہی باجماع ائمہ حنفیہ اس کا مقبول ہونا ظاہر ہوجائے۔ بالجملہ عنعنہ کے سوا اس خوف ارسال کے کوئی وجہ نہیں، جب مولوی صاحب اس کے اندیشہ سے حدیث کو رد کرتے ہیں تو مرسل بدرجہ اولیٰ مردود ہوئی کہ اس میں یقیناً ارسال موجود ہے۔

اب مولانا ارشاد حسین صاحب کی سنیے! انتصار الحق ص ۲۶۲ ر

''حدیث مرسل نزدیک امام ابی حنیفہ کے، اور قول مشہور میں نزدیک امام مالک اور امام احمد بن حنبل اور باقی ائمہ اعلام بلکہ نزدیک سب تابعین کے اور جو ان کے بعد ہیں راس مائتین تک محتج بها اور مقبول ہے''

پھر اس پر عبارات علما نقل کیں جن میں تصریح ہے کہ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک، امام احمد سب کے نزدیک وہ مقبول ہے بلکہ جمیع ائمہ تابعین اور دو سو برس تک کے جملہ علما کا اس پر اجماع منقول ہے۔ کیوں مولوی صاحب! آپ سچے یا آپ کے استاذ و پیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

(۹۰۲) وقایہ اہل السنہ میں کتنے ائمہ کی تصریح دکھائی تھی کہ جس حدیث پر امام ابوداؤد سکوت فرمائیں صحیح حسن ہے، اور اس حدیث اذان جمعہ علی باب المسجد کو انھوں نے روایت فرما کر سکوت کیا ہے، پھر آپ جیسوں کو اس میں ضعف راوی، یا تدلیس، یا شذوذ و نکارت کے شاخسانے نکالنے کا کیا منہ ہے، مگر آپ نے ایک نہ مانی آخر مولانا ارشاد حسین صاحب علیہ الرحمہ کو انتصار ص ۳۲ ر پر فرمانا پڑا کہ:

''ملا علی قاری فرماتے ہیں: قال السخاوي :يكفينا سكوت أبي داؤد عليه فهو حسن اه ملخصاً''(۱)

(۱) [شرح مسند أبي حنيفة: ذكر اسناده عن القاسم، ۱/ ۵۸۴]

یعنی امام سخاوی نے فرمایا ہے: ابوداؤد کا اس پر سکوت فرمانا کافی ہے تو وہ حدیث حسن ہے۔

(۹۰۳) ائمہ نے عام حکم دیا: "لایؤذن في المسجد" کوئی اذان مسجد میں نہ دی جائے، آپ اور آپ کے موافقین نے اذان خطبہ کا اس سے استثنا کیا۔ مولانا ارشاد حسین صاحب نے فرمادیا: کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، اور کلام ائمہ کے یہ معنی بنانا معاذ اللہ ان کو گمراہ ٹھہرانا ہے کہ مراد تو یہ تھی کہ بعض اذانیں مسجد میں منع نہیں اور حکم دے دیا بلا استثنا عام۔

انتصار ص ۴۰۳ پر ہے: "عام میں استغراق افراد کا شرط ہے بر مذہب محققین حنفیہ بلکہ شافعیہ کے بھی۔

ص ۴۱۱ / العام بلاتخصيص يفيد إرادة الكل فتأخير المخصص تجهيل للمكلف ، فانه يعتقد العموم من غير أن يكون مراد الحاكم وهو إغواء اه باختصار"

(۹۰۴) ائمہ نے مطلق فرمایا: "يكره الأذان في المسجد" مسجد میں اذان مکروہ ہے، آپ نے اسے اذان پنج گانہ سے مقید کیا۔ ہر چند آپ کو قاعدۂ اصول بتایا گیا آپ نے نہ سنا، آخر مولانا کو انتصار ص ۳۲۱ میں کہنا پڑا: "حکم مطلق کو مقید کرنا بلا قرینہ تقیید نزدیک اہل تحقیق کے کیسے مقبول ہو"۔

(۹۰۵) آپ نے اس اذان کے داخل مسجد ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا اور اس پر سند کیا صرف آپ کی زبان، اصلاً کسی سے نقل پیش کی کہ اس پر اجماع ہے؟۔(۱)

آخر مولانا نے ص ۳۴۵ پر فرما یا ہی کہ: "کسی نے اہل ملت اسلام میں سے اس پر دعویٰ اجماع نہ کیا، نہ مؤلف نے کہیں سے یہ امر نقل کیا (الی قولہ) پس ایسا دعویٰ اجماع اہل انصاف کیوں کر قبول کریں گے"

دیکھو کیسا صاف فرمادیا: کہ زبانی جمع خرچ سے نہ اجماع ثابت ہو، نہ اہل انصاف اسے قبول کریں۔

(۹۰۶) آپ نے جو چون ۵۴ سوالوں سے صرف دس کے جواب کا نام کیا وہ بھی سخت جہالتوں سفاہتوں ڈھٹائیوں سے اور اسے چون سوالوں کا رد و جواب ٹھہرایا۔ دیکھیے مولانا اس پر کس درجہ ناراض ہو کر فرماتے ہیں: ص ۴۳

۱۔ اجماع کی کیا خاک نقل دکھاتے آج تک ایک کتاب سے مسجد میں ہونے کا ثبوت تک تو دے نہ سکے۔ ہاں ہاں دیا کیوں نہیں صلاۃ مسعودی سے اس پر پچاس روپے کے اشتہاری ہوئے۔۱۲

”جواب ہر بحث ودلیل کا بہ تفصیل حوالہ قلم فرمائیں، اور اگر بعض ناپسند ہوں تو اس کا جواب لکھیں اور باقی کو صراحۃً تسلیم کریں، اور یہ شایان اہل علم نہیں کہ چند مواقع بے ملاحظہ سابق ولاحق محل اعتراض ٹھہرائیں اور اس کا نام رد وجواب قرار دیں“۔

(۹۰۷) علمائے ناصحین کا داب ہے کہ احکام وابحاث واضح اس زبان میں لکھتے ہیں جس سے عوام منتفع ہوں، باقی تدقیق وعلمی تحقیق کہ صرف علما کے سمجھنے کی ہوتی ہے زبان عربی میں۔

فتوائے مبارکہ میں یہی طریقہ انیقہ تھا۔ تحقیق مسئلہ کر کے ازالہ اوہام بزبان عربی فرمایا: مولوی صاحب کو اردو ہی سمجھنے کے لالے پڑے تھے، عربی دیکھ کر بہت جھنجلائے اور ص ۵۳ر پر بولے:

”پہلی غلطی مولانا کی عوام الناس کو دھوکے میں ڈالنا کہ یہ کوئی بڑی روایت کسی کتاب کی ہے قول مولانا کا: أقول وبه ينجلي مافي الجلابي الخ“

انتصار الحق میں اس کے نظائر جابجا ہیں۔ صدر ص ۱۲۱ر۔ وسط ص ۱۹۴ر۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور آخر ص ۳۲ر۔ واوائل ص ۲۱۹ر میں ”اقول“ کہہ کر اپنی عبارت عبارات منقولہ سے ملادی ہے۔ مولوی صاحب کہیں گے: یہ حضرت مولانا مرحوم کی غلطیاں ہیں، انھوں نے عوام کو دھوکے میں ڈالنے کو یہ حرکتیں کی ہیں، خصوصاً جہاں عبارات منقولہ میں اپنی عبارت ملائی ہے کہ عوام جانیں یہ سب منقول ہے، آپ کی سی سمجھ والا جو ”اقول“ کو نہ سمجھا ”انتہی“ کو کیا جانے گا، اور جانا بھی تو یہ کیوں کر کہ یہ ”انتہی“ مولانا کا قول ہے۔ یا منقول عنہ میں داخل ہے۔

(۹۰۸) مولانا ارشاد حسین صاحب کو کیسے خبر ہوگئی کہ آپ عبارات ائمہ میں تحریف کریں گے۔ ”لكراهة الأذان“ کا ”فصار كالأذان“ بنالیں گے، سچی واقعی عبارت کو جھٹلائیں گے، کلمہ کو اس کی جگہ سے بدلیں گے۔ ”ينبغي أن“ کو اوپر سے توڑ کر ”لا يؤذن“ پر لا دھریں گے۔ وغیرہ وغیرہ کہ گزرا اور آتا ہے، غالباً اپنے نور باطن سے ادراک فرمایا ہوگا، جب تو ص ۳۲ر پر فرمایا:

”واقعی امور کو جھٹلانا اور نصوص ظواہر اور تصریحات اکابر میں تغیر کرنا شیوۂ عنود اور پیشۂ یہود ہے ﴿يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَـٰذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا وَمَن يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَن تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (۱)

---

(۱) [سورة المائدة:۴۱]

اس مدعا پر گواہ ہے''۔

(۹۰۹) مولانا نے یہ بھی اپنے کشف سے جانا کہ آپ عبارات میں قطع وبرید کریں گے جب تو ص ۱۹/ پر فرمایا:

''اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی منکر دین کہے کہ نماز پڑھنا حرام ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ﴾(۱)

(تیرہ ۱۳/ کی چھٹی پر سوا تین روپے انعام فی ۴/)۔

(قسم ۲۵) بدمذہبی کا لٹکا

(انعام ۱۲)

مولوی صاحب نے نام کتاب سے اپنے خصم کے معاذ اللہ مبتدع ہونے کا اشعار کیا۔

ص ۴۳/ پر بولے:''باہر مسجد کے کہلوانا اس اذان کا بدعت ہے اور یہی حق ہے ''وماذا بعد الحق إلا الضلال''۔

ص ۵۹/''لامذہبی اختیار کی، سبیل مومنین کا خلاف کیا، ایک بدعت کے موجد ہوئے''

یہ تو مولوی صاحب کے زبانی ہذیان تھے جن کے رد آفتاب سے روشن تر ہوگئے۔ زبان اختیار میں ہے، یوں تو کفار ملت اسلام کو بدعت بتاتے تھے کہ

﴿مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَا اِلَّا اخْتِلَاقٌ﴾(۲)

مگر تجربہ ہوا ہے کہ:

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ پاکان برد

مولوی صاحب کی بدمذہبی کے لٹکے لامذہبی کے لپکے اس آثار المبتدعین میں جھلک دے گئے۔

(۹۱۰ تا ۹۱۴) مولوی صاحب نے ص ۴۴/ پر آیہ کریمہ: ﴿یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾(۳) کے ایک مہمل بے معنی جواب کو اپنی بے حقیقت نمبر بازیوں سے تین بنا کر فرمایا:

---

(۱) [سورة النساء:۴۳]

(۲) [سورة صٓ:۷]

(۳) [سورة البقرة:۲۵۵]

"پہلی غلطی دعوی ظرف مکان اور سند ظرف زمان۔ دوسری غلطی امکنہ محدود متعین قار الذات زمانہ غیر محدود غیر متعین غیر قار الذات، ایک دوسرے پر قیاس چوتھی غلطی، تعمیم زمانہ سے تعمیم مکان لازم نہیں"۔

اولاً: کمال جہالت ہے، بین یدی زمان کے لیے مکان سے مستعار ہے۔"کما في عناية القاضي" استعارہ کو قیاس جاننا مولوی صاحب ہی کی عقل ہے، مستعار لہ میں وہی آئے گا جو اصل میں ہے نہ کہ وہاں ڈیڑھ گز پر تھک رہے، اور یہاں کروروں برس تک ممتد ہو، اگر وہ قرب تنگ پر محصور تھا اس کے معنی میں وہ تنگی داخل تھی تو اسی تنگ کوتاہی کو تو زمانے کے لیے استعارہ کیا ہے، نہ کہ اتنے وسیع کو، پھر یہ وسعت کدھر سے آئی۔

ثانیاً: مولوی صاحب مکان کو محدود مانتے ہیں اور زمانہ کو غیر محدود، عجب کہ وہ کہ محدود میں تھک رہا تھا غیر محدود کو احاطہ کرلے، عکس ہوتا تو ایک بات قرینے کی ہوتی کہ اس میں ایک محدود وسعت تھی محدود کو گھیر لیا نامحدود میں تھک رہا، مگر نہیں مولوی صاحب الٹی گنگا بہار ہے ہیں کہ محدود کے آگے بھیڑ اور غیر متناہی پر شیر۔ مولوی صاحب شاکی نہ ہوں اگر اس میں کچھ کچھ طرز انہیں کی لی ہے۔

ثالثاً: طرفہ یہ کہ زمانہ غیر متعین، زمانہ آپ کے نزدیک معدوم ہے تو وہ کونسی ذات ہے جسے غیر قار و غیر محدود کہا، اور موجود ہے تو موجود کو تعین لازم۔ موجود و غیر متعین آپ کے یہاں بستا ہوگا۔

رابعاً: خیر یہ تو ان کی خوش فہمیاں ہیں کہ ان کے مزعوم زمانہ کی طرح نامحدود ہیں، یہاں گزارش طلب یہ ہے کہ مولوی صاحب نے اس کلام میں متکلمین اہل سنت کا مذہب چھوڑا اور فلاسفہ اہل ضلالت کا مذہب اختیار کیا، متکلمین کے نزدیک زمانہ ہو یا مکان دونوں حقیقت غیر متاصلہ امر اعتباری موہوم ہیں، تو جیسا مکان محدود ہے، یونہی زمانہ بھی کہ اعتباری انقطاع اعتبار سے منقطع ہوتا ہے، جیسا زمانہ غیر محدود ہے یونہی مکان بھی کہ اعتبار کے لیے کوئی حد محدود نہیں، آخر نہ دیکھا کہ متکلمین عالم کے باہر بھی مکان یعنی وہی بعد موہوم مانتے ہیں، وہاں کیا نجوخاں کا گھیر ہوگا، یا رامپور کی بانسی، کہ ایک حد پر جاکر روک دی۔

مواقف میں ہے: "المكان البعد المفروض والخلاء خارج العالم عندالمتكلمين بعد اه ملتقطا"(۱)

خامساً: زمانی کا غیر محدود ہونا بمعنی لاتناہی کی تو ناممکن ہے کہ اسے غیر قار الذات کہہ رہے ہیں،

---

(۱) [المواقف: المقصد التاسع، ۱/۵۶۵]

اس کے دو جز جمع نہیں ہو سکتے نہ کہ اجزائے غیر متناہیہ۔ ہاں لاتقفی ہو یعنی زمانہ ہمیشہ یونہی چلا جائے گا کبھی ختم نہ ہوگا۔ یہ انکار قیامت کی طرف جاتا ہے، کہ زمانہ موجود ماننے والوں کے نزدیک یا وہ عین واجب تعالیٰ ہے: سبحنه وتعالیٰ عما يقول الظّلمون علواً كبيرًا. یا فلک اعظم۔ یا اس کی حرکت۔ یا اس کی مقدار۔ اور یہی ان میں اشہر واظہر ہے۔ اول تو کفر و دہریت ہے، اور باقی تین کا فنا نہ ہونا انکار قیامت، بلکہ یوں کہیے کہ اسے جس دلیل سے جانب مستقبل میں غیر محدود کہا جاتا ہے کہ منتہی ہو تو زمانہ کے بعد زمانہ لازم آئے۔ یہ دلیل ذلیل اگر صحیح ہو تو بعینہ اسی دلیل (ا) سے جانب ماضی میں بھی غیر محدود ہوگا کہ حادث ہو تو زمانہ سے پہلے زمانہ لازم آئے۔ اب فلک اور اس کی حرکت سب قدیم ہو گئے۔ یا کم از کم ذات وصفات الٰہی کے سوا مخلوقات میں سے ایک شی قدیم ٹھہری۔ اور یہ باجماع مسلمین کفر ہے" كما بينته في مقامع الحديد علىٰ خد المنطق الجديد"۔

مولوی صاحب! شکر کیجیے کہ لازم قول قول نہیں ہوتا۔

(۹۱۵) ائمۂ کرام تو حکم فرمائیں کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔ اور آپ اس کے مقابل ص ۱۰/ پر اپنی اجتہاد دانی لے کر چلیں کہ: " درایۃً کوئی وجہ کراہت وممانعت کی قائم نہیں، نہ کوئی ممانعت جانب شرع سے منقول ہے"۔

اور کیا لا مذہبوں غیر مقلدوں کے سر پر سینگ ہوتے ہیں، وہ بھی تو احکام فقہ کے مقابل یوں ہی کہا کرتے ہیں کہ نہ درایۃً اس کی کوئی وجہ، نہ شارع سے منقول۔ مقلد کی شان تو یہ ہے کہ "يجب اتباع المنقول وإن لم يظهر للعقول" منقول کی پیروی واجب ہے، اگرچہ عقل میں اس کی وجہ نہ آئے۔ "كما في ردالمحتار".(۱)

(۹۱۶ تا ۹۲۲) ائمہ کرام نے کہ مسجد کے اندر اذان کی کراہت وممانعت کا حکم فرمایا، انھوں نے تو

ا۔ یہ سب خباثتیں اسے حقیقت متاصلہ ماننے سے پیدا ہوتی ہیں، لہٰذا اہل سنت نے "گربہ کشتن روز اول باید" پر عمل فرمایا اور ناجی ہوئے۔ مولوی صاحب ان مباحث کو کیا جانیں، آنکھیں بند کیے فلاسفہ کے پیچھے ہو لیے: اذا كان الغراب دليل قوم سيهديهم طريق الهالكينا

نسأل الله السلامة. ۱۲ منه

---

(۱) [ردالمحتار على الدرالمختار: فروع رهن الأب من مال طفله، ۶/۵۱۵]

اس کی کوئی علت ذکر نہ فرمائی، جیسے اور لاکھوں احکام فرماتے ہیں اور علت نہیں بتاتے۔ یہ بات کہ ہمسایوں کو آواز زیادہ پہنچے، علما نے بلند منارہ پر اذان کی علت بتائی تھی، آپ نے اپنے اُلٹے اجتہاد سے اس حکم ممانعت وکراہت کی اسے علت ٹھہرایا کہ:

''ص ۴۰؍ روایات مولانا سے اولویت اذان کی ایسے محل میں کہ اسمع للجیران ہو''

اور علت بھی باحصر جس پر یہ جزم کہ:

''ص ۱۰؍ اس قدر سے صرف اولویت نکلی۔ کراہت وممانعت کی کوئی وجہ نہیں''

اور اس پر یہ ظلم کہ:

''ص ۱۰؍ ایسے محل پر کہ اسمع للجیران ہو، خواہ مسجد میں ہو۔ یا منارہ پر ہو۔ یا فنا میں ہو۔ مستحب واولیٰ ہے''

چلیے وہ بیرون مسجد کی اولویت بھی اڑگئی، اور پھر اسے فقہائے کرام کی مراد قرار دیا۔ ان جرأتوں بے باکیوں پر آپ سے گزارش کہ:

اولاً: مسئلہ کراہت وممانعت اذان فی المسجد کی یہ علت فقہائے کرام نے کہاں بتائی ہے، کیا یہ ان پر افترا نہیں؟۔

ثانیاً: علت حکم اپنی طرف سے تراشنا، اور اس میں حصر سمجھنا، اور اس پر جزم کرنا، مجتہد کا کام ہے یا مقلد کا؟۔ جو ناقص قاصر ابھی اونے پونے مقلدوں کے مرتبۂ علمی کو نہ پہنچا ہو، اس کی ایسی جرأت، دعویٰ اجتہاد اور لامذہبی کا فساد ہے یا نہیں؟۔

ثالثاً: علت حکم وہ ہوتی ہے کہ حکم ثابت کرے۔ یا وہ کہ نفی کرے؟۔ آپ نے علت کراہت وممانعت فقہا وہ نکالی جس نے کراہت وممانعت ہی اڑادی۔ خود فرمایا: ''کوئی وجہ کراہت وممانعت کی نہیں'' یہ کیسا اجتہاد ہے؟۔

رابعاً: کھینچ تان کر حکم کراہت وممانعت کو نرے حکم استحباب سے بدلا، پھر اسے بھی اڑادیا۔ یہ کیسا تناقض وہذیانی اجتہاد ہے؟۔

خامساً وسادساً: آپ خود فرماتے ہیں: ''جب صحن مسجد میں کھڑے ہو کر اذان کہے بخوبی آواز محلّہ میں پہنچ جاتی ہے''۔ تو اگر علت وہ ہوتی جو آپ نے گڑھی حکم یہ ہوتا کہ بند جگہ اذان نہ چاہیے اگر چہ فنائے مسجد ہو، کھلی جگہ چاہیے اگر چہ صحن مسجد ہو، لیکن علما نے مسجد میں مطلق ممانعت فرمائی اور فنائے مسجد میں مطلق اجازت، تو حکم کے دونوں حصے آپ کی علت پر تیغ دودستی ہیں یا نہیں؟۔

کیوں مولوی صاحب! کیا ایسی ہی مورتوں کو زیب دیتا ہے کہ احکام شرع کی علت اپنے دل سے نکالیں اور حکم علما کو خلاف عقل ودرایت بتائیں۔ اللہ رے اجتہاد کی ارزانی، کیسوں کیسوں تک پہنچا ہے۔

آدمیان گم شدند

خود یہ کوتک اور جو اتباع حکم فقہا کریں ان پر وہ ہمک کہ: ''مولانا نے بالکل اجتہاد کو دخل دیا ہے روایات فقہیہ سے قطع نظر کرلی ہے'' ص ۴۰/

''لا مذہبی اختیار کی'' ص ۵۹/

اللہ شرم دے اگر چہ نہ دی، اور ظاہر یہی ہے کہ نہ دے کہ متعصب معاند، خائن، حاسد کو راہ نہیں ملتی۔

سابعاً: علت حکم پر ''وقایہ اہل السنۃ'' نے کافی کلام کیا تھا، ہمیشہ سب کچھ دیکھنا اور آنکھ بند کر لینا کیسا عناد ہے۔

(۹۲۳) سب مخالفین کو یہ مرض ہے کہ علمائے اہل حق نے حدیث دکھائی۔ یہ بڑا جرم کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے خلفائے راشدین کے یہاں کا طریقہ عمل بتایا، ازاں جملہ مولوی صاحب ص ۵۲/ پر بولتے ہیں:

''ہم مقلدوں کو استدلال بالحدیث سے کیا غرض، یہ کام مجتہدین کا ہے''

مسلمان ملاحظہ کریں، فتوائے مطبوعہ بریلی میں سائل نے دو سوال اول میں زمانہ اقدس وعہد خلافت کا واقعہ پوچھا کہ:

''(۱) اذان ثانی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد کے اندر ہوتی تھی، یا باہر؟۔

(۲) خلفاے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں کہاں ہوتی تھی''۔

واقعہ کا جواب حدیث سے ہوتا۔ یا مولوی عبد الغفار خاں کی طرح اپنی من گڑھت سے کہ حضور اور صدیق وفاروق۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ فرماتے۔ واقعہ کا ثبوت حدیث سے دینا بھی مجتہد ہی سے خاص ہے۔ زہے جہالت،

اس کے سوا فتوائے مبارکہ تحفہ حنفیہ میں حدیث مذکور دو مقصدوں کے لیے پیش کی ہے کہ فرمایا: ''اب ہم ایک حدیث صحیح ذکر کریں جس سے اس بین یدیہ کے معنی بھی پیش ہوں اور ادعائے توارث کا بھی حال کھلے''

ان میں دوسرا مقصد تو وہی بیان واقعہ ہے کہ جب زمانۂ رسالت وخلافت میں اس کے خلاف تھا تو توارث کیسا۔ اور یہاں مقصد معنی لفظ کا بیان ہے کہ دیکھو صحابی عربی نے دروازۂ مسجد کی اذان کو بین یدیہ فرمایا۔ کیا بیان معنی لفظ کے لیے حدیث پیش کرنا بھی خاص مجتہد کا کام ہے؟۔ زہے جہالت۔

(۹۲۴ تا ۹۴۳) یہ جو آپ نے آثار المبتدعین میں بیس حدیثیں پیش کر کے ٹھیٹ مقلد ہو کر مجتہدین کا کام کیا ہے، آپ بیس دفعہ لامذہب ہوئے۔

(۹۴۴) اپنے استاد و پیر حضرت مولانا ارشاد حسین علیہ الرحمہ کی ''انتصار الحق'' دیکھیے، استدلال بالا حادیث سے بھری پڑی ہے۔ آپ کے نزدیک وہ کوئی سو گنے غیر مقلد ہوئے۔

(۹۴۵ تا ۹۴۸) ملاجی! ذرا اپنی خبر لیجیے: آپ تو ص ۱۵ر پر حدیث ترمذی، اور ص ۱۶ر پر دو حدیث ترمذی وابن ماجہ، خاص اثبات حکم کے لیے پیش کر چکے ہیں اور وہ بھی حکم فقہ کے رد کو، اور ص ۴۰ر پر اپنے استدلالات میں گنایا: ''تین حدیثیں صحاح کی جن سے جواز مطلقاً اذان کا مسجد میں ثابت ہے'' یہ ضرور خاص مجتہدین کا کام ہے۔ کیا اسی منہ سے کہا تھا کہ ''ہم مقلدوں کو استدلال بالحدیث سے کیا غرض یہ کام مجتہدین کا ہے'' دیکھیے وہ تین صراحۃً آپ کی لامذہبیان، اور اس پر یہ قول صریح تناقض اور اپنی چنائی ڈھانا ہے (اٹھائیس بدمذہبیوں پر پونے دو روپے انعام، فی بدمذہبی ار)

(قسم ۲۶) اللہ ورسول وشریعت وائمہ کے ساتھ مولوی صاحب کی چوالیس گستاخیاں

(انعام کچھ نہیں)

مولوی صاحب کی اٹھارہ ۱۸ر گستاخیاں اقسام بالا میں ذکر کر دی گئیں۔ دو صاحب درمختار سے کہ ان کو مخالف غرض شارع بتایا۔ مخالف عقل ونقل بتایا۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم وجملہ کتب حدیث سے کہ ان میں موضوعات بھری ہیں۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ جمیع ائمہ مجتہدین سے کہ ان کا اللہ ورسول سے مقابلہ ہے۔ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجمہور ائمہ مالکیہ سے کہ ان کا اللہ ورسول سے مقاتلہ ہے۔ اللہ عزوجل کی صفت رحمت سے دو کہ اسے ہواؤں سے مؤخر رکھا۔ دو قرآن عظیم سے کہ اس کی آیت کو معاذ اللہ بازیچہ بنایا۔ دس یہ ہوئیں، اور آٹھ ۸ر حضرت شیخ مجدد سے کہ ان کے ارشاد کیے ہوئے مطالب پر کہا: ''سبحان اللہ کیا سمجھ ہے۔ کیسا تجدد ہے۔ علمائے ربانی پر بدگمانی۔ اپنے آپ عالم متبع سنت بننا اور ان کو پیر

وبدعت بنانا۔این کارازتو آید ومردان چنین کنند۔اس قول سے توبہ کرو۔تکذیب مخبر صادق کی لازم آتی ہے۔اس کاانجام براہے۔'' آگے چلیے۔

(۹۴۹)ص۹ر پرلکھا:'' آں حضرت صلعم کے زمانہ میں''

غلامان مصطفیٰ۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔یوں لکھتے ہیں:صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔یہ صلعم بلعم بے ادبی،محرومی،بے برکتی ہے۔

طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:"یکرہ الرمز بالصلاۃ والترضی بالکتابۃ بل یکتب ذلك کلہ بکمالہ" یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا دیگرانبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام یاصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔یا۔علیہم الصلاۃ والسلام۔یا۔رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔کی جگہ اس کا کچھ اختصارلکھنا(کوئی صلعم لکھتا ہے کوئی "یاؔ") یہ سب مکروہ ہے،بلکہ ان سب کو پوراکامل لکھے۔

مقدمہ منہاج امام ابوزکریانووی میں ہے:"یکتب عند ذکر النبي۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ بکمالھا لارمزاً الیھما ولامقتصراً علی أحدھما (إلی قولہ) ومن أغفل ھذا حرم خیراً عظیماً وفوت فضلاً جسیماً"(۱)

جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پاک آئے۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔پورا لکھے،نہ صلاۃ وسلام دونوں کی رمز نہ فقط ایک پرقناعت(جیسے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔یاعلیہ السلام)اورجس نے اس سے غفلت کی وہ بڑی خیر سے محروم ہوااور بڑافضل اس کے ہاتھ سے گیا۔

فتح المغیث امام سخاوی میں ہے:"واستحب أھل العلم أن یکرر الکاتب الصلاۃ علی النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کلما کتب،قالوا:ولا ینبغي أن یرمز بالصلاۃ کما یفعلہ الکسالیٰ والجھلۃ وعوام الطلبۃ فیکتبون صورۃ "صلعم" بدلاً من صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔(۲)

اہل علم نے مستحب رکھا کہ کاتب جتنی بار نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکراقدس لکھے ہر بار درود لکھے،اورفرمایا:درود کااختصار لکھنازیبانہیں جیسے کاہل اورجاہل اورعامی طلبہ" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم"کے بدلے'' صلعم" لکھتے ہیں۔

---

(۱) [شرح النووي علی مسلم فصل: ۱/۳۹]

(۲) [فتح المغیث بشرح ألفیۃ الحدیث:۳/۴۷]

سفطی علی الجواہر الزکیہ میں امثلۂ تحت کے آخر میں "صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" کا "صلعم"۔ "علیہ السلام" کا "عم" ذکر کر کے کہا:

"ينبغي اجتناب الأخيرتين وإن أكثرت منه الأعاجم فاحذر ذلك"

ان دو سے بچنا چاہیے، اگر چہ عجمی اکثر ایسا کرتے ہیں، اس سے بچ۔

بلکہ تاتارخانیہ سے منقول ہوا:

"من كتب عليه السلام بالهمزة والميم يكفر؛ لأنه تخفيف، وتخفيف الانبياء كفر بلاشك"

جو علیہ السلام کی جگہ اس کا اختصار ہمزہ اور میم سے لکھے وہ کافر ہے، اس لیے کہ یہ ہلکا کرنا ہوا، اور انبیا کو ہلکا کرنا یقیناً کفر ہے۔ یہ اگر صحیح ہو تو آفت اشد ہے۔ والعياذ بالله رب العلمين۔

(۹۵۰) قرآن عظیم نے جو معنی بین یدیہ کے ارشاد فرمائے ان کی نسبت ص۴۶ پر فرمایا:

"یہ معنی خلاف ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے، شراح حدیث کے، فقہاے حنفیہ کے"

اور نہ جانا کہ قرآن عظیم کی مخالفت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفقہا و محدثین کی طرف نسبت کرنا ان کے ساتھ کیسی شدید گستاخی ہے۔

(۹۵۱) بفرض محال ایسا ہوتا تو وہ شراح وفقہا ہی مورد طعن واعتراض ہوتے جنھوں نے ارشادات قرآن عظیم کا خلاف کیا، مگر نہیں آپ کے دھرم میں مخالفت فقہا کی وجہ سے قرآن عظیم مورد اعتراض ہے، اور اعتراض بھی کیسا کہ بزعم باطل مخالفت فقہا۔

معنی ارشاد فرمودۂ قرآن عظیم کو ص۱۴ پر کہا: "اوہام باطلہ اور شیطانی وسوسے" إنا لله وإنا إليه راجعون۔

(۹۵۲) اذان جمعہ کہ قرآن عظیم میں مذکور، اور وہی حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں تھی، اذان شرعی سے خارج کردی۔ ص۵: "اذان شرع میں نام اعلام غائبین کا ہے" ص۱۰: "اور اذان منبر واسطے اعلام حاضرین کے ہے"۔

(۹۵۳ تا ۹۵۵) یہ تغییر شرع معاذ اللہ امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر باندھی، ص۸: "زمانہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی اذان اول واسطے اعلام غائبین کے ہے اور اذان ثانی واسطے احیائے احکام کے کہ لوگ سکوت اختیار کریں"

جہالت یہ کہ احکام کو انصات حاضرین میں منحصر کردیا، اعلام غائبین کیا حکم نہیں؟۔ عناد یہ کہ اذان

من اللہ وغیرہ میں اس پر کس درجہ تنبیہ کردی تھی مگر ٹھہر گئی ہے کہ مشوی۔

(۹۵۶) قرآن عظیم کی سنت کریمہ ہے کہ ایک ایک سوال یا کفار کا شیطانی اعتراض جدا جدا ذکر فرما کر جواب ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾(۱)

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ﴾(۲)

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ﴾(۳)

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ﴾(۴)

﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ﴾(۵)

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَى قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ﴾(۶)

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى﴾(۷)

یعنی:

سوال: ہلال کیوں ہوتا ہے؟۔

جواب: حج اور معاملات کے وقت باندھنے کو۔

سوال: راہ خدا میں کیا خرچ کریں؟۔

جواب: جو اچھا مال خرچ کرو تو ماں باپ اور فلاں فلاں کو دو۔

سوال: ماہ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟۔

جواب: گناہ کبیرہ ہے۔

سوال: شراب اور قمار کیسے ہیں؟۔

جواب: ان میں گناہ کبیرہ ہے۔

سوال: کیا خیرات کریں؟۔

---

(۱) [سورۃ البقرۃ:۱۸۹] (۲) [البقرۃ:۲۱۵]

(۳) [البقرۃ:۲۱۷] (۴) [البقرۃ:۲۱۹]

(۵) [البقرۃ:۲۱۹] (۶) [البقرۃ:۲۲۰]

(۷) [البقرۃ:۲۲۲]

جواب: جو اپنے سے بچے۔

سوال: یتیموں سے کیسا برتاؤ ہو؟۔

جواب: ان کے کام بنانا بہت خوب ہے۔

سوال: حیض کا کیا حکم ہے؟۔

جواب: نجاست ہے اس میں عورتوں سے الگ رہو۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں: معاذ اللہ یہ طفلانہ حرکت ہے۔

ص۶۰ر'' اس طرح پر بچے دیتے ہیں۔ص۵۹ر بچوں کی طرح ہے کہ پہلے سوال کا جواب دوسرے کا''

جوابوں سے اپنے فرار کو کس ناپاک عذر سے چھپایا ہے، ولا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ العلي العظیم۔

(۹۵۷) قسم ۱۷ر میں سن چکے کہ اگر ایک لفظ ایک محل پر آئے اور اس کے بیان معنی کو کوئی شاہد پیش کیا جائے جس میں وہ لفظ کسی اور تذکرہ میں آیا ہے تو مولوی صاحب کی عاقلانہ تمیز داری میں یہ شاہد لانا اس محل کو اس واقعہ پر قیاس کرنا اور دونوں میں باہم مساوات واتحاد ماننا ہوتا ہے۔

بہت اچھا اقرار تو آزار تو، اس پر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ اپنی ایک بھاری گستاخی تو وہیں قسم ۱۷ر میں دیکھ چکے کہ معاذ اللہ انھوں نے اللہ عزوجل کو ایک عورت پر قیاس کیا۔

آگے چلیے! آپ ''بین یدي الخطیب'' کے معنی گڑھنے کو ص۲۰ر پر ''اذا جلس بین شعبها الأربع ثم جهدها فقد وجب الغسل أنزل أولم ینزل''(۱)

قول فقہا بنا کر لائے حالاں کہ یہ مضمون تو صحیح حدیث کا ارشاد ہے، یعنی جب مرد عورت کے چاروں گوشوں کے بیچ میں بیٹھے اور کوشش یعنی کافی جنبش کرے تو غسل واجب ہو گیا اگر چہ انزال نہ ہو۔

امام قاضی عیاض شرح صحیح مسلم شریف میں فرماتے ہیں:

''المراد شعب الفرج الأربع'' چاروں گوشوں سے فرج زن کے چاروں کنارے مراد ہیں۔

کیوں مولوی صاحب! اب اپنے قیاس ومساوات واتحاد لے کر چلیے، آپ نے خطیب کے

---

(۱) [نصب الرایة لأحادیث الهدایة کتاب الطهارة: ۱/ ۸۲]

ہاتھوں کو کس چیز پر قیاس کیا؟۔ اور مؤذن کے ان کے بیچ میں کھڑے ہونے کو کاہے کا، کس کے بیچ میں ہونا ٹھہرایا؟۔ وہاں بولے تھے: ''کیا بین یدی عذاب اور بین یدی خطیب ایک چیز ہیں'' اب اپنے اوپر کہیے کیا خطیب کے ہاتھ اور عورت کی فرج کے گوشے ایک چیز ہیں۔

(۹۵۸) وہاں بولے تھے: ''معنی یہ ہوئے کہ جیسے علم الٰہی شامل ہے سب اشیا کو ایسے اذان دینا شامل ہے جمیع امکنہ کو''

اب اپنے اوپر کہیے! معنی یہ ہوئے کہ جس طرح کیا شی کاہے کے گوشوں میں داخل ہے؟۔ ایسے ہی مؤذن خطیب کے ہاتھوں میں داخل ہو جائے۔

(۹۵۹) اسی ص ۲۰؍ پر ہذلی کا شعر لائے:

فلاقته ببلقعة براح فصادف بين عينيه الجبوبا(۱)

جس میں وہ شکاری پرندہ عقاب کا وصف بیان کرتا ہے، کہ اس نے شکار کو ایک ویرانے کف دست میدان میں جالیا تو اس شکار کا ماتھا سخت زمین سے جالگا۔

یہاں مولوی صاحب نے خطیب کے سینہ کو اس اجل گرفتہ شکار کے ماتھے کی مانند مانا جو اوندھے منہ گرنے میں کری زمین سے ٹکرایا ہو، اور مسجد کو وہ کھنڈر بنایا جہاں شکار پر یہ بلا اتری۔

(۹۶۰) اور معنی یہ ہوئے کہ جس طرح اس کا ماتھا زمین سے ٹکرایا یونہی خطیب کی چھاتی مؤذن سے ٹکرانی چاہیے۔

(۹۶۱ تا ۹۷۰) فقہی روایتیں جو آخر ص ۲۱ سے ص ۲۵؍ تک لائے ان میں مؤذنوں کو (جن کی تعریف میں قرآن عظیم فرماتا ہے ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللّٰهِ﴾(۲)

اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے۔ اور ان کے فضائل سے حدیثیں مالا مال ہیں) پہلی دوسری تیسری روایت سند میں لاکر آگ بھٹی اور تنور بتایا۔ اور ۷، ۸، ۹، ۱۰؍ سے سانپ بچھو بنایا۔ اور ۱۹، ۲۰؍ سے عورت ٹھہرایا۔ ۱۸؍ سے ان نافرمانوں کی مانند جو نمازی کے سامنے گزریں جن کو حدیث میں شیطان فرمایا۔

(۹۷۱) جی ہاں معنی بھی تو کہیے، یعنی جس طرح نمازی کے آگے سانپ بچھو گزرے تو اسے

---

(۱) [المعاني الكبير في أبيات المعاني الأبيات في العقاب: ۱/۲۸۱]

(۲) [سورة فصلت: ۳۳]

اجازت ہے کہ لکڑی سے اس کا سر کچل دے، یونہی جب خطیب منبر پر بیٹھے اور مؤذن آکر کھڑا ہو تو خطیب کو اجازت (۱) ہے کہ لاٹھی سے اس کا سر کچلے۔

(۹۷۲) نہیں نہیں بلکہ جس طرح وہ لوگ نمازی کے سامنے گزرنے سے گنہ گار ہوئے، اور اصرار کریں تو شیطان، یونہی مؤذن جو خطیب کے سامنے اذان دینے کھڑا ہوتا ہے گناہ کرتا ہے، خطیب کو چاہیے اسے منع کرے، نمازی اس سے قتال کرے کہ وہ شیطان ہے۔ مولوی صاحب کا فتویٰ ہے۔

(۹۷۳ تا ۹۷۸) ص ۳ سے ۲۶ ؍تک حدیثیں لائے، ان میں مؤذن کو پانچویں حدیث سے بھنی بکری۔ چھٹی سے کدو۔ ساتویں سے چھوہارا۔ بارہویں بیسویں سے کھانے پانی کا برتن ٹھہرایا ہی تھا۔ کیا اگر کوئی مولوی صاحب کو بھنی بکری یا کدو یا چھوہارا یا کونڈا یا تسلا کہے، تو اپنی توہین نہ سمجھیں گے۔ غضب یہ کہ اٹھارہویں سے مؤذن کو کتا بنا دیا۔

(۹۷۹) معنی یہ ہوئے کہ جیسے بھنی بکری کدو وغیرہ چیزیں کھانے والے کے سامنے بے دم پڑی ہوتی ہیں، اسی طرح مؤذن کو چاہیے کہ خطیب کے سامنے دم سادھ کر پڑ جائے۔

(۹۸۰) یا جیسے کتا نمازی کے سامنے بھاگتا ہوا نکل جاتا ہے یونہی خطیب کے سامنے کروٹ سے آکر دم دبائے چلا جائے، کیوں کہ مولوی صاحب نے مؤذن کو کتے پر قیاس کیا ہے، اسی کا سامرور بین یدیہ اسے بھی چاہیے۔

(۹۸۱) سخت اشد ستم یہ کہ یہی مؤذن جسے ابھی ابھی اس کے ایک فعل کے باعث سانپ بچھو اور شیطان اور کتے سے تشبیہ دے چکے تھے، تیرہویں حدیث لاکر اسی کو اسی بات میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مانند ٹھہرادیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

مولوی صاحب توبہ کرو توبہ۔ ان باتوں کا انجام بہت برا ہے۔ آئندہ تم جانو تمہارا کام۔

قسم (۲۷) اپنے خصم کا کلام سمجھنے تک کی لیاقت نہیں اور اعتراض کو موجود

(انعام)

(۹۸۲) یہاں کے فتوائے مبارکہ کے عنوان میں تھا: ''مسلمانوں کو سو شہیدوں کے ثواب اور باریابی دربار رسالت علیہ الصلاۃ والتحیہ کی بشارت'' اور جواب سوال ہفتم میں اس کا بیان بھی فرمادیا

۱۔ جبھی منبر سے متصل کراتے ہو کہ دروازے پر ہوا تو لاٹھی کیسے پڑے گی۔

تھا کہ ''انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جس نے میری سنت زندہ کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا''۔

تو آخرت میں اللہ کریم اور اس کے حبیب رؤف ورحیم۔جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔کے کرم سے سنت زندہ کرنے پر باریابی دربار رسالت کا وعدہ ہے، نہ کہ دنیا ہی میں۔مگر جن کا مبلغ علم دنیا ہے وہ تو سب کچھ یہیں چاہیں کہ:

﴿رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾(۱)

الٰہی ہمیں تو ہمارا حصہ قیامت سے پہلے ہی دے دے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

ایسوں کو دنیا ہی سوجھتی ہے، اور جو نہیں اسے یہیں سمجھتے ہیں، ممکن کہ مولوی صاحب ایسے نہ ہوں، مگر سمجھے انھیں کی سی کہ یہ باریابی دربار یہیں بتائی جاتی ہے۔لہذا ص ۵۹/ پر ارشاد حدیث کو مفتی علامہ کا اپنا الہام بنا کر بولے:

''یہ الہام رحمانی ہوتا تو ضرور جواذان باہر کہلواتے ہیں ان کو یہ دولت میسر ہوتی، ہزاروں آپ کے بہکانے سے بہک گئے ہیں، بتلایئے کتنوں کو یہ دولت دربار رسی کی حاصل ہوئی، اور ظاہر ہے کہ اس فعل سے کسی کو بھی زیارت اور دربار رسی میسر نہ ہوئی، تو معلوم ہوا کہ یہ الہام شیطانی تھا، مولانا توبہ کرو، کیا غلام احمد قادیانی بننا چاہتے ہو، اول میں اس کے بھی ایسے ہی خیالات تھے، آخر میں کیا گل کھلا''

اس اوندھی کھوپڑی کی کوئی حد ہے کہ حدیث بشارت دے آخرت کی، اور آپ سمجھیں دنیا میں۔ مگر مجبور ہیں کہ ان کو قرآن مجید سے ایک ہی دعا یاد ہے کہ:

﴿رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾(۲)

(۹۸۳) حدیث مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو الہام شیطانی کہنا مولوی صاحب کا ایمان ہے، مگر ان سے کیا شکایت کہ ابھی ابھی قرآن عظیم کے ارشادات کو شیطانی وسوسے کہہ چکے۔مولوی صاحب اتنا بے باک تو قادیانی ناپاک بھی نہ تھا، آپ تو اس کے بھی گرو نکلے۔

(۹۸۴) اب آپ کا فرمانا: ''کہ باریابی دربار رسالت کا کس بنا پر وعدہ کیا، کوئی حدیث صریح وارد نہیں'' کھلی نابینائی ہوا یا نہیں۔

(۹۸۵) آپ کی یہ نفی پر شہادت کہ: ''ظاہر ہے کہ اس فعل سے کسی کو بھی زیارت میسر نہ ہوئی''

---

(۱) [ص:۱٦] (۲) [سورة ص:١٦]

جب آپ سے سوال ہوگا کہ کس بنا پر تھی، تو آپ کیا جواب دیں گے، کوئی آیت قرآنی اس بارے میں نازل نہیں، کوئی حدیث صریح وارد نہیں، اجماع امت کا ہے نہیں کہ جواذان باہر مسجد کے کہلوائے اس کو باریابی دربار رسالت نہ ہو۔

شریعت کی یہ تین دلیلیں ہیں، ان سے تو ثبوت ہے نہیں، اور اللہ ورسول۔ جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کے کرم وعطا میں قیاس کو دخل نہیں، پھر اس پر کیا دلیل ہے؟۔ رہا آپ کا الہام اس کا اعتبار نہیں، کیا غلام احمد قادیانی بننا چاہتے ہو، اول میں اس کے بھی ایسے ہی خیالات تھے، آخر میں کیا گل کھلا۔ اپنے مجموعہ کذب ودروغ ومکروفریب وافترا وبہتان وضلال وطغیان کو کہہ دیا کہ: ''بمرضی حضور پرنور علیہ الصلاۃ والسلام یہ کام کیا گیا''

اور متبعان سنت کی نسبت بلا دلیل دعوی کردیا کہ ''اس فعل سے کسی کو زیارت میسر نہ ہوئی'' حالاں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَـٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولًا﴾(۱)

جس کا تجھے علم نہیں اس میں نہ پڑ بے شک کان آنکھ دل سے سوال ہونا ہے۔

اور فرماتا ہے:

﴿أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾(۲)

کیا اللہ پر وہ کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔

اور فرماتا ہے: ﴿سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ﴾(۳)

اب ان کی گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے باز پرس ہوگی کہ کس دلیل سے گواہی دے بیٹھے۔

کیوں مولوی صاحب! اپنی قادیانی رنگت دیکھی۔

(۹۸۶) مخالفین نے حدیث صحیح پر امام ابن اسحاق کی تدلیس سے اعتراض کیا، علمائے اہل حق نے ائمہ حنفیہ وجمہور ائمہ کے نزدیک اس کا طعن نہ ہونا اور مدلس کا عنعنہ مقبول ہونا ثابت کیا، آپ سمجھے کہ سرے سے تدلیس ابن اسحاق سے انکار ہے۔ ص۵۰ پر بولے: ''

---

(۱) [الاسرائیل:۳۶] (۲) [سورۃ البقرۃ:۸]

(۳) [سورۃ الزخرف:۱۹]

ابن الہمام، عینی، قسطلانی، دار قطنی، امام احمد ابن حجر وغیر ہا (۱) نے جھونٹ (۲) بولا کہ ابن اسحاق مدلس تھا" واہ رے سمجھ کی پھونٹ (۳)

(۹۸۷) فتوائے مبارکہ مطبوعہ تحفہ میں فرمایا تھا:

"وبماقدمنا من تحقیق مفاد بین یدیه وأنه یستدعی بقرینة الحال قرباًینا سب المقام الخ"

آپ ص ۵۶/ پر اس کا ترجمہ فرماتے ہیں:

"اور ساتھ تحقیق مفاد اور معنی بین یدیہ کے جو پہلے گزرے کہ مستدعی ہے بقرینہ حال قرب مناسب کو مقام سے"

مولوی صاحب کیا کہنے ہیں اچھی سمجھے "وإنه" کی واؤ عاطفہ کو کاف بیانیہ بنالیا۔

(۹۸۸) جہالت بر جہالت یہ کہ اس سے سمجھ لیے کہ نفس معنی بین یدیہ محتاج قرینہ ہیں، اب اس اپنی فاسد نیو پر ص ۵۷/ میں چنائی لے چلے کہ:

"چوتھی غلطی بلا قرینہ مجاز اختیار کرنا، پانچویں غلطی قرینہ حالیہ کا قول کرنا اور اس کے اوپر دلیل نہ قائم کرنا"۔ آخر جب کچھ سمجھ میں نہ آئی خود ہی تھک کر بول گئے: "کلامے معنیش دو بطن قائل"۔ یعنی انگور کھٹے ہیں۔

مولوی صاحب! جس کا فصیح بلیغ کلام سمجھ نہ سکو، جس کی سلیس واضح عبارت کا ترجمہ نہ کر سکو اس پر موںھ آنا کیا مقتضائے انصاف ہے۔

(۹۸۹) عربی تو عربی مولوی صاحب اردو بھی 'نمی فہمند' یہیں تو فرمادیا تھا کہ: "بماقدمنا من تحقیق" اور آپ نے اتنا ترجمہ سمجھ بھی لیا تھا کہ "تحقیق جو پہلی گزری" وہ تحقیق گزشتہ تو اردو میں تھی کہ: "لفظ بین یدی کا حاصل صرف اس قدر کہ سامنے آگے مواجہہ میں" پھر فرمایا: "بین یدی سمت مقابل میں منتہائے جہت تک صادق ہے" پھر فرمایا: "ہاں ایسی جگہ عرفاً بنظر قرائن حالیہ ایک نوع قرب ہر شی کے لائق

ا۔ ائمہ کے نام گنا کر ان ناموں کی طرف مؤنث کی ضمیر "مولوی صاحب وغیر ہا" ان کے یہاں پھرتی ہوگی۔۱۲

۲۔ جھونٹ بڑے نون سے عجب وہ جس کی کونٹ میں آیا یعنی کوٹ میں ۱۲ منہ

۳۔ یعنی پھوٹ۔۱۲ منہ

مستفاد ہوتا ہے"۔ جس کا صاف حاصل یہ تھا کہ لفظ فی نفسہ مطلق ہے اس کا اپنا مفاد مواجہہ ہے، اور اشیا میں قرائن خارجہ سے حدود قرب ہر شی کے لائق مستفاد ہوتی ہیں، اس لیے "وانہ" میں واو عاطفہ فرمایا تھا کہ دو باتوں کی تحقیق گزری تھی، ایک نفس مفاد لفظ۔ دوسری بحسب مقام، ایک قرب مناسب کا استدعا۔ اب کسی طالب علم سے پوچھ دیکھیے کہ مطلق اپنے مصادیق سے جس پر اطلاق ہو حقیقت ہی ہوگا، تعیین مصداق بذریعہ قرینہ ہونا مطلق کو اپنے نفس معنی میں محتاج قرینہ ومجاز نہ کردے گا۔ مگر ع: آنرا کہ خرد نیست از و ہیچ عجب نیست۔

(۹۹۰ و ۹۹۱) قرائن حالیہ سے تعیین مصداق پر دو آیات کریمہ تلاوت فرمائی تھیں،

﴿بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ﴾ (۱)

اور فرمایا: "بین یدی نے قرب مطر کی طرف اشعار فرمایا مگر یہ نہیں کہ ہوائیں چلتے ہی پانی اترے الخ"

دوسری ﴿بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴾ (۲)

اور فرمایا: "آیت سے قرب قیامت کا اشارہ فرمایا، نہ یہ کہ بعثت کے برابر ہی قیامت ہے الخ"

پوری عبارات قسم ۲۲ رمیں گزریں، مولوی صاحب آیات کو تو کیا سمجھتے ان دونوں عبارات ہی کو نہ سمجھے، اور فرمادیا کہ: "قرینہ حالیہ کا قول کرنا اور اس پر دلیل نہ قائم کرنا"

ع: بریں فہم ودانش بباید گریست۔

(۹۹۲) ص ۴۴ ر "مولانا نے یہ معین نہ کیا کہ یہ معنی بین یدیہ کے حقیقی ہیں یا مجازی"

سبحان اللہ! معنی بتائے، محاورے دکھائے، آیتیں سنائیں، حدیث لائے، اور آپ ابھی اسی سوچ میں ہیں کہ زلیخا مرد یا عورت۔

(۹۹۳) طرفہ تر یہ کہ ع: کہ خود گفتہ وخود ندانند کہ چیست۔ قرینہ حالیہ کا لفظ دیکھ کر سمجھ لیے کہ معنی مجازی بتائے ہیں، خود ہی فرمایا کہ "بلا قرینہ مجاز اختیار کرنا" آپ کی الٹی سمجھ پر بھی تو معین کردیا تھا کہ معنی حقیقی ہیں یا مجازی۔

(۹۹۴ تا ۱۰۰۰) حدیث ابن ماجہ "من أدرك الأذان في المسجد ثم خرج لم يخرج لحاجته وهو لا يريد الرجوع فهو منافق" (۳)

---

(۱) [النمل:٦٣] (۲) [سورة سبا:٤٦]

(۳) [نصب الراية لأحاديث الهداية باب ادراك الفريضة:٢٠٢٧:٢/١٥٥]

مسجد میں جو شخص اذان پائے پھر بلا ضرورت نکلے اور آغاز جماعت تک واپسی کا ارادہ نہ رکھتا ہو وہ منافق ہے۔

ہر تھوڑی سمجھ والا بھی سمجھ لے گا کہ ارشاد حدیث یہ ہے کہ جو مسجد میں ہو اور اب اذان ہوئی وہ بے نماز پڑھے مسجد سے باہر نہ نکلے، اور اگر کوئی ضروری کام ہو تو جماعت ہونے سے پہلے واپس آجانے کے ارادے پر نکلے ورنہ وہ منافق ہے، مسجد میں اس شخص کا ہونا مراد ہے۔ اسی کو" ثم خرج" فرمایا ہے کہ پھر باہر نکلا، اسی کو "لایرید الرجعة" فرمایا ہے: کہ مسجد میں واپسی کا ارادہ نہ کیا، مگر جاہلوں کی نافہمی کے علاج کو فتوائے مبارکہ تحفہ حنفیہ میں اس پر تنبیہ فرمادی تھی کہ " في المسجد ظرف الادراک دون الأذان" اور اسے شرح علامہ مناوی سے واضح فرمایا تھا کہ انہوں نے "في المسجد" سے پہلے "وھو" بڑھایا، یعنی وہ شخص مسجد میں ہو۔ پھر حدیث صحیح امام احمد سے روشن کیا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اذا كنتم في المسجد فنودي بالصلوة فلايخرج أحدكم حتى يصلي"(۱)

جب تم مسجد میں ہو اور اذان دی جائے تو تم میں کوئی بے نماز پڑھے نہ نکلے۔

حدیث نے صاف فرمادیا کہ وقت اذان نمازی کا مسجد میں ہونا مراد ہے نہ کہ مسجد کے اندر اذان۔ مولوی صاحب کی تمیز

اولاً: اس ظاہر متبادر واضح لائح معنی کی توجیہ سمجھی، یہ جہالت ہے۔ توجیہ یہ کہ ظاہر ازروئے سخن اور طرف ہو اسے معنی مقصود کی طرف پھیرا جائے۔ کلام آپ ہی جس طرف متوجہ ہے کیا محتاج توجیہ ہے کہ تحصیل حاصل ہے۔

ثانیاً: اس بیان معنی کو جو شرح مناوی و حدیث احمد سے روشن تر فرمایا تھا، ان دونوں کو دو توجیہ جداگانہ سمجھے کہ ص ۱۷ پر بولے: "جناب مولانا صاحب نے تین توجیہیں اس حدیث میں کیں" مولوی صاحب کی سمجھ کی یہ حالت ہے تو حرفے گفتن چہ ضرور۔

ثالثاً: اس پر جو ریزیں فرمائیں کہ "اگرچہ قرب فی المسجد کا ظرف ہو تو کیا استحالہ ہے، آپ مستدل ہیں اور یہ کہ مناوی نے ایک محمل اختیار کیا تو دوسرے تیسرے احتمال کی نفی نہ ہوئی"

ان کی خدمت گزاری تو جناب کی قسم ہنقیت میں گزری، مگر حدیث امام احمد سے جواب اور بھی

---

(۱) [الترغیب والترھیب: ۱/۱۸۹]

مزے کا ہے کہ:

''فنودي بالصلاۃ'' میں اگر قید خارج المسجد کی مذکور ہوتی تو آپ کو مفید ہوتی، مطلق دونوں کا احتمال رکھتا ہے''

عقل کی پڑیا کلام ''في المسجد'' کے تعلق میں تھا کہ ''أدرك'' سے متعلق ہے، یا ''الأذان'' سے ؟۔حدیث صحیح مسند نے واضح فرمادیا کہ ''أدرك'' سے متعلق ہے، بات ختم ہوگئی، آگے آپ کی نافہمی کے سوا کیا ہے۔

رابعاً: یہاں بھی وہی ہنقیت ہے، بے عقل مخالف اس حدیث سے مسجد کے اندر اذان پر استدلال کرتا تو قید'' في المسجد ''متعلق اذان نہ ہوتا، بلکہ اذان سے اس کا تعلق ضرور نہ ہونا ہی ہمیں کافی تھا، نہ کہ قید'' في المسجد ''رہی ہی نہیں مگر تعلق رہ گیا کہ خود آپ کے منہ دونوں احتمال رکھتا ہے، پھر مستدل بے چارے کے ہاتھ میں کیا رہا۔ زہے ملائی۔

خامساً: یہ تمیز عش عش کرنے کے قابل ہے کہ: ''اگر بوجہ قرب 'فی المسجد' کا ظرف ہو''

مولوی صاحب شرح مائۃ عامل پڑھیے: ''في المسجد'' ظرف ہے نہ کہ'' في المسجد'' کا کوئی اور ظرف ہے۔

سادساً: یونہی سہی پھر یہ کس نے کہا کہ ''فی المسجد کا ظرف ہو'' کون ہو، کیا اذان ظرف ہو، یعنی اذان کے اندر فی المسجد حلول کر جائے، زہے ملائی۔اور اگر لفظ (کا) کاتب کے سر منڈھیے کہ اس نے غلط بڑھادیا تو اب بھی کلام مہمل ہے'' في المسجد ''تو ہر طرح ظرف ہے بوجہ قرب کی اس میں کیا خصوصیت،اور اس میں استحالہ کس نے کہا تھا، غرض مولوی صاحب لکھتے نہیں، بلکہ کوئی خواب پریشان دیکھ کر برّاتے ہیں۔

سابعاً: علامہ مناوی نے جو شرح فرمائی کہ: ''(من أدرک الأذان) وهو (في المسجد)'' اس پر ریز کی کہ: ''اگر هو کی ضمیر اذان کی طرف راجع کریں تو مطلب کیا ہوا'' جنابا! یہاں علامہ نے آپ کی اس جہالت ''بوجہ قرب'' کا علاج فرمایا تھا۔ اگر ''فی المسجد'' ظرف اذان ہوتا تقدیر ضمیر وتفسیر ظرف بجملہ حالیہ کی کیا ضرورت ہوتی۔''ولكن المولوی جي لايفهمون''.

اللہ اللہ ہزارہ تو پورا ہوگیا اور کمالات مولوی صاحب کو بس نہیں

مولوی صاحب کی آثار المبتدعین کی ردی حالت دیکھ کر پہلے صرف اتنا ارادہ ہوا کہ سراوالی کے رد کی طرح اس پر بھی ایک اشتہار چھاپ دیں، پھر خیال ہوا کہ اس قدر کثیر ووافر انبار افترا و خیانت و مکر

وجہالت کا اس کے لائق نمونہ دکھانے کو بھی ایک اشتہار کیا بس ہوگا۔ لہذا قصد ہوا کہ ''نفی العار'' کی طرح اس ''مقتل کذب وکید'' میں بھی مولوی صاحب کے صرف سوسوا سو کمالات گن دیں گے، مگر قلم اٹھا تو پانسو سے زیادہ پر نمبر پہنچا اور بہت باقی تھے۔ لہذا ایکم ذی القعدہ کے اشتہار میں (کہ مولوی صاحب کے دو جیتے افتراؤں پر پیشگی سوروپے کا انعام اور دس دن کا وعدہ تھا، بفضلہ تعالیٰ ان دس روز کو گزرے بھی آج پانچواں (۱) دن ہے اور مولوی صاحب کی صدائے برنخاست) یہ اندازہ لکھ دیا تھا کہ ''مقتل کذب وکید'' میں سات سو سے زیادہ ان کے مکر وکذب وکید کا شمار ہے، رسالہ زیر طبع ہے اسے دس ہی دن گزرے کہ کلکتہ کی ایک تحریر آئی جس میں حقیقۃً ان صاحبوں نے ہماری موافقت کی، مخالفین کے شبہات پر قیامت کی، مگر......... خبر باشتباہ کی بنا پر نام خلاف لیا جس کے جواب میں یہاں سے فوراً رسالہ ''النکتہ علی مراء کلکتہ'' چھاپ کر چوتھے روز مرسل ہوا، اس ہفتہ میں مولوی صاحب کے شمار پانسو بنتے نوسو تک پہنچا، اور بہت باقی تھا۔ لہذا رسالہ ''النکتہ'' میں اب یہ تخمینہ لکھا کہ ''تازہ رسالہ مقتل کذب وکید کہ زیر طبع ہے، ان پر کامل ایک ہزار رد اس میں ہیں'' اور اسی بنا پر اس کا تاریخی لقب ہزار ضرب اقویٰ (۱۳۳۲) تجویز کیا۔

شان خدا کل ہی وہ رسالہ روانہ ہوا ہے، آج مولوی صاحب پر ہزارہ پورا ہو گیا۔ اور ہنوز بہت کچھ کہنا ہے، اب اسے ہم کیا کریں جہالات میں ان کی بڑھتی دولت ہی نا متناہی سی ہے، خدا دے اور بندہ لے۔ ضروری ابحاث چھوڑے نہیں جاتے، ادھر ناظرین انتظار میں ہیں۔ لہذا اس ہزارے کو مقتل کذب وکید کا حصہ اول بنائیں اور بعونہ تعالیٰ دوسرے حصہ میں ہزار دوم کا آغاز کریں۔

ناظرین علم دوست کو بشارت ہو کہ بفضلہ تعالیٰ اس حصہ میں نہایت نفیس وجلیل ابحاث علمیہ ہوں گے کہ اس میں مولوی صاحب کی اقسام جہالت کا بیان ہے، ہندسہ دانوں کو مژدہ کہ اس کے آخر میں بحولہ تعالیٰ ہندسی مباحث بھی ہوں گے کہ وہاں مولوی صاحب کی ہندسہ دانی بھی کھولی ہے، وباللہ التوفیق وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین۔ آمین والحمد للہ رب العلمین

مسلمانوں کو نہایت ضروری اطلاع

مسلمانو! ''اذان من اللہ'' میں مولوی عبد الغفار خاں صاحب پر ۴۴؍ رد تھے۔ ''نفی العار'' میں ۱۱۶؍ رد تھے۔ ''سلامۃ اللہ لاہل السنۃ'' میں ۳۵۰؍ رد تھے۔ اب اس ''مقتل کذب وکید حصہ اول'' میں

۱۔ اور آج تو یہ کہ کاپی ریز طبع ہے ۲۴؍ روز ہو گئے وللہ الحمد۔ ۱۲

۱۰۰۰/رد ہیں۔ اب تک ان پر ڈیڑھ ہزار دس رد ہوئے۔ ان کی ''آثار المبتدعین'' میں آپ سن چکے کہ محض جھوٹ فرمادیا کہ ہم نے ان چون اعتراضوں کے بھی اس میں جواب دیے ہیں، اور جھوٹ کا پردہ یہ رکھا کہ ضمناً دیے ہیں، بچوں کی طرح نمبروار نہیں دیے ہیں۔

مسلمان ہوشیار رہیں! آئندہ اگر مولوی صاحب کی کوئی تحریر چھپے اس میں ڈیڑھ ہزار اعتراضوں کے نمبروار جواب دیکھ لیں، ورنہ وہ تحریر اصلاً قابل توجہ نہ ہوگی۔ ہزاروں اعتراضوں میں ایک کا جواب نہ دیں، اور وہی ہمیشہ کی مردودیت پیش کریں، اور محض جھوٹ سے اس کا نام جواب رکھیں، یوں تو کوئی اجہل سا اجہل امام اعظم سے بھی نہیں ہار سکتا۔ ہم اطلاع کر چکے، آگے انصاف کی توفیق وہ اللہ عزوجل کے ہاتھ ہے۔ والسلام۔

آج ۲۵/ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ کو طبع ہو کر شائع ہوا۔

”آثار المبتدعين لإعدام حبل الله المتين“

کا تیسرا رد

رسالہ

نفي العار

من

معايب المولوي عبد الغفار

۱۳۳۲ھ

بحمدہ تعالیٰ

تمہید

دربارہ اذان جناب مولوی عبدالغفار خاں صاحب کی پہلی تحریر پر رسالہ ''اذان من اللہ'' شائع ہوا، اس کے سوالات کا مولوی صاحب نے اب تک جواب نہ دیا، ان کی دوسری تحریر پر رسالہ مبارکہ ''سلامۃ اللہ لأھل السنۃ'' پہنچا ہوا ہے، جس میں ان پر ساڑھے تین سو رد ہیں، جب چون (۵۴) کا جواب بفضلہ تعالیٰ ناممکن ہوا، ساڑھے تین سو کی جھوک کون اٹھائے، مگر جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب نے وہ دونوں تحریریں گاؤ خورد و دریا برد فرمادیں، دعوت مناظرہ کے جواب میں صاف تحریر فرما بھیجا کہ نہ یہ تحریریں میری نہ میں نے ان کی تصدیق کی نہ حکم کیا، نہ مشورہ دیا، لوگوں نے مجھ پر افترا کیا، میں ان کی فریاد اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں۔

اس خط کے شائع ہونے نے رام پوری ساری کمائی خاک میں ملائی، ناچار احباب کو اس زخم ناممکن الاندمال کی مرہم پٹی ضرور ہوئی، سہ بارہ ایک تحریر پھر لکھنی پڑی۔ مضمون لائیں کہاں سے، اعتراضات قاہرہ کا جواب دیں کس دل وزبان سے، مجبورانہ انھیں مردودات سے ایک پرچہ پھر پُر کرکے شائع کیا اور اس کے آخر میں پھر جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب کے نام سے ایک سطر عبارت بے معنی کو جلوہ دیا۔

یہ اشتہار بوجہ کمال اہمال قابل توجہ نہ تھا مگر بخاطر عوام دو صاحبوں نے اس کے دو رد تحریر فرمائے، ایک مکرمی جناب قاضی عطا علی صاحب بیسلپوری نے، دوسرا جناب مکرمنا مولوی سید ظہیر حسن صاحب الہ آبادی نے، یہ دونوں رد اپنی نوعیت میں جدا جدا طرز پر تھے۔ بعض اعتراضات مشترک اور اکثر علاحدہ۔ بعض احباب نے مناسب جانا کہ ان دونوں کو ایک سلک میں منسلک کیا جائے کہ فی الجماعۃ برکۃ۔ لہٰذا جناب مولانا مولوی ابوالبرات محی الدین جیلانی نے مکررات کو ملخص کیا اور بہت افادات کا اضافہ فرمایا، اور ان تینوں تحریروں کے مجموعہ کو کہ سہ گرز یک فاختہ ہے بنام تاریخی ''نفی العار من معایب المولوی عبدالغفار'' مسمّی کیا۔ معایب المولی عبدالغفار کے عدد ۱۶۳۴۔ اور العار کے عدد ۳۰۲۔ لفظ نفی ان میں سے ان کی نفی پر دال پس ۱۶۳۴۔۳۰۲=۱۳۳۲۔ وباللہ التوفیق۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلي علی رسولہ الکریم

الحمد للہ منکران مجددین کے منہ سے اہل حق کی ڈگری بحال

الحمد للہ جناب مولوی عبد الغفار خاں صاحب رامپوری کی تازہ تحریر نے اور بھی واضح کردیا کہ مخالفین کے پاس علمائے اہل حق کے کسی اعتراض کا جواب نام کو نہیں، ورنہ کس دن کے لیے اٹھا رکھتے، ساتھ ہی نہ قبول حق کی توفیق، نہ سخن پروری چھوڑنے کی، اور یہی حال نہ ایک مولوی صاحب موصوف بلکہ اس مسئلہ میں جملہ مخالفین کا ہے، ولہذا آٹھ سو سے زائد سوالات پہنچے ہوئے ہیں، کوئی صاحب کسی کے جواب کا نام نہیں لیتے اور اپنی اپنی بولیاں بولتے ہیں۔ بلا پس ہو یہ بھی سہی مگر ہر بار کوئی صاحب نئی بات تو فرماتے ہیں جس سے دیکھنے والے مبصروں کو اتنا صبر تو آتا کہ اگرچہ غلط کہی مگر نئی تو کہی۔ نئی کا ازالہ ضرور ہے، یہ نہیں بلکہ جب کہیں گے اور نئے پرانے جو صاحب کہیں گے وہی ڈھاک کے تین تین پات۔ جس کے سو سو رد ہو چکے۔ ایک رد کو ہاتھ نہ لگائیں اور پھر وہی مردودات سامنے لائیں، الٰہی اگر وہ دھوکہ دیتے ہیں تو کیا دیکھنے والوں کے منہ پر بھی آنکھیں نہ رہیں۔ اللہ ہدایت فرمائے، اللہ اتباع حق کی توفیق دے، آمین۔ اب سلسلۂ اعتراضات شروع کروں، وباللہ التوفیق:

(۱) تنقید اشتہار سے پہلے اشتہار کا وہ سفید جھوٹ دیکھیے جو اس کا آغاز بلکہ اس کے عنوان سے بھی پہلے ہے، کہ میری جانب سے یہ اول تحریر ہے جو جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب کے مقابل شائع کی گئی۔

اقول: سبحان اللہ

جانتے ہی نہیں تم کذب کا انجام ہے کیا — بات ایک پہلی پہل نام خدا تم نے تو کی

مولوی صاحب کیا آپ کو اپنے اس پہلے فتوے سے انکار ہے جس کے رد میں اعتراضات قاہرہ

کے تین حصے چار ماہ سے زائد ہوئے کہ درگاہ رضوی سے شائع ہوئے اور آج تک جناب کو جواب کے لیے قلم پکڑنے تک کی ہمت نہ ہوئی۔

(۲) کیا مولوی عظمت شاہ کی طرف منسوب فتویٰ پر آپ نے مہر نہ کی، اور وہ بھی الجواب ھو الصواب لکھ کر جس نے فرضی نام کی ٹٹی کھول دی اور وہ ساری تحریر آپ کی بول دی۔ کیا یہ آپ کی دونوں تحریریں فتوائے اعلیٰ حضرت کے مقابل نہ تھیں۔ پھر اس نئی کو اپنی تحریر اول بتانا کیا ناواقفوں پر دن دہاڑے اندھیری ڈالنا نہیں۔

(۳) اس انکار سے جناب کا مطلب تو یہ تھا کہ آپ کی پہلی تحریر پر چون (۵۴) دوسری پر ساڑھے تین سو (۳۵۰) اعتراضات قاہرہ پہنچے ہوئے ہیں، ان سے جان بچ جائے کہ وہ تحریریں ہماری ہیں ہی نہیں، ہم تو پہلی بسم اللہ آج بولتے ہیں، مگر عاقلان نیک می دانند۔ جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب ان دونوں تحریروں، ان کی تصدیقوں، بلکہ ان میں مشورہ تک کی شرکت سے منکر ہو گئے، تو ان کا انکار وجہ سے ہے، اور متواتر خبروں سے ثبوت ہوا کہ وہ مظلوم ہیں، انھیں ہر بار مجبور کیا گیا، ناجائز دباؤ ڈالے گئے، اور پیچھا چھڑانے کو انھوں نے دو حرف گول پہلو دار لکھ دیے، خدا ناترسوں نے ان میں طنز کے پھندنے لگا کر فریبی فتووں کی تصدیق بنا کر چھاپ دیے، جس کی فریاد وہ اللہ عزوجل سے کرتے ہیں۔ ان کے خط میں ان باتوں کی تصریح ہے مگر آپ ان دو تحریروں سے کیوں کر مکر سکتے ہیں۔ آپ ہی بادی، آپ ہی بانی، اور آپ ہی منکر ہوں۔ اگر ناگواری خاطر عاطر کا خیال نہ ہوتا تو یہاں یہ دو شعر عرض کرنا بے جا نہ تھا:

گر بوذ کا منکر شدہ انکار او دارد سبب   تو از چہ رو منکر شوی بادی توئی بانی توئی
داد از تو ایشاں خواستہ نان از تو ایشاں یافتہ   اطفال تصدیقات را دادی توئی نانی توئی

خیر مطلب جناب تو یہ تھا مگر نہ سمجھے کہ یہ بھی اہل حق کی صریح جیت ہے، آپ بھی جناب مولوی سلامت اللہ صاحب کی طرح تحریر دے دیجیے کہ میری طرف ان دونوں فتووں کی نسبت افترا ہے، نہ میری تحریر نہ تصدیق، نہ حکم نہ مشورہ، اور بہتر ہے کہ دو ایک سنی جو اور رہے ہیں جیسے مولوی حامد حسین صاحب ان سے بھی یوں ہی لکھوا دیجیے، ان چار سو چار قاہر اعتراضوں سے سر بچانے کی یہ سب سے بہتر تدبیر ہے۔

اب باقی رہے چند جہال ومجاہیل، یا ضلال واضالیل، یا اطفال ومطافیل، انھیں کون منہ لگاتا ہے، مطلع صاف ہے، وللہ الحمد۔ بلکہ انصاف تو یہ ہے کہ ایک جناب مولوی سلامت اللہ صاحب کے انکار ہی سے مطلع صاف ہو گیا، آپ دو تین حضرات بھی نرے برائے بیت تھے، کما لا یخفی۔

(۴) یہ تو فرمایئے کہ سوالات قاہرہ کے اعتراضات قاہرہ کا جو قرضہ جناب پر چار پانچ مہینے سے سوار ہے وہ کیوں نہ ادا فرمایا۔

(۵) حق نما فیصلہ کے (۶۰) سوالوں کا جواب کیوں نہ لکھا۔ اگر دعوی علم ہے تو وہ شرق سے غرب تک تمام علمائے اہل سنت سے سوال تھے اور قطعی اعلان لکھ دیا تھا کہ جو صاحب خلاف چاہیں پہلے ایماناً ان کے جواب دے دیں پھر جو چاہیں فرمائیں، ورنہ ان کی بات اہل انصاف کے نزدیک ہرگز لائق التفات نہ ہوگی، اور اگر جناب ان کے جواب سے یوں بچیں کہ وہ سوال تو علما سے ہیں، ہم عالم نہیں تو جناب آپ کو شرعی فتوے میں دخل دینے کا کیا حق ہے، آپ نے حدیث شریف نہ سنی کہ **"من أفتی بغیر علم لعنته ملائکة السماء والأرض"**(۱)

جو بغیر علم کے فتویٰ دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں، **والعیاذ باللّٰہ تعالیٰ**۔

(۶) طرفہ یہ کہ جناب نے دیوبندیوں کا دامن پکڑا، بہت باتوں میں کان پوری تحریر بلکہ سراوالی تک کی تقلید فرمائی، مگر "وقایۃ اہل السنۃ" کا جواب نہ لکھا۔ مردود کا ساتھ دینا اور تین سو قاہر ردوں پر سانس نہ لینا کیا شرط انصاف تھا۔ مگر آپ کیا کیجیے اس مسئلہ میں سب مخالفوں کی قسمت کا یہی بدلہ ہے۔

قولہ: مدعیان مجددیت کی ڈگری ڈسمس۔

اقول: مولوی صاحب جسے دنیوی دوکوڑی کے فیصلہ کا اختیار نہ ہو وہ حاکم مرافعہ بنے، ڈگری کو ڈسمس کر سکے اور ڈگری بھی کون سی اہل حق کی جن کو ڈگری دینے والے اللہ ورسول ہیں۔ جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(۷) آپ حضرات تو دیدہ و دانستہ حق کو مٹانے کا بیڑا اٹھائے ہیں، مگر کیا سب مسلمان معاذ اللہ آپ ہی جیسے ہو جائیں گے، کیا مسلمان نہ دیکھیں گے کہ یہ ڈگری کس بات پر تھی، اس پر کہ آپ صاحبوں نے اپنے دونوں فتووں پر جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب کی تصدیق چھاپی۔ رام پور، پیلی بھیت، بیسل پور، بریلی، مرادآباد، پاس پاس کے شہروں میں انھیں کی مہر کا شہرہ تھا، مخالف انھیں کا نام لیتے تھے۔

الحمد للہ کہ انھوں نے آپ حضرات کا فریب کھول دیا، صاف صاف حق بول دیا کہ نہ یہ فتوے میں نے لکھے، نہ ان کی تصدیق کی، نہ حکم کیا نہ مشورہ دیا، میری طرف اس کی نسبت محض بہتان وافترا، میں اللہ سے ان کی فریاد کرتا ہوں جنھوں نے میری عبارت میں گھٹا بڑھا کر ان فتووں کی تصدیق بنالی۔ فرمایئے

(۱) [جامع الصغیر: ۲/۵۱۷۔ حدیث: ۸۴۹۱]

اہل حق کی ڈگری تو یہ تھی، آپ کی اس ڈمس میں اس کے کس حرف کا انکار ہے؟۔کیا اب مولوی سلامت اللہ صاحب نے لکھ دیا کہ ہاں وہ فتوے میرے ہیں؟۔یا میں نے ان کی تصدیق کی ہے؟۔یا میں نے حکم کیا، یا مشورہ دیا؟۔اور جب وہ اب بھی ان میں سے کچھ نہیں لکھتے تو ڈگری کا ہے پر ڈمس ہوئی۔

(۸) بلکہ خدا عقل دے تو ڈگری پر اور رجسٹری ہوگئی کہ ان کا وہ خط شائع ہونے کے بعد اہالی موالی نے ان کو بری طرح گھیرا۔نہایت ناگفتنی سخت سست کلمات بررد کہے۔(ہمیں وہ کلمات بھی معلوم ہوئے ہیں۔مگر ہم اپنا قلم و کاغذ ان گندے لفظوں سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے) یوں گلے پر چھری رکھ کر شاید کسی پرچہ پر کوئی سطر ان سے لکھوا پائی، اول تو یہی کیا اعتبار کہ وہ سطر یہی ہے جو آپ کی اس تحریر سوم میں ہے، جو بے باک دوبار افترا کر چکے۔تیسری بار افترا کرتے انھیں کیا لگتا ہے، اور جب آپ ان پر اتنے حاوی ہیں کہ گلا دبا کر ان کے خلاف مرضی کچھ لکھوا لیتے ہیں۔تو مہر ان سے جھٹک لینا کیا مشکل ہے، ثقات معتمدین کے سامنے وہ شاکی تھے کہ (۱۔۸) زبردستی میری مہر لے گئے۔

(۹) اگر بالفرض یہی ہے وہ سطر جو زبردستی ان سے لکھوائی۔تو اس میں کیا دھرا ہے، اب بھی انھوں نے ہرگز اقرار نہ کیا کہ وہ تحریر یا تصدیق میری تھی، یا میرے حکم یا مشورہ سے تھی، تو ڈگری دوبالا ہو کر کامل ناطق ہوگئی، فریبی فتووں کا فریب آشکار ہوگیا، پھر بھی ہٹ دھرمی کیے جایئے تو اس کا کیا علاج۔

(۱۰) اس تحریر کا کہنا کہ متوارث سے میری مراد یہ تھی وہ نہ تھی، اس سے ان فریبی تصدیقوں کی کیا مرہم پٹی ہوئی، ان کی مراد یا ان کا عندیہ شریعت میں کیا وقعت رکھتا ہے، وہ کوئی امام ہیں، مجتہد ہیں، شرع میں ذی رائے ہیں، صاحب فتوئی ہیں، کون ہیں کہ ان کا عندیہ دین الٰہی میں حجت ہو۔بحث تو اس کی تھی کہ وہ صاف فرما چکے کہ...

"نہ یہ تحریر میری، نہ میں نے تصدیق کی، نہ میرا مشورہ، نہ میرا حکم، کم وبیش کرنے والوں کی اللہ سے فریاد کرتا ہوں"۔

ان کی ان تصریحات کو اس تحریر سے کون سی ٹھیس لگی، بہرحال فریبی فتوے اب بھی فریبی ہی رہے اور یہی اہل حق کی ڈگری تھی۔وللہ الحمد۔

(۱۱) لطف یہ ہے کہ اب بھی انھوں نے صاف نہ کہی، یہی فرمایا کہ مراد وہ معنی ہیں جو فی الواقع محقق ہے، باقی اشاروں سے کام لیا ہے، جن کا مرجع متعین نہیں، دو بار تو ہو چکا ہے کہ وہ اور پرچہ پر لکھتے اور لوگ اسے اپنی تحریر میں جوڑ دیتے ہیں، ممکن کہ انھوں نے بریلی کا کوئی پرچہ اٹھا کر اس کی پشت پر لکھ دیا ہو کہ جس کا نمونہ اس تحریر میں دکھایا گیا اور اسے حسب عادت آپ نے اپنی تحریر پر نقل کر لیا ہو۔

(۱۲) مدعیان ڈگری اور اسی طرح آپ کی پیشانی کی عبارت مدعیان مجددیت کی ڈگری ڈسمس اگر بفرض غلط انھیں نے لکھی ہو تو اب بھی دو پلی کہی، مدعی جس طرح دعویٰ کرنے والے کو کہتے ہیں یوں ہی عرف میں مخالف اور دشمن کو:

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

تو یہ آپ پر اوندھ جائے گی، دیکھیے یہ تیسری بار ہے کہ جناب موصوف پہلودار سے، آپ کو بہلا دیتے ہیں اور ہر بار آپ حضرات بہل جاتے ہیں، جبھی تو آپ کے موافقین میں جو صاحب کچھ عقل رکھتے ہیں وہ ان دو پہلو باتوں سے بہت کھسیاتے ہیں، بعض صاحب یہاں تک کہتے سنے گئے:

دوہرا مکاں بنایا ہے رہنے کو یار نے گر میں گیا ادھر سے اُدھر سے نکل گیا

ایک صاحب نے اس کا یہ خمسہ پڑھ دیا:

بے تاب کر رکھا ہے دلِ بے قرار نے جاتا ہوں بار بار میں در پر پکارنے

پختہ کیا ہے اس کو کسی پختہ کار نے دہرا مکاں بنایا ہے رہنے کو یار نے

گر میں گیا اِدھر سے اُدھر سے نکل گیا

مگر اہل حق جانتے ہیں کہ مولوی صاحب مظلوم ہیں، اپنا گلا چھڑانے کو توریہ کرتے ہیں: نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔

(۱۳) قولہ: جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب نے مسئلہ اذان میں تمام سلف وخلف کا خلاف کیا ہے۔

اقول: وقایۃ اہل السنۃ نے آفتاب سے زیادہ روشن کر دیا کہ سلف کا عمل کیا تھا، زمانہ اقدس رسالت وخلافت راشدہ میں یہ اذان کہاں ہوتی تھی، مگر آپ حضرات نے تو عہد باندھ لیا اور سخت سے سخت قسم کھائی ہے کہ ہزار سنیں اور ایک نہ مانیں، اللہ ہدایت دے۔

(۱۴) بلکہ انصافاً یہاں آپ کی بے باکی دیوبندوں سے بڑھی ہوئی ہے، کان پوری تحریر نے تو اتنا کہا بھی تھا کہ ہشام کے زمانہ سے تو اس کا قریب منبر ہونا سب کو تسلیم ہے جس سے ظاہر تھا کہ وہ اس قدر ماننے کو تیار ہے کہ ہشام سے پہلے بیرون مسجد ہوتی تھی، اگرچہ اس کا بھی روشن رد وقایہ نے فرما دیا، اور ثابت کر دیا کہ ہشام نے بھی اذان ثانی میں تبدیل نہ کی، مگر آپ کے منہ سے زمانہ بابرکت حضور پرنور سے الی یومنا ہذا نہیں چھوٹتا۔ قاہر اعتراضات نے کھول کر دکھا دیا تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افترا ہے، افسوس کہ اس وقت نادانستہ تھا اب مکرر تنبیہوں کے بعد دیدہ ودانستہ ہو گیا۔ إنا للہ وإنا إلیہ

راجعون۔

(۱۵) قولہ: حرمین شریفین۔

اقول: سب میں پہلے فتوائے مبارکہ بریلی میں اس کے جوابات تھے۔ اذان من اللہ تھے۔ حق نما فیصلہ میں تھے۔ اور اب ساڑھے تین سورد والے رسالہ مسمّی بہ ''سلامۃ اللہ لأھل السنۃ من سیل النمار والفتنۃ'' میں نہایت مفصل ہیں مگر وہاں تو قسم ہوئی ہے کہ سب سے آنکھ چراؤ اور اپنی ہی گائے جاؤ۔

(۱۶) قولہ: اور تمامی ملکوں میں۔

اقول: أذان من اللہ. وقایۃ أھل السنۃ. وسلامۃ اللہ، میں روشن دلیلوں سے ثابت کر دیا تھا کہ یہ محض جھوٹ ہے، مگر عہد ہولیا ہے کہ رد کا جواب نہ دینا اور وہی بانگ۔

(۱۷) قولہ: مجمع علیہ سب سلف وخلف کا۔

اقول: اس کے بھی روشن رد اذان من اللہ میں تھے، پھر وقایہ پھر فیصلہ پھر سلامۃ اللہ میں مگر ایمان داری اسی کا نام ٹھہرا ہے کہ سب کچھ دیکھ کر پھر مرغی کی ایک ہی ٹانگ۔

(۱۸) قولہ: جناب مولانا صاحب نے اس سنت متوارثہ کو مٹایا ہے۔

اقول: ''مولوی صاحب للہ انصاف'' تو سو بار کہا اور جناب نے ہمیشہ بے انصافی ہی فرمائی۔ شاید جناب کے یہاں بے انصافی ہی انصاف ہے، تو اب یوں کہو کہ.... ایک ذرا بے انصافی۔ جب جناب کے خصم نے ثابت کر دیا کہ زمانہ اقدس رسالت وخلافت میں یہ اذان بھی بیرون مسجد تھی۔

(۱۹) اور آپ سے بارہا مطالبے کیے کہ کہیں سے زمانہ رسالت یا خلافت یا صحابہ یا ائمہ ہی میں اس اذان کے داخل مسجد ہونے کا ثبوت دیجیے۔ آپ اس کا ثبوت لا سکے نہ اس کا رد فرما سکے۔

(۲۰) بالآخر یہاں تک کہا گیا کہ معتمد کتاب سے اتنی ہی تصریح دکھا دیجیے کہ اس اذان کا داخل مسجد ہونا سنت متوارثہ ہے۔ اور آپ ہرگز نہ بتا سکے، اور نہ ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک بتا سکیں۔ پھر متوارث متوارث کی رٹ لگائے جانا کمال ڈھٹائی اور خدا ناترسی ہے یا نہیں؟ کیا آپ سوالات قاہرہ ووقایۃ اہل السنہ وحق نما فیصلہ وسلامۃ اللہ لاہل السنہ وغیرہا رسائل کے بارے سبک دوش ہولیے۔ ہزار میں ایک کا جواب نہ دے، اور اپنی ہی گائے جائے تو یوں تو کوئی اجہل سا اجہل کسی اجل سے اجل امام اعظم سے بھی ہار نہیں سکتا۔

(۲۱) قولہ: کثیر محدثین ہیں کسی نے روایت علی باب المسجد کی نہیں کی۔

اقول: اولاً امام ابن خزیمہ صاحب صحیح جن کا لقب امام الائمہ ہے اپنی صحیح میں اس روایت علی باب المسجد کے دوسرے راوی ہیں۔

(۲۲) امام جلیل ابوالقاسم سلیمان ابن احمد طبرانی معجم کبیر میں اس کے تیسرے راوی ہیں۔

مگر آپ سب حضرات نے اپنے جہل کو حاکم ٹھہرالیا ہے، کہ جو بات آپ کے قاصر علم میں نہیں وہ خدا کی خدائی میں نہیں۔ جیسے اذان کہ آپ نے اپنے گھروں میں اندر ہوتے دیکھی، بس حکم لگادیا کہ تمام جہاں میں یوں ہی ہے۔ اپنے زمانہ میں ہوتے پائی بس جزم کرلیا کہ ساڑھے تیرہ سو برس سے یوں ہی ہے۔

(۲۳) ثانیاً: بالفرض اگر اور کوئی راوی نہ ہوتا تو امام اجل ابوداؤد کا کتاب صحیح میں روایت فرمانا۔ پھر اپنے سکوت سے اس کی تصحیح وتحسین بتانا کیا بس نہ تھا۔ نری ابلہ فریبی پر مدار کار رکھنا آپ کو زیبا نہیں۔

(۲۴) قولہ: تمام عالم کے محدثین بین یدیہ کا لفظ اختیار کریں۔

اقول: اولاً مولوی صاحب، کیا صریح جھوٹ کھلا کذب کوئی ہنر ہے۔ آپ کے نزدیک بخاری ومسلم، ترمذی، نسائی، وبن ماجہ ومالک تمام عالم کے محدثین میں ہیں یا نہیں۔ کسی کے یہاں تو اذان ثانی کی نسبت بین یدیہ کا لفظ دکھا دیجیے، مولوی صاحب اندھے عوام پر اور اندھیری ڈالنا قیامت میں سخت ظلمات لاتا ہے۔

(۲۵) اب ذرا اپنی عبارت میں علی باب المسجد کی جگہ بین یدیہ کا لفظ رکھ کر یوں پڑھ لیجیے: مشہور کتابیں صحاح کی چھ ہیں۔ ایک ہی روای ہیں سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بخاری ومسلم وترمذی وابن ماجہ وموطا اور سوا ان کے کثیر محدثین ہیں کسی نے روایت بین یدیہ کی نہیں کی۔ ابوداؤد خود جو دوسری روایت نقل کرتے ہیں اس میں بھی بین یدیہ نہیں۔ ہر ذی عقل جان سکتا ہے کہ تمام عالم کے محدثین بین یدیہ کو چھوڑ دیں یہ کھلی ہوئی علامت مثل آفتاب روشن کے ہے کہ یہ قید بین یدیہ کی اختراع ابن اسحاق کا ہے۔ اگر قول سائب بن یزید کا ہوتا تو کوئی روایت کرتا۔

(۲۶) ثانیاً: افسوس آپ کی حالت زار پر کہ سنت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مٹانے کے لیے ان کے دشمنوں کا دامن تھاما اور اتنے گرے کہ تھانوی تو تھانوی سراولی کی تقلید کر گئے، اور وہ بھی صریح جھوٹ شدید افترا علی الائمہ میں۔ یہ اس نے کہا تھا کہ صحیحین میں بین یدیہ ہے، آپ کو تو کبھی صحیحین دیکھنے کا اتفاق ہوا نہیں، اس کی بات پر ایمان لے آئے۔

(۲۷) اور اتنی اپنی طرف سے ملائی کہ جب صحیحین کی متفق علیہ حدیث ہے تو ضرور تمام عالم کے

محدثین نے روایت کیا ہوگا، مولوی صاحب یہ تو آپ کی ہستی علم اور اس پر مبارک شرعیہ میں دخل اور علوم الٰہیہ کے ایک امام مسلم سے الجھنا، اللہ حیادے۔

(۲۸) ثالثاً: روایت حدیث میں بین یدیه اور علی باب المسجد دونوں کی ایک حالت ہے روایت ابن اسحاق میں بین یدیه ہے۔ تو علی باب المسجد بھی ہے، اور اوروں کی روایت میں علی باب المسجد نہیں تو بین یدیه بھی نہیں، یہ آپ کا تفرقہ کہ تمام عالم کے محدثین نے بین یدیه کو لیا اور علی باب المسجد کو چھوڑ دیا، صریح جھوٹ ہے یا نہیں۔

(۲۹) قولہ: یہ قید علی باب المسجد کی اختراع ابن اسحاق کا ہے۔

اقول: اولاً: چلیے اب ابن اسحاق معاذ اللہ حدیث وضع کرنے والے ہوگئے۔ بے شک آپ کا منہ اسی قابل ہے کہ بخاری مسلم، ابوداؤد اور ان کے اساتذہ واساتذۂ اساتذہ اور جمہور اکابر ائمہ حدیث وفقہ جسے حدیث میں امام ثقہ جانیں اور آپ اسے واضع حدیث ٹھہرائیں۔ اور پھر آپ کی مان لی جائے تو بھی تعصب آدمی کی آنکھیں پھوڑ دیتا ہے۔ کون سی؟ یہ چہرے پر کسی چتلی کوڑیاں نہیں، وہ جنھیں قرآن عظیم میں فرمایا: ﴿فإنها لاتعمى الأبصار ولكن تعمى القلوب التي في الصدور﴾ کہیے آپ نے جو کورانہ حدیث ''حبك الشيء يعمي ويصم'' پڑھی تھی۔ آیت قرآنیہ سے اس کا پورا جواب پایا یا ہنوز کسر باقی ہے۔

(۳۰) ثانیاً: ائمہ محدثین میں وہ کون سا ہے جس کے لیے بعضِ افراد نہیں۔ اسی آپ کی دلیل سے وہ سب وضّاع ٹھہریں گے۔

(۳۱) آپ نے کبھی سنا ہو کہ امام مالک کے افراد میں تو خاص کتاب تصنیف ہوئی ہے۔ وہ بھی معاذ اللہ وضاع ہوئے۔ آپ سمجھے ہوں گے کہ اس میں آپ نے خوب حق نمک نبھایا کہ اہل سنت کے تمام ائمہ کو وضّاع کذاب اور ان کی تمام کتب حدیث کر مردود و خراب بنایا، اور ذرا کھل کر بولیں گے تو بیس کے پچیس ہو جائیں گے۔

مگر حضرت یہ خبر ہے کہ افراد والے سبھی مذاہب میں ہیں۔ تو آپ نے تو کسی کی بھی لگی نہ رکھی، دیکھیے کہیں بیس کے تین ہی نہ رہ جائیں۔

(۳۲) قولہ: اگر قول سائب بن یزید کا ہوتا تو کوئی نہ کوئی روایت کرتا۔

اقول: اولاً: مولوی صاحب یہ اعتراض بھی آپ نے دیوبندی تقلید سے سیکھا مگر اس کا رد جو وقایۃ اہل السنۃ'' میں ہے نہ دیکھا وہ تو ٹھہر ہی گئی ہے کہ:

ع چشم بند، گوش بند، وادہن

(۳۳) ثانیاً: جناب نے ہزار ہا احادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ افراد ہیں مطلقاً رد کردیں، حق یہ کہ ابن سینا کی فضلہ خواری کے سوا جناب کو علوم الٰہیہ کی ہوا بھی نہ لگی۔

(۳۴) قولہ: شراح حدیث نے اس کا تعاقب کیا ہے۔

اقول: اذان من اللہ کی ضد میں کیا پرائی ہوگئیں۔ اللہ حیادے۔

(۳۵) قولہ: باستثنائے چند مالکیہ۔

اقول: اولاً: خود مذہب صاحب مذہب امام مالک جس پر جمہور ائمہ مالکیہ ہیں اور وہی ان کے یہاں مذہب مصحح ہے، اسے یوں کہتے ایک حیادار کو شرم چاہیے تھی، دیکھو اذان من اللہ۔

(۳۶) ثانیاً: ابھی ابھی تو مجمع علیہ سب خلف وسلف کا کہہ چکے تھے اب ایک جماعت مالکیہ کا استثنا ہوتا ہے، مگر عبدالغفار خان را حافظہ نباشد۔

(۳۷) قولہ: اول تو اس کے عادل ہونے میں کلام ہے۔

اقول: یہاں سے مولوی صاحب ایک کالم سے زیادہ اپنی چہارم تحریر کا امام ابن اسحاق پر تبرا اور ان کی حدیث صحیح کہہ دیں۔ سیاہ فرماتے ہیں: اور حیا یہ کہ وقایۃ اہل السنہ بھی اپنے پیش نظر بتاتے ہیں، جس میں صفحہ ۷ سے صفحہ ۴۳ تک پورے ۳۷ صفحوں میں ان تمام خیالات باطلہ کے وہ قاہر رد ہیں کہ پتھر پر پڑتے تو سرمہ کردیتے، مگر شاباش ان صاحبوں کے جگر کو کہ اس پر کچھ اثر نہیں۔ مولوی صاحب کیا میں وہ اوراق پورے یہاں لکھدوں، یہ تو غیر متناہی سلسلہ ہے، ہم لاکھ بار چھاپیں آپ قاہر ردوں کو کبھی ہاتھ نہ لگائیں، اور وہی مردودات سامنے لائیں، لہذا مہربانی فرما کر آپ وقایہ ہی پھر دیکھیے، مگر ایمان کی آنکھ سے وقایہ ہی دیکھیے اگرچہ پتھر کے دل سے مگر نہ أشد قسوۃ سے۔ افسوس ہزار ہا قاہر رد سننا اور ایک کا جواب نہ دینا اور پھر وہی مردودات حاضر لانا، اس مسئلہ اذان میں تمام مخالفین کی اسی پر گزر ہے، اللہ حیادے، اللہ انصاف دے۔ اس بحث میں طول فضول ہے۔ ہاں مولوی صاحب نے کہیں کہیں اپنی تازہ علم دانی ظاہر فرمائی ہے اس پر چار حرف مناسب:

قولہ: تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں:

اقول: عبارت تقریب کے ترجمہ میں مولوی صاحب نے اپنی وہ فضیلت دکھائی ہے کہ علم حدیث کا ابجد خواں بھی جان لے کہ جناب کو اس طرف ہوکر گزرنے کا کبھی اتفاق نہ ہوا، مثلاً:

(۳۸) یہ تو ہلکی سی ہے کہ صدوق کا ترجمہ سچا۔ یا تو مولوی صاحب کو صادق وصدوق میں امتیاز

نہیں۔ یا قصداً آدھا ترجمہ رکھ چھوڑا کہ امام ابن اسحاق کی جتنی تعریف گھٹ سکے۔

(۳۹) کمال حدیث دانی یہ کہ ’’صدوق کے واسطے عدالت لازم نہیں‘‘۔ مولوی صاحب نے فقط لغوی معنی پڑھے اصطلاح ائمہ سے آگاہ ہوتے تو ایسا نہ فرماتے۔ کیوں مولوی صاحب ایمان سے کہنا یہ ائمہ کبھی فاسق کو بھی صدوق سے موصوف کیا کرتے ہیں۔

(۴۰) افسوس آپ نے تقریب کا پہلا ہی ورق کسی سے پڑھ نہ لیا۔ صدوق کے لیے عدالت نہ لازم ہو تو یا اس میں کوئی امر قادح معلوم ہے۔ یا کچھ معلوم نہیں بلکہ مجہول ہے۔ اب ملاحظہ فرمایئے تقریب میں جہاں انھوں نے راویوں کے بارہ درجے مقرر کیے ہیں۔ سب میں اعلیٰ درجہ صحابہ کرام اور سب میں بدتر وہ جسے کاذب واضع کہا گیا۔ ان میں صدوق کو چوتھے درجہ میں رکھا ہے، اور جس میں کوئی قادح معلوم ہے اسے دسویں میں اور مجہول کو نویں میں بلکہ مستور بھی ساتویں درجہ میں ہے کہ صدوق سے تین درجے گرا ہوا ہے مگر جناب ان علوم کو کیا جانیں۔

(۴۱) لطف یہ کہ ’’الصدوق قد یکذب‘‘ سبحان اللہ حدیث الٹ دینے کا منصب بھی جناب کو حاصل ہے حدیث تو یوں ہے کہ: الکذوب قد یصدق. یہ آپ کی ’’الصدوق قد یکذب‘‘ کس کا قول ہے۔ کیا جو کبھی کبھی جھوٹ بولے عرفاً اسے صدوق کہتے ہیں۔

(۴۲) عرف درکنار ائمہ اسے بہ لفظ صدوق وصف کریں گے۔

(۴۳) کیا آپ تقریب کا پہلا ورق کبھی نہ پڑھیں گے اور ہمیشہ یوں ہی اوندھے چلیں گے۔ درجات ملاحظہ ہوں: صدوق درجہ چہارم میں ہے، اور متہم بالکذب گیارہویں میں، اور کاذب تو خود سب سے نیچے بارہویں میں ہے، مگر جناب کو تو ان علوم سے اجتناب ہے۔

(۴۴) سب سے عجب قہر یہ ہے کہ ’’رمی بالتشیع‘‘ کا ترجمہ کیا ’’چھوڑا گیا بوجہ شیعہ ہونے کے‘‘ چلیے امام ابن اسحاق متروک ٹھہرے۔ مولوی صاحب آپ کو ایک ورق تقریب کہیں پڑھ لینا ایسا دوبھر ہے ملاحظہ ہو: رمی بالتشیع وغیرہ کو پانچویں درجہ میں رکھا ہے، اور متروک کو دسویں میں۔

(۴۵) معلوم ہے کہ صحیح بخاری میں ابن اسحاق سے تعلیقاً اور مسلم میں ان سے استشہاداً متعدد روایت کیں تو آپ کے لکھے صحیح بخاری میں متروکین سے تعلیقیں ہیں، اور صحیح مسلم میں متروکوں سے استشہاد ہیں۔

(۴۶) تعلیق واستشہاد کیسے صحیحین کے رواۃ اصول مسانید میں کتنے سوا ایسے نکلیں گے کہ تقریب وغیرہ میں ان کو رمی ھکذا کہا گیا۔ مولوی صاحب نے صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں ردی کر دیں۔ کیا جناب

حلف سے کہہ سکتے ہیں کہ کبھی علم حدیث کی ہوا بھی جناب کو لگی ہے۔

(۴۷) اللہ عزوجل نے قذف کی دوصورت ارشاد فرمائی ہیں: ایک وہ کہ شوہر اپنی عورت کو زنا کی تہمت لگائے، اسے فرمایا: ﴿والذین یرمون أزواجهم﴾[سورۃ النور:٦] معنی آپ کے نزدیک یہ ہوں گے کہ جولوگ اپنی بیبیوں کو چھوڑیں اور پھر چار گواہ نہ لائیں تو مرد وعورت لعان کریں۔ مولوی صاحب فقہ میں کنز ہی پڑھ لیتے تو اچھا تھا۔

(۴۸) دوسرے وہ کہ غیر شوہر کسی پارسا مسلمان عورت کو قذف کرے اسے فرمایا: ﴿والذین یرمون المحصنٰت المؤمنٰت الغٰفلٰت﴾ اس کے معنی اپنے طور پر کہیے تو۔ جولوگ مسلمان پارسا بے خبر عورتوں کو چھوڑتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ فرمایئے یہ کون سا چھوڑنا ہے، جس پر لعنت کا حکم ہے، اللہ عقل دے، حیا دے۔ جناب مولوی صاحب! اس دم اس حال پر علوم دینیہ میں جناب کو دخل دیتے شرم چاہیے تھی۔

(۴۹) مولوی صاحب آپ نہیں جانتے کہ رمی بمعنی طعن ہے۔ شرح قاموس ملاحظہ ہو۔ تو عبارت تقریب کے یہ معنی تھے کہ ان پر تشیع وقدر کا طعن کیا گیا، نہ یہ کہ معاذ اللہ وہ بوجہ تشیع وقدر متروک ہیں۔

(۵۰) پھر طعن کیے جانے سے نہ اس طعن کا واقع میں ثابت ہونا ضرور، نہ اس سے راوی کا مجروح قرار پانا لازم۔ آنکھ کھول کر تقریب ہی دیکھیے تو آپ کو اول کی بھی نظیریں ملیں گے، "رمی ولم یثبت" طعن کیا گیا اور اس کا ثبوت نہیں۔ اور ثانی کے امثلہ تو نہایت کثرت سے پایئے گا۔

(۵۱) صاحب تقریب کی ہدی الساری مقدمہ صحیح بخاری دیکھ سکیے۔ تو اس میں صحیح بخاری کے ان کثیر راویوں کی فہرستیں پایئے گا جن پر تشیع کا طعن۔ قدر کا طعن۔ خروج کا طعن اور کاہے کاہے کے طعن ہوئے ہیں، غرض آپ تو اذان اندر کرانے کے لیے اہل سنت کی صحاح ستہ وحدیث وفقہ سب کو مٹانے بیٹھ گئے۔ سچ ہے: حبك الشيء يعمى ويصم ۔(۱)

(۵۲) آگے فرماتے ہیں:" وجہ دوم شیعہ کے یہاں تقیہ دھوکہ دہی کے واسطے کافی ووافی ہے"۔ مولوی صاحب وقایہ میں کتنا پڑھا دیا تھا کہ اصطلاح ائمہ میں تشیع ورفض میں ایسا ہی بل ہے، جیسا علم دین اور جناب کی اس تحریر میں مگر سب کچھ دیکھ کر انجان بننا عوام کو دھوکہ دہی کے واسطے کافی ووافی

---

(۱) [سنن أبي داؤد: باب في الهوى، ٤/٣٣٤]

ہے۔

(۵۳) مولوی صاحب وجہ اول وہ تھی کہ امام ابن اسحاق کے عادل ہونے میں کلام ہے، اور اس وجہ دوم کا حاصل کیا کچھ اور ہوا۔ مولوی صاحب ابھی کچھ دنوں پڑھ لیا ہوتا۔

(۵۴) "یحتمل کہ جو محدثین ابن اسحاق کی تعدیل کرتے ہیں انھوں نے ظاہر حال سے دھوکا کھایا" کیا اسی طرح جیسے مصنف "اذان من اللہ" نے جناب کے نام نامی کے ساتھ مولوی کا لفظ سن کر آپ سے مخاطبہ فرمایا، مولوی صاحب اب امام بخاری اور ان کے اساتذہ وساتذۂ اساتذہ وجماہیر ائمہ محدثین وامام ابو یوسف وامام طحاوی وامام ابوحنیفہ ان سب کی تحقیق اور پرکھ پر کیا اعتماد رہا۔ یہ سب کے سب دھوکا کھاتے اور باطل کو حق کر دکھاتے ہیں، پھر مذہب اہل سنت کی کیا ٹھیک۔

(۵۵) عجب کہ اب مولوی صاحب اپنی یحتمل سے توثیقات اجلہ ائمہ کا رد فرمانے لگے۔ امام بخاری اور ان کے اکابر اور ہزاروں ائمہ کا جزم قبول نہیں اور آپ کی یحتمل مقبول، أي سبحان اللّٰہ۔

(۵۶) آپ تو فرعی مسئلہ میں فتوائے دوم میں: من شذ شذ في النار ۔ پڑھ چکے ہیں۔ یہاں کہ جمہور ائمہ محدثین وجمیع ائمہ حنفیہ توثیق ابن اسحاق پر ہیں، آپ اس کا خلاف کر کے اور ان سب کو دھوکا یافتہ باطل کوش ٹھہرا کر شذفی النار۔ ہوئے یا نہیں۔

(۵۷) "جو اس کے خبث باطن سے واقف تھے انھوں نے جرح کیا" مولوی صاحب یہ آپ نے الٹا تقریر کیا، امام بخاری کے استاذ امام ابن المدینی تو جارح ابن اسحاق کو فرماتے ہیں انھیں ابن اسحاق کا حال معلوم نہ تھا، آپ کی اسی تقریب والے ہدی الساری میں فرماتے ہیں: جس نے ابن اسحاق پر جرح کی جب سبب بتایا ناکافی پایا۔

(۵۸) مولوی صاحب دھوکے دینا کچھ روافض سے خاص نہیں، اسی مسئلہ اذان کو دیکھیے کیسے بڑے بڑے سنی بننے والے عوام کو کیسے کیسے دھوکے دے رہے ہیں، ہر شخص کہ متعدی ادعائے علم وروایت حدیث ہو، اپنا ظاہر بنایا ہی چاہے۔ تو ہر مجروح میں آپ کی یہی تقریر جاری ہوگی کہ تعدیل والوں نے ظاہر حال سے دھوکا کھایا اور جو خبث باطن سے واقف تھے انھوں نے جرح کی تو مطلقاً جرح معتمد ہوگئی۔ اور بخاری ومسلم وہر کتاب حدیث ردی۔

(۵۹) قولہ: جناب مولانا صاحب وقایہ میں اس کی قدریت نہ اٹھا سکے۔

اقول: مولوی صاحب وقایہ میں طعن قدریت کے تین جواب موجود ہیں۔ مگر جناب کو کچھ نظر ہی نہ آئے تو اس میں وقایہ را چہ گناہ۔

(۶۰) قولہ: یہ مجبوراً لکھ گئے۔ وبالجملة هو مختلف فيه۔

اقول: اولاً: کیا یہ وقایہ کا اپنا کلام ہے۔ جناب اردو عبارت بھی دس پانچ بار غور سے پڑھ لیا کیجیے۔

(۶۱) ثانیاً: مختلف فیہ ہونا کیا جرم ہے۔ آپ نے ائمہ دین اور بالخصوص امام محقق علی الاطلاق کا فتح القدیر میں ارشاد نہ سنا کہ مختلف فیہ کی حدیث درجہ حسن سے نازل نہیں۔

(۶۲) ثالثاً: کیا اسی عبارت کا تتمہ یہ نہ تھا: وهو حسن الحديث، ابن اسحاق کی احادیث حسن ہیں۔ اسے جناب اڑا گئے جس سے آپ کی مجبوری کھلتی۔ اگر دن کو آفتاب نظر نہ آئے تو ایک افسوس اور قصداً چھپایا جائے تو ہزار۔ ولاحول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم۔

(۶۳) قولہ: تدلیس اٹھانے میں کوشش کی، یہ ثابت کیا کہ سماع ابن اسحاق کا ثابت ہے زہری سے، ہم اس کے منکر نہیں۔

اقول: مولوی صاحب آپ نے اپنے عوام کو کیا بالکل اندھا سمجھ لیا کہ جیسا چاہیے دن کو رات بتایے، وہ آپ کی مان لیں گے۔ وقایہ میں ۳۶ سے ۴۱ تک ۵ صفحہ کامل طعن کے رد میں ہیں۔ ایمان سے کہنا کیا ان کا یہ حاصل ہے کہ زہری سے ابن اسحاق کا سماع ثابت ہے لہذا تدلیس نہیں، افسوس کہ اندر کی اذان باہر کے دین ودیانت سب پر نماز جنازہ پڑھ جائے۔

(۶۴) قولہ: ابن الہمام عبد اللہ بن زید کی حدیث میں ابن اسحاق کی تدلیس اٹھانے کے بارے میں لکھتے ہیں:

اقول: مولوی صاحب اتنی بے کف چراغی۔ امام ابن الہمام تو ذہلی کا قول نقل فرماتے ہیں۔ آپ کو خود اپنے نقل فرمائے ہوئے الفاظ بھی نظر نہیں آتے کہ: قال ابن خزيمة سمعت محمد بن يحيىٰ الذهلي يقول۔ ابن خزیمہ نے کہا میں نے ذہلی کو یوں کہتے سنا۔

ذہلی انھیں متاخرین محدثین میں ہیں جو حنفیہ و مالکیہ وحنبلیہ و جمہور ائمہ کے خلاف حدیث مرسل کو نہیں مانتے۔ تو ان کا یہ قول کہ ہمارے امام کے خلاف ہے حنفی پر کیا حجت ہے۔ پھر امام ابن الہمام اگر حدیث کی صحت بہ طور محدثین متاخرین بھی ثابت کرنے کو ان میں کسی کا قول نقل کریں تو کیا وہ امام ابن الہمام کا اپنا قول ہو گیا۔ اللہ عقل دے۔

(۶۵) قولہ: خلاصہ یہ ہے کہ امام ابن الہمام وحلبی وغیرہ محققین کے نزدیک تدلیس قابل اعتبار نہیں۔

اقول: اولاً: مولوی صاحب اذان بیرون مسجد اگر بہ فرض غلط خلاف سنت بھی ہو تو کھلے افترا

و بہتان سخت کبیرہ شدیدہ ہیں۔ کیا وقایہ میں آپ کو کھول کر نہ دکھادیا تھا کہ مدلس کا عنعنہ باجماع ائمہ حنفیہ مقبول ہے۔ کیا ابن الہمام و حلبی حنفی نہیں کیا۔ حنفیہ کو آپ محقق نہیں جانتے۔ خدا شرم دے۔

ثانیاً: اسی بیان میں اس سے پہلے اس کے متصل آپ نے امام ابن الہمام کا یہ ارشاد نہ دیکھا کہ در بارہ اذان حدیث دار قطنی بسند منقطع عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر کی، پھر اس سند کا منقطع ہونا بتایا کہ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے وقت عبد الرحمٰن کہ ان سے راوی ہیں سال دو سال کے تھے تو ان سے حدیث کیوں کر سن سکتے ہیں، بایں ہمہ فرمایا: ھذا عندنا حجة بعد ثقة الرواة۔ جب راوی ثقہ ہوں تو سند منقطع ہمارے نزدیک حجت ہے۔ سبحان اللہ جن کے نزدیک وہ سند حجت ہے جس میں راوی کا نہ سننا یقیناً معلوم ہے، وہ مدلس کے عنعنہ کو جس میں نہ سننے کا فقط ایک احتمال ہے کیوں کر رد کر سکتے ہیں۔ فرمایئے یہ جناب نے آدھی عبارت چھپا کر صریح خیانت فرمائی یا نہیں؟

(۶۷) ثالثاً: علامہ حلبی نے اس سے بھی زائد فرمایا، اسی حدیث کا منقطع ہونا بیان کر کے فرمایا: وھذا عندنا وعند الجمھور حجة بعد ثقة الرواة۔ یعنی راوی ثقہ ہوں تو حدیث منقطع ہمارے اور جمہور ائمہ کے نزدیک حجت ہے۔ کیوں مولوی صاحب یہ کیسی بھاری خیانتیں ہیں۔ مولوی صاحب آپ نہ شرمائیں یہ حرکات آپ کی نہیں تعصب و نفسانیت کا خدا برا کرے۔ یہ ان کے کوتک ہیں۔

(۶۸) قولہ: ابن الہمام و حلبی وغیرہم فرماتے ہیں کہ مبتدع اگر محکوم بہ کفر ہے جیسے قدری اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

اقول: اولاً: وقایہ دیکھیے! یہی امام ابن الہمام کس زور شور سے فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق ثقہ ہے، ثقہ ہے۔ اس میں ہمیں اور محققین اہل حدیث کو کچھ شک نہیں۔ اور فرماتے: ابن اسحاق کا ثقہ ہونا ہی نہایت روشن حق ہے۔ اب ابن اسحاق قدری نہیں۔ جب تو آپ کی ساری تحریر برباد اور اگر قدری ہیں تو کیا امام ابن الہمام ایک محکوم بہ کفر کو دین الٰہی میں ثقہ ثقہ یقینی بتا رہے ہیں۔ اب آپ کے نزدیک ابن الہمام خود کیا ہو گئے۔

(۶۹) ثانیاً: بخاری و مسلم دیکھیے، آپ کے کتنے رواۃ کثیر پر طعن قدر ہے۔ پہلے تو صحیحین کے روایوں کو متروک ہی ٹھہرایا تھا اب کافر محکوم بالکفر بنا دیا۔ یہ تیس روپے خدا جانے آپ کو کس حال تک پہنچائیں گے۔

(۷۰) ثالثاً: تقریب کا پہلا ورق آپ نے پڑھا نہ پڑھیں، ملاحظہ ہو جس پر قدر کا طعن ہے اسے پانچویں درجہ میں رکھا اور جس میں کوئی قادح بتایا گیا اسے دسویں میں۔ تو قدر کا طعن ائمہ حدیث کے

نزدیک عدالت میں بھی خلل انداز نہیں نہ کہ معاذ اللہ کفر۔

(۷۱) قولہ: نہیں ہے ابن اسحاق مگر ایک دجال۔

اقول: اولاً: حنفیہ اپنے اماموں پر غفار خانی چوٹ دیکھو! ابن اسحاق امام ابو یوسف کے استاذ امام محمد کے استاذ الاستاذ ہیں، ان کو یہ دجال بنایا چاہتے ہیں بلکہ کافر محکوم بالکفر۔

(۷۲) ثانیاً: وقایہ میں اس کے بھی مفصل رد تھے مگر نابینائی کچھ دیکھنے بھی دے، ان میں مولوی صاحب کو کھول کر دکھا دیا تھا کہ امام مالک سے یہ قول ثابت نہیں، اور بالفرض ثابت ہو تو انھوں نے رجوع فرمایا، وغیرہ وغیرہ۔ ان کے چھ رد ائمہ اکابر سے دکھا دیے تھے۔ مگر دجل کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ حق کو دیکھ کر چھپائے اور اندھوں کو اوندھی سمجھائے۔

(۷۳) قولہ: کہیں کسی نے قید علی باب المسجد کی نہ لگائی۔

اقول: سلامۃ اللہ لاہل السنۃ دیکھیے کہ حواس ٹھکانے آئیں، کس نے کہا ہے کہ خصوصیت باب مسنون ہے، بلکہ منبر کی محاذات اور مسجد سے باہر یہ دونوں قیدیں صاف صاف کتب ائمہ میں دکھا دیں، مگر ہزار سے ایک نہ سننا اور چیخ پکار بدستور۔ اس کا کیا علاج۔

(۷۴) ثانیاً: آپ کے مشائخ سے زمخشری نے رد المحتار وغیرہ میں اس کے مشائخ مذہب سے ہونے کی تصریح ہے۔ اس کی کشاف دیکھیے اس میں علی باب المسجد موجود ہے۔

(۷۵) ثالثاً: اصل بات یہ ہے کہ ائمہ نے بین یدیہ اور علی باب المسجد دونوں حدیث ابن اسحاق ہی سے لیے کہ اوروں کی احادیث میں نہ یہ ہے نہ وہ، لیکن علی باب المسجد کا مقصد صرف اس قدر تھا کہ کنارہ پر بیرون مسجد ہو اور یہ حکم سب اذانوں کے لیے عام تھا کچھ تخصیص اذان جمعہ کی نہ تھی، لہذا اسے ائمہ نے باب الاذان میں ذکر فرمایا کہ: لایؤذن فی المسجد۔ تاکہ تمام اذانوں کو شامل رہے، خاص باب جمعہ میں اس کے ذکر کی وجہ نہ تھی کہ یہ حکم اذان جمعہ سے خاص نہ تھا۔ رہا بین یدیہ وہ اس اذان جمعہ کا خاص حکم تھا اور کسی اذان کے لیے نہ تھا، لہذا ائمہ نے صرف اسے خاص باب الجمعہ میں ذکر فرمایا، ناواقف نادان لوگ کہ باب الجمعہ میں صرف ایک دیکھتے دوسرا نہیں پاتے اپنی جہالت یا کم فہمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ علما نے ان دونوں قیود سے بین یدیہ اختیار فرمائی اور علی باب المسجد ترک کی حالاں کہ دونوں اپنی اپنی جگہ مذکور ہیں۔ جاہل کہتے ہیں خاص اذان جمعہ کے لیے: لایؤذن فی المسجد۔ دکھاؤ اور نہیں جانتے کہ یہ حکم خاص اس کا نہیں عام اذانوں کا ہے۔ تو عام ہی کے باب میں عموماً مذکور ہوگا، نہ کہ ایک ایک خاص کا نام لے کر کہ ظہر کی اذان مسجد میں نہ ہو، عصر کی نہ ہو، جمعہ کی نہ ہو۔ اسے وہی طلب کرے گا جو

محض نافہم ہے، یا نراہٹ دھرم۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ ۔ مسلمان اس تقریر کو یاد رکھیں کہ بہت سی جہالتوں کی بیخ کن ہے۔ وللہ الحمد۔

(۷۶) اب یہاں سے آخر تک مولوی صاحب وہ کالم اسی بین یدیہ وتوارث میں سیاہ فرماتے ہیں ۔ان خرافات کے رد صدہا کر دیے، بارہا کر دیے، مگر ان کی انوکھی حیا کا کیا علاج ،اول وآخر تک جو عبارتیں مبسوط وعینی وحمیدیہ کی نقل کیں اور فتاوے جواہر مجمع البرکات ومعدن کے نام گنائے اور آخر میں بارہ اور بڑھائے ان سب سے استدلال وہی جہل وہزل وخرط القتاد ہے۔ مگر خدا حیا دے اسی پر یہ دوں کہ ہم نے ایک سو اسی (۱۸۰) عبارات نقل کی ہیں ۔اور اپنی دوسری تحریر کو کہا کم سے کم پانچ چھ سو روایات ہوں گی۔ سب کا حال کھل گیا کہ تین کانے کے سوا کچھ نہیں، آپ نے سب میں چن کر بانگی کو یہ تین عبارتیں پیش کیں جن میں وہی بین یدیہ اور عند اور توارث ڈھاک کے تین پات باقی آپ کی چھ سو یا چھ لاکھ ان سے بھی گری ہوں گی ۔افسوس یہ حضرات اپنی ہٹ اپنی سخن پروری سے کچھ کہے جائیں ۔کیا اور کوئی مسلمان بھی اتنا انصاف کرنے والا نہ رہا کہ اگر ایک ذرا سی روایت کہیں پاتے کہ یہ اذان خطبہ داخل مسجد ہونا سنت ہے تو کس دن کے لیے اٹھا رکھتے ۔ چار طرف دوڑے، ہاتھ پاؤں پھٹپھٹائے، مہینوں کتب خانے چھانے مگر ایک حرف نہ ملا ۔ چھ سو سنائیں اور ایک آدھی چھارم نہ لائیں۔ خدا حیا دے، خدا حیا دے خدا حیا دے، ہزار بار کی رد کی ہوئی مہملات کی طرف کہاں تک توجہ ہو، لہذا یہاں بھی چار حرف پر ختم کریں۔

(۷۷) قولہ: کوئی عاقل یہ نہ کہے گا کہ: علی المنبر ضد علی باب المسجد کی نہیں۔

اقول: کیا آپ وہی مولوی عبدالغفار خان ہیں جنھوں نے رام پوری دوسری پر الجواب ھو الصواب لکھ کر مہر چپکائی ہے؟ کیا اس میں نہ تھا کہ علی بمعنی عند ہے؟ کیا اس میں نہ تھا کہ اذان منبر ودروازہ کے وسط میں تھی، لہذا عند المنبر وعلی باب المسجد دونوں صحیح ہیں۔ کیا آپ اس کے لکھنے تک عاقل تھے، یا لا یعقل۔

(۷۸) قولہ: مولانا صاحب نے بین یدیہ کے معنی اپنی طرف سے گھڑے کہ بین یدیہ کے معنی سامنے کے ہیں۔

اقول: اولاً: آہا آج یہ راز کھلا کہ آیات قرآنیہ کے ارشاد فرمائے ہوئے معنی کو مولوی صاحب کیوں نہیں مانتے ۔شاید مولوی صاحب کو یہ خیال ہے کہ قرآن مجید جناب مولانا صاحب کا گڑھا ہوا ہے، جب تو اس کے ارشاد فرمائے ہوئے معنی کو مولانا صاحب کے گڑھے ہوئے بتاتے ہیں۔

(۸۰) ثانیاً: خیر قرآن مجید کو یوں سمجھے ہوں اس لیے کہ اشتغال فلسفہ کے سبب اس کے یک معنی

کا اتفاق نہ ہوتا ہو، مگر حق نما فیصلہ میں بین یدیہ کے معنی صحاح جوہری وقاموس ومختار الصحاح وتاج العروس ومجمع البحار وغیرہا کتب معتمدہ لغت اور معالم التنزیل وتفسیر خازن وتفسیر ابوالسعود وجلالین وعنایۃ القاضی وانموذج جلیل وتفسیر کرخی وفتوحات الٰہیہ کتب تفسیر سے ثابت کیے تھے۔ کیا یہ تمام کتب ائمہ وعلما بھی آپ کے نزدیک مولانا صاحب ہی کی گڑھی ہوئی ہیں، مولوی صاحب آنکھوں پر ٹھیکری کی کوئی حد بھی ہو۔

(۸۱) یہ مخالف لغت ہے۔

اقول: اگر کوئی لغت غفار اللغات آپ نے گڑھا ہو (جس کے معنی لغت کا چھپانے مٹانے والا) تو اس کے مخالف ہو، مگر صحاح وقاموس ومختار وصراح وتاج ونہایہ ومجمع وغیرہا کتب معتمدہ لغت کا ضرور موافق ہے۔

(۸۲) قولہ: مخالف محاورہ فقہا ہے۔

اقول: سچ کہنا لغت تو آپ نے رام پور کی غیاث اللغات سے جانا ہوگا، فقہا کا محاورہ کہاں سے معلوم فرمایا۔ وہ آپ کے رام پور میں کون سے تازہ فقہا ہوئے ہیں جنھوں نے قرآن مجید وحدیث صحیح و صحابہ وائمہ مفسرین وشراح حدیث وائمہ لغت سب کے محاورات کو منسوخ ورد کر کے اپنا نیا محاورہ گڑھا ہے۔

(۸۳) قولہ: بین یدیہ لفظ مرکب ہے۔

اقول: مولوی صاحب آپ کو علم کی بدہیات نظریات ہیں۔ آپ کیا جانیں کہ اجزائے ترکیبی کے معنی کچھ ہوتے ہیں اور محاورات میں مرکب کے معنی کچھ۔

(۸۴) قرآن مجید کا آپ کو شغل نہیں ورنہ تصنع علی عینی میں اپنی یہی منطق لے کر چلتے کہ علی عینی لفظ مرکب سے عمل کے معنی پر بلکہ فتوائے دوم کے طور پر کے اوپر چڑھ کر اور عینی کے معنی میری آنکھ تو معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تاکہ اے موسیٰ تو بنایا جائے میری آنکھ کے اوپر چڑھ کر حالاں کہ علی عینی کے صرف اتنے معنی ہیں کہ میرے سامنے۔ میرے پیش نظر۔ یوں ہی بین یدیہ کے ترکیبی معنی ہیں دونوں ہاتھوں کے بیچ میں جو حقیقۃً انسان کے سینہ وکمر کی حالت ہے جو آپ لے رہے ہیں۔ اور جو ہرگز نہ بنے گا جب تک مؤذن خطیب کی چھاتی پر نہ چڑھے بلکہ جب بھی بننا دشوار ہے۔ اور محاورہ میں اس کے معنی ہیں سامنے محاذی پیش رو۔

(۸۵) قولہ: معنی حقیقی بین یدیہ کے درمیان دونوں ہاتھوں کے ہوئے، جب آدمی سجدہ کرتا ہے تو سجدہ گاہ بین یدیہ ہوتی ہے۔

اقول: زندہ باش کیا خوب سمجھے ہو کہ باقل کی روح پھڑک گئی ہوگی۔ سبحان اللہ مصلی کے بین

یدیہ گزرنا منع ہے یعنی جب مصلی سجدہ میں دونوں ہاتھ رکھے اس وقت سجدہ گاہ دونوں ہاتھوں کے درمیان ہوتی ہے، خاص اس درمیانی جگہ میں گزرنا منع ہے۔ کیوں کہ حقیقی معنی بنانا ہیں۔ سچ ہے: حبک الشيء يعمي ويصم۔

(۸۶) قولہ: امام محمد بین یدیہ کی تفسیر ساتھ سجدہ گاہ کے کرتے ہیں۔

اقول: اولاً: سجدہ گاہ آپ کو خوب یاد رہی، حق نما فیصلہ اور اب آپ پر تازہ نازل سلامۃ اللہ لاہل السنہ دیکھیے وہ بتادے گا کہ یہاں موضع سجود سے کیا مراد ہے، اور یہ کہ یہاں اس پر دلالت کیوں ہے اور یہ کہ وہی معنی بین یدیہ موضع سجود بلکہ اس سے بھی اقرب بلکہ اتصال حقیقی سے آٹھ ہزار برس کی راہ کے فاصلہ تک پھیلے ہوئے ہیں، مگر آپ سب صاحبوں کو دیدہ نادیدہ اور شنیدہ ناشنیدہ کی بیماری لگ گئی ہے، اس کا کیا علاج ہو۔

(۸۷) ثانیاً: آپ نے فتوائے دوم میں تو آیت کریمہ: ﴿وجعلنا من بين أيديهم سدا﴾ [سورة يٰسين: ۹] سے بین یدیہ کے معنی اتصال حقیقی کے لیے تھے، اب یہ آپ کی سجدہ گاہ تک کیوں کر پھیل گئے۔

(۸۸) ثالثاً: اس میں پچاس گز کے فاصلہ تک گنجائش رکھی تھی (دیکھو سلامۃ اللہ) اب آپ کی سجدہ گاہ تک کیوں کر سمٹ آئی۔

(۸۹) مولوی صاحب اصل بات وہی ہے جو حق نما فیصلہ اور سلامۃ اللہ میں ارشاد ہوئی کہ بین یدیہ کے معنی خاص صرف محاذی و پیش نظر کے ہیں، اور یہ باختلاف مقام مختلف ہوتا ہے، نمازی کو حکم ہے کہ اپنے موضع سجود پر نظر رکھے تو اس کے پیش نظر وہی شی ہوگی جو موضع سجود میں گزرے۔

(۹۰) قولہ: ظہیریہ میں ہے: وهو موضع قدمه إلى موضع سجوده۔(۱)

اقول: ارے یہ آپ کی سجدہ گاہ پاؤں تک کیسے پھیل گئی؟ کیا جب آدمی سجدہ کرتا ہے تو اس کے پاؤں بھی اس کے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہوتے ہیں۔

(۹۱) قولہ: جب عمل معنی حقیقی پر ہو سکتا ہے، مجاز ساقط ہوتا ہے۔

اقول: اولاً: جبھی تو کہا تھا کہ آپ کے یہاں خطیب کی چھاتی کی خیر نہیں، کیوں کہ آپ اجزائے ترکیبی کے معنی لے رہے ہیں، یعنی خطیب کے ایک شانہ سے دوسرے تک جو فاصلہ ہے اس کے بیچ میں

---

(۱) [المحيط البرهاني في الفقه: الفصل التاسع عشر في المرور بين يدي المصلي، ۱/۴۳۱]

مؤذن کھڑا ہوتو اگر اس نے خطیب کی چھاتی پر بھی پاؤں جمائے تو حقیقۃً بین یدیہ نہ ہوا جب تک کہ خطیب کے سینہ میں دو طاق کھدوا کر اس میں مؤذن کے پاؤں گلا نہ دیے جائیں، خیر اسے یہ کہیے گا کہ اس پر عمل ہو نہیں سکتا تو بہت اچھا خطیب کے کندھوں میں دونوں کا بین بندھوائے کہ مؤذن ان میں پاؤں رکھ کر خطیب کے منہ پر کھڑا ہو کیوں کہ حقیقت پر عمل کرنا ہے۔

(۹۲) ثانیاً: آپ نہیں جانتے کہ حقیقت عرفیہ یہی محاذی وپیش رد ہے اور آپ کا اجزائے ترکیبی کی طرف دوڑنا محض نادانی وغلو۔

(۹۳) قولہ: جیسے بین یدیہ کے معنی جناب مولانا نے گڑھے اسی طرح توارث کے جھٹ بنا لیے۔

اقول: بین یدیہ کے معنی کا حال سن چکے۔ مسلمان ہو کر قرآن عظیم کے ارشاد کو گڑھت کہہ دیا۔ اب توارث کی بھی سنیے! مولوی صاحب سنت متوارثہ کے جب وہ معنی نہیں جو جناب کے خصم نے تحریر کیے تو کیا سنت متوارثہ اسے کہتے ہیں جس کی آمد کا پتا زمانہ رسالت وعہد خلافت میں نہ ہو بلکہ ان میں اس کا خلاف ہوا ہو؟۔ زہے ملائی۔

(۹۴) قولہ: اشتہار میں لکھتے ہیں متوارث وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین کی میراث ہے۔ دیکھو کیسی مہمل عبارت ہے۔

اقول: مولوی صاحب مہمل کی کوئی دلیل بھی ہے۔ یا صرف اتنا کہ آئینہ میں اپنا ہی منہ سوجھتا ہے۔

(۹۵) قولہ: سب جانتے ہیں کہ: العلماء ورثة الأنبياء۔ علم میراث ہے۔

اقول: دیکھیے مولوی صاحب مہمل کی یہ صفت ہوتی ہے۔ کہیے اس جملہ کو رد میں کیا دخل ہوا بلکہ یہ تو اسی ارشاد اشتہار کی دلیل ہے کہ جب علم میراث انبیا علیہم الصلاۃ والثنا ہے تو متوارث مطلق وہی ہے کہ حضور سید الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے موروث ہو، اور بعض بلکہ بہ فرض باطل کل کا ترک نافی توارث مذکور نہیں کہ موروث علم ہے اور علم وعمل میں فرق نہ کرنا جہل۔ شاید خلفائے راشدین کے ذکر پر چڑے ہوں کہ علم تو میراث انبیا ہے، خلفائے راشدین کا نام کیوں لے دیا۔ تو اول تو آپ کا فقرہ علم میراث ہے، اس کی شامت نہیں کرتا۔ ثانیاً: خلفائے راشدین سے موروث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی سے موروث ہے، کہ ارشاد حدیث ہے: علیکم بسنتي وسنة الخفاء الراشدين عضوا عليها بالنواجد"(۱)۔

---

(۱) [سنن ابن ماجة: باب اتباع سنة الخلفاء، ۱/ ۱۵]

ثالثاً: جمعہ کی اذان اول آپ کے نزدیک متوارث ہے یا نہیں۔اس کا توارث خلیفہ راشد سے ہے،یا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے۔آپ اسی پرچہ میں امام عینی سے نقل کریں گے: بذلك جرى التوارث من زمن عثمان رضي الله تعالىٰ عنه۔ بلکہ خود فتوائے دوم میں کہہ چکے ہیں۔اذان ثالث حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اور اب تک اس کا توارث ہے۔

قولہ: مولانا عقل کے ناخن لواؤ۔

اقول: اذان من اللہ نے تو چون (۵۴) بار لے دیے تھے،کیا اتنی جلد پھر بڑھ گئے۔ایسا ہے تو جناب اپنی عقل شریف کے لیے آٹھ دس لحم تراش نوکر رکھ لیں۔

قولہ: مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرما گئے ہیں: حبك الشيء يعمي ويصم۔(۱)

اقول: ارشاد حدیث قطعاً حق ہے جس کی واضح وکثیر وروشن مثالیں اذان من اللہ وغیرہ میں ثابت کردیں اور ابھی آپ کے اختراع پر آیت پڑھ چکا ہوں: ﴿ولكن تعمى القلوب التي في الصدور﴾[سورة الحج:٤٦] اور ایک آپ ہی نہیں بلکہ رواج کے مارے سارے کے سارے مخالفین اندھے ہو رہے ہیں،حضرت شیخ مجدد الف ثانی آپ حضرات کے رواج رواج پکارنے کی تصویر اتار گئے کہ.....

اکثر علمائے ایں وقت رواج دہند ہائے بدعت اندو محوکنند ہائے سنت بدعتہائے پہن شدہ راتعامل خلق دانستہ بجواز بلکہ باستحسان آں فتویٰ می دہند و مردم رابد عت دلالت می نمایند۔

مگر آپ تو اپنی دھن میں پیران سلسلہ کو بھی بالائے طاق رکھ چکے ہیں۔

(۹۷) قولہ: ایسی محبت ابن اسحاق کی غالب ہوگئی ہے کہ اس کے قول کی وجہ سے ہر شی کی تاویل ہے۔

اقول: اولاً: آپ کو قول وروایت میں تمیز نہیں۔یا باطل پرستی کی حجت ایسی غالب آگئی کہ يعمي ويصم۔

(۹۸) ثانیاً: تاویلات باطلہ مطرودہ ملعونہ تو وہ ہیں جو آپ سارے کے سارے ارشاد حدیث علی باب المسجد میں بنا رہے ہیں۔

(۹۹) ارشاد فقہ: لا يؤذن في المسجد۔ میں دکھا رہے ہیں جن کو ہزار بار گھر تک پہنچا دیا مگر

---

(۱) [سنن أبي داؤد: باب في الهوى، ٤/٣٣٤]

أعوذ باللہ من الخبأۃ الطلعۃ۔

(۱۰۰) ثالثاً: اہل حق کے حق بیانوں کو کہ آیات کثیرۂ قرآن عظیم سے مؤید ہیں محبت ابن اسحاق سے تاویل ٹھہرانا وہی مثل ہے کہ: رمتني بدائها وانسلت ۔شاید (شاید نہیں بلکہ ضرور) آپ اللہ عزوجل کو بھی فرمائیں گے کہ ابن اسحاق کی محبت ایسی غالب ہوگئی تھی کہ جابجا اس کی حدیث کی مؤید آیات مخالف لغت ومخالف محاورات قرآن عظیم میں بھردیں۔

رابعاً: توارث کے معنی کو تاویل کہنے کا حال ابھی کھلا جاتا ہے، غرض اہل حق کے کلام کو ناحق تاویل بتانا وہ جادو تھا کہ سر پر چڑھ کر بولا۔اس کے مستحق یہی الفاظ تھے جو مولوی صاحب نے فرمائے کہ عقل کے ناخن لواؤ۔نہ سمجھ کو دخل دیتے ہیں، نہ رجوع کتب مذہب کی طرف ہے، دیانت جائے، امانت جائے، مذہب جائے، کانوں کی روئی نکال کر آنکھیں مل کر ہوشیار ہوجائیے مگر مولوی صاحب سے یہ غلطی ہوئی کہ آئینہ میں دیکھ کر انھیں آئینہ کے وصف سمجھے، مولوی صاحب یہ ساتوں آٹھوں صفتیں آپ ہی کی امہات سبعہ ثمانیہ صفات ہیں جس کا حال اذان من اللہ، وقایۃ اہل السنۃ، سلامۃ اللہ، وحق نما فیصلہ اور اب اس نفی العار سے روشن وللہ الحمد۔

(۱۰۱) قولہ: ابن الہمام توارث کے معنی لکھتے ہیں۔

اقول: مولوی صاحب تعصب کی پٹی عناد کے ٹنٹ آدمی کو یعمی ویصم کردیتے ہیں، تین بیسی اور ساٹھ متخالف نظر آتے ہیں۔

اولاً اشتہار اہل حق میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ابتدا کی تھی کہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین کی میراث ہے آپ نے جو امام ابن الہمام سے نقل کی اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر انتہا کی کہ یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے لیا، صاحب شرع سے بات ایک ہی ہوئی، آپ نہیں جانتے کہ ایسی ترتیب میں جدھر سے چاہے شروع کیجیے، حاصل ایک ہی ہوتا ہے، اوران تعبیروں میں تخالف سمجھنے والا احمق نہیں مجنون کہلاتا ہے۔

(۱۰۲) ثانیاً: آپ اپنی ہی دیکھیے عبارت ابن الہمام نقل کرکے کہا: اسی طرح اذان خطبہ مسجد میں متوارثہ ہے، یعنی ہم سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک اور اسی تحریر میں اوپر لکھ چکے ہیں کہ ''زمانہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے إلی یومنا هذا، چلی آتی ہے''۔دیکھیے آپ نے ایک بار ترتیب ادھر سے لی کہ کلام ابن الہمام ہے اور ایک بار اوپر سے جو اشتہار اہل حق میں ہے۔دونوں کا حاصل اگر ایک نہ تھا تو اب اپنی کہیے کہ آپ نے توارث کے کون سے معنی جھٹ بنالیے یا پٹ گڑھ لیے۔مولوی

صاحب! ایسی بدیہی باتوں میں کمال ڈھٹائی سے حق کی تکذیب کرنا اور اندھے عوام پر اندھیری ڈالنا کون سی دیانت، امانت، مولویت، انسانیت ہے، اللہ حیا دے۔

(۱۰۳) قولہ: اسی طرح اذان خطبہ مسجد میں متوارث ہے۔

اقول: چلیے ہاں یہ مسجد کے اندر آپ نے لی اپنے پہلوں سے، انھوں نے اپنے پہلوں سے، یہ دو چار پشتیں۔ سہی کیا اس سے توارث ہو جائے گا؟ اپنے ہی معنی توارث لیجیے کہ یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے لیا صاحب شرع سے۔ بس اس کی دلیل چاہیے، یہی ہمیشہ آپ سے مانگی اور نہ دی، نہ دو، نہ دے سکو۔ جب صاحب شرع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسرداران جملہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت کہ یہ اذان دروازہ مسجد پر ہوتی تھی تو فقط اپنا ناقص رواج دیکھ کر ٹھہرا لینا کہ زمانہ رسالت و زمانہ صحابہ سے یوں ہی ہے، نہ فقط بے دلیل بلکہ صریح خلاف دلیل ہے، اس ہٹ دھرمی کا علاج نہیں۔

(۱۰۴) شیخ مجدد صاحب کی نہ سنی کہ آپ ہی جیسے علما کو فرماتے ہیں:

اکثر علمائے ایں وقت رواج دہندہائے بدعت اندو محو کنندہائے سنت، بدعتہائے پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ بہ جواز بلکہ باستحسان آں فتوی می دہند و مردم رابدعت دلالت می نمایند الی قولہ ونمی دانند کہ تعامل دلیل استحسان نیست۔ تعاملے کہ معتبر ست ہماں ست کہ از صدر اول آمدہ است یا با جماع جمیع مردم حاصل گشتہ (إلی قولہ) وشک نیست کہ علم بہ تعامل کافۂ انام وبعمل جمیع قری وبلدان از حیط بشر خارج ست۔

فرمایے آپ سچے یا حضرت مجدد الف ثانی۔

(۱۰۵) قولہ: واذا صعد الامام (إلی قولہ) اور یہی سنت متوارثہ ہے۔

اقول: یہاں مولوی صاحب نے عینی وحمیدیہ کی دو عبارتیں نقل کیں جن میں وہی بین یدیہ ہے، پھر بارہ کتابوں کے نام گنائے، اور فرمایا: ان روایات سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اذان خطبہ زمانہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی یومنا ھذا، برابر مسجد میں ہوتی چلی آئی ہے۔

اقول: ان روایات اور وہ ایک سو اسی (۱۸۰) جو آپ بتا رہے ہیں اور پانچ سو چھ سو جن کے زبانی جمع خرچ آپ سنا رہے ہیں سب سے ثابت ہے کہ یہ اذان زمانہ اقدس سے منبر کے سامنے امام کے محاذی ہوتی چلی آ رہی ہے۔ مگر یہ جو فرمایا کہ برابر مسجد میں ہوتی چلی آئی ہے، اسی کا ثبوت درکار ہے، یہ مسجد میں ان روایات کے کس لفظ کا ترجمہ ہے، یہی تقاضا اول روز سے آپ پر سوار ہے، آپ نہ اس کا جواب دیں نہ اپنی ہانک چھوڑیں، اس کا کس کے پاس علاج۔

(۱۰۶) ہاں ہاں شرم، حیا، دیانت، امانت، ایمان، انصاف رکھتے ہو۔ تو پانچ سو، چھ سو نہیں، پانچ چھ ہی۔ پانچ چھ نہیں ایک ہی روایت صحیحہ معتمدہ میں صاف صاف یہ مضمون دکھا دیجیے کہ یہ اذان زمانہ رسالت سے آج تک برابر جوف مسجد کے اندر ہوتی چلی آئی ہے، اور جب یہ نہیں لا سکتے اور ہرگز ہرگز نہیں لا سکو گے، تو اللہ واحد قہار سے ڈرو اور سنت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وار نہ کرو۔

(۱۰۷) قولہ: اور یہی معمول یہاں سارے عالم کا ہے۔

اقول: اذان من اللہ و وقایۃ اہل السنہ وحق نما فیصلہ وسلامۃ اللہ دیکھو اور کذب صریح سے توبہ کرو۔

قولہ: یہ مشتے نمونہ خروارہ ہے۔

اقول: بانگی کی تو یہ حالت تھی اس خرواری کی کیا بہتر کیفیت ہوگی۔

(۱۰۸) قولہ: ہم نے ثابت کیا ہے کہ اذان پنج وقتہ بھی مسجد میں مکروہ نہیں۔

اقول: اولاً: اب دل کی کہی یعنی ائمہ دین جو عام کتابوں میں برابر ارشاد فرما رہے ہیں کہ: لا یؤذن في المسجد۔ مسجد میں اذان دینا منع ہے۔ یکرہ أن یؤذن في المسجد۔ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔ یہ محض غلط و باطل ہے، مسجد میں کوئی اذان مکروہ نہیں۔ اب اپنے فتوی دوم میں اذناب تصدیقات سے ذنب اخیر کی ریزیاد کیجیے کہ تقلید کا جوا گردن سے اتار کر الگ پھینک دیا۔ مبارک باشد۔

(۱۰۹) ثانیاً: آپ کو ابھی کتنے دن ہوئے کہ فتوائے دوم میں ایمان لا چکے ہیں۔ فقہ کی معتبر کتابوں میں اذان خطبہ کو اندر مسجد کے منع نہیں لکھا، اذان اول کی نسبت یہ حکم ہے۔ پھر فرمایا: فتاویٰ قاضی خاں اور خلاصہ اور خزانۃ المفتین وغیرہ اور عالمگیریہ میں جو عبارت: لا یؤذن في المسجد، ہے وہ اذانہائے پنج گانہ کی نسبت ہے۔ پھر کہا: قنیہ میں نسبت اذان پنج گانہ کی لکھا ہے۔ پھر کہا: فتح القدیر کی عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ اذان اول بیرون مسجد۔

غرض اس وقت تک ایمان تھا کہ اذان پنج گانہ مسجد میں منع ہیں، مکروہ ہیں، اب کوئی نیا سر کرا گیا کہ وہ حکم ائمہ سرے سے الگ تقلید کا جوا فقط اتار کر نہ پھینکا بلکہ بھٹی میں ڈال کر پھونکا، بلکہ برادہ کرا کر پھانکا، للہ انصاف۔ کیا یہی حق پرستی ہے۔

(۱۱۰) قولہ: چوں کہ ہمارے پاس یہ اشتہار آیا، دوسرے روز ہم نے اس کے مقابلہ میں اشتہار لکھا۔

اقول: اللہ حیا دے۔ تو مقابلہ کا نام لیتے شرمایئے۔ قطع نظر ان اوصاف جمیلہ بلکہ آپ کی امہات سبعہ ثمانیہ کے جو ان سطور میں ظاہر فرمائیں، وہی مردود باتیں پیش کیں، دیوبندیوں کی تقلیدیں لیں، ائمہ

حنفیہ کی تقلید کو دشنا میں دیں۔

وہ اشتہار تو اس مضمون پر تھا کہ جناب مولوی سلامت اللہ صاحب نے تحریری فتووں کا فریب کھول دیا کہ نہ میں نے فتوی لکھا، نہ تصدیق کی، نہ حکم کیا، نہ مشورہ دیا، میری طرف ان کی نسبت محض افترا ہے جن کی حرکتوں نے یہ تصدیقیں میرے سر باندھیں، میں اللہ تعالیٰ سے ان کی فریاد کرتا ہوں، اس کا کیا جواب ہوا۔ پھر نام مقابلہ لیتے کچھ شرم چاہیے تھی۔ اللہ حیا دے۔ ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلي العظیم۔

(۱۱۱) جناب مولوی عبدالغفار خان صاحب نے اذان ثانی جمعہ میں حدیث وفقہ کو پس پشت کیا اور اعلیٰ حضرت مجدد المائۃ الحاضرہ کی مخالفت فرمائی۔ جب دلیل طلب کی گئی دنیا بھر کا جغرافیا پڑھنا شروع کیا کہ تمامی ملکوں میں امصار وقری میں ہندوستان ،افغانستان،عربستان خراسان،فارستان ،شام،یمن،روم،مصر،دیار،امریکہ،افریقہ سب جگہ یہی معمول بہا ہے،ضرور ہے کہ مولوی صاحب سب جگہ گھوم آئے یا ہر جگہ سے ٹیلی گرام منگوا لیے ہوں گے،مگر حقیقت امر دیکھیے تو مولوی صاحب کو ہندوستان ہی کی خبر نہیں،تا بہ دیگر بلاد چہ رسد۔ دہلی، لاہور، اکبرآباد، سہارن پور وغیرہا میں اذان منبر سے بہت فاصلہ پر بلند مکبرہ پر ہوتی ہے،اور مکبرہ کہ اول سے بنا حکماً خارج مسجد ہے جس کی تحقیق فتوی اول وسلامۃ اللہ میں ہے۔ مولوی صاحب کا جغرافیہ تو اسی قدر سے رد ہو گیا، اب اگر اس پر کہا جائے کہ زمانہ شوکت اسلام میں کہ اس قدر تعدد جمعہ کی کثرت نہ تھی کہ شہر میں بیس بیس جمعہ بلکہ اب رام پوری صاحبوں نے تو ایک ایک کوردہ، ایک ایک گونٹیا کو مصر جامع ومدینہ عظیمہ کر دیا اور ارشاد حدیث: لا جمعۃ ولا فطر ولا أضحی إلا في مصر أو مدینۃ عظیمۃ ۔کو خوب پیٹ بھر کر رد کر دیا۔ جب ایسا نہ تھا شہر میں ایک مسجد جامع بنتی جس میں باذن سلطان جمعہ ہوتا، ان سلطانی جامعوں میں غالباً یہ مکبرے بنے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس زمانہ تک یہ اذان بیرون مسجد ہی ہوتی تھی، اور ان میں یہ مکبرے علمائے کرام ہی کی رائے سے بنتے تھے، ہاں جو مساجد شاہی جامع نہیں یا بعد کو عوام نے بنائیں یا عام مسجدوں میں جمعے کر لیے ان میں یہ مکبرے نہیں۔ عوام نے مکبروں کی حکمت نہ سمجھی اور ان کو داخل مسجد دیکھا اور نہ جانا کہ وہ زمین مسجد کے احاطہ میں ہو کر پھر بھی مثل حوض وچاہ قدیم ان امور میں خارج مسجد ہیں۔ نادانی سے اذان داخل مسجد سمجھ لیے اور عند المنبر میں عند کا فارسی میں نزدیک اردو میں پاس ترجمہ دیکھ کر اذان منبر سے متصل کر لی، اور جب یہ اذان داخل مسجد سمجھی باقی اذانوں کو اس پر قیاس کر کے جہاں منارہ نہیں ہر اذان مسجد میں دینے لگے، آج کل کے علما نے حسب ارشاد حضرت شیخ مجدد یہ رواج دیکھ کر اسے تعامل جانا اور اس کے

جواز بلکہ استحسان پر فتویٰ دیا، بلکہ اسی کو سنت سمجھنے لگے۔ ولا حول ولا قوة إلا باللّٰه العلي العظيم۔

(۱۱۲) مولوی عبدالغفار خاں صاحب نے پھر اس اشتہار میں جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب کو لپیٹا ہے، فرمایے جب آپ کی دوبار تشہیر تصدیقات کو جناب موصوف صاف کذب وافترا بتا چکے، تو اس تیسرے کے صدق پر آپ نے کون سی برہان دی، جہاں وہ دو جھوٹ تھیں یہ تیسری کیوں نہیں۔ اگر کہیے، اس کے بعض بعض پرچوں پر جناب موصوف کی مہر بھی لگا کر بھیجی ہے تو جناب مہر سرقۃً بھی ملتی ہے، غصباً بھی ہاتھ آسکتی ہے، مولوی صاحب کے ہاتھ کی کونسی تحریر ہے، جب آپ کی ردکارروایوں سے وہ صراحۃً منکر ہو چکے اور ان کو بہتان وافترا بتا چکے تو حیا وغیرت کا تقاضا یہ تھا کہ ان کے دستی خطوط عمائد کو بھجواتے۔ یا کم از کم دارالافتا میں حاضر کرتے ورنہ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ.....کے گواہ......

(۱۱۳) بلکہ خدا انصاف دے ونظر بشان جناب موصوف یہ تحریر ہرگز ان کی نہیں ورنہ اس پر وہ اعتراض ہوں جو ایک جاہل نافہم کی کاروائی پر جو ہمارے نزدیک جناب موصوف سے کمال مستبعد ہے۔ مثلاً: اولاً: اگر جناب موصوف اس اذان کا متصل منبر ہونا ہی سنت متوارثہ جانتے ہیں تو اپنے آپ کو بالکل بے علاقہ وبری ٹھہرا کر۔ ۳۵۔ سوالات کے جواب سے معافی مانگنے کے کیا معنی تھے۔

(۱۱۴) ثانیاً: جب خلاف پر ہیں دعوت مناظرہ سے گریز کس لیے۔

(۱۱۵) اب آپ ان رامپوریوں کے ہم خیال ہیں تو وہ کون سے ناجائز وخلاف مراد الفاظ ان وگوں نے آپ کی تحریرات دوسطری میں تو بڑھا لیے جس پر آپ اللہ تعالیٰ سے ان کی فریاد کرتے ہیں۔

(۱۱۶) آپ نے لکھا تھا کہ جو امر متوارث ہے وہی حق ہے اور لکھا کہ اس عبارت کو لوگوں نے اپنی اپنی تحریروں پر لکھ کر شائع کیا، اور لکھا کہ اس مقدار پر تو بحمد اللہ سبحانہ حضرت کو اس فقیر کے ساتھ اتفاق ہے، اور اب فرماتے ہیں: متوارث سے مراد وہ معنی ہیں جو فی الواقع محقق ہے، جس کا نمونہ اس تحریر میں دکھایا گیا، اگر اس تحریر سے مراد کوئی تحریر علمائے اہل حق ہے تو ضرور آپ کی یہ شکایت صحیح ہے، کہ دوسروں نے اسے اپنی تحریروں پر کیوں لکھ لیا اور یہ فرمانا حق ہے کہ اس مقدار پر حضرت کو آپ سے اتفاق ہے، لیکن اگر اس سے تحریر سوم غفار خانی مراد ہے تو حضرت کو اس پر کب اتفاق ہے، ایک کلیہ میں اتفاق جب کہ خاص مسئلہ دائرہ کے اس میں داخل ہونے نہ ہونے ہی پر نزاع ہو مسئلہ دائرہ میں کیا کام دے سکتا ہے، اور مناظرہ سے بچنے اور جواب سوالات سے معافی مانگنے کے لیے کیا عذر وحیلہ ہوسکتا ہے، اور پھر ان شائع کرنے والوں کی کیا خطا ہے، کہیے اب جناب موصوف کے لائق یہ ہے کہ ان کا کلام آپ کی طرح باطل پر حمل کیا جائے یا ہمارے مانند حق پر۔ واللّٰه الهادي وله الحمد في العواقب والمبادي وعلى

آله وصحبه وابنه وحزبه إلى يوم التنادي آمين۔والحمد لله رب الغلمين۔

نفی عار واظہار اعتذار از جانب جناب عبد الغفار

اذان من اللہ میں چون(۵۴) سوال تھے،اور یہاں ایک سو سولہ(۱۱۶)جملہ ایک سو ستر(۱۷۰)اگرچہ جناب مولوی عبد الغفار خان صاحب نے نہ ان سے جواب دیا نہ قیامت تک ان سے دیں مگر ہم بہ مقتضائے دوستی ان کی جانب سے نفی عار واقامت اعذار چاہتے ہیں،مولوی صاحب ان کاروائیوں میں بوجوہ بے قصور یعنی معذور ہیں۔

اولاً:مولوی صاحب کو علوم دینیہ سے نہ اشتغال رہا نہ ان کی تکمیل فرمائی تو منشأ اغلاط قصور فہم ہے اور اس کا باعث قصور علم پھر مولوی صاحب کا کیا قصور۔

ثانیاً:شہرت اکثر نفوس کو بالطبع پسند ہے اور عالم کے لیے نافع وسودمند،اور مثل مشہور ہے۔ان کا طرف مقابل بننے سے آدمی مشہور ہو جاتا ہے ہم سے بعض ثقات نے جناب مولوی حافظ عنایت اللہ خاں صاحب کا قول بیان کیا کہ انھوں نے مولوی صاحب کی یہ تحریر سوم دیکھ کر فرمایا:اب عبد الغفار خان بھی مشہور ہونا چاہتے ہیں۔ظاہر ہے کہ جواب سوالات ممکن نہیں،اور سکوت وجہ خمول۔ناچار ان اسباب کے اختیار پر مجبور۔

ثالثاً:وہابیہ لعنھم اللہ تعالیٰ اب گستاخیوں میں بے حد بڑھ گئے۔اللہ(!)ورسول کی جناب میں کھلے کھلے سب وشتم چھاپے۔مولوی صاحب کو بھی غصہ آیا کہ ان کے مقابل کچھ لکھیں مگر عمر گزری کوئی سطر کسی بدمذہب کے مقابل نہ لکھی۔ناچار اہل سنت پر وار کرنا چاہا نہ کسی مخالف کی غرض سے بلکہ اسی لیے کہ پہلے گھر میں سیکھ لیں پھر باہر نکلیں۔اس نیت پر مولوی صاحب کی کارگزاری قابل شاباش ہے،اسی طرح اور بعض اعذار ہو سکتے ہیں۔

ع والعذر عند کرام الناس مقبول

وصلى الله تعالىٰ على سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه أجمعين آمين.والحمد لله رب العالمين۔

مسئلہ اذان میں تصدیق اعظم

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سلالہ دودمان غوثیت شاہزادۂ سرکار بغداد اولاد امجاد حضور سید الاسیاد

حضرت سیدنا مولانا فخر الملۃ والدین حضرت پیر سید ابراہیم صاحب

آفندی قادری جیلانی حموی بغدادی دامت برکاتہم العالیہ۔

جناب العالم الفاضل، والبحر المتقاطر، حضرة مولاناالمولوي أحمد رضا خان المحترم۔أدام اللّٰہ وجوده ظلاً وذخراً للمسلمين آمين۔

بعد السلام التام عليكم ۔البادي لتحريره كثرة الأشواق هو أنه قدوصلني منكم بهذا الأسبوع كتاب وخمسة اشتهارات وترجمة المضمون العربي الذي قدمته بخدمتكم۔جزاكم اللّٰہ عنا وعن الإسلام خيراً كثيراً۔ وهذا ماهولنا من حسن ألطافكم. أما الكتب التي عرفتما أن نعطيهما إلى المولوي عبد الكريم المدرس والحافظ غلام رسول حسب الأمر أرسلنا هم إلى المذكورين مع أحد الخدام والأمل أنهم قريباً يجتهدون ۔

وفي تعريف مادة الأذان إلى المسلمين والداعي لا يمكن أن أتاخر عن هذه الخدمة الجليلة وتجدني قريباً أشرع في المقصود أقدمه بخدمتكم، كونوا من المسامحين، ولقد أخذني العجب من هذه المسئلة التي هي من الفروع كيف اشتدت إلى هذه الدرجة، فهل يميزون مسلمو الهند بين الخبيث والطيب حيث أن المعترضين دائماً يصرحون بتوهين خاتم الأنبياء والمرسلين، وشبهوه بصفات لا يمكن أن أحررها بيدي خوفاً من ترك الأدب مع ذات الرسالة۔ صلى اللّٰہ تعالیٰ عليه وسلم۔ فهل في زعمهم أن المستحبات من السنن يلزم على العالم تأييده أكثر من الفرض۔ تاللّٰہ أنها المصيبة كبيرة وقعت في مسلمى الهند فما الذي طرء على عقولهم حتى جعلهم إلى هذه الدرجة وسلموا لنا على أولادكم الأنجاب الفضلاء وشرفوني بكل خدمة تليق بهذا المقام واللّٰہ يحفظكم

والسلام، الداعي لكم بالخير ۔پیر سید إبراهيم القادري الرزاقي الحموي البغدادي عفي عنه۔

ترجمہ: جناب عالم فاضل ودریائے فیاض حضرت مولانا مولوی احمد رضا خاں محترم اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کے وجود کو مسلمانوں کے لیے سایہ وذخیرہ رکھے ۔آمین ۔آپ پر کامل سلام کے بعد اس تحریر کا سبب کثرت اشتیاق ہے اس ہفتہ میں آپ کی طرف سے مجھے ایک کتاب اور پانچ اشتہار اور اس عربی مضمون کا ترجمہ جو میں نے آپ کی خدمت میں حاضر کیا تھا اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے اور اسلام کی جانب سے خیر اور کثیر جزائیں بخشے، آپ کے حسن الطاف سے ہماری یہی آرزو ہے، اور وہ کتابیں جن کو آپ نے مولوی عبد الکریم صاحب مدرس وحافظ غلام رسول صاحب کے دینے کو کہا تھا وہ ہم نے حسب الحکم ایک خادم کے ہاتھ ان صاحبوں کو بھیج دیں امید کہ وہ عنقریب مسئلہ اذان مسلمانوں کو سمجھانے کی کوشش کریں گے اور یہ دعا گو تو اس عظیم خدمت سے تاخیر کر سکتا ہی نہیں، آپ عنقریب دیکھیں گے کہ میں نے شروع کر دیا اور آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے، معافی چاہتا ہوں اور مجھے سخت تعجب نے لیا، کہ یہ فرعی مسئلہ اس درجہ کیوں سخت ہو گیا۔

کیا ہندوستان کے مسلمانوں کو خبیث اور پاکیزہ کی تمیز نہ رہی کہ وہ جو معترضین ہیں وہ تو ہمیشہ حضور خاتم النبیین (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی صاف توہین کیا کرتے ہیں، اور حضور کو ایسی تشبیہیں دیتے ہیں جن کو میں اپنے ہاتھ سے لکھ نہیں سکتا کہ بارگاہ رسالت میں کہیں بے ادبی نہ ہو جائے ،تو کیا انھیں (یعنی شاید اس خیال سے انھوں نے اس فرعی مسئلہ میں نزاع شروع کر دی کہ عالم اس میں مشغول ہو کر ان کے کفر وتوہین کا پیچھا چھوڑ دے گا، یہ ان کی خام خیالی ہے) یہ گمان ہے کہ محبوب سنتوں کی تائید عالم پر تائید فرض سے زیادہ ہے، خدا کی قسم وہ سخت مصیبت تھی کہ مسلمانان ہند پر پڑی ان کی عقلوں کو کیا ہوا کہ انھیں اس درجہ پر کر دیا اور اپنے نجیب وفاضل صاحب زادوں کو ہمارا سلام کہیے اور یہاں کے لائق جو خدمت ہو مجھے اس سے مشرف کیجیے اور اللہ تعالیٰ آپ کا نگہبان ہوئے والسلام۔

آپ کا خیر خواہ

پیر سید ابراہیم القادری

الرزاقی الحموی البغدادی عفی عنہ

رسالہ

مقتل اکذب واجہل

(۱۳۳۲ھ)

مولوی عبد الغفار خاں صاحب رام پوری کی پانچویں تحریر کا رد

مولوی صاحب کی یہ تحریر پہلی تحریروں سے بھی اکذب واجہل ہے

لہذا رد کا نام بھی یہی ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ القهار، علی کل متعصب کفار، الذي یخاف یوم الحساب، یتلاعب بالسنة والکتاب، ویفتري علی سید المرسلین، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وعلیهم وعلی آله وصحبه وابنه وحزبه أجمعین، والذین یسمون السنة بدعة، ویکابرون الحق، ویمرون علی الباطل المبین، اولئك هم الفجار حقاً، ولهم عذاب مهین، الا من تاب وامن وعمل بسنة المصطفیٰ الأمین، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وعلیٰ آله وصحبه إلی یوم الدین آمین۔

مولوی عبدالغفار خاں صاحب

آپ کی تراشیدہ عبارتوں سے صرف دو عبارتیں دکھانے پر آپ کو سو روپے کا اشتہار، اور یکم ذی قعدہ تک مہلت تھی، ۱۵ر تک آپ کی صدائے برنخاست۔ اب بولے تو وہ کہ سکوت سے لاکھ درجہ بدتر ادعا کیا، اور مؤکد بحلف شدید کہ قسم ہے عیش رسول۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کی کہ ہم نے جو روایات نقل کی ہیں، وہ کتابیں سرکاری کتب خانہ میں موجود ہیں، ہمارے ساتھ چل کر دیکھ لیں، ایک حرف کا تفاوت نہ پائیں گے۔

یہ تحریر آپ تو یہاں بھیجتے شرمائے مگر بازار میں ایک صاحب کو ملی وہ اٹھالائے، کہ یہاں جلسہ مدرسہ اہل سنت کی اخیر تاریخ تھی، آپ ہی کے شہر، آپ ہی کی جماعت کے سرتاج جناب فضائل نصاب، حامی سنت حضرت مولانا مولوی ظہور الحسین صاحب فاروقی جلسہ میں تشریف لائے ہوئے تھے، آپ کی تحریر حضرت ممدوح کو دکھائی، اور دین الٰہی پر آپ کی جرأتوں کا نمونہ بتایا، اور تصحیح نقل کے متعلق سات سوال لکھ کر دیے، اور گزارش کی کہ حضرت بذات خود مولوی صاحب سے تصحیح نقل لینے کی تکلیف فرمائیں، حضرت نے بکمال للٰہیت جو ایک سنی فاضل کی شان ہے وعدہ فرمایا، کہ میں کل ہی ان کو کتب خانے لے جاؤں گا، اوران ساتوں سوالوں کے جواب لوں گا، آج حضرت موصوف کا نامی نامہ بنام اعلیٰ حضرت مدظلہ آیا جس کی بعینہ نقل یہ ہے:

نقل گرامی نامہ حضرت مولوی محمد ظہور حسین صاحب بنام اعلیٰ حضرت مدظلہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامی سنت، ماحی بدعت، حضرت من مدظلہم العالی علیٰ رؤس المسترشدین

بعد سلام مسنون! رام پور آکر فقیر کو پیچش ہوگئی اس وجہ سے مولوی عبد الغفار سے میں خود نہ مل سکا، البتہ یعقوب بخاری، اور میاں حسنین رضا خاں طول عمرہ کو یہی پرچہ دے کر مولوی صاحب موصوف کے پاس بھیجا گیا، جواب دیا کہ ہم اشتہار ہذا میں اس کا جواب شائع کر چکے، اب تحریر جواب کی حاجت نہیں، صرف زبانی اتنا بولے کہ جنگ مولوی غفران صاحب کا ہے، اس میں ''صلاۃ مسعودی'' کی فقط اتنی عبارت کا حوالہ دیا گیا ہے، اشتہار ملفوف کر کے بھیجا جاتا ہے، اب فقیر کو بفضلہٖ تعالیٰ وبحرمۃ حبیبہٖ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ صحت ہے۔ العبد محمد ظہور الحسین عفی عنہ

مولوی صاحب للہ اپنی حالت پر رحم کیجیے، آپ کے اس اشتہار پر ہمارے سوالات یہ تھے:

(۱) وہ کون سی کتاب ہے جس میں ''صلاۃ مسعودی'' کے حوالہ سے یہ عبارت صفحہ ۷ اوالی نقل کی ہے۔

(۲) اس کا مصنف کون ہے؟ اور کسی نے کبھی اس کتاب کا کہیں حوالہ دیا ہے، اس وقت اس سوال میں اتنا اور اضافہ کرتا ہوں کہ اگر وہ کوئی کتاب نہیں بلکہ کسی قلمی کتاب کے حاشیہ پر کسی نے کچھ لکھ دیا ہے، تو وہاں ناقل نے اپنا نام بھی لکھا ہے، یا ایک گم نام کتابت ہے، آپ اگر اسے زید یا عمرو کی بتائیں، تو اس بتانے پر کوئی دلیل شرعی ہے، یا نری آپ کی زبان۔

(۳) تصحیح نقل جس کتاب سے دکھائی جائے، آیا اس میں سے ''صلاۃ مسعودی'' کے حوالہ سے بعینہ یہی اور اتنی ہی عبارت لکھی ہے، جو صفحہ ۷ ا پر نقل کی ہے، یا کم و بیش ہے؟۔

(۴) کم و بیش ہے تو وہ پوری عبارت کیا ہے؟۔

(۵) اس عبارت میں بیرون مسجد کا لفظ صاف صاف موجود ہے یا نہیں؟۔

(۶) اس عبارت میں اس مضمون کا حوالہ فتاویٰ خانیہ پر دیا یا نہیں؟۔

(۷) فتاویٰ خانیہ میں مئذنہ ہے یا منبر؟۔ [۲۷/ ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ]

مولوی عبد الغفار خاں صاحب کا فرار اور ان پر ضربات کا شمار

(۱) مولوی صاحب! آپ ایمان سے کہتے ہیں کہ ان سوالات کے جواب آپ کے اشتہار ھذا یا اشتہار ذلک یا کسی میں ہیں؟۔

(۲) اگر ایسا تھا اور اب حاجت نہ رہی تھی، تو آپ نے اسی اشتہار میں یہ دعوت کاہے پر دی کہ کتب خانہ میں ہمارے ساتھ چل کر دیکھ لیں، اور فرمایا: جو صاحب چاہیں دیکھ لیں۔

(۳) اسی دعوت کا ایفا تو آپ سے چاہا تھا، اور وہ بھی ان فاضل جلیل کی معرفت، جو خود آپ کی جماعت کے سرتاج ہیں، کہ آپ اپنا اندرونی درد ان سے گزارش کرتے اتنا نہ شرمائیں گے، انھوں نے اپنے دو طالب علم بھیجے، آپ سچے تھے تو "آنرا کہ حساب پاک از محاسبہ چہ باک" کیوں خود ہی دعوت دے کر منکر ہو گئے، فرار مبارک۔ مولوی صاحب! کیا آپ سمجھتے ہیں کہ عبارتیں جھوٹی گڑھ کر، مسلمانوں کو دھوکے دے کر آپ کا پیچھا چھوٹ جائے گا؟ نہیں نہیں ہم تا بخانہ پہنچا کر چھوڑیں گے، اور یہ دوسرا مطالبہ پہلے سے کڑا کریں گے۔

اب پھر آپ کو از سرِ نو دس دن کی مہلت ہے:

اول تو اسی پر خیر گزرتی کہ آپ تنہائی میں حضرت مولانا مولوی ظہور حسین صاحب کے آگے اپنی دغا کھول دیتے۔ وہ نفرین ملامت کر کے آپ کو توبہ یا اس کا مادہ نہ دیکھتے تو کم از کم سکوت کی ہدایت فرماتے۔ اب یوں ہے کہ بہ فورِ وصول دس دن کے اندر کی کوئی تاریخ معین کر کے مجھ کو اطلاع دیجیے کہ بعض معززین و اہل علم یہاں سے جائیں اور ادھر پیلی بھیت کے بعض معزز رؤسا بہت مشتاق ہیں، وہ بھی آئیں اس جماعت کے ساتھ، حضرت موصوف کے ہمراہ رکاب کتب خانہ جایئے اور کتابیں دکھایئے، اور ساتوں سوالوں کے جواب حضرت ممدوح و جماعت موصوف کے سامنے ایمان ایمان سے لکھ کر دستخط کیجیے۔ دیکھیے تو دین مصطفیٰ۔ علیہ افضل الصلاۃ والثنا۔ میں مسلمانوں کو دھوکہ دینے والے، اپنا صریح جھوٹ پالنے کے لیے عبارتیں دل سے تراشنے والے، عیشِ مصطفیٰ۔ علیہ افضل الصلاۃ والثنا۔ کی جھوٹی قسموں کے پھنکے اڑانے والے، کیسے کیسا ذلیل ہوتے ہیں، مگر ہم کہے دیتے ہیں کہ نہ آپ تاریخ معین کریں گے، نہ جماعت کے ساتھ کتب خانہ جائیں گے، نہ ہرگز ہرگز کتاب دکھائیں گے، دنیا میں کہیں پتا ہو تو منہ سامنے لایئے، نری جھوٹی گڑھت کسی گھر سے سچی کر دکھایئے۔

(۴) مولوی صاحب اپنی عاقبت کا حال کھولتے ہیں:

فرماتے ہیں: ہم کو کیا اپنی عاقبت خراب کرنا ہے کہ اپنی طرف سے روایات گڑھیں۔ جی اگر آپ سچے ہیں تو اپنی دنیا کیوں خراب کریں۔ تمام میں تھڑی تھڑی ہو رہی ہے کہ جھوٹی عبارتیں گڑھ لیں۔ سچے ہوتے تو ثبوت نہ دیتے۔ یوں نہ دیتے، تو روپوں پر تو دیتے۔ یوں بھی نہ دیتے تو اپنے مخالف کے جھوٹا کرنے کو تو دیتے۔ اوروں کو نہ دیتے، تو خاص اپنی جماعت کے سرتاج فاضل ممتاز کو تو دیتے۔ لیکن آپ تو

ہر پہلو پر دم چراتے، جان بچاتے ہیں۔ تو روشن ہو گیا کہ عبارتیں آپ کی گڑھت ہیں، اور آپ خود بتا چکے کہ اپنی طرف سے روایات گڑھنا، اپنی عاقبت خراب کرنا ہے، پھر عیش مصطفیٰ۔علیہ افضل الصلاۃ والثنا۔کی جھوٹی قسمیں کھا کر کیوں اپنی خراب عاقبت کو خراب تر کیجیے۔

(۵) مولوی صاحب اپنا نولکھا جھوٹ کھولتے اور اذان اندرون مسجد پر آخری بولتے ہیں:

فرماتے ہیں: اگر ہم کو گڑھنا ہوتا تو چھ ماہ تک کیوں کتب خانہ جاتے، اور محنت اٹھاتے۔ جی یہی تو مصیبت تھی، جب چھ مہینے خاک چھانی اور مسجد کے اندر اذان کی آدھی چہارم روایت نہ پائی، تو مرتا کیا نہ کرتا، ناچار گڑھنے کی ٹھہرائی۔ غنیمت ہے کہ آپ نے روایت ڈھونڈھنے کے لیے چھ مہینے تک کتب خانہ کی دوڑ قبول دی۔

کیا مسلمان اب بھی نہ سمجھیں گے کہ مسجد کے اندر اذان ہونا ایسا ہی بے ثبوت و بے اصل ہے کہ ریاست کا کتب خانہ (جس میں صدہا نادر کتابیں ہیں) چھ مہینے چھانا، اور ایک روایت نہ نکال سکے۔ ناچار جھوٹ گڑھت پر اوقات رہی۔ بحمدہ تعالیٰ یہاں خود آپ کے منہ سے آپ کے اس ہزاروں جھوٹ کے مجموعہ مرکب ہفت ہزاری کذب بلکہ لکھا جھوٹ کا پردہ کھل گیا، جو آپ نے ''آثار المبتدعین'' صفحہ (۴۳) پر فرمایا: کہ کتب معتبرہ فقہیہ میں ہزاروں دلیلیں اذان خطبہ کی مسجد میں ہونے کی موجود ہیں۔ بھلا متواتر مسئلہ جس کی ہزاروں سندیں کتابوں میں بھری ہوں، کیا اس کے لیے چھ مہینے کتب خانہ چھاننا، دانتوں پسینے لانے کی مصیبت جھیلنا، اور پھر پچھلا نتیجہ یہ دینا ہوتا ہے۔ جس پر ایک ہزار ضرب کامل تو ہو چکی ہیں، اور کیا جانیے آپ کی اور کتنی ہیں۔

(۶) حدیث پر مولوی صاحب کا تازہ افترا

مولوی صاحب نے عیش مصطفیٰ۔علیہ افضل الصلاۃ والثنا۔کی قسم کھائی ہے کہ بے افترا نوالہ نہ توڑیں گے، عادت جو پڑ گئی ہے، بے واسطے افترا پھنکاتے ہیں۔ آثار المبتدعین میں یہ حدیث گڑھی تھی کہ ''أول من قاس إبليس''۔ یہاں بولے: مولانا صاحب نے حدیث: ''ظنوا المؤمنين خيراً'' کو چھوڑ دیا۔ مولوی صاحب حدیث کیا جانیں۔ جاہلوں سے سنی سنائی پر گزر ہے۔ ثبوت تو دیجیے کہ یہ حدیث کے لفظ ہیں۔

(۷) صلاۃ مسعودی میں جدید تحریف:

فرماتے ہیں: صلاۃ مسعودی میں لکھا ہے کہ:

''مسئلہ سنت این ست کہ مؤذن در بانگ نماز و اقامت در مسجد باشد''

اس روایت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اذان خطبہ اور اقامت دونوں کا مسجد میں کہنا سنت ہے،

مسلمانو! صلاۃ مسعودی کا قلمی نسخہ (٦٨) برس کا لکھا ہوا یہاں موجود ہے، عبارت یوں ہے: ''مسئلہ سنت این ست کہ مؤذن درمیان بانگ نماز واقامت در مسجد باشد''۔ یہاں ذکر اس کا ہے کہ جو وقت اذان واقامت کے درمیان ہے، یعنی اذان دینے کے بعد سے تکبیر کہنے تک مؤذن یہ وقت کہاں گزارے، اس کو بتایا کہ سنت یہ کہ مسجد میں گزارے۔ یہ نہ کرے کہ اذان دے کر مثلاً گھر کو چلا جائے، پھر آ کر تکبیر کہے۔

مولوی صاحب نے ''میاں'' کا لفظ کتر لیا، اور ٹھہرادیا کہ مسجد ہی میں اذان ہونا سنت ہے، اذان واقامت کی ایک جگہ ہے، حالانکہ ہدایہ وتمام شروح ہدایہ وغیرہا میں تصریح ہے کہ شرعاً اذان واقامت کے مکان مختلف ہیں، صلاۃ مسعودی کا یہ مقام حضرت مولانا مولوی ظہور حسین صاحب کو دکھایا کہ مولوی صاحب کی چالاکی وتحریف ملاحظہ ہو، جناب ممدوح نے تعجب کیا، اور فرمایا: کہ اس عبارت کو ان کے مطلب سے کیا علاقہ۔

(۸) اگر بالفرض ''میاں'' کا لفظ مولوی صاحب کی دیانت نے نہ کترا ہو بلکہ بمبئی کے نسخے میں ساقط ہوا ہو تو مولوی صاحب اسی اشتہار میں تو فرما چکے ہیں کہ:

''اس نسخہ میں جابجا عبارتیں رہی ہوئی ہیں، ناقص ہیں، مضمون خبط ہے''

پھر ایسے نسخے کے بھروسے عبارت نقل کرنا اور حکم لگانا کہ اس روایت سے صاف ظاہر ہو گیا، کیا بددیانتی نہیں؟۔ جب آپ کو اس کی یہ ردی حالت معلوم تھی تو اس پر اعتماد میں جو کچھ تحریف وافترا واقع ہو سب آپ کے سر ہے، کہ آپ جان بوجھ کر ایسے غلط کے متبع ہوئے، اس کی نظیر یہ ہے کہ بے ہوشی میں طلاق منہ سے نکلے تو نہ ہوگی، لیکن شراب پی اور اسکی بے ہوشی میں نکلی پڑ جائے گی، کہ یہ تو اس حالت کا جان کر مرتکب ہوا، تو جو کچھ اس سے صادر ہو سب اوڑھ لیا۔

(۹) مولوی صاحب کی اجتہاددانی روز نئے حکم بدلتی ہے۔

مولوی صاحب دوسری تحریر میں ایمان لائے تھے کہ: اذان پنج گانہ مسجد میں منع ہے، ائمہ کرام نے اسے منع فرمایا ہے، چوتھی میں یہ سر کلرآیا کہ وہ بھی منع نہیں، ہاں خلاف اولیٰ ہے، اب پانچویں میں اس عبارت ساختہ صلاۃ مسعودی سے ٹھہرادیا کہ خلاف اولیٰ کیسی سنت ہے۔

(۱۰) ترجمہ میں خیانت کا پیوند لگا گئے۔

ہزار ضرب اقوی نے تو مولوی صاحب کے ستاسی ترجمے دکھائے، جن میں انہوں نے اپنی

گڑھت کے پیوند لگائے، اس بے چارے اشتہار میں فقہ کی یہ ایک ہی عبارت دکھائی تھی، اس میں بھی اپنی لت سے چوکے، صلاۃ مسعودی میں فقہ کی یہ عبارت عام اذانوں کے بارے میں ہے، مولوی صاحب چرچے کہ اب تو ممانعت ائمہ کی پوری تکذیب اور اجماع مسلمین کی پوری مخالفت ہوئی جاتی ہے، کہ ہر اذان مسجد میں دینا سنت ہے، جھٹ پیوند لگا دیا کہ اذان خطبہ۔ کیوں مولوی صاحب عبارت میں اذان خطبہ کی تخصیص کہاں ہے۔

(۱۱) ڈھٹائی کا اقرار اور ہذیانوں کے انبار:

فتح القدیر کی عبارت کو جو غلط بتایا اور ادعا کیا کہ صحیح یوں ہے، اس پر پچاس روپے کا اشتہار دیا کہ کسی نسخے میں اپنی گڑھی دکھادیں، اس کا جواب فرماتے ہیں: ہم نے کب کہا ہے کہ فتح القدیر میں جو یہاں نسخے ہیں اس میں یہ عبارت ہے۔ یہ صاف اقرار ہے کہ کسی نسخہ میں آپ کی تراشیدہ عبارت نہیں، محض ڈھٹائی سے گڑھ لی، یا شاید قادیانی کی سی کوئی وحی اتری۔

(۱۲) عبارت فتح القدیر کو جیسا آپ سمجھے اور آثار المبتدعین کے صفحہ (۱۱۲) پر جو ستیاناسی معنی اُگلے، ان کا پورا لطف تو "مقتل کذب وکید" کے حصہ دوم میں دیکھیے، جو آپ کی جہالات سے باحث ہے، مطلب کی ہوا بھی نہ لگی اور اندھا دھند بکنا شروع کردیا۔ یہاں اسی قدر بس کہ فتح القدیر میں فرمایا: "هذا صورة قياس علة الحكم في الأصل كذا شرطاً للصلاة" (۱)

آپ ترجمہ فرماتے ہیں: یہ صورت قیاس علت حکم کی ہے اصل شرط ہونے میں واسطے صلاۃ کے۔

مہربانی فرما کر ذرا عبارت فتح اور اپنے ہذیان دونوں کی ترکیب بتا کر تطبیق دکھایئے۔

(۱۳) جانے دو اپنے ہذیان کا مطلب ہی کہہ دو، وہ کہ انسان کے کہنے کا ہو۔ ایسی کج فہمی، بدعقلی پر عبارات ائمہ کی بحث اور مسائل شرعیہ میں دخل۔ واللہ العظیم اگر اول سے ایسا جانا ہوتا، تو ہرگز آپ سے خطاب کرنا نہ تھا۔ حضرت مولانا مولوی ظہور حسین صاحب کے سامنے بھی یہ ہذیان شریف پیش ہوا، مولانا بھی کچھ مطلب نہ کہہ سکے، کہیں تو جب کہ قائل نے خود کچھ مطلب رکھا ہو۔ یہ قدیمہ جدیدہ افق المبین نہیں جسے مولانا سمجھ لیں گے، یہ غفار خانی کلام ہے جس کے سمجھنے کو دماغ میں ڈھائی پاؤ جنون درکار۔

اب ہم دنیا بھر کے علما و دقائق فہم حضرات کو اعلان دیتے ہیں، اگر غفار خانی جملوں کی ترکیب اور

---

(۱) [فتح القدير لابن الهمام: باب صلاة الجمعة، ۲/۵۸]

مطلب کہہ کر عبارت فتح سے تطبیق کر دکھائیں تو ہم ان کو ملک العلما کہیں گے۔

(۱۴) اور طرفہ سنیے! امام ابن الہمام تو قیاس ہدایہ پر اعتراض فرما کر قیاس کافی کی طرف رجوع کر رہے ہیں، آپ اسے جواب ٹھہرا رہے ہیں۔

(۱۵) جواب بھی ایک نہیں۔

(۱۶) وہ بھی کس سے خود اسی اعتراض سے۔ اعتراض یہ تھا کہ اذان خطبہ کب شرطِ نماز ہے، جواب یہ ہوا کہ: اذان خطبہ شرط صلاۃ جمعہ ہی نہیں۔

(۱۷) اُس سے کافی کی طرف عدول، اس کی طرف سے دوسرا جواب ہے کہ "دوسرا محمل یہ نکالا پس اولیٰ جواب اعتراض میں تشبیہ جامع ہے جس کو صاحب کافی نے معین کیا"،

سچ ہے: ع آدمی آدمی حواس سے ہے

(۱۸) جامع کہ اصطلاح اصول ہے، اسے چار جگہ تشبیہ جامع کہنا عجب لطیفہ ہے، علت جامع کو تشبیہ آج ہی سنا ہے (۱) اور یہ تو ہزار ضرب اقوی میں معروض ہو چکا کہ ایسا تھا تو "في المسجد" کو "أي: في حدوده" سے تفسیر کرنا آپ کی سی حماقت ہو جائے گا۔

(۱۹) طرفہ جہالتیں یہ کہ یہاں کراہت اذان کا کیا موقع ہے، کچھ بھی نہیں، اس لیے کہ مطلب کے ساتھ اس کی علت کا بیان بالکل بے موقع ہے۔

(۲۰) اور ماسبق و مالحق سے کیا مناسبت ہے۔ جی بالکل مباینت کہ دلیل و دعویٰ نرے اجنبی ہوتے ہیں۔

(۲۱) اور "فالاولیٰ ما عینه الکافي جامعاً" کے کیا معنی ہوں گے، یہ کہ "آپ را عقل نباشد" ادنیٰ سمجھ والا دیکھ رہا ہے کہ آپ کو مطلب کی ہوا تک نہ لگی، اور ہذیان میں بڑ ارہے ہیں۔

(۲۲) اس پر یہ غرہ کہ جن کے قلوب فیضان انوار نبوت سے روشن ہیں، وہ جان سکتے ہیں۔ استغفر اللہ! یہ انوار نبوت کی شدید توہین ہے، کہ ان کے فیضان سے بھلا چنگا آدمی صورت کا ہیولیٰ پاگل ہو جاتا ہے، آپ تو اس درجہ نابینا اور انکھیاروں کو کہیں ﴿وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُوراً فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ﴾ (۱)

(۲۳) انہیں کج فہمیوں کی بنا پر معترض ہوئے کہ... "فالاولیٰ ما عینه الکافي جامعاً"

---

(۱) [سورة النور: ٤٠]

حضرت مولانا ہضم کر گئے۔

اس اشتہار میں بھی اسے قطع برید قرار دیا ہے، مولوی صاحب منہ چڑانے سے اپنا ہی منہ بگڑتا ہے۔ ع

اوگمان بروہ کہ من کردم چواو

ذرا کسی طالب علم سے قطع وبرید کے معنی پہلے سیکھ لو، آپ کو قطع وبرید میں مشق ہے مگر اس کے معنی نہیں سمجھتے۔

(۲۴) حق عبارت کی تکذیب پر دلیل کیا آپ ہی ہے، کہ فتح میں بحوالہ کافی لکھا ہے، اور کافی میں ''فصار کالأذان'' تو ''لکراھة الأذان'' کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔داکو مان کر آٹھ دس برس مدرسہ اہل سنت منظر اسلام میں آکر طالب علمی کر لیجیے، اس کے بعد آپ کو خود کھل جائے گا کہ یہ جو کچھ فرمارہے ہو سب ﴿وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُوراً فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ﴾[سورۃ النور: ۴۰] تھا، فتح القدیر کے مطلب اور آپ کی بدفہمی نافہمی کی تشریح حصۂ دوم مقتل کذب سے لیجیے، اس مختصر میں آپ کو یونہی اندھیرے میں رکھنا مناسب کہ آپ کو کھلے تو کہ ﴿وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُوراً فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ﴾(۱)

پھر بھی اتنا سکھا ہی دوں کہ ''فتح'' نے ''کافی'' کا جامع بیان فرمایا ہے؟۔ یا کافی کی عبارت نقل کی ہے، ''جامع ھو ذکر اللہ فی المسجد'' ہے، یا ''فصار کالاذان'' بھی جامع میں گھسا ہوا ہے۔ اللہ جن کو اتنی بھی تمیز نہ ہو وہ مباحث علمیہ کلمات ائمہ کو اپنی تکلیف سے معاف کیوں نہ رکھیں۔

(۲۵) انھیں اوندھی سمجھوں، نافہمیوں، ہذیانوں پر ان کے اس چھکے کی بنا ہے کہ مولانا نے یہاں کئی غلطیاں کیں۔ ایک تو خیانت کہ عبارت اول کی کاٹ لی۔ خیر آپ کی یہ جہالت۔ تو نمبر پا چکی۔

مولوی صاحب اول کا جملہ کاٹ لینا وہ ہوتا ہے، جو آپ نے عبارت شیخ کی ابتدا ست ''وقال الشیخ'' کتر لیا۔ دوسرے ذکر خطبہ کا ہے، ضمیر اذان کی طرف پھیر دی۔ یہ اول تو خود اپنے خصم پر افترا ہے، فتوائے مبارکہ مطبوعہ تحفہ میں عبارت فتح لکھ کر صرف ترجمہ فرمادیا ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، مسجد میں ضمیر کی جگہ ضمیر ہی ہے، آپ کو پھیرنا کیسے محسوس ہوا۔

(۲۶) ثانیاً: عقل کی پڑیا! جامع مقیس ومقیس علیہ میں یکساں ہوتا ہے، ورنہ جامع نہ ہو، اور فی حدودہ سے تفسیر بنظر اذان ہی ہے، خطبہ تو خود جوف مسجد میں ہے۔ ولکن المولوي صاحب لا یفھمون ولا یعقلون شیئاً ولا یھتدون ﴿وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُوراً فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ﴾(۲)

---

(۱) [سورۃ النور: ۴۰] (۲)[سورۃ النور: ۴۰]

(۲۷) تیسرے یہ کہ کافی کی عبارت نہ دیکھی۔ یہ رجما بالغیب اپنے خصم پر افترا ہے۔

(۲۸) چوتھے ماسبق و مالحق کا لحاظ نہ کیا، جب تو تعلیل کو معلل سے مربوط فرمادیا، آپ نے لحاظ کیا، لہذا دعوے سے دلیل کو بے گانہ ٹھہرادیا۔

(۲۹) پانچویں یہ غور نہ کیا کہ مسئلہ اذان سے بحث ہے یا خطبہ سے؟۔ جبھی تو "أي فــــي حدوده" فرمایا، اس لیے کہ مولوی صاحب کے دھرم میں خطبہ جوف مسجد میں منع ہے۔

(۳۰) چھٹے اگر جان کر یہ کارروائی کی تو بڑی بات ہے، ہر گز مناسب اہل علم نہیں کہ غلط عبارت بنا کر بہکائے، مولوی صاحب آپ کی باتوں پر اس دست بریدہ کی حالت یاد آتی ہے جس نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں سے آپ تو زیور چرایا، اور تلاش کرنے والوں کے ساتھ خود گھسٹتا اور چرانے والے کو کوستا جاتا: "اللهم عليك بمن بيّت أهل هذا البيت الصالح"(۱)

(۳۱) آپ کی شدید جہالت مان لیں کہ عبارت یوں غلط ہے، مگر جب آپ خود مقر ہیں کہ تمام مطبوعہ و قلمی نسخوں میں یوں ہی ہے، اور آپ کی تراشیدہ کسی نسخہ میں نہیں، تو یہ آپ کے خصم کا عبارت بنالینا ہوا، مگر افترا علی الخصم تو آپ کے گھر حلال ہے، خصم کی کیا حقیقت، جب واحد قہار اور اس کے حبیب مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افتراؤں کی بوچھار ہے۔

(۳۲) بنا کر بہکائے کہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔ مولوی صاحب چمگادڑ آفتاب کو دیکھ نہیں سکتا، مگر انکار بھی نہیں کر سکتا، منکر آفتاب کو کیا کہا جائے۔ ہاں وہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: إذا لم تستحي فاصنع ما شئت۔

ع: بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن

افترا، عناد، جہالت، کذب، تناقض:

جن میں اکثر کے رد "اذان من اللّٰہ" و "نفی العار" اور "ہزار ضرب اقوی" میں ہو چکے، لہذا شمار و اشعار بس۔

(۳۳) ابن اسحاق کی تدلیس کا راگ عناد۔

(۳۴) تضعیف کا گیت عناد۔

(۳۵ تا ۳۸) ابن الہمام و حلبی نے فرمایا کہ: ابن اسحاق مدلس ہے، اس کی حدیث عنعنہ جب

---

(۱) [صحيح البخاري : باب حديث الغار، ٤/١٧٧]

تک مؤید نہ ہو معتبر نہیں۔ دونوں پر افترا اور "نفی العار" نے کشف جہالت کر دیا تھا، پھر وہی دونوں عناد۔

(۳۹و۴۰) "تمام سلف وخلف"

کذب بھی، عناد بھی، اور اس کے ساتھ

"تمام جمہور فقہائے حنفیہ"

کتنے مزہ کا ہے "تمام" بھی، اور "جمہور" بھی۔ اور بعض فقہائے حنفیہ کہ علاوہ جمہور رہے، شاید تمام سلف وخلف سے خارج ہیں۔

(۴۱) "حرمین شریفین کا جواب کتنی بار سن چکے"۔ عناد۔

(۴۲و۴۳) "جمیع بلاد اسلام"۔ کذب بھی عناد بھی، اور جس کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پہلی حدیث سے جو نقل کی "خبر غائب"۔

(۴۴و۴۵) "حضور کے زمانہ سے برابر جاری ہے"، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افترا بھی عناد، بھی۔

(۴۶) "کسی نے بہت تعرض نہ کیا"۔

یعنی تھوڑا تعرض کیا، دن دہاڑے جھوٹ۔

(۴۷) "کہنے والوں نے کہہ دیا تھا"

ع: دلے از مفتری نتواں برآمد

دس برس سے تحفہ حنفیہ شائع ہوا، کسی نے چوں بھی کی۔

(۴۸) "پیلی بھیت تشریف لے گئے، وہاں اس بدعت کو رواج دینا چاہا"۔

جھوٹ بلکہ فتویٰ دریافت ہوا، جواب فرمایا، اہل سنت نے قبول کیا، اجرا کیا، کئی جمعہ تک سب متفق رہے۔ پھر بعض وہابیہ نے شیطنت مذہبی کا بخار اس پیرایہ میں نکالنا چاہا، اور بعض حاسد معاند موافق ہو لیے۔ آپ اور دیوبندی اور آس پاس کے، اور بعضے حساد برسوں سے آتش حسد میں بھن رہے تھے، کچھ بس نہ چلتا تھا، اس مسئلہ میں عوام جہال کا ملی غول ساتھ ہوتا دیکھ کر پھوٹ پڑے۔ سارے طوفان بے تمیزی کی حقیقت اتنی ہے ورنہ دس برس سے کس کھو میں الوپ تھے، کہ بدعت دیکھ کر دم سادھے رہے، واحد قہار کے وجہ کریم کو حمد کہ ان متفقہ کوششوں پر بھی ایک دلیل کا بال بانکا نہ کر سکے، ایک اعتراض کا جواب نہ دے سکے، سو سو کھائیں اور وہی مردودات سامنے لائیں، کچھ نہ بنے تو عبارتیں گڑھیں، قطع و برید کریں، جھوٹے ترجمے تراشیں، میں آپ ہی کو نہیں کہتا سبھی ان جملہ امراض میں گرفتار ہیں، اس کی فہرست

بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ایک اشتہار میں دکھادینے کا ارادہ ہے، وله الحمد وبه التوفیق۔

(۴۹) رہا سنت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بدعت کہنا، اس کا جواب یہاں کیا ہوسکتا ہے، معافی نہ ہوئی تو حشر میں کھلے گا۔

(۵۰) رسالہ سوالات قاہرہ کی نسبت فرماتے ہیں:

''ہم کو اس سے غرض نہ تھی، کچھ تعرض نہ کیا، نہ جواب لکھا''۔

اور آثار المبتدعین میں وہ کس منہ سے کہا تھا کہ اس تحریر میں ہم نے ردان اعتراضوں کا بھی کردیا جن کا نام مولانا نے سوالات قاہرہ رکھا ہے، وہ چون ہیں'' زہے تناقض۔

(۵۱) ''جب حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اشارہ ہوا''۔

مولوی صاحب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افتراؤں کی کوئی حد بھی ہے، یا غذا بنالیے ہو، توبہ کیجیے توبہ، ورنہ مرتے وقت ایمان سلب ہونے کا قوی اندیشہ ہے، والعیاذ باللہ، اور امام جوینی کے نزدیک تو فی الحال کفر ہے۔

(۵۲و۵۳) اول سے اپنا سکوت بتا کر اپنے اشتہار سوم کو کہا:

''اس وقت ایک اشتہار شائع کیا''۔

یہ وہی کذب ہے جس سے اس اشتہار کی ابتدا ہے، ''نفی العار'' نے حال کھول دیا تھا، مگر عناد کا کیا علاج۔

(کذب جامع) ''اشتہار کے جواب میں مولانا صاحب نے ''نفی العار'' شائع کیا، روایات کا جواب ندارد''۔

مولوی صاحب شاید آپ نے تمام جہاں کو اندھا سمجھ لیا ہے، اف ری حیا! کہ جیتی مکھیوں کے پھنکے پر پھنکے لگائے اور آنکھ نہ جھپکائے۔ ''نفی العار'' موجود ہے، آنکھیں کسی سے قرض مانگ کر اپنے اشتہار کی روایات سے اپنے استدلالوں کے رد گنیے۔

(۵۴تا۶۷) تقریب التہذیب صفحہ ۱۱، ۱۲ پر ۱۴ رد۔

(۶۸تا۷۱) ابن الہمام و حلبی دربارہ تدلیس صفحہ ۱۴و۱۵ پر ۴ رد۔

(۷۲تا۷۴) ابن الہمام و حلبی وحدیث دربارہ قدریہ سے استناد، صفحہ ۱۵ پر ۳ رد۔

(۷۵تا۸۲) ابن خلکان صفحہ ۱۵ پر ۲ رد بلکہ صفحہ ۱۶ پر ۶ رد کی یاددہانی جملہ ۸ رد۔

(۸۳تا۸۹) مبسوط وغیرہ صفحہ ۱۶ تا ۱۸ پر ۷ رد۔

(۹۰ تا ۹۲) صراح قاموس تاج العروس، صفحہ ۱۸ پر ۳ رد۔

(۹۳ تا ۹۶) حمیدیہ وحدیث والہداد سے استناد صفحہ ۱۸ پر ۴ رد۔

(۹۷) ظہیریہ صفحہ ۱۹ پر ایک رد

(۹۸، ۹۹) منار صفحہ ۱۸ پر ۲ رد۔

(۱۰۰ تا ۱۰۳) ابن الہمام تو ارث ۴ رد۔

(۱۰۴ تا ۱۱۱) عینی وحمیدیہ صفحہ ۲۲ و ۲۳ پر ۳ رد۔ اور مبسوط وغیرہ کے ساتھ صفحہ ۱۶ تا ۱۸ پر ۵ رد۔

کل ۱۸ عبارات وروایات منقول اشتہار سے استدلال پر مجموع اٹھاون رد تھے، آپ آنکھوں پر ٹھیکی رکھ کر سب ہضم فرما گئے کہ روایات کا جواب ندارد، خدا حیا دے۔

(۱۱۲) ''بڑے الفاظ معائب کا بازار گرم، سوداگری محلہ میں سوا اس کے اور کیا ہے، ہم سے گالیاں دینا آتا نہیں''۔

یہ اپنے خصم پر افترا ہے، مولوی صاحب آپ کو کیا گالی دی، ہاں آپ نے افترا کذب، عناد، وجہالت وغیرہ کمالات دکھائے، نجوخاں کے گھیر میں ان کے سوا کیا تھا، وہ گنا دیئے گئے اگر افترا کو افترا، کذب کو کذب، عناد کو عناد، جہالت کو جہالت کہنا گالی ہے، تو آپ کے نزدیک کلام مجید معاذ اللہ گالیوں سے بھرا پڑا ہے۔

(۱۱۳) اپنی ''آثار المبتدعین'' دیکھیے، آپ کے ابلیس مبتدع مفتری بے ایمان کیا کچھ کہہ چکے۔ اور آپ کے حمایتی دشمنِ خدا ورسول، دشمن محبوب رب المشرقین، کیا کیا لکھ گئے، وہ آپ کو برا نہ لگا، وہ خود اس اشتہار ناپاک میں محض بے ایمانی سے جو کہا وہ آگے آتا ہے، ہاں فرق یہ ہے کہ آپ اور آپ کے حمایتیوں نے جو لکھا محض ناحق وملعون تھا، اور ہم نے اس سے ہزار ہا درجہ ہلکا جو کچھ بیان حالت کو لکھا یقیناً حق ہے، شاید آپ کی شریعت میں یہ مسئلہ ہو کہ حق کہا جائے تو گالی ہے، اور ناحق بکا جائے تو شیر مادر۔

(۱۱۴) ''ہم سے ضلع جگت بولنا نہیں آتا''۔

یہ بھی افترا ہے، آپ کے ساتھ کیا ضلع جگت بولا گیا ہے، یہ کہ دہقانیوں سے اردوئے معلّٰی کا مقابلہ ہو نہیں سکتا، لہٰذا انگور کھٹے۔ آس پاس کے اور بعض دہقانی بھی اپنی گنور و زبان کا عیب یوں ہی ڈھانکتے ہیں۔ غضب تو یہ ہے کہ جن شیاطین نے اللہ عز جلالہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سڑی سڑی گالیاں چھاپیں ان اشقیا کو برا کہا، اور ان سنی مسلمان بننے والوں کی تہذیب میں آگ لگی بلکہ وہ خبثا تو اللہ ورسول۔ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کو کھلی کھلی گالیاں دیں اور انہیں کوئی پہلو دار لفظ کہا اور ان سنی

نماؤں کی تہذیب کو دھکا لگا، اور ان کے بابا جان کو کوئی آدھا حرف کہے تو دیکھیے کیسے جامہ سے باہر ہوتے ہیں، تہذیب وہذیب سب بالائے طاق رہتی ہے۔ یہ حال ہے ان کے دلوں میں اللہ ورسول۔جل جلالہ۔کی تعظیم وایمان کا۔

(۱۱۵)''ہم نے جن کتب سے استناد پکڑا ہے، جن کو مولانا صاحب نامعتبر اور مجہول کہتے ہیں، قرآن شریف صحاح ستہ، کتب فقہ معروفہ متداولہ ہیں''۔

مولوی صاحب دیکھیے آپ نے تو ''آثار المبتدعین صفحہ ۵۷'' میں کھلی ہوئی بے ایمانی، جیتی مکھی نگلنا، صریح بے ایمانی سے کہا تھا، یہاں یہ اپنے خصم پر افترا اپنا دیکھیے، کہ جیتی مکھی کے ساتھ ایمان نگل جانا ہے، خدا کو ایک اور قیامت کو حق جانتے ہو تو بتاؤ کہ آپ کے خصم نے معاذ اللہ کہاں قرآن عظیم کو نامعتبر ومجہول کہا ہے۔

(۱۱۶) کہاں صحاح ستہ کو نامعتبر ومجہول کہا ہے۔

(۱۱۷) کنز، ہدایہ، فتح القدیر وغیرہا شرح مسکین کے سوا تیرہ نام جو آپ نے یہاں گنائے کہاں ان کو نامعتبر ومجہول کہا ہے، سچ فرمایا قرآن عظیم نے:

﴿إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾(۱)

اشتہار غرہ ذی القعدہ جس سے آپ سو روپے کے اشتہاری ہیں، اور ڈھائی گنا مدت مہلت گزر جانے پر اس اشتہار جدید میں یہ ناپاکیاں آپ کی زبان پر جاری ہیں، اس میں یہ لفظ تھے: ''نامعتبر ومجہول کتابوں سے بھرتی بھردی''

کسی ادنیٰ اردو زبان داں سے پوچھ دیکھیے، کیا اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ جتنی کتابوں کا نام ''آثار المبتدعین'' میں لیا سب نامعتبر ومجہول ہیں، بلکہ یہ کہا گیا کہ مسلمانوں کو یہ شدید دھوکا دیا کہ سو کتابوں سے سند دی، حالاں کہ اس کی ناگفتنی حالت یہ ہے۔ اس کے بعد آپ کی دس جہالتیں گنائیں جن میں چھٹی جہالت یہ ہے کہ: نامعتبر ومجہول کتابوں سے بھرتی بھردی، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ سو کا بھرت پورا کرنے کو بھرتی میں نامعتبر ومجہول کتابیں بھردیں، نہ یہ کہ سو کی سو سب نامعتبر ومجہول ہیں۔

عقل مند خاں بھرتی ''حشو'' کو کہتے ہیں، ''حشو'' شی پر زیادت ہوتا ہے، نہ کہ تمام شی ''حشو'' ہو، اب جاڑے کا موسم آتا ہے، رضائی لحاف بھرواؤ، تو دیکھ لینا کہ بھرتی روئی ہے، نہ کہ ابرہ اور استر، کچھ

---

(۱) [سورۃ النحل:۱۰۵]

نہیں، نری روئی ہے۔ یا شاید آپ نری روئی ہی اوڑھا کرتے ہوں۔

رسالہ ''مقتل کذب وکید'' آپ پر پہنچ گیا، جس کی رسید میں آپ نے برخلاف حکم قرآن وتصریح ائمہ اسلامی ماہ وسال وتاریخ کو پس پشت ڈال کر سب انگریزی اختیار کیے ہیں، ہم اس رسید کو یہاں نقل کر دیں کہ اہل علم واہل ذوق اس کی انوکھی طرز تحریر وبلاغت بے نظیر سے بھی مستفید ہوں، اور مسلمانوں کو یہ بھی معلوم رہے کہ ہزار ضرب آپ پر کب سے نازل ہیں، اور آپ میں دم نہیں، آپ تحریر فرماتے ہیں:

میں کہ محمد عبد الغفار خان ولد مولوی محمد خان قوم پٹھان ساکن شہر رامپور محلہ گھیر نجو خان، کتاب مرسلہ مولوی احمد رضا خان معدن کذب وافترا، مخزن جور وجفا، مسمّیٰ ''مقتل کذب'' پہنچی معرفت شفیق احمد بتاریخ ۱۹/ اکتوبر ۱۹۱۴ء بقلم خود (۱)۔

علما علمی کتب کی رسید یوں لکھا کرتے ہیں۔ علما کو جانے دیجیے کوئی سمجھ وال کا یست بھی اس سے اچھی لکھتا، اور اوپر عنوان تو لکھا مگر یہ الفاظ کیوں چھوڑ دیے کہ.....

''بحالت علت نفس وزوال عقل بے طوع ورغبت بجبر واکراہ اقرار فاسد غیر شرعی کرتا ہوں، اور لکھے دیتا ہوں''۔

اور اخیر میں یہ کیوں نہ لکھا کہ......

''لہذا یہ چند کلمے بطور رسید لکھ دیے کہ سند نہ ہو، اور عند الحاجۃ کام نہ آوے''

ہاں کتاب کی صفت ''مرسلہ'' یہ ضرور کا یستھوں کی سی ہے، کہ پنچ مقبولہ فریقین، اور بقلم خود تو دیکھیے کیا موقع سے ہے، خدا جانے اکتوبر نے بقلم خود لکھا۔ یا ۱۹۱۴ء نے۔

خیر یہاں یہ گزارش منظور ہے کہ ''مقتل کذب وکید'' تک آپ کی رسائی ہوگئی، جس کا خلاصہ یہ اشتہار یکم ذی القعدہ تھا، اس کے صفحہ ۱۰ پر اپنے کمالات کی اقسام میں دیکھیے!

''قسم ۷ نامعتبر ومجہولات سے بھرتی بھر دی، مثلاً برہنہ، رحمانیہ، زاد التقوی، نقشبندیہ، نور المسلمین۔ اور ان سے دونی اور ہیں''

ان کو نامعتبر ومجہول کہا۔ یا خاک بدہن افترا، معاذ اللہ! قرآن عظیم وصحاح ستہ وکتب معتمدہ فقہ کو۔

---

(۱) یہ تاریخ ہم مسلمانوں کے یہاں ۲۷/ ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ تھی، رسالہ ۲۵/ کو چھپ کر شائع ہوا، ۲۷/ کو مولوی صاحب پر پہنچ گیا۔ ۱۲

(۱۱۸) ہاں اس میں جو آپ نے ''شرح ملا مسکین'' گنی وہ ضرور مجہول کتاب ہے، آپ تو بہت بچا بچا کر یہ ۱۴ نام انتخابی لائے تھے، مگر جہالت بھی پیچھا چھوڑے، اس نے منجملہ مجاہیل ایک نام گنوا ہی دیا، شرح اشباہ محقق ہبۃ اللہ بعلی۔ پھر رد المحتار میں شیخ صالح جنینی سے ان کتابوں کے بیان میں جن سے فتویٰ دینا جائز نہیں، شرح ملا مسکین و جامع الرموز کو گنا اور اس کی وجہ مصنفوں کا مجہول ہونا لکھا، کہ ''أو لعدم الإطلاع على حال مؤلفيها كشرح الكنز للملا مسكين و شرح النقاية للقهستاني''

(۱۱۹) ذرا اپنی فہرست ٹٹولنا، اس میں دوسری مجہول و نامعتبر ''جامع الرموز'' تو نہیں۔

(۱۲۰) فہرست کیوں ٹٹولیے، اپنی ''آثار المبتدعین'' ہی دیکھیے کہ اسی جامع الرموز کی ایک نقل محتمل بے سود کے بھروسے، ممانعت اذان فی المسجد میں تصریحات اکابر ائمہ کو باطل کیا ہے۔

(۱۲۱) صلاۃ مسعودی کے جھوٹے حوالے کا عذر کیا معقول ہے کہ ''صلاۃ مسعودی'' اس وقت جب ہم نے رسالہ لکھا تھا، ہم کو نہیں ملی تھی، ہم نے جنگ مولوی غفران سے نقل کی تھی، ہم پر کوئی الزام نہیں، ہم نے جہاں سے نقل کیا اس میں یہ عبارت موجود ہے۔

اول تو یہ بھی صریح جھوٹ ہے، سچے تھے تو کیوں دکھانے سے فرار کی، اور بفرض غلط اگر ہوتا بھی تو جنگ کی کیا سند، یوں اپنی جنگ میں آپ جسے چاہیں مستند ٹھہرالیں۔

(۱۲۲) آپ نے تو لکھا ہے: ''استثنا دیکھیے: اذان در مسجد مکروہ است مگر اذان بر منبر ۱۲، صلاۃ مسعودی''۔ تو آپ پر صلاۃ مسعودی میں دکھانا لازم ورنہ آپ پر الزام قائم۔

(۱۲۳) اسقاط واسطہ کا الزام کاتب کے سر ڈھالتے ہیں کہ..

''غایۃ الامر کاتب کے سہو سے رسالہ میں جنگ کا حوالہ نقل سے رہ گیا، یہ بھی سیاہ عجز کے وقت کا سپید جھوٹ ہے، وہ تو قسم کھائی ہے کہ بے جھوٹ کے ایک قدم نہ چلیں گے، یاد ہو جب آپ کو یہاں سے مطالبہ تصحیح نقل کا خط گیا ہے، تو آپ نے کیا جواب لکھا یہ کہ....

''جناب جامعیت انتساب مولوی حامد رضا خاں صاحب دام مجدکم بعد سلام مسنون مدعا نگار صلاۃ مسعودی کی تصحیح جو طلب ہے اس سے اگر رجوع مقصود ہے تو فہو المراد (۱) عبارت کی صحت کیا، کتاب پیش کرنے میں مجھے تامل نہیں''

کہیے آپ تو کتاب پیش کرنے کو موجود تھے، اب وہ کتاب آپ کی جنگ نے اڑا دی، اور جنگ کا نام کاتب نے اڑا دیا، غرض قصور معاف:

عیار ہو مکار ہو جو آج ہو تم ہو بندے ہو مگر خوف خدا کا نہیں رکھتے

(۱۲۴) اور اس ظلم کو دیکھیے کہ...

''جو تصحیح نقل کرے وہ اپنے مذہب سے رجوع کرے، ورنہ مطالبہ صحت کا اختیار نہیں''

جھوٹی نقلوں والے مطالبہ کے وقت بیان بچانے کو ایسی ہی الٹیاں گاتے ہیں۔

(۱۲۵) لطف یہ کہ...

''صحت کیا کتاب پیش کرنے میں تأمل نہیں''

گویا صحت بے کتاب پیش کیے ہو جاتی،

غرض: خدا عقل دے، حیا دے، ایمان دے، آمین۔

مسئلہ تثویب کا خلاصہ

مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی

رضوی دارالافتا، محلہ چودھری سرائے، بدایوں

عارف باللہ، عالم حق آگاہ، حضور تاجدار اہل سنت حضرت سیدنا شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے پناہ خوبیوں اوران گنت کمالات کے حامل تھے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات میں وہ تمام امتیازات اور خصوصیات جمع تھیں جو ہم عصر علمائے کرام میں کسی کو ممتاز کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ مفتی اعظم، کے منصب بلند پر فائز تھے۔ آپ کے زمانہ اقدس میں جس قدر علمائے کرام اور فضلائے عظام تھے، سب نے آپ کی ذات پر اعتماد اور مکمل طور پر بھروسہ کیا۔ حضرت علامہ قاضی شمس الدین صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مصنف قانونِ شریعت سے کون واقف نہیں؟ آپ کی شخصیت علمی بصیرت اور وسعت معلومات کے حوالے سے محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ ایک دانشور اور مفکر و محقق تھے ہر کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ مگر جب کبھی آپ سرکار مفتی اعظم کا تذکرہ جمیل فرماتے تو جبین سعادت پر نیاز مندی کے آثار نمودار ہو جاتے تھے اور رخِ زیبا پر ایسی تابانی کھل اٹھتی تھی کہ دیکھنے والی نگاہیں تاڑ لیتی تھیں کہ یہ تاب و توانائی کسی سچی عقیدت اور اعتراف حقیقت کا ثمرہ و نتیجہ ہے، میرے سامنے حضرت نے بارہا یہ فرمایا۔

میں سرکار مفتی اعظم کی ذات بابرکت پر اس قدر اعتماد رکھتا ہوں کہ ان کے فتاویٰ اور ان کی موید تحریرات پر آنکھیں بند کر کے تصدیق کر دیتا ہوں اور دستخط بھی۔

یہ سچ ہے کہ سرکار مفتی اعظم کو وراثت میں جہاں اور کمالات ملے تھے ان میں تفقہ فی الدین اور حکمت بالغہ بھی تھی۔ فتویٰ نویسی تو آپ کے خاندان کی روایت اور طرہ امتیاز رہی ہے۔ آپ کے فتاویٰ میں دلائل و براہین کے ایسے آفتاب و ماہتاب تیرتے نظر آتے ہیں کہ دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ کے فتاویٰ شب دیجور میں تابندہ ستاروں کی مانند چمک رہے ہیں اور فکری شبستانوں میں چاندنی بکھیر رہے ہیں۔

القول العجیب ایک عظیم تصنیف:

القول العجیب فی جواز التثویب سرکار مفتی اعظم کے کل فتووں کا مجموعہ ہے جو صرف صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب پہلے مکتبہ المصطفیٰ رام پور سے چھپی۔ پھر رضا اکیڈمی، بمبئی سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب مختصر سہی مگر

معنویت اور جامعیت کے اعتبار سے بہت زیادہ عظیم ہے۔یہ ایک خاموش سمندر ہے جو گہرائی کا پتہ دے رہا ہے۔کتابت،طباعت اور سرِ ورق کی خوبصورتی و رعنائی مضامین کی عظمت کی نشاندہی کر رہی ہے۔ہندوستان کی بہت سی مسجدوں میں صلاۃ کہی جاتی ہے۔یعنی اذان کے کچھ دیر بعد،جماعت سے کچھ دیر پہلے لوگوں کو مزید ہوشیار کرنے اور شرکت جماعت کے لیے غفلت سے بیدار کرنے کی خاطر بہ آواز بلند کہا جاتا ہے: الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ، الصلاۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ اور اسی طرح کے کلمات۔اسی کو تثویب کہتے ہیں۔اس میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو خلاف شریعت ہو،مگر افسوس اس بات پر ہے کہ یاران نکتہ چیں نے صاف ستھرے اور پاکیزہ الفاظ پر بھی اپنے اعتراضات جوڑ دیے کہ یہ بریلویت ہے،بدعت سیئہ ہے،ناجائز ہے اور اس سے اذان کی اہمیت کم ہو رہی ہے۔اس کرب و اضطراب کا اندازہ ان استفتوں سے ہوتا ہے جو مختلف مقامات سے حضور مفتی اعظم کی بارگاہ میں بھیجے گئے۔انھیں استفتوں اور فتووں کا ایک تجزیاتی مطالعہ پیش کرنا ہے تاکہ ہمارے قارئین کو اندازہ ہو سکے کہ سرکار مفتی اعظم علم و شعور اور فکر و نظر کی کس بلندی پر فائز تھے؟ یہ استفتے مختلف مقامات سے مختلف تاریخوں میں بھیجے گئے تھے۔

(۱) پہلا استفتا ذی الحجہ ھ محلہ اعظم نگر شہر بریلی سے آیا تھا۔

(۲) دوسرا استفتا شوال المکرم میں آیا تھا۔

(۳) شوال المکرم ھ محلہ جسولی سے آیا تھا اور سائل جناب عبدالحمید صاحب تھے۔

(۴) ذی القعدہ ھ محلہ کٹکوئیاں پرانا شہر بریلی سے آیا تھا اور اس کے سائل جناب منشی عبدالعزیز تھے۔

(۵) ربیع الاول ھ محلہ شاہ دانا بریلی سے آیا تھا اور اس کے سائل عبدالواحد صاحب تھے۔

ان استفتاؤں سے مندرجہ ذیل سوالات اخذ کیے گئے ہیں۔

(۱) صلاۃ کہنا کیسا ہے؟

(۲) کیا صلاۃ بدعت سیئہ ہے؟

(۳) احادیث سے صلاۃ کا ثبوت دیا جائے۔

(۴) اس حدیث کا کیا جواب ہے جس میں صلاۃ کو بدعت سیئہ کہا گیا ہے؟

(۵) اگر فتنہ کا قوی اندیشہ ہو تو صلاۃ کا ترک اولی ہے یا نہیں؟

قارئین انھیں سوالوں کو ذہن میں محفوظ کر لیں پھر ان کے تناظر میں فتاویٰ پر غور کریں مگر ان فتاویٰ کے مطالعہ سے قبل،صلاۃ کا تعارف،طریقہ کار اور پسِ منظر کا مطالعہ کرتے چلیں تاکہ فتووں کے مطالعہ اور تجزیہ میں آسانی پیدا ہو۔

صلاۃ کا تعارف، طریقہ کار اور پس منظر:

اذان کے بعد اور اقامت سے پہلے دوبارہ اعلان کو فقہ کی اصطلاح میں تثویب کا نام دیا گیا ہے اور اسی کو ہندوستانی عرف میں صلاۃ کہا جاتا ہے۔کن الفاظ کے ساتھ صلاۃ کہی جائے اس کے لیے کچھ مخصوص الفاظ موضوع نہیں بل کہ یہ عرف ورواج پر مبنی ہے۔البتہ اب تک مندرجہ ذیل الفاظ طیبہ کے ساتھ صلاۃ کہی جاتی رہی ہے

(۱) الصلوٰۃ خیر من النوم (۲) قد قامت الصلوٰۃ (۳) حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح

(۴) قوموا للصلوٰۃ (۵) الصلوٰۃ الصلوٰۃ یا مصلین (۶) الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

تثویب بذات خود انسانی فطرت کے عین مطابق ہے، کیوں کہ معلن کو جب عام طور پر یہ احساس ہو جاتا ہے کہ مدعو حضرات کسی اور کام میں مصروف ہیں یا وہ لا پرواہ ہو گئے ہیں یا کسی اور وجہ سے سستی یا غفلت ان میں در آئی ہے تو انھیں بطور تنبیہ دوبارہ بلایا جاتا ہے اور آواز لگائی جاتی ہے۔اور اس قسم کے مکرر بلاوے سماجی و معاشرتی تقاضوں کے پیش نظر کوئی عجیب اور قابل اعتراض نہیں۔مشاہدات و تجربات اس بات پر شاہد ہیں کہ عام طور پر اذان کے سنتے ہی مسجدوں میں آنا اور نماز کے لیے تیار ہونا نادر ہے۔خواہ اس کے اسباب کچھ بھی ہوں۔ایسی صورت میں اگر نمازیوں کو بلانے کے لیے دوبارہ اعلان کیا جائے یا لوگوں کو تنبیہ کی جائے تو اس پر اعتراض کرنے یا ناک بھوں چڑھانے کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔اس لیے ضرورت ہے کہ مسئلہ تثویب کو انسانی فطرت، سماجی اور معاشرتی تقاضوں کے تناظر میں دیکھا جائے کہ آیا تثویب کی ضرورت وافادیت ہے یا نہیں؟ سرکار مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو اس طرح ارشاد فرمایا: پڑھیے اور کمال علم وفن کا اندازہ لگائیے۔۔۔۔

جب لوگوں میں ایسی غفلت طاری ہوگئی کہ انھیں اعلان بعد اعلان اور دوبارہ تنبیہ کی حاجت ہوئی، اذان سن کر نماز کے لیے تیار ہو جانا اور مسجد میں اذان کے ساتھ آ جانا بہت نادر ہو گیا تو متاخرین علماے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تثویب کو جائز و مستحسن قرار دیا۔القول العجیب فی جواز التثویب(:

نادر کی یہ صورت متاخرین علماے کرام کے زمانہ اقدس میں تھی لیکن آج کے دور میں یہ نادر کتنا زیادہ ہو گیا ہے، اس کا احساس شاید ہر ذی شعور کو ہے۔اس کے باوجود مسئلہ تثویب پر اعتراض یقیناً حیرت انگیز ہے اور معنی خیز بھی؟ مذکورہ بالا محولہ عبارت سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سرکار مفتی اعظم کے فتاویٰ میں صرف علمی نکات اور فکری دقائق ہی نہیں پائے جاتے ہیں بل کہ سماجی، معاشرتی اور انسانی فطرت کی صحیح تصویر کشی بھی پائی جاتی ہے۔یہ وہ خوبی و کمال ہے جو کسی تحریر کو سائنٹیفک قرار دیتا ہے اور روح عصر کی جھلک کو پیش کرتا ہے۔اب ذرا ان سوالوں کی طرف توجہ مرکوز کرتے ہیں جو استفتا کی تحریروں سے اخذ کیے گئے ہیں مثلاً۔۔۔۔

(۱) صلاۃ کہنا کیسا ہے؟

یہ وہ سوال ہے جس کا جواب اب تک کی تحریروں سے ضمناً واضح ہو چکا ہے۔اب مزید اس کی توضیح کی ضرورت نہیں، مگر چوں کہ یہ فتویٰ کی زبان ہے جس میں جواب صراحۃً دیا جاتا ہے۔سرکار مفتی اعظم نے بھی اس سوال کا جواب دیا ہے۔مگر ایسا جواب دیا جس میں فقہ کی معتبر کتابوں کے حوالے موجود ہیں۔جس سے جواب نہ صرف تشفی بخش ہے بل کہ دندان شکن اور فیصلہ کن بھی۔آپ فرماتے ہیں۔۔۔

تثویب ضرور جائز ومندوب ومستحسن ہے ص ۱۴ :

اسی طرح کفایہ وبنایہ شرح ہدایہ ومختصر وقایہ ونہایہ ونقایہ وشرح النقایہ وفتاویٰ سراجیہ وفتح باب العنایہ و غنیۃ شرح منیہ وفتاویٰ عالمگیری وفتاویٰ حجۃ ومدارج النبوت وشرح سفر السعادۃ ومرقاۃ شرح مشکوۃ واشعۃ اللمعات وطحطاوی ونورالایضاح ومراقی الفلاح وفتاویٰ امام فقیہ النفس فتاویٰ قاضی خان وجامع الرموز وکنز الدقائق وتبیین الحقائق وبحر الرائق وملتقی الابحر ومجمع الانہر وغیرہا میں ہے۔ہمارے شہر میں تثویب ان الفاظ طیبہ سے جاری ہے۔الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ص ۱۶:

ذرا غور فرمائیں۔تثویب کے تعلق سے محولہ کتابوں کی یہ کثرت اور مسائل وجزئیات پر یہ استحضار اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ وسعت علم اور تعمق فکر کا ایک ایسا سیلِ رواں ہے جو رکنے کا نام نہیں لیتا بل کہ بہتا ہی چلا جا رہا ہے۔امام احمد رضا بریلوی کا یہ فیضان ہے جو آپ کی شخصیت اور ذات اقدس سے جاری ہے اور متلاشیان حق وصداقت کے لیے سنگ میل ثابت ہو رہا ہے۔

(۲) کیا صلاۃ بدعت سیئہ ہے؟

یہ سوال ایسا معنی خیز ہے جو معترضین کی ذہنیت اور تعصب وتنگ نظری کا پتہ دے رہا ہے۔ذرا سوچئے ہر نئی چیز کو بدعت سیئہ کہہ دینا کیا انصاف ودیانت اور راست فکری سے میل کھاتا ہے؟ ہر گز نہیں۔معترض اس بات کو کیوں نہیں سمجھتا کہ کسی شی کا بدعت ہونا اور چیز ہے اور بدعت سیئہ ہونا دوسری چیز ہے اور مستحب ومستحسن ہونا ایک الگ معاملہ ہے۔تثویب ایک امر مستحسن ہے جس پر دلائل پیش کیے جا چکے ہیں۔اب ذرا انداز جواب او رطرز تردید ملاحظہ ہو۔آپ فرماتے ہیں

کسی امر کے جواز واستحسان کے لیے یہ کیا ضرور ہے کہ وہ زمانہ اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا کم از کم تابعین کے زمانہ میں پایا جاتا ہو؟ کیا مدارس جس ہیئت سے آج کل رائج ہیں بایں ہیئت قرون ثلاثہ میں سے کسی قرن میں رائج تھے؟ یا تینوں پاک عہدوں میں سے کسی عہد میں کوئی ایک مدرسہ بھی اس ہیئت میں تھا؟ (القول العجیب فی جواز التثویب، ص ۱۵)

سرکار مفتی اعظم کی یہ عبارت ایسی ہے جو مخالفین کے دل ودماغ پر چوٹ کرتی ہے اور ان کی دکھتی ہوئی رگ پر انگلی رکھتی ہے مخالفین لاکھ جتن کریں مگر اس کاری ضرب سے جان بر نہیں ہو سکتے۔سچ ہے۔

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

(۳) صلاۃ احادیث کے تناظر میں:

اگر تحقیقی تناظر میں آپ دیکھیں تو تثویب یعنی صلاۃ ہر دور میں کسی نہ کسی نوعیت میں ضرور کہی جاتی رہی ہے مطلقاً تثویب کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت علامہ مفتی سید شاہد علی صاحب رضوی نے القول العجیب فی جواز التثویب کے ابتدائیہ میں اس تعلق سے اچھی بحث کی ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

(۴) مثلاً زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے:

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقت فجر اذان کے بعد حجرہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوتے اور عرض کرتے الصلوٰۃ خیر من النوم، یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا ما احسن ہذا یا بلال اجعلہ فی اذانک۔ (کنز العمال حدیث ۔۲۴۰۷، بیت الافکار الدولیہ، الریاض) کیا ہی اچھا ہے یہ۔ اے بلال! تم اس کو اپنی اذان میں شامل کرلو۔ (القول العجیب فی جواز التثویب، ص ۴۔۵)

تثویب کے یہ الفاظ اذان میں شامل کر لیے گئے اور اب تک شامل ہیں۔ اگر چہ یہ تثویب داخلی ہے یعنی اذان میں شامل ہے۔ اب رہی بات تثویب کے ان الفاظ کی جو اذان میں شامل نہیں تو اس کا ثبوت یہ ہے کہ ۔الصلوٰۃ خیر من النوم کو اذان میں شامل کر لینے کے بعد بھی حضرت بلال دروازہ اقدس پر حاضر ہوتے اور ان الفاظ میں تثویب فرماتے، الصلوٰۃ الصلوٰۃ۔

ان بلالا کان یحضر باب الحجرۃ النبویۃ بعد الاذان و یقول الصلوٰۃ،الصلوٰۃ،

بے شک حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شانہ نبوت کے دروازہ پر حاضر ہوتے اور کہتے الصلوٰۃ۔الصلوٰۃ۔

(۵) صحابہ کرام کے زمانہ کے حوالہ سے:

یہ تثویب صرف زمانہ اقدس سے مخصوص نہ تھی بل کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں بھی کہی جاتی تھی اور اس کے لیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقرر تھے۔ جیسا کہ علامہ سید شاہد علی رضوی، حاشیہ کنز الدقائق کے حوالہ سے لکھتے ہیں

ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نصب زیدبن ثابت لاعلامہ باوقات الصلوٰۃ و حضور الجماعۃ،

بے شک سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا زید بن ثابت کو نمازوں کے اوقات اور جماعت میں حاضر ہونے کی اطلاع دینے کے لیے مقرر کیا تھا۔

زمانہ اقدس وصحابہ وتابعین کے بعد بھی تثویب جاری رہی اور سو سال گزر جانے کے باوجود مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں تثویب جاری رہی جیسا کہ حضرت علامہ سید اسماعیل بن خلیل حنفی محافظ کتب حرم محترم کے ایک فتویٰ سے واضح ہوتا ہے

ان تاریخی شواہد کے باوجود اگر کوئی تثویب کو بدعت سیئہ کا نام دے تو اس کے عقل وشعور پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔ سرکار مفتی اعظم نے انھیں تاریخی شواہد اور بلاد اسلامیہ کے معمولات اور علماے متاخرین کے اظہار پسندیدگی کو یوں مختصر مگر جامع انداز میں بطور دلیل پیش فرمادیا کہ

ما رآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن۔

(موطاامام محمد ص ۱۴۴، رضا اکیڈمی، ممبئی)

کہ جس امر کو مسلمان حسن جانیں وہ عند اللہ بھی حسن ہے۔

یہ ایک ایسی دلیل ہے جو بہت سے شکوک وشبہات کا ازالہ کرتی ہے اور تثویب کو بھی حسن قرار دیتی ہے۔ یہی جامعیت اور دلیل کی معنویت حضور مفتی اعظم کے فتاویٰ کا کہاں ہے اور امتیازی شناخت بھی۔ جو ہر فتویٰ میں بطور علامت پائی جاتی ہے۔

() اس حدیث کا کیا جواب ہے جس میں تثویب کو بدعت کہا گیا:

سائل نے اپنے استفتا میں سنن ابوداود کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی:

عن مجاھد قال کنت مع ابن عمر ثوب رجل فی الظھر والعصر قال اخرج بنافان ھذہ بدعۃ۔ (ابوداود شریف ج۱ ص۷۹، دارالاشاعت، کلکتہ)

حضرت مجاہد سے روایت ہے میں ابن عمر کے ساتھ تھا کہ ایک شخص نے ظہر اور عصر میں تثویب کہی۔ انھوں نے کہا میرے پاس سے نکل جاو بے شک یہ بدعت ہے۔

اولاً اس میں لفظ بدعت ہے بدعت سیئہ نہیں۔

ثانیاً سرکار مفتی اعظم ارشاد فرماتے ہیں:

بالفرض اگر تسلیم کرلیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس تثویب کو بدعت سیئہ فرمایا تو اس وقت چوں کہ حاجت نہ تھی اس لیے وہ بے ضرورت کام تھا اور لوگوں کو خواہ مخواہ اس کا عادی بنادینا اور ایسے لوگوں کو جو غافل نہیں ہیں۔ اذان کے بعد سے اس وقت تک ان کا غافل کردینا اس کا انجام تھا۔

(القول العجیب فی جواز التثویب: ص ۱۸)

سرکار مفتی اعظم کی عبارت محولہ میں لفظ بالفرض اگر اس بات کو واضح کررہا ہے کہ حضرت ابن عمر نے اسے بدعت سیئہ نہیں فرمایا۔ تثویب کی ضرورت نہ ہونے کے سبب تثویب سے منع فرمایا۔ اس سے مخالفین کو

کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے اور نہ ہمیں کوئی نقصان۔

() اگر خوف فتنہ ہو تو صلاۃ کا ترک اولیٰ ہے یا نہیں؟

سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے اس سوال کا جواب بھی بہت ہی مختصر انداز میں دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

جو لوگ صلاۃ کہنے سے روکتے ہیں، مسجد میں جھگڑتے اور اس لیے جماعت چھوڑتے ہیں، تفریق جماعت کرتے ہیں، اس سب کا وبال ان کی گردنوں پر ہے۔ صلاۃ کہنے والوں پر الزام نہیں۔ ان سب پر توبہ لازم ہے۔ (القول العجیب فی جواز التثویب، ص۲۲)

اس عبارت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ صلاۃ کا ترک اولیٰ نہیں ہے۔ اب اگر کوئی لڑتا یا جھگڑتا ہے۔ اس کا وبال ان پر ہے، وہ سزا پائیں گے، نہ کہ صلاۃ کہنے والے۔

یہ تھا مسئلہ تثویب کا ایک تجزیاتی مطالعہ جو سرکار مفتی اعظم کے فتاویٰ کے حوالہ سے پیش کیا گیا۔ حضرت والا کے مبارک فتاویٰ میں یہ خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں:

(۱) جواب سوال کے عین مطابق ہونا۔

(۲) ادلہ کثیرہ کا پایا جانا۔

(۳) حوالہ جات کی بہتات۔

(۴) جواب کا مختصر مگر جامع ہونا۔

(۵) متوازن اور موزوں الفاظ کا پایا جانا۔

(۶) اسلوب میں متانت و شائستگی اور تناسب کا ہونا۔

یہ وہ خصوصیات و امتیازات ہیں جو سرکار مفتی اعظم کی شخصیت اور علمیت کو آفاقی بناتی ہیں۔ انھیں خوبیوں کے سبب آپ کو صرف مفتی نہیں بل کہ مفتی اعظم علی الاطلاق کیا گیا، یہاں تک کہ یہ لقب آپ کے لیے عَلَم (شخصی نام) کے درجے میں آ گیا۔

☆☆☆

تعارف رسالہ

الحمدللہ رب العالمین . والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین . وعلی اله وأصحابه وأولياء أمته وشهداء محبته وعلماء ملته أجمعين.

اما بعد:

تثویب ایک اعلان کے بعد دوسرے اعلان کو کہتے ہیں۔اس تثویب یعنی صلاۃ کے لیے الفاظ مقرر نہیں، مسلمان جو چاہیں مقرر کرلیں، البتہ صحابہ کرام اور فقہائے امت کے جو پسندیدہ طریقے کتب حدیث اور کتب فقہ میں ملتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) الصلاۃ خیر من النوم.

(۲) قد قامت الصلاۃ.

(۳) حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح.

(٤) قوموا للصلاۃ.

(٥) الصلاۃ الصلاۃ یا مصلیین.

(٦) الصلاۃ والسلام علیك یا رسول اللہ.

بعض مقامات پر پانچواں طریقہ رائج ہے

اور اکثر مقامات پر بلاد اسلامیہ میں آخری طریقہ

یعنی:

الصلاۃ والسلام علیك یا رسول اللہ. اختیار کرتے ہوئے یوں صلاۃ پڑھتے ہیں:

الصلاۃ والسلام علیك یا نبی اللہ.

الصلاۃ والسلام علیك یا رسول اللہ.

الصلاۃ والسلام علیك یا حبیب اللہ

وعلى آلك وأصحابك يا شفيعنا عند الله.

اس طریقہ تثویب کو اختیار کرنے میں دو فائدے ہیں۔

ایک تو اعلان بعد اعلان ہی کا۔ دوسرے درود و سلام کے پڑھنے کا، پھر اس تثویب کی دو صورتیں ہیں: تثویب داخلی۔ اور تثویب خارجی۔

پہلی صورت:

تثویب داخلی کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ طریقوں میں سے کسی ایک طریقے کو اذان میں داخل کر کے پڑھا جائے، جیسے:

الصلاة خير من النوم، اذان میں داخل کر کے پڑھتے ہیں، یہ الصلاة خير من النوم، کا اذان فجر میں داخل کر کے پڑھنا تثویب داخلی کہلاتا ہے، اور یہ صرف فجر میں جائز ہی نہیں بلکہ سنت ہے، خود حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وقت فجر جب یہ الفاظ (الصلاة خير من النوم) سنے تو ارشاد فرمایا:

((ما أحسن هذا يا بلال اجعله في أذانك))(۱)

یہ کیا ہی اچھا ہے اے بلال! تم اس کو اپنی اذان میں شامل کر لو۔

ابن ماجہ کی روایت میں ہے:

((فأقرت في تاذين الفجر فثبت الأمر على ذلك.))(۲)

پس اذان فجر میں اس تثویب کو باقی رکھا گیا اور آج بھی اسی پر باقی ہے۔

مگر یہ تثویب داخلی اذان فجر کے علاوہ باقی تمام اوقات کی اذانوں میں ممنوع ہے، بلکہ بدعت سیئہ ہے۔

دوسری صورت:

تثویب خارجی کا مطلب یہ ہے کہ اذان کے بعد اور اقامت سے پہلے نماز کے لیے دوبارہ اعلان کیا جائے تاکہ جو لوگ اذان سن کر نماز کے لیے نہیں آسکے ہیں انھیں یاد دہانی ہو جائے، اور نماز کے لیے آجائیں، تو یہ تثویب خارجی بھی جائز و مستحسن اور مستحب ہے۔

---

(۱) [نصب الراية : كتاب الصلاة باب الأذان، ۲٦٤/۱]

(۲) [سنن ابن ماجة: باب السنة في الأذان، ۲۳۷/۱]

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''الصلاۃ خیر من النوم'' کو اذان فجر میں داخل فرمادیا تو اس کے بعد بھی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تثویب فرمایا کرتے تھے اور وقت تثویب یعنی صلاۃ کے الفاظ کیا تھے، ملاحظہ فرمائیں:

((إن بلالاً كان يحضر باب الحجرة النبوية بعد الأذان ويقول: الصلاة الصلاة.))

واقعہ یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شانہ نبوت کے دروازے پر اذان کے بعد حاضر ہوتے اور کہتے: الصلاۃ الصلاۃ۔

نیز حضرت امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نمازوں کے اوقات اور جماعت میں حاضر ہونے کی اطلاع کے لیے مقرر فرمایا تھا۔

حاشیہ کنز الدقائق میں ہے:

''إن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه نصب زید بن ثابت لإ علامه بأوقات الصلاة وحضور الجماعة.''

بے شک سیدنا حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نمازوں کے اوقات اور جماعت میں حاضر ہونے کی اطلاع دینے کے لیے مقرر کیا تھا۔

اور یہ صرف حضرت بلال یا حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل نہ تھا بلکہ امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبر، امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی، امیر المؤمنین حضرت علی مرتضی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا بھی یہی عمل تھا۔ ان حضرات نے بھی اپنے یہاں۔ نمازوں کے اوقات اور جماعت میں حاضر ہونے کی اطلاع دینے کے لیے موذنین مقرر فرمائے تھے۔ جیسا کہ امانی الاحبار میں ہے:

''ثبت وقوف بلال علی بابه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وكذا وقوف سعد القرظ علی باب أبي بكر وكذا وقوف المؤذن علی باب عمر وعثمان وعلي وثابت.''

یہ بات ثابت شدہ ہے کہ سیدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دروازے پر کھڑے ہوتے، اور اسی طرح سیدنا حضرت سعد القرظ کا کھڑا ہونا ثابت ہے امیر المومنین حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے پر، دوسرے مؤذن کا حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امیر المومنین حضرت عثمان غنی، امیر المومنین حضرت سیدنا علی مرتضی اور سیدنا حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے دروازوں پر تثویب کے لیے کھڑا ہونا ثابت ہے۔

پھر یہ بھی نہیں کہ زمانہ نبوی، عہد صحابہ اور دور تابعین کے بعد صلاۃ وسلام اور تثویب کا کرنا ختم ہو گیا ہے، بلکہ عہد صحابہ اور دور تابعین کے بعد بھی علمائے کوفہ نے لوگوں کے احوال متغیر ہو جانے کی وجہ سے اس تثویب کو باقی رکھا جیسا کہ اشعۃ اللمعات میں خاتم المحققین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رقم طراز ہیں:

وبعد از ان علمائے کوفہ حی علی الفلاح ، حی علی الفلاح احداث کردند درمیان اذان واقامت۔[۲]

اور اس دور صحابہ کے بعد علمائے کوفہ نے اذان واقامت کے درمیان حی علی الفلاح، حی علی الفلاح کے ساتھ تثویب کی ایجاد کی۔

اور چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی مکہ معظمہ ومدینہ منورہ میں یہ تثویب بے نکیر جاری وساری ہے، جیسا کہ آپ آئندہ اسی رسالہ ''القول العجیب فی جواز التثویب ''میں علمائے مکہ ومدینہ منورہ کا نورانی فتوی تفصیلی طور پر ملاحظہ فرمائیں گے۔

البتہ اس بات میں فقہا کا اختلاف ہے کہ یہ تثویب یعنی صلاۃ جمیع اوقات نماز میں جائز ومستحسن ہے، یا بعض مخصوص اوقات میں۔ نیز صرف خواص کے لیے ہے یا عوام کے لیے بھی، تو اس بارے میں فقہا کے تین قول ہیں:

پہلا قول:

صرف فجر میں تثویب یعنی صلاۃ جائز ہے؛ کیوں کہ وہ نیند اور غفلت کا وقت ہے۔

دوسرا قول:

تمام نمازوں میں تثویب جائز ہے، مگر صرف امرا کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جو مسلمانوں کی فلاح وصلاح کے کاموں میں مشغول ہوں جیسے قاضی ومفتی۔

تیسرا قول:

لوگوں میں دینی امور خصوصا نماز کے اندر سستی اور غفلت پیدا ہو جانے کی وجہ سے تمام نمازوں میں تمام مسلمانوں کے لیے تثویب یعنی صلاۃ جائز ہے بلکہ مستحسن ومستحب ہے، اور اسی پر علمائے عرب وعجم کا فتویٰ ہے۔

زیر نظر رسالہ تثویب کے جواز واستحسان پر تاجدار اہل سنت، شہزادہ اعلیٰ حضرت امام الفقہا حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی ایک محققانہ تصنیف لطیف ہے، جس میں کل چھ (۶) فتاویٰ ہیں، پانچ حضرت مفتی

اعظم قدس سرہ کے اور ایک عالم جلیل، فاضل نبیل حضرت علامہ مولانا سید محمد اسماعیل بن خلیل حنفی محافظ کتب حرم محترم علیہ الرحمۃ والرضوان کا۔ اب تک "القول العجیب فی جواز التثویب" کے نام سے شائع ہوتا رہا ہے۔

یہ رسالہ حجم کے لحاظ سے تو چھوٹا ہے لیکن معانی ومفاہیم کے اعتبار سے نہایت جامع ہے، اس میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے اذان کے بعد تثویب پکارنے کو ثابت کیا اور اسے بدعت سیئہ کہنے والوں کا رد بلیغ فرمایا ہے۔

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی بارگاہ میں پہلا استفتا ۲۸؍ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ کو، دوسرا ۱۶؍شوال المکرم ۱۳۴۳ھ کو اور تیسرا استفتا ۱۷ شوال المکرم ۱۳۴۳ھ کو، چوتھا ۱۸؍ذی قعدہ ۱۳۴۳ھ کو اور پانچواں ۱۵؍ربیع الآخر ۱۳۴۴ھ کو آیا تھا۔

آپ نے ہر استفتا کے جواب میں فقہ وفتاویٰ کی معتبر ومستند کتابوں سے تثویب کے جواز واستحسان پر دلائل وشواہد کا عظیم گلدستہ پیش فرما کر مسئلہ تثویب کو واضح فرما دیا۔

القول العجیب

في

جواز التثویب

(۱۳۳۹ھ)

اذان کے بعد دوبارہ اعلان کرنے کا بیان

تثویب کا بیان

(۱) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

اذان کے بعد صلاۃ پکارنا کیسا ہے؟ بعض لوگ اسے بدعت سیئہ کہتے ہیں۔

از شہر محلّہ اعظم نگر۔ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

الجواب

اسے تثویب کہتے ہیں اور وہ اعلان بعد اعلام ہے، بلاشبہ یہ جائز ومندوب و مستحسن ہے۔ عامہ کتب معتبرہ میں اس کا جواز مزبور اور استحسان مسطور ہے۔ جو اسے بدعت سیئہ بتاتا ہے جھوٹا ہے۔ تمام علمائے متاخرین پر استحسان بدعت سیئہ کا جھوٹا الزام لگاتا ہے۔

ہم نے اپنے فتاویٰ میں انتیس کتابوں کے حوالے سے یہ بتایا ہے کہ یہ امر مستحسن ہے کیا وہ امر جسے فقہائے کرام متاخرین حسن جانیں اس کے جواز کی تحسین کے ساتھ تصر تحسین فرمائیں وہ بدعت سیئہ ہوسکتا ہے؟۔ یہ وہابیہ کا سخت دھوکہ ہے کہ وہ ہر بات کو بدعت، بدعت کہہ کر بھولے بھالے سنیوں کو اس کے بدعت سیئہ ہونے کا یقین دلانا چاہتے ہیں اور نیک کاموں سے روکتے ہیں، کیا حدیث میں حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد نہ سنا:

''نعمت البدعة هذه''(۱)

یہ کیا اچھی بدعت ہے۔

''ملتقے الابحر'' اور اس کی شرح ''مجمع الانہر'' میں ہے:

واستحسن المتأخرون التثويب في كل الصلوات هو الإعلام بعد الإعلام بحسب ما تعارفه أهل كل بلدة بين الأذانين. ـه(۲)۔

اور متاخرین نے تثویب کو ہر نماز کے لیے مستحسن جانا ہے، تثویب اذان واقامت کے درمیان ہر

---

(۱) [شعب الإيمان: تحسين الصلاة والإكثار منها، ٤/٥٤٩]

(۲) (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر كتاب باب الأذان، ١/١٠٣)

شہر کے لوگوں کے عرف کے مطابق اعلان کے بعد اعلان کو کہتے ہیں۔

ہدایہ میں ہے:

"والمتأخرون استحسنوه في الصلوات كلها لظهور التواني في الأمور الدينية."(۱)

اور متاخرین نے تمام نمازوں میں تثویب کو مستحسن قرار دیا ہے، کیوں کہ دینی امور میں سستی پیدا ہو چکی ہے۔

مرقاۃ شرح مشکاۃ میں ہے:

"واستحسن المتأخرون التثويب فى الصلوات كلها."(۲)

متاخرین نے تمام نمازوں میں تثویب کو مستحسن بتایا ہے۔

"وما استحسنه المتأخرون هو التثويب في سائر الصلوات لزيادة غفلة الناس وقل ما يقومون عند سماع الأذان فيستحسن التثويب للمبالغة فى الإعلام۔(۳)

اور جسے متاخرین نے مستحسن جانا ہے وہ تمام نمازوں میں تثویب ہے، کیوں کہ لوگوں میں غفلت بڑھ چکی ہے اور بہت کم لوگ ہیں جو اذان سن کر نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، تو اعلان میں مبالغہ پیدا کرنے کی وجہ سے تثویب مستحسن قرار دی گئی۔

اسی طرح بنایہ وکنز الدقائق وتبیین الحقائق وبحر الرائق وفتاوے عالمگیریہ وفتاویٰ قاضی خاں وکفایہ شرح النقایہ وفتاویٰ سراجیہ وجامع الرموز وارکان اربعہ واشعۃ اللمعات ومدارج النبوۃ وشرح سفر السعادۃ وفتاویٰ حجۃ وفتح باب العنایہ ونور الایضاح ومراقی الفلاح ونہایہ ومختصر وقایہ وغنیۃ شرح منیہ وطحطاوی وغیرہا میں ہے۔ بلاد اسلامیہ خود مکہ معظمہ ومدینہ منورہ میں یہ تثویب بے نکیر جاری وساری ہے، مناسب ہوگا کہ ہم یہاں عالم مکہ مکرمہ فاضل مکہ معظمہ کا فتویٰ بھی نقل کردیں۔

حضرت عالم جلیل فاضل نبیل مولانا سید اسماعیل بن خلیل حنفی محافظ کتب حرم محترم علیہ رحمۃ ربہ الاکرم سے یہ سوال ہوا تھا، جس کے جواب میں انہوں نے یہ فتویٰ دیا:

الحمد لله وحده. المناداة في جميع الصلوات جائزة، بل يتأكد فعلها في بعض

---

(۱) (هدايه كتاب الصلاة باب الأذان، ۷۲/۱)

(۲) (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح باب الأذان، ۵۵۱/۲)

(۳) [المبسوط للسرخسي: الأذان والإقامة على غير وضوء، ۱۳۱/۱]

البلدان المتعارفة فيها على حسب ما تعارفوه، بل يتأكد مطلقا لرفع الغفلة عن الناس، ويثاب فاعله إن شاء الله تعالىٰ، وعندنا بمكة ينادي عند حينونة الوقت، ولجوازه أصل ثابت في السنة، فعليه لا كراهة، ومن يقول بها: لا يعول على قوله ولا يلتفت إليه.

كتبه :محافظ الحرم المكی اسماعيل بن خليل.

السيد اسماعيل بن خليل،۱۸/ذی الحجه ۱۳۳۰ھ

الجواب صحيح

خادم العلم بالمدينة المنورة،أحقر الورى خليل بن إبراهيم العجيمی

(خالی جگہ برائے مہر)

الجواب صحيح

مصطفیٰ بن عبد میرداد امام الحرم الشریف الحنفی عفا اللہ عنہ آمین۔

ترجمہ: خدا ہی کے لیے حمد ہے۔ دوبارہ اعلان سب نمازوں میں جائز ہے بلکہ جن شہروں میں اس کا رواج ہو وہاں کے عرف کے موافق مؤکد ہے اور لوگوں سے غفلت دور کرنے کے لیے مطلقاً اس کی تاکید ہے، اس کے کرنے والے کو ان شاء اللہ تعالیٰ ثواب ملے گا۔ ہمارے یہاں مکہ معظمہ میں جماعت کا وقت آنے پر تثویب کہی جاتی ہے اور اس کے جواز کی اصل حدیث میں ثابت ہے تو اس بنا پر کوئی کراہت نہیں، اور جو اس کی کراہت کا قائل ہے اس کے قول پر اعتماد اور اس کی جانب التفات نہ کیا جائے۔

اسی طرح کفایہ و بنایہ شرح ہدایہ و مختصر وقایہ و نہایہ و نقایہ و شرح النقایہ و فتاویٰ سراجیہ و فتح باب العنایہ و غنیہ شرح منیہ و فتاوےٰ عالمگیریہ و فتاوےٰ حجۃ و مدارج النبوۃ و شرح سفر السعادۃ و مرقاۃ شرح مشکاۃ، و اشعۃ اللمعات و طحطاوی و نور الایضاح و مراقی الفلاح و فتاوےٰ امام فقیہ النفس قاضی خاں و جامع الرموز و کنز الدقائق و تبیین الحقائق و بحر الرائق و ملتقی الابحر و مجمع الانہر و غیرہا میں ہے، ہمارے شہر میں تثویب ان الفاظ طیبہ سے جاری ہے:

الصلاة والسلام عليك يا رسول الله۔

اس سے وہابیہ ملاعنہ خذلهم الله تعالىٰ في الدنيا والأخرة. چڑھتے ہیں تو جہاں فتنہ وہابیہ معاذ اللہ غالب ہو اور سنی اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر پاک کرتے اور حضور کا نام نامی لیتے اور حضور پر یوں درود بھیجتے ڈرتے ہوں تو اسے اس وقت ترک کی اجازت ہوگی اور اگر ترک نہ کرے گا تو

فتنہ کا الزام اس پر نہ ہوگا بلکہ بفضلہ تعالیٰ مزید ثواب کا مستحق ہوگا، الزام فتنہ ان مفتوں ہی کے سر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ أعلم.

(۲) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

تثویب یعنی صلاۃ وسلام کہنا ہر نماز کے واسطے جائز ہے یا نہیں، اور کس حدیث سے اس کا ثبوت ہے، اور جو اس کے مخالف ہیں وہ یہ حدیث پیش کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے، اور اس کا کہنا منع ہے۔ اور یہ حدیث سنن ابوداؤد کے جزء رابع میں تثویب کے باب میں مرقوم ہے:

عن مجاهد قال كنت مع ابن عمر فثوب رجل الظهر والعصر، قال أخرج بنا، فان هذه بدعة. (۱)

اس کا کیا جواب ہے۔ بینوا توجروا

ازشہر جسولی مسئولہ مولوی سید محمد عبدالحمید صاحب۔

الجواب

تثویب کو علمائے متاخرین نے تمام نمازوں کے لیے جائز و مستحسن فرمایا مگر مغرب کا بعض نے استثنا فرمایا کہ اس میں حاجت نہیں، تمام کتب فقہ معتمدہ معتبرہ میں اس کی تصریح ہے، حدیث میں ہے:

((مارأه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن.))(۲)

جس امر کو مسلمان حسن جانیں وہ عنداللہ بھی حسن ہے۔

سنت تو کوئی نہیں کہتا۔ ہر بدعت بدعت سیئہ نہیں ہوتی، بے شک یہ بدعت بدعت حسنہ ہے، جس کی تمام علمائے متاخرین نے تحسین فرمائی، ہم نے اپنے فتاوے میں انتیس (۲۹) کتابوں کے حوالہ سے یہ بتایا ہے کہ یہ امر مستحسن ہے۔ کیا وہ امر جسے تمام فقہائے کرام متاخرین حسن جانیں، اس کے جواز کی تحسین کے ساتھ تصریحیں فرمائیں، وہ بدعت سیئہ ہوسکتا ہے؟۔ یہ وہابیہ کا سخت دھوکا ہے کہ وہ ہر بات کو بدعت بدعت کہہ کر بھولے بھالے سنیوں کو اس کے بدعت سیئہ ہونے کا یقین دلانا چاہتے ہیں، اور نیک کاموں سے روکتے ہیں، کیا حدیث میں امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد نہ سنا

---

(۱) [سنن ابي داؤد كتاب الصلاة باب في التثويب، ۱/۱۴۸]

(۲) [حلية الأولياء، ۱/۳۷۵]

کہ "نعمت البدعة هذه." "یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے۔

بالفرض اگر تسلیم کر لیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسی تثویب کو بدعت سیئہ فرمایا تو اس وقت چوں کہ حاجت نہ تھی اس لیے وہ بے ضرورت کام تھا، اور لوگوں کو خواہ مخواہ اس کا عادی بنا دینا اور ایسے لوگوں کو جو غافل نہیں اذان کے بعد سے اس وقت تک غافل کر دینا اس کا انجام تھا، مگر اب جب کہ لوگوں پر غفلت طاری ہوئی اور اعلام بعد اعلام کی حاجت ہوئی وہ بدعت جو اس وقت اس لحاظ سے سیئہ تھی اب اس لحاظ سے کیوں حسن نہ ٹھہرے گی۔ ان فقہائے کرام نے یہی وجہ تحسین فرمائی، ہدایہ میں فرمایا:

"والمتأخرون استحسنوه في الصلوات كلها لظهور التواني في الأمور الدينية.(۱)

اور متاخرین نے تثویب کو تمام نمازوں میں مستحسن قرار دیا ہے، دینی امور میں سستی پیدا ہونے کی وجہ سے۔

کفایہ میں ہے:

"وما استحسن المتأخرون وهو التثويب في سائر الصلوات لزيادة غفلة الناس، وقل ما يقومون عند سماع الأذان فيستحسن التثويب للمبالغة فى الأعلام."(۲)

اور جسے متاخرین نے مستحسن جانا وہ تمام نمازوں میں تثویب ہے لوگوں کی غفلت بڑھ جانے کی وجہ سے، اور بہت کم لوگ اذان سنتے ہی نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ تو اعلان میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے تثویب مستحسن قرار دی گئی۔

یہ حدیث ابوداؤد جو سائل نے پیش کی ہے اور جس کے بھروسہ اس نیک کام سے وہابیہ روکتے ہیں کیا ان تمام فقہائے کرام، جہابذہ اعلام، علمائے فخام، ائمہ عظام کی نظر میں نہ تھی اور جب تھی اور ضرور تھی، پھر بھی انہوں نے اسے اچھا بتایا، تو ان سے دریافت کیا جائے کہ وہ ان ائمہ وعلما وفقہا پر کیا فتویٰ لگاتے ہیں، مگر ان اعداء اللہ واعداء الرسول سے اس کی کیا شکایت۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

اذان کے بعد ہر نماز کے لیے تثویب کہنا ضروری ہے یا غیر ضروری، کسی معتبر اور مستند کتاب سے

---

(۱) [هدايه كتاب الصلاة باب الأذان، ۱/۷۲]

(۲) [المبسوط للسرخسي: باب الأذان والاقامة على غير وضوء، ۱/۱۳۱]

بحوالہ عبارت تحریر فرمایا جائے۔

از شہر کہنہ محلہ کشکوئیاں مسئولہ منشی عبدالعزیز خاں صاحب رضوی سلمہ:

الجواب

تثویب ضروری بمعنی واجب نہیں۔ مستحسن ومندوب ومستحب ضرور ہے کہ تعاون علی البر والتقویٰ ہے۔ کما صرح به علمائنا رحمهم الله تعالیٰ في کتبهم المعتمدة.

اور خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((ماراٰه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن))(۱)

جسے مسلمان حسن جانیں وہ عنداللہ بھی حسن ہے۔

بدائع میں فرمایا:

"إن مشائخنا قالوا: لا بأس بالتثويب المحدث في سائر الصلوات لفرط غلبة الغفلة على الناس في زماننا و شدة ركونهم إلى الدنيا وتهاونهم بأمور الدين ، فصار سائر الصلوات في زماننا مثل الفجر في زمانهم ، فكان زيادة الإعلام من باب التعاون على البر والتقوىٰ فكان مستحسنا ، ولهذا قال أبو يوسف: لا أرىٰ بأساً أن يقول المؤذن :السلام عليك أيها الأمير ورحمة الله وبركاته ، حي على الصلاة ، حي على الفلاح ، الصلاة يرحمك الله ، لاختصاصهم بزيادة شغل بسبب النظر فيٰ أمور الرعية ، فاحتاجوا إلى زيادة إعلام نظراً لهم ، ثم التثويب في كل بلدة على ما يتعارفونه ، أما بالتنحنح ، أو بقوله: الصلاة الصلاة ، أو قامت قامت، أو "بايك نماز بايك" كما يفعل أهل بخارى ؛لأنه الإعلام ، والاعلام إنما يحصل بما يتعارفونه. والله تعالىٰ أعلم.(۲)

ہمارے مشائخ کرام نے فرمایا ہے کہ جو تثویب ہر نماز میں پیدا کی گئی ہے اس میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ ہمارے زمانہ میں لوگوں کی غفلت بڑھ گئی ہے، دنیوی امور کی جانب میلان اور دینی امور میں سستی عام ہوگئی ہے، تو ہمارے زمانہ میں تمام نمازیں ان کے زمانہ کی فجر نماز کے مثل ہوگئی ہیں، کیوں کہ وہاں بھی علت جواز غفلت ہے، اور وہی یہاں پائی جارہی ہے، یہاں اس اعلان کا اضافہ امور خیر اور

---

(۱) [حلية الأولياء، ۱/۳۷۵]

(۲) [بدائع الصنائع كتاب الصلاة الكلام في التثويب، ۱/۳۶۸]

تقویٰ پر تعاون کے قبیل سے ہے، لہذا مستحسن ہوا، اسی وجہ سے امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک کوئی حرج نہیں کہ مؤذن یہ کہے:

السلام علیك یا أیها الأمیر ورحمة الله وبركاته، حي علی الصلاة، حي علی الفلاح، الصلاة یرحمك الله. (۱)

اللہ تجھ پر رحم فرمائے کیوں کہ انھیں خاص طور پر رعایا کے کاموں کی دیکھ بھال کی وجہ سے زیادہ انہماک ہوتا ہے، تو اس امر کی رعایت کرتے ہوئے انھیں دوبارہ اعلان کی ضرورت ہے۔ پھر ہر شہر کی تثویب وہاں کے عرف کے مطابق ہوتی ہے، جیسے کھانس کر، یا الصلاۃ الصلاۃ، یا قامت قامت، یا بایک نماز بایک نماز، کہہ کر ہوتی ہے جیسا کہ اہل بخارا کا معمول ہے۔ کیوں کہ یہ اعلام ہے اور اعلام عرف ہی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

(۴) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ایک مسجد میں کثیر جماعت ہوتی تھی، کچھ لوگوں نے صلاۃ کہنے کا ورد کیا اور کچھ منع کرتے ہیں کہ صلاۃ نہ پکارو۔

مسجد میں جھگڑے کی وجہ سے جماعت منتشر ہوگئی۔ صلاۃ کہنا چاہیے یا نہیں؟۔ اور ایک مولانا کہتے ہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک منع ہے، اس میں شریعت کا کیا حکم اور صلاۃ کہنے میں کیا ثواب ہے اور نہ کہنے میں کیا عذاب ہے، وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کا کہنا واجب ہے۔

از شہر محلہ شاہ دانا صاحب قدس سرہ مسئولہ عبد الواحد صاحب: (۱۵ ربیع الآخر ۱۳۴۴ھ)

الجواب

تثویب بے شک مندوب ومستحسن اور کہنے والے کے لیے اجر وثواب ہے کما حققناه في فتاوانا۔ جو لوگ منع کرتے ہیں وہ ذکر خیر وتذکیر حسن روکتے ہیں اور خواہ مخواہ ایک مندوب ومستحسن امر کو ناجائز کہہ کر سخت گنہگار ہوتے۔ اور:

((من أفتی بغیر علم فلیتبوء مقعده من النار.))(۲)

---

(۱) [هدایه کتاب الصلاة باب الأذان، ۱/۷۲]

(۲) [التیسیر بشرح الجامع الصغیر: حرف المیم، ۲/۴۰۲]

جو بے علم فتویٰ دے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنائے۔

کے نیچے آتے ہیں۔ہم نے اپنے فتاویٰ میں انتیس تیس کتب فقہ حنفی سے اس کے استحسان واستحباب کا ثبوت دیا ہے،متاخرین علمائے کرام قاطبۃً اسی کی تصریحیں فرما رہے ہیں۔

اور یہ ارشاد حدیث:

((مارأہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن)) (۱)

جسے مسلمان حسن جانیں وہ عنداللہ بھی حسن ہے۔

جو لوگ صلاۃ کہنے سے روکتے، مسجد میں جھگڑتے اور اس لیے جماعت چھوڑتے تفریق جماعت کرتے ہیں،اس سب کا وبال اِن کی گردنوں پر ہے،صلاۃ کہنے والوں پر الزام نہیں۔ان سب پر توبہ لازم۔واللہ تعالیٰ أعلم وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم۔

اذان کے بعد صلاۃ سے اعلان نماز کے ساتھ درود وسلام بھی مقصود ہے

(۵) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید جو کہ صلاۃ کا منکر ہے،اور دو ایک اس کے ساتھی اور بھی ہیں جو کہ منکر صلاۃ ہیں،انہوں نے اس بات کی کوشش کی کہ صلاۃ نہ ہو،مگر اہل محلّہ نے ان کے خلاف جس طرح سے روزمرہ صلاۃ وقت مقررہ پر ہوتی ہے قائم رہی،اور یہ طے کیا کہ صلاۃ بند نہ ہوگی،اور بدستور ہوتی رہے گی،اس فیصلہ میں دو چار آدمیوں نے یہ بھی کہا کہ صلاۃ ایک نیک کام ہے اگر بعد نماز ختم ہونے کے دس دس مرتبہ اور کہو اور ہم بھی شریک ہیں،یہ کلمات درود وسلام بھیجنے کے ہیں،اس پر تمام اہل محلّہ نے کہا دس دس مرتبہ نہیں بلکہ جس قدر جس کو زیادہ درود وسلام بھیجنے کا موقع ہو پڑھے،اور یہ بات بعد نماز عشا کے طے ہوا تھا،آج زید مذکور نے یعنی منکر صلاۃ نے ظہر کی جماعت جب ختم ہوگئی،اور جو آدمی باقی رہ گئے تھے،نماز پڑھ رہے تھے،باآواز بلند صلاۃ پکاری اس صورت سے اس منکر صلاۃ کا صلاۃ کہنا کہاں تک درست ہے۔مفصل تحریر فرمادیجیے ورنہ یہاں پر خطرہ فساد کا ہے۔فقط

ازمحلّہ بان خانہ بریلی مسئولہ حمید اللہ خاں۔

---

(۱) [عمدۃ القاري شرح صحیح البخاري : باب الحب في اللہ، ۲۲/۱۲۱]

الجواب

بے شک صلاۃ وسلام عرض کرنا نیک کام ہے، جب وہ نیک کام مانتے ہیں تو نیک کام سے کیوں روکتے ہیں، نماز سے پہلے بھی نیک کام ہے، نماز کے بعد بھی نیک کام ہے، جس وقت عرض کریں نیک کام ہے، نماز کے بعد اس سے جو دوسرا مقصد ہے وہ حاصل نہیں ہوگا۔ نماز سے پہلے وہ مقصد بھی حاصل ہوگا، ایک بات کئی مقصد رکھ سکتی ہے، مثلاً اذان سے اعلام ہی مقصود نہیں، بلکہ اس سے جیسے اعلام مقصود ہے یوں ہی اعلا کلمۃ اللہ، اعلان ذکر اللہ، نشر ثنا الٰہی، رفعت ذکر رسالت پناہی۔ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ وتذکیر جن وانس۔ مقتدی کا نماز میں سبحان اللہ کہنا اس سے ذکر الٰہی وتسبیح بھی مقصود اور اصلاح نماز بھی، امام کو اس کی غلطی پر ضمناً تنبیہ ہوتی ہے۔

بحر الرائق میں فرمایا:

"المقصود من الأذان لم ينحصر في الإعلام بل كل منه والإعلان الذكر ونشر الذكر لله تعالىٰ ودينه في أرضه وتذكير العباد من الجن والانس"(۱)

اذان سے اعلام ہی مقصود نہیں بلکہ اعلام کے ساتھ اعلان ذکر اللہ، نشر ثنائے الٰہی اور تذکیر جن وانس بھی ہے۔ (مترجم)

یوں ہی صلاۃ وسلام بعد اذان سرکار سرہر کار علیہ الصلاۃ والسلام پر درود بھی ہے، اور اس وقت اس سے تثویب اعلام بعد اعلام بھی حاصل۔ ع چہ خوش بود کہ برآید بہ یک کرشمہ دو کار۔

دیکھو ایک نماز نفل چار نیت سے ادا کی جا سکتی ہے، اگر کوئی وہ دو رکعت ان چار نیتوں سے پڑھے سب باتوں کا ثواب خدا چاہے حاصل ہوگا۔ اور چاروں باتوں کا ادا کرنے والا ٹھہرے گا۔ وضو کر کے دو رکعت بہ نیت تحیۃ الوضو وتحیۃ المسجد پڑھے دونوں باتیں ادا ہو جائیں گی۔ اور اگر وقت چاشت ہو اور اس وقت کسوف بھی ہو اور ان دونوں کی بھی نیت کر لے تو چاروں ادا ہو جائیں گی۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں فرمایا:

"يصح لو نوى نافلتين أو أكثر، كما لو نوى تحية مسجد وسنة وضوء وضحىٰ وكسوف اه."(۲)

---

(۱) [البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴٦۱]

(۲) [حاشية الطحطاوي على المراقي: ص۱۱۷]

دو یا دو سے زائد نفلوں کی نیت درست ہے، مثلاً کوئی تحیت الوضو، تحیت المسجد، چاشت اور کسوف کی نیت کرے (تو درست ہے) (مترجم)

اور دیکھو اگر کوئی غسل کر رہا ہو غسل جنابت اور دن جمعہ کا ہو اور اس دن عید بھی اور وہ جنابت وعید وجمعہ سب کی نیت سے غسل کرے، سب ادا ہوں گے۔ اور سب کا ثواب پائے گا، یوں ہی اگر کوئی سوتے وقت اس نیت سے وضو کرے با وضو سوئے گا، اور ساتھ ہی اس کی نیت بھی کرے کہ غیبت کی ہے بعد غیبت وضو مستحب ہے۔ یوں ہی اونٹ کا گوشت کھایا ہے اور اس کے بعد وضو کرنا مستحب و مستحسن ہے۔ تو ایک ہی وضو سے جو سب کی نیت سے کرے گا سب باتوں کا ثواب پائے گا۔

حاشیہ علامہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

"إن جمع بين عبادات الوسائل في النية صح، كما لو اغتسل لجنابة وعيد وجمعة اجتمعت ثواب الكل، وكما لو توضأ لنوم وبعد غيبة وأكل لحم جزور."(١)

اگر چند طرح کی عبادتیں ایک نیت سے ادا کرنا چاہے تو درست ہے، مثلاً جنابت عید اور جمعہ کا غسل ایک ہی نیت سے کرے تو سب کا ثواب ملے گا، اور اسی طرح باوضو سونے اور بعد غیبت اور اونٹ کا گوشت کھانے سب کی نیت ایک ہی بار میں کرنا درست ہے۔ (مترجم)

تثویب اعلام بعد اعلام کو وہابی بھی جائز اور ثواب مانتا ہے۔ وہابی۔ **الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ** سے جلتا ہے۔ وہابی تثویب کا دراصل مخالف نہیں، بلکہ اس صلاۃ وسلام کا مخالف ہے۔ اسے شرک جانتا ہے۔ جب تثویب مستحسن اور سنی کے دل کی راحت دل کا چین، ایمان کی رونق۔ الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ہے تو اس کی مخالفت کے کیا معنی سوا اس کے کہ ایسے لوگ وہابیوں کے جھوٹے پروپیگنڈے کا شکار ہیں۔ **والعیاذ باللہ تعالیٰ** ۔ خدا انہیں ہدایت فرمائے، اور توفیق خیر دے، راہ ثواب پر چلائے، کار ثواب ان سے کرائے، ضد وعناد اور ہر فساد سے بچائے، انہیں وہابیہ کی چھاپی کتاب در بارۂ تثویب کے ص ۲۳ پر ہے: بقیہ اوقات صلاۃ تثویب زمانہ تابعین سے مستحسن ہوئی ہے، اور اس میں وہ جملہ الفاظ درست ہیں جو دال علی الاعلام ہوں الخ، اسی میں اسی صفحہ پر کچھ سطر کے آگے ہے: متاخرین نے مغرب کے علاوہ جملہ نمازوں میں تثویب جائز قرار دی، اور علت اس کی صرف وقت نوم اور غفلت ہے، اور عوام کی سستی اور کاہلی کا ظہور امور دینیہ میں، کما صرح فی العنایہ شرح الہدایہ اور یہ

---

(١) [حاشية الطحطاوي على المراقي: ص ١١٧]

جملہ امور صحیح ہیں۔ پس متاخرین نے بضرورت تہاون نائمین، چوں کہ اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اھ۔

ص:۲۴ پر ہے:

تثویب کا مقصد جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے صرف یہی ہے کہ مخاطب کو نماز کے لیے متنبہ کیا جائے۔ اور اس جملہ "الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللّٰہ" کو فعل تثویب میں استعمال کرنا جہل مرکب اور ضلال مبین ہے، اور چوں کہ یہ لفظ تثویب پر دال نہیں اس لیے تثویب کے ثواب سے محروم رہیں گے۔

ان عبارتوں سے ظاہر ہے روز روشن کی طرح کہ تثویب کو وہابی بھی جائز نہ صرف جائز مستحسن مانتا ہے، ہاں اس میں درود شریف صلاۃ وسلام کا انکار کرتا ہے، اور اس کے انکار میں اپنی جہالت اپنی حماقت کا طرح طرح تماشہ دکھاتا ہے، جو لوگ ایسی جگہ جہاں اذان واقامت کے درمیان صلاۃ وسلام عرض کیا جاتا، اور اس سے اعلام بعد اعلام کا فائدہ بھی لیا جاتا ہے۔ بعد نماز بآواز بلند صلاۃ وسلام عرض کرتے ہیں اور کہتے ہیں: صلاۃ وسلام نیک کام ہے، اگر بعد نماز ختم ہونے کے دس دس مرتبہ اور کہو ہم بھی شریک ہیں، وہ ازراہ چالاکی صلاۃ وسلام کو بند کرنا چاہتے ہیں کہ جب بعد نماز بھی صلاۃ ہوگی، تو قبل نماز اعلام بعد اعلام کا افادہ نہ کرے گی۔ یوں لوگ درمیان اذان واقامت بآواز بلند نہ کیا کریں گے۔ کہ اس وقت آواز بلند صلاۃ وسلام عرض کرنے کا جو ضمنی فائدہ تھا، وہ اب نہ رہا، اس خیال کے لوگ اذان کے لیے بھی کبھی یہی کہیں گے کہ اذان نیک کام ہے، بعد نماز بھی ہوا کرے، دس دس مرتبہ یا سو سو مرتبہ ہم بھی شریک ہیں، جو صلاۃ مابین اذان واقامت جاری ہے، وہ جاری رہے، بعد نماز بھی اگر کچھ لوگ دس دس بار عرض کریں عرض کریں، وہاں کے لوگ سمجھ لیں کہ بعد نماز جو صلاۃ وسلام دس بار بیس بار ہے وہ بعد نماز ہے، نماز سے پہلے صلاۃ وسلام عرض کیا جاتا ہے، جس سے اعلام بعد اعلام کا بھی فائدہ ہے، وہ دس بیس سو پچاس بار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ فقط